فتح نامہ سندھ

عرف

چچ نامہ

نبی بخش خان بلوچ

مترجم

اختر رضوی

سندھی ادبی بورڈ

فتح نامہ سندھ

عرف

چچ نامہ

مصحح، محقق اور شارح

نبی بخش خان بلوچ

مترجم

اختر رضوی

سندھی ادبی بورڈ

جام شورو

2008ء

اشاعت اول	سال 1963ء	تعداد ایک ہزار
اشاعت دوئم	سال 2002ء	تعداد پانچ سو
اشاعت سوئم	سال 2008ء	تعداد ایک ہزار

قیمت: تین سو پانچ روپے
[Price Rs. 305-00]

خریداری کیلئے رابطہ:

سندھی ادبی بورڈ کتاب گھر

تلک چاڑھی، حیدرآباد سندھ

(Ph: 022-2633679, Fax: 022-2771602)

Email Address: sindhiab@yahoo.com

Website: www.sindhiab.com, www.sindhiadabiboard.org

یہ کتاب سندھیکا اکیڈمی کراچی میں چھپی اور سیکریٹری سندھی ادبی بورڈ الھڈنو وگھیو نے شایع کی۔

عرضِ ناشر

''چچ نامہ'' سندھ کی تاریخ پر نہایت ہی اوائلی کتاب ہے، اس لئے اسے برصغیر کی تاریخ کی بنیادی ماخذ میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب اصل میں عربی زبان میں لکھی گئی تھی، جسے علی کوفی نے بکھر کے علمی قاضی خاندان کے قلمی کتب خانے سے حاصل کر کے ساتویں صدی ہجری میں اس کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ علی کوفی ناصر الدین قباچہ کے دور میں (602-625ھ) میں کوفہ سے ہجرت کر کے سندھ وارد ہوئے تھے، ایک تحقیق کے مطابق انہوں نے یہ ترجمہ 613ھ کے دور میں کیا تھا۔ کئی صدیوں کے بعد شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ صاحب نے اس قلمی نسخے کو درست کیا اور یوں 1939ء میں حیدرآباد دکن سے ''مجلسِ مخطوطات فارسیہ'' کے تعاون سے اس کتاب کی اشاعت کا انتظام ہوا۔ جبکہ ایک صدی پہلے 1838ء میں ایک مستشرق لیفٹیننٹ ٹی پوسٹن (T. Postans) نے اس کا اختصار انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ بعد میں شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ نے 1900ء میں اس کا مکمل انگریزی ترجمہ شائع کر کے سندھ کے ایک بنیادی ماخذ کو تاریخ میں محفوظ کر کے شاگردوں اور دنیا کے اسکالرز کے استفادے کے لئے ایک بہترین روایت ڈالی۔

سندھی ادبی بورڈ کے قائم ہوتے ہی 1951ء میں بورڈ کے علماء اور اکابرین نے اس گرانقدر کتاب کے سندھی ترجمے کا اہم کام ممتاز عالم مخدوم امیر احمد کے سپرد کیا، جبکہ سندھ کے جید عالم ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے اس کی تصحیح، تحقیق اور حواشی اور تعلیقات لکھنے کا بیڑا اپنے سر لیا اور اسے احسن طریقے سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا، یوں ''چچ نامہ'' کے پہلے سندھی ایڈیشن چھپنے کا سامان میسر ہوا۔

اس کے بعد سندھی ادبی بورڈ کی ''تاریخ سندھ'' اسکیم کے تحت اس کا اردو میں ترجمہ کرنے کی ذمیواری اردو زبان کے عالم محترم اختر رضوی نے اپنے سر لی، یوں سال 1963ء میں ''چچ نامہ'' کا پہلا اردو ایڈیشن شائع ہوا۔

دوسرے ایڈیشن چھپوانے کے لئے مالی وسائل سندھ کی تاریخ و تحقیق اور علم و ادب سے عشق کی حد تک والہانہ محبت رکھنے والے ممتاز فاضل محترم مظہر یوسف چیئرمین سندھی کتاب گھر، کراچی کی ذاتی مخلصانہ دلچسپی کی وجہ سے میسر ہو سکے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس ایڈیشن کو اردو زبان کے قارئین میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، لہٰذا میری ایما کاری میں چچ نامہ کا یہ تیسرا اُردو ایڈیشن چھپنے کو میں اپنے لئے اعزاز سمجھتا ہوں۔

الھڈ تو وگھیو
سیکریٹری
سندھی ادبی بورڈ

جام شورو سندھ
بروز منگل ۱۲، جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ
بمطابق 17- جون 2008ء

عنوانات کی فہرست

خلفاء راشدین

بنو امیہ: معاویہ بن ابی سفیان

ولایت سنان بن سلمہ

[عبدالملک

[ولید بن عبدالملک

[محمد بن قاسم کا تقرر

[فتوحات مکران

[فتح دیبل

محمد بن قاسم کا ارمابیل میں منزل کرنا

فتح نیرون

فتوحات سیوستان اور بدھیہ

دریائے مہران عبور کرنا

داھر سے جنگ اور فتح

فتح راوڑ

فتح بھرور اور دھلیلہ

فتح برہمن آباد

جیسینہ کا چتور کے طرف جانا

فتح اروڑ

فتوحات ملتان

☆

از راہِ پیش گفت

چچ نامہ تاریخ سندھ کی اولین کتاب ہے۔ عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔ عام تاثر یہ ہے کہ اس کا فارسی ترجمہ غالباً 613ھ میں ہوا ہوگا۔ لیکن اصل عربی کتاب کا نہ تو اب کوئی نسخہ موجود ہے اور نہ ہی مصنف کا نام معلوم ہے۔

کتاب کے فارسی مترجم، علی کوفی تھے جو دیگر علماء کی طرح منگولوں کے حملے کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ کر امن کی تلاش میں ہندستان آئے تھے۔ اُچ شریف میں سکونت پذیر ہوئے بابا فرید شکر گنج کے آباؤ اجداد بھی اسی وجہ سے اپنا وطن چھوڑ کر ہندوستان آئے تھے۔ قلندر لعل شہباز بھی اسی طرح اپنا آبائی شہر مَرو* چھوڑ کر پہلے ملتان آئے، پھر سیوھن میں سکونت پذیر ہوئے۔

سلطنت سندھ اُس زمانے میں سات اقلیم پر مشتمل تھا۔ سیوہن ایک اہم اقلیم تھا۔ آج سیوہن غالباً سندھ کا سب سے قدیم شہر ہے جو اب تک سانس لے رہا ہے۔ سکندر اعظم نے اس میں چھ ماہ قیام کیا تھا اور قدیم قلعے کی مرمت کرائی تھی۔ برطانوی دور حکومت میں شائع شدہ گزیٹیئرز میں لکھا ہوا ہے کہ "مہا بھارت کی جنگ کے زمانے میں سیوہن اپنے عروج پر تھا۔"

چچ نامہ کا فارسی مترجم علی کوفی جب ہجرت کرکے ہندوستان آیا تو سندھ کی ہفت اقلیم سلطنت کا حاکم ناصر الدین قباچہ تھا، جو ملتان میں رہتا تھا۔ اس نے علی کوفی کی سرپرستی کی۔ قباچہ کی حکومت کا دور 602ھ سے 625ھ تھا۔ علی کوفی کے فارسی ترجمے سے ہی آگے چل کر چچ نامہ کے سندھی، اردو اور انگریزی تراجم ہوئے۔

☆☆☆

"چچ نامہ" کی صحت اور سند کا انحصار گویا علی کوفی کے فارسی ترجمے پر ہی ہے۔ چنانچہ اس بات کی تصدیق کرنا ضروری ہے کہ علی کوفی نے جس عربی نسخے کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا وہ اس نے کہاں سے حاصل کیا؟ اس سلسلے میں علی کوفی کا اپنا بیان ہے کہ:

> "محمد بن قاسم کی فتح سے ہند اور سندھ میں طلوعِ اسلام ہوا۔ ساحل سمندر سے لے کر کشمیر اور قنوج تک مساجد اور منبر تعمیر ہوئے۔ دارالخلافہ اروڑ کا راجہ داہر

---

* قلندر شہباز کو اسی نسبت سے "مروندی" کہا جاتا ہے۔ مَرو کے خوبصورت باغ اور بیش بہا کتب خانے دور دور تک مشہور ہوا کرتے تھے۔ See. 'Literary History of Persia' by Edward Brown

قتل ہوا۔ محمد بن قاسم کی حکومت قائم ہوئی۔ میں نے سوچا 'فتح سندھ کی تاریخ' مرتب کروں۔ ملک میں رہنے والے لوگوں کا مزاج اور ذہنی کیفیت وغیرہ معلوم کروں۔ اس مقصد کی خاطر معلومات کتب حاصل کرنے کی غرض سے میں نے اُچ شریف سے اروڑ اور بکھر کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کی ائمہ عربوں کی نسل سے تھی۔ مولانا اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن شیبان بن عثمان ثقفی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ سندھ کی فتح کی تاریخ ان کے آباؤ اجداد کی تحریر کردہ عربی زبان میں کتاب کی شکل میں موجود ہے جو ان کے خاندان میں پشت بہ پشت ورثے میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔"

سندھ کے نامور محقق اور تاریخ نویس میر علی شیر قانع اپنی تاریخ تحفۃ الکرام میں اس معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سلطان محمود غزنوی نے تسخیر بکھر سے فارغ ہو کر سیوستان اور ٹھٹھہ میں بنو امیہ اور بنو عباس کا ایک عمال بھی نہیں چھوڑا۔ چند لوگ جو فضیلت اور نیک چلنی کے کردار کے حامل تھے اور اہل و عیال کی ذمہ داریوں میں جکڑے ہوئے تھے، البتہ اپنے عہدوں پر برقرار رہے۔ ماہرین انساب نے ایسے اٹھارہ قبیلے ثابت کئے ہیں۔ انہی میں سے ایک ثقفی خاندان ہے۔ بکھر اور اروڑ کے قاضیوں کا قبیلہ موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد شیبان بن عثمان ثقفی کی اولاد میں سے ہے۔ عربی زبان میں تسخیر سندھ کا پہلا تذکرہ قلمبند کرنے والے قاضی محمد اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی اسی قبیلے کے فرد تھے۔ محمد بن قاسم نے ان کے دادا موسیٰ بن یعقوب کو تسخیر اروڑ کے موقعہ پر قضا اور خطاب کے عہدے پر معمور کیا تھا۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ:

(1) علی کوفی کو "چچ نامہ" کا عربی نسخہ قباچہ کے دور حکومت (602ھ تا 625ھ) میں دستیاب ہوا۔

(2) یہ نسخہ اس کو بکھر کے قاضی خاندان سے ملا جو محمد بن قاسم کے زمانے سے قضا کے اہم عہدے پر فائز تھا۔ پرہیزگار تھا، اہلِ علم تھا۔ اس کی علمی دیانتداری مسلمہ تھی۔

(3) "چچ نامہ" اسی متبرک خاندان میں عربی میں لکھی ہوئی کتاب کی صورت میں محفوظ تھا۔ پشت بہ پشت منتقل ہوتا رہا۔

(4) چچ نامہ کا مصنف قاضی محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد میں سے تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں "چچ نامہ" کی صحت اور سند میں شک اور شبہے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ تاہم اگر ہم قیاس کریں کہ غالباً اس کی فلاں روایت درست نہیں ہوگی تو ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ علماء اور محقق تو حضور اکرم ﷺ کی بعض احادیث کے بارے میں بھی شک اور شبہے کا اظہار کرتے ہیں۔

☆☆☆

شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ پہلے سندھی عالم تھے، جنہوں نے چچ نامہ کو جدید طرز پر ایڈٹ کیا اور زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ سندھ کے ممتاز محقق پیر حسام الدین راشدی کہتے تھے کہ:

> "سندھ کی علمی اور ادبی روایت نہایت قدیم ہے۔ سندھی عالم نہ جانے کب سے کتابیں لکھتے آئے ہیں، لیکن ان میں بعض لکیر کے فقیر ہوتے تھے۔ تاریخی واقعات اور حقائق چھان بین کئے بغیر کتاب میں درج کردیتے تھے۔ ہم شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ کے ممنون احسان ہیں جنہوں نے ہمیں جدید انداز سے کتابوں کو ایڈٹ کرنا سکھایا۔"

سندھ کے دوسرے ممتاز محقق ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے بھی ایسا ہی اظہار خیال کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

> "موجودہ تحقیق کے اصولوں اور معیار کے مطابق یہ پہلی کوشش تھی جس میں فاضل مصحح (شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ) نے کتاب کے جملہ مختلف نسخوں کو سامنے رکھ کر متن کی تصحیح کی اور مقدمہ لکھا۔ حواشی اور تعلیقات تحریر کئے اور آخر میں افراد اور ملکوں کے ناموں کی فہرست شامل کی۔"

چچ نامہ کے سندھی اور اردو تراجم سندھی ادبی بورڈ نے شائع کئے، جس کا پس منظر یوں ہے کہ برطانوی دور حکومت میں جناب جی۔ ایم۔ سید اس وقت کے وزیر تعلیم سندھ کی تحریک پر 1940ء میں Advisory Board of Control for Sindhi Literature نام سے سندھی زبان اور ادب کی ترقی کے لئے ایک ادارہ قائم ہوا۔ اس کا قابلِ تحسین کارنامہ سہ ماہی رسالے "مہران" کی اشاعت تھی گوکہ اس دور کا "مہران" ضخامت کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہوتا تھا۔

بورڈ کے ممبران میں ہندو اور مسلمان عالم شامل تھے۔ سب کے سب اعزازی اور نہایت سینئر عالم ادیب ہوتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ہندو ادیب ہندوستان چلے گئے تو ادارے کا

کام متاثر ہوا۔ اس صورت حال میں حکومت سندھ نے پھر جناب جی۔ ایم۔ سید ہی کی تحریک پر سن1951ء میں پرانے ادارے کی اصلاح کر کے "سندھی ادبی بورڈ" کا موجودہ ادارہ قائم کیا۔ ادارے کے صدر وزیر تعلیم تھے۔ لیکن روح رواں جناب جی۔ ایم۔ سید تھے۔ صوبے بھر سے ممتاز عالم، محقق اور ادیب، بورڈ کے مشیر یا ممبر منتخب ہوئے جن میں علامہ آئی۔ آئی۔ قاضی، شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ، مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ، پیر حسام الدین راشدی، ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ، شیخ عبدالمجید، سید میراں محمد شاہ اور آغا بدر الدین درانی اسپیکر سندھ اسمبلی کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ نامور دانشور محمد ابراہیم جویو سیکریٹری مقرر ہوئے۔ جناب محمد ایوب کھوڑو بعد میں وزیر اعلیٰ سندھ مقرر ہوئے تو ادارے سے بطور صدر وابستہ ہو گئے۔ گویا اُس زمانے میں کوئی بھی نیم پختہ اہل قلم یا نو آموز سیاستدان بورڈ کی ممبری کا خواب تک نہیں دیکھ سکتا تھا۔

بورڈ نے سندھی ادب کی ترقی کے لئے متعدد اسکیمیں تیار کیں۔ سندھی لغت اور لوک ادب کے منصوبے بنائے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی، سچل سرمست اور سندھی زبان کے تمام کلاسیکی شعراء کے دواوین شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ نیز قدیم دور کے سندھی عالموں کی عربی اور فارسی میں لکھی ہوئی قلمی کتابوں کو شائع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تاریخ سندھ کے بنیادی ماخذ شائع کرنے اور دنیا بھر سے جدید علوم کی دو سو سے زیادہ منتخب کتابوں کے تراجم کا پروگرام بنایا، جن میں ایسی کتابوں کو ترجیح دی گئی جن کا تعلق تاریخ سندھ سے تھا۔ چچ نامہ کی اشاعت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

☆☆☆

شمالی سندھ میں "کھوڑا" نام سے ایک چھوٹا سا قصبہ ہے، جس نے ماضی میں دینِ اسلام کی بڑے بڑے مبلغ اور عالم پیدا کئے جو اب بھی "مخادیم کھوڑا" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ تاریخی قصبہ علمی لحاظ سے آج اپنے ماضی کی صرف ایک یادگار ہے۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے کہ:

ہر اک مکاں کو ہے مکیں سے شرف اسد
مجنوں جو مرگیا ہے تو جنگل اُداس ہے

لیکن، کاتب تقدیر نے چچ نامہ کے سندھی ترجمے کا اعزاز بھی مخادیم کھوڑا کے حق میں لکھ دیا تھا۔ چنانچہ مخدوم امیر احمد صاحب (مرحوم) نے چچ نامہ کا سندھی ترجمہ نہایت خوش اسلوبی سے کیا۔

چچ نامہ کے علاوہ بورڈ نے تاریخ سندھ پر تقریباً چالیس متفرقہ کتابیں شائع کی ہیں۔ ویسے بورڈ کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ سہ ماہی تحقیقی مجلّہ "مہران" خواتین کا رسالہ "سرتیوں" اور بچوں کا رسالہ "گل پھل" اس کے علاوہ ہے۔

چنانچہ حکومتِ پاکستان کے سیکریٹری وزارتِ مالیات اور اردو زبان کے بہت بڑے محسن اور اردو زبان کے متعدد علمی و ادبی اداروں کے صدر (مرحوم) ممتاز حسن نے سندھی ادبی بورڈ کے کام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

> "..... of all the 'Learned- Bodies' in Pakistan. I found the Sindhi Adabi Board most active and producing books of real merit"

بورڈ نے اپنے تمام اشاعتی پروجیکٹس (Publication Projects) کی نگرانی کا کام ایسے اہلِ علم اصحاب کو تفویض کیا تھا جو بورڈ کے سینئر میمبر اور تسلیم شدہ محقق تھے۔ مثلاً: شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ، پیر حسام الدین راشدی، ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ اور مولانا عبدالرشید نعمانی۔ اس زمانے میں فوٹو اسٹیٹ کا رواج عام نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا مندرجہ بالا عالموں کے ماتحت تین نقل نویس مقرر ہوئے۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی اردو کے، مولانا محمد صدیق ماہر عربی کے اور حبیب اللہ رُشدی فارسی کے۔

چچ نامہ کے ساتھ دو اور کتابیں تاریخ سندھ کے بنیادی ماخذ میں شمار ہوتی ہیں: ایک تاریخ معصومی، دوسری تاریخ تحفۃ الکرام۔ بورڈ نے ان تینوں فارسی کتابوں کے سندھی اور اردو تراجم کی اصلاح، ایڈیٹنگ اور طباعت کے پروجیکٹ کا ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کو مقرر کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے تینوں کتابوں کے متن کو ایڈیٹ کیا، لیکن چچ نامہ کے تعلیقات اور حواشی پر تو خاص طور پر بہت بڑی محنت کی، جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب زندگی بھر اور کوئی کتاب ایڈیٹ نہ کرتے تب بھی چچ نامہ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے آپ کا نام سندھی ادب کی تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھا جاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے صحیح معنوں میں چچ نامہ کی ایڈیٹنگ کا حق ادا کیا اور آئندہ آنے والے سندھی ادیبوں اور محققوں کے لئے ایک مثال قائم کی۔

☆☆☆

چچ نامہ کے سندھی ترجمے کے اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اردو ترجمے کا ایک ایڈیشن۔ کافی عرصے سے سندھی خواہ اردو دونوں تراجم نایاب تھے۔ اب اردو ترجمہ سندھی کتاب گھر کراچی کے مالک جناب مظہر یوسف کے تعاون سے شائع ہو رہا ہے۔

محترم مظہر یوسف علمی مزاج کے آدمی ہیں۔ تاریخ سندھ سے خصوصی شغف رکھتے ہیں۔ آپ نے انگریزی زبان میں شاہ عبداللطیف بھٹائی پر نایاب کتابیں دوبارہ شائع کی ہیں۔ سندھ

کی تاریخی جھیل ''منچھر'' پر انگریزی میں ایک معیاری کتاب شائع کی ہے۔ آپ انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی کے علمی جریدے Sindhological Studies کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ ایک زمانے میں ہفت روزہ ''صبح سندھ'' نکالا تھا۔ یہاں ان کی علمی اور ادبی خدمات گنوانی مقصود نہیں ہیں۔ البتہ یہ بتانا ہے کہ چچ نامہ کی اشاعت میں ان کی دلچسپی کا حقیقی سبب سندھ کی دھرتی سے والہانہ محبت ہے۔ چنانچہ آپ نے بورڈ کو چچ نامہ کے ساتھ تاریخ سندھ کے دو اور بنیادی ماخذ یعنی تاریخ معصومی اور تاریخ تحفۃ الکرام کے نئے اردو ایڈیشن اپنے ادارے ''سندھی کتاب گھر'' کے ساتھ باہمی اشتراک سے نکالنے کی پیشکش کی۔

جناب مظہر یوسف کی طرح سندھ سے محبت کرنے والے ایک اور کرم فرما ہیں محترم سید انیس شاہ جیلانی۔ ویسے تو آپ گھوٹکی کے جیلانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن آج کل صادق آباد کے قریب محمد آباد میں سکونت اختیار کرلی ہے۔ آپ نہ صرف سندھی زبان پر مکمل عبور رکھتے ہیں بلکہ سرائیکی اور اردو کے مایہ ناز اہل قلم ہیں۔ آپ نے بھی مشورہ دیا کہ یہ تینوں کتابیں اردو میں ترجیحی بنیاد پر شائع کرنا ضروری ہیں۔ صرف سندھی نہیں سرائیکی اور اردو کے اہل علم اصحاب کے لئے بھی ازحد مفید ہیں۔

چچ نامہ کا زیر نظر اردو ایڈیشن ایسے احباب کے مشورے کے مطابق شائع ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ اب تاریخ معصومی اور تاریخ تحفۃ الکرام بھی عنقریب شائع ہو جائیں گی۔

☆☆☆

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے کہ ہمارے محقق موہن جو دڑو سے دستیاب ہونے والی مہروں کی زبان اب تک پڑھ نہیں سکے۔ تاہم یہ مہریں اس حقیقت کا قابل وثوق ثبوت (Convincing-proof) ہیں کہ طلوع اسلام سے قبل بھی سندھ میں لکھنے پڑھنے کا رواج تھا۔ اس صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عربوں کی آمد سے پہلے سندھ میں جو لٹریچر تھا۔ اب اس کا سراغ کیوں نہیں ملتا؟ بلاشبہ رگ وید میں دریائے سندھ کی تعریف میں کچھ گیت مل جائیں گے۔ کچھ لوک داستانیں بھی مل جائیں گی، مثلاً سندھ کا فلاں راجہ دروپدی کی شہرت سن کر اُسے اغوا کرکے جا رہا تھا کہ دروپدی کے رشتے داروں نے اسے راستے میں جالیا۔ وغیرہ۔ لیکن ہم ایسے گیتوں اور لوک داستانوں کو تاریخ نہیں کہہ سکتے۔ اس صورت حال میں سندھ کی قدیم تاریخ معلوم کرنے کے لئے چچ نامہ کا وجود بہت بڑی غنیمت ہے۔

نامور محقق ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ:

> ''عرب اسلامی دور کے متعلق عربی زبان میں لکھی ہوئی تاریخوں میں مستند حوالے (Reference) موجود ہیں، لیکن اس سلسلے میں جو تاریخ یہاں سندھ میں

مرتب ہوئی اور جسے "فتح نامہ" کہا گیا اور بعد ازاں عام طور پر "چچ نامہ" کہا گیا وہ بہت ہی قیمتی کتاب ہے۔ اسے نہ صرف سندھ کی تاریخ کے متعلق بنیادی کتاب کی حیثیت حاصل ہے، لیکن تاریخ کے موضوع پر یہ اولین کتاب ہے جو برصغیر میں مرتب ہوئی۔ یہ کتاب (قدیم سندھ کی تخت گاہ) اروڑ میں قاضی خاندان نے مرتب کی۔"*

☆☆☆

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس کتاب کو صدیوں سے ہمارے علماء "چچ نامہ" کے نام سے لکھتے آئے ہیں۔ کیوں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

بلاشبہ چچ تاریخِ سندھ کی ایک اہم اور دلچسپ شخصیت ہے۔ لیکن اس کے پاور (Power) میں آنے سے پہلے ہی سلطنتِ سندھ کی سرحدیں مشرق میں کشمیر تک، مغرب میں مکران تک، جنوب میں ساحل سمندر تک اور شمال میں کردوں کے پہاڑ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے چار اقلیم تھے، ہر اقلیم کے حکمران کو رانا کہا جاتا تھا۔ ایک رانا برہمن آباد میں رہتا تھا، دوسرا سیوستان میں، تیسرا چچ پور میں اور چوتھا ملتان میں جو کشمیر کی سرحد تک حکومت کرتا تھا۔ اس عظیم سلطنتِ سندھ کا راجا خود دارالخلافہ "اروڑ" میں رہتا تھا جو اپنے دور کا بہت خوبصورت شہر تھا۔ راجا کو رائے کہتے تھے۔

رائے سہاسی کے دورِ حکومت میں تو رعایا اس کے عدل اور انصاف سے بہت آسودہ حال ہوئی۔ اس کا وزیرِ اعظم ہر قسم کے علم و حکمت میں طاق تھا۔ اس نے ایک برہمن سیکریٹری مقرر کیا، جس کا نام چچ تھا۔ آگے چل کر وہ ایک عجیب اتفاق سے سلطنتِ سندھ کا راجا بنا۔

ہر واقعہ کا کوئی نہ کوئی پس منظر ہوتا ہے۔ قدیم دور میں سندھ کے شرفاء کی خواتین غیر محرم مردوں سے پردہ کرتی تھیں، اس لئے کہ ہر دور میں انسان کا مزاج ایک جیسا رہا ہے۔ وہ جنسِ مخالف کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ قصرِ شاہی کی بلند و بالا فصیلیں اور حرم سراء کی دیواریں درمیان میں آڑ نہیں بنتیں۔ بیسویں صدی میں لیڈی ڈایانا اور پرنس چارلس نے بھی انگلستان کے ونڈسر محلات میں رہتے ہوئے کتابِ عشق کے اندر نئے نئے باب رقم کئے۔ ایک دن رائے سہاسی کے محلات میں بھی اہم واقعہ ہوا۔

عام روایت یہ ہے کہ رائے سہاسی اپنی رانی کے ساتھ خلوت میں بیٹھا تھا کہ وزیر کے دفتر سے چچ کوئی اہم فائل لے آیا۔ راجا نے چچ کو طلب کرنے سے پہلے رانی کو پردے کے پیچھے جانے کو کہا۔ رانی نے بہانا بنایا اور اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ چچ خوبصورت نوجوان تھا۔ بقول چچ نامہ

* ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے ڈاکٹر صاحب کے ایک انٹرویو مورخہ 15 جنوری 1958ء سے اقتباس۔

"اس کے رخسار سیب کی طرح سرخ تھے۔" وہ رانی کے دل پر چھا گیا۔ رانی نے اپنی ایک محرم راز عورت کے ذریعے چچ سے اپنے عشق کا اظہار کیا۔

چچ نے جواب بھیجا کہ "ہم برہمن ہیں۔ میرے بھائی اور باپ راہب ہیں۔ ہم تو بس عبادت کرتے ہیں اور مراقبے میں ہیں۔ میرے لئے اتنی بے عزتی ہی کافی ہے کہ میں نے راجہ کی ملازمت اختیار کی ہے۔ راجاؤں کے حرم میں خیانت کرنا جان کا خطرہ، دنیا میں بدنامی اور آخرت میں عذاب ہے۔"

غالباً یہ سب کہنے کی باتیں تھیں۔ راء سہاسی کی رانی "سونھن دیوی" (ملکہ حسن) بلا کی ذہین تھی۔ اس کے حُسن اور ذہانت کی تپش میں چچ کی پرہیزگاری رفتہ رفتہ پگھلتی گئی۔ چنانچہ رائے سہاسی کی وفات کے بعد رانی نے بڑی حرفت اور ہوشیاری سے چچ کو سلطنت سندھ کا تاجدار بنایا اور پھر اس سے شادی کر لی۔

بعد کے واقعات یوں نظر آتے ہیں کہ چچ ہمیں برہمن آباد کے حاکم کو مطیع کرنے کے لئے فوج کشی کرتا نظر آتا ہے۔ وہاں کا راجا اگھم پہلے تو لڑتا ہے، پھر اپنی عافیت اس میں سمجھتا ہے کہ قلعے کے دروازے بند کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ چچ اپنے لشکر کے ساتھ قلعے کا محاصرہ کر لیتا ہے۔ راجا اگھم بیمار پڑ کر مر جاتا ہے۔ قلعے کے رہنے والے تنگ آ کر سفیروں کے ذریعے بات چیت شروع کرتے ہیں۔ لیکن چچ اب صرف مذہبی کتابوں کا عالم نہیں تھا۔ دنیاوی معاملات میں بھی ماہر تھا۔ صلح اس شرط پر کرتا ہے کہ "راجا اگھم کی ملکہ مجھ سے شادی کرے۔"

راجا اگھم کے خاندان کے لوگ یہ پیغام سن کر پریشان ہوئے اور چچ کو جوابی پیغام بھیجا کہ: "ہمارے خاندان میں کئی ایک نوجوان، حسین اور غیر شادی شدہ خواتین موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی قبول کر لیں۔" لیکن چچ اپنی بات پر بضد رہا۔

کسی بھی راجا کی ملکہ لولی لنگڑی اور کند ذہن عورت تو ہوتی نہیں۔ خداداد حسن کے ساتھ عقل کی نعمت سے بھی مالا مال ہوتی ہے۔ راجا اگھم کی ملکہ بھی باجمال اور باکمال خاتون تھیں۔ اس نے چچ سے شادی کا پیغام قبول کر لیا۔ بظاہر یہ عجیب سی بات لگتی ہے، لیکن لوگ کہتے ہیں کہ مشہور مغل ملکہ نور جہاں نے بھی تو اپنے شوہر کے قاتل سے سوچ سمجھ کر شادی کر لی تھی اور اتنی ذہین تھی کہ پوری مغل سلطنت اپنی مٹھی میں کر لی تھی۔

راجا اگھم کی ملکہ نے چچ کو جو مشورے دیئے ان پر عمل کرتے ہوئے اس نے سرکش قبائل کو دبا دیا اور اقلیم برہمن آباد کو پوری طرح اپنے قبضے میں لے لیا۔ ملکہ کے ساتھ "ہنی مون"

(Heneymoon) کا عرصہ پورا کرنے کے بعد چچ نے سربند* کو گورنر مقرر کیا اور پھر ایک فاتح کی طرح خود برہمن آباد سے اپنی تخت گاہ اروڑ کی طرف روانہ ہوا۔

برہمن آباد بھی غالباً سیوہن کی طرح ایک اہم اقلیم تھا کیونکہ سندھ کی اسلامی فتح کے بعد بھی مرکزی اہمیت کا حامل رہا۔ عربوں نے اسی کے قریب ''منصورہ'' نام سے ایک نیا شہر آباد کیا۔ چونکہ اس کا محل وقوع وسطِ سندھ تھا اس لئے اسے دارالخلافہ بنایا۔ ''منصورہ'' عربی دور حکومت میں علم کا مرکز رہا۔ محمد اسحاق بھٹی نے اپنی کتاب ''فقہائے ہند'' (پانچ جلدیں) میں تفصیل سے بتایا ہے کہ منصورہ نے کتنے بلند پایہ سندھی عالم اور فقیہہ پیدا کئے۔

برہمن آباد کا ایک رانا آگرا قبیلے سے تھا۔ جسودھن نام تھا۔ سندھ کے عظیم ترین شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لافانی کلام میں اس کی سخاوت اور شجاعت کو سراہا ہے۔ سندھی لوک داستانوں میں بھی جسودھن کا ذکر موجود ہے۔

برہمن آباد کی طرح چچ نے جہاں جہاں ضروری سمجھا، وہاں مقامی باغی حکمرانوں پر لشکر کشی کی حتیٰ کہ شمال میں کشمیر کی سرحد تک فتوحات کیں۔ پھر اس وسیع سلطنت پر تقریباً چالیس برس بڑی شان سے حکومت کرتا رہا۔ چچ کو اپنی پہلی ملکہ سے دو بیٹے ہوئے: داہر اور دہرسین اور ایک بیٹی مائین۔

اس منظر نامے میں ہمیں کتاب کا نام ''چچ نامہ'' رکھنے کا جواز نظر آتا ہے۔

تاریخ سندھ میں چچ جیسی دوسری مثال جام نظام الدین سمہ کی ملتی ہے جس نے بھی سندھ پر چالیس برس بڑے وقار سے بادشاہی کی۔ لیکن جام نظام اپنی شخصی زندگی میں بھی صحیح معنی میں پرہیزگار شخص تھا۔ بقول پیر حسام الدین راشدی صبح سویرے گھوڑوں کے اصطبل میں جاتا اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہتا: ''خدا وہ دن نہ لائے کہ میں کسی پر ظلم کرنے کے لئے آپ پر سواری کروں۔''

☆☆☆

چچ کے کردار پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو سلطنت سندھ کا تاجدار بنانے میں سب سے اہم رول رانی ''سوہن دیوی'' (ملکہ حُسن) کا ہے۔ گویا، قدیم دور میں وادی سندھ کی عورت موجودہ دور کی عورت سے زیادہ جرأتمند اور بیباک تھی۔ ''چچ نامہ'' میں اس سے مختلف لیکن عورت کی جرأت کی ایک اور دلچسپ مثال ملتی ہے۔

راجا ڈاہر کا بیٹا جیسینہ کیرج کے راجا دروہر کے پاس مدد لینے گیا۔ اس دن راجا دروھر نے اپنے دستور کے مطابق رقص و سرود کی محفل برپا کر رکھی تھی جس میں شاہی خاندان کی بیگمات

* ملکہ کو راجا اگھم سے ایک بیٹا تھا، جس کا نام سربند تھا۔

بھی شریک تھیں۔ راجا دروہر نے جیسینہ کو فرزند قرار دے کر اس محفل میں شریک کیا۔ لیکن جیسینہ محفل میں ہمہ وقت سر جھکائے زمین پر لکیریں کھینچتا رہا۔

راجا دروہر نے اس سے کہا کہ ''یہ عورتیں تیری مائیں بہنیں ہیں، سر اُٹھا کر بیٹھو۔''

جیسینہ نے ادب سے جواب دیا کہ ''ہم راہب لوگ نامحرم عورتوں کی طرف نہیں دیکھتے۔''

محفل میں راجا دروہر کی بہن چنگی بھی موجود تھی جو ایک پری چہرہ پیکرِ حسن و ناز تھی، لیکن شہزادے جیسینہ کے دلفریب حسن پر پہلی نگاہ میں ہی فریفتہ ہوگئی۔ رات کے تاریک پردے میں معتمد کنیزوں کے ساتھ اس کی قیام گاہ پر پہنچ گئی۔

جیسینہ حیران ہوگیا۔ پوچھا کہ ''شہزادی صاحبہ اس وقت کیسے آنا ہوا؟''

شہزادی نے معنیٰ خیز جواب دیا کہ ''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟''

جیسینہ نے جواب دیا کہ: ''شہزادی! ہم برہمن لوگ نکاح میں آئی ہوئی اپنی عورت کے سوا کسی بھی نامحرم عورت سے میل جول رکھنے کو گناہ سمجھتے ہیں۔''

شہزادی یہ سن کر واپس چلی گئی، لیکن صبح ہوئی تو جیسینہ نے اپنی عصمت اور جان کی عافیت اس میں سمجھی کہ راجا دروہر کے ملک سے نکل جائے۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

☆☆☆

چچ نامہ کا اہم کردار راجا داہر ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ وہ بزدل شخص تھا۔ لیکن چچ نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلاشبہ اپنے باپ چچ کی طرح ایک فاتح نہ تھا، لیکن انفرادی طور پر لڑنے کا فن جانتا تھا۔ مثلاً جب محمد بن قاسم دریائے سندھ کو پار کرکے جیور کے سامنے منزل انداز ہوا تو داہر نے ہاتھی پر پاکھی باندھنے کا حکم دیا اور اس پر سوار ہو کر اسلامی لشکر کے سامنے جا پہنچا۔

ایک شامی (عرب شہسوار) جو کہ تیر اندازی میں ماہر تھا، آگے بڑھا لیکن اس کا گھوڑا پانی سے بدکنے لگا۔

راجا داہر نے اپنی کمان طلب کی اور نشانہ لگا کر تیر چھوڑا جو شامی شہسوار کے تالو پر لگا اور اس کے سر سے گذرتا ہوا ناف میں آکر پیوست ہوگیا۔ وہ گھوڑے سے گر پڑا۔

راجا داہر اپنے قلعے میں واپس چلا گیا۔

چچ نامہ میں راجا داہر کے بارے میں ایسی ایک اور روایت موجود ہے کہ محمد بن قاسم کے لشکر میں ایک شخص تھا، جسے شجاع حبشی کہہ کر پکارتے تھے۔ اس نے بڑی بہادری کے کارنامے دکھائے تھے۔ شجاع حبشی مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس کا گھوڑا ہاتھی سے ڈرنے لگا تو اس نے گھوڑے کی آنکھیں باندھ لیں اور ڈاھر کے ہاتھی پر حملہ کرکے اس کی سونڈ کو زخمی کردیا۔

لوگوں نے راجا داہر کو بتایا کہ ''یہ تجھ سے مقابلہ کرنے کے لئے آرہا ہے۔''

راجا داہر نے قینچی جیسا دو شاخہ تیر اس طرح کھینچ مارا کہ شجاع حبشی کا سر گردن سے اڑا دیا۔ صرف اس کا دھڑ گھوڑے پر رہ گیا۔

☆☆☆

محمد بن قاسم فتوحات کرتا ہوا ''ساکرہ'' میں پہنچا تو راجا داہر کے وزیر نے آ کر کہا کہ:

''عربوں کا لشکر آپ کے دروازے پر آ پہنچا ہے، مگر میں آپ کو دن بھر سیر و شکار میں مشغول دیکھتا ہوں۔''

راجا داہر نے کہا کہ: ''تیری تجویز کیا ہے؟''

وزیر نے کہا کہ:

''آپ راجا جسوم کے ملک میں چلے جائیں۔ اس سے امداد طلب کریں اور واپس آ کر دشمن سے بدلہ لیں۔''

یہ سن کر راجہ داہر نے اسے جواب دیا کہ:

''میں یہ بات برداشت نہیں کروں گا کہ کسی کے دروازے پر جا کر صدا دوں کہ اندر آنے کی اجازت ہے؟ میں تو اپنے مخالف کا مقابلہ کروں گا۔ اگر فاتح ہوا تو میری بادشاہت مستحکم ہوگی۔ اگر قتل ہوگیا تو عرب اور ہندستان کی کتابوں میں یہ بات لکھی جائے گی کہ سندھ کے راجا نے اپنے ملک کی خاطر اپنی جان فدا کردی۔''

☆☆☆

راجا داہر میدان جنگ میں مارا گیا۔ محمد بن قاسم کی فتح ہوئی۔ ایک قتل ہوا ایک کامران۔ قدرت کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتی۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں ازل سے ''سبب'' (Cause) اور ''نتیجہ'' (Effect) کا اصول کارفرما ہے۔ چچ نامہ میں راجا ڈاھر کی شکست اور محمد بن قاسم کی فتح کا ایک اہم سبب سندھ میں بدھ مذہب ماننے والے لوگوں کی ناراضگی نظر آتی ہے۔

چچ نامہ ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ قاری دیکھ رہا ہے کہ سندھ میں کئی مقامات پر بدھ مذہب کے پیروکار اپنے قلعے کے دروازے کھول کر ڈھول بجاتے ہوئے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لئے محمد بن قاسم کے لشکر کا استقبال کرنے کو آرہے ہیں!*

---

* طلوع اسلام سے پہلے سندھ میں اکثر لوگ بدھ اور ہندو مذہب کے رہتے تھے۔ بدھ مذہب درحقیقت ہندو برہمن کے تشدد کے خلاف ایک بہت بڑا انقلاب تھا، جس نے نہ صرف ہندستان کے ذہن پر ان مٹ اثرات چھوڑے بلکہ افغانستان، چین، جاپان اور مشرق بعید کو متاثر کیا۔ آج بھی ان ممالک میں مہاتما بدھ کے پیروکار لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن خود ہندستان میں ہندو برہمن نے بدھ مذہب کا صفایا کردیا۔ اس پس منظر میں عہد جدید کے ایک بہت بڑے مفکر ایم۔ این۔ رائے نے بہت عمدہ کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام ہے: Historical Role of Islam

اس طرح قارئین کرام خود ہی یہ بات بھی نوٹ فرمائیں گے کہ موکو بن وسایو نے عین موقعہ پر فیصلہ کن جنگ میں کیا کردار ادا کیا تھا۔

پس ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ سندھ میں اپنی رعایا پر تشدد در حقیقت حکمران برہمن کے لئے وبال جان ثابت ہوا۔ قدرت کے قانون اٹل ہوتے ہیں۔ انگریزی میں کہتے ہیں:

> **Though the mills of GOD grind slowly yet they grind exceeding small though with patience. HE stands waiting with exactness grinds HE all.**

ہندو حکمرانوں کی ایک کمزوری تو بدھ رعایا کی رنجش تھی۔ دوسری کمزوری تھی ان کا علم نجوم پر یقین۔ وہ ہر معاملے میں نجومی سے رائے لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ یہ بات مغلوب ذہنیت کی نشاندہی کرتی ہے۔

بہادر شخص پُر اعتماد ہوتا ہے۔ اپنی ہمت اور حوصلے سے کام لیتا ہے۔ نپولین بوناپارٹ ایک جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد اس شہر کا توشا خانہ دیکھنے گیا۔ سامنے دیوار پر "فریڈرک اعظم" کی تلوار چمک رہی تھی۔ جب سیر کرکے باہر نکلا تو اس کے ایک جرنیل نے کہا کہ "حضور اچھا ہوتا اگر آپ وہ تاریخی تلوار اٹھا لیتے۔"

نپولین نے شیر کی طرح گرج کر کہا کہ: "کیا میرے پاس میری تلوار نہیں ہے؟"

تاریخ نویسوں نے چنگیز خان کو نپولین بوناپارٹ سے بھی بڑا جرنیل تسلیم کیا ہے۔ اس کی جنگی حکمت کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے سوانح نگار چالس لیمب نے لکھا ہے کہ:

> "دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے چنگیز خان پہلے اپنے جاسوسوں کے ذریعے خوف اور دہشتگردی کی فضا پیدا کرتا تھا۔ اس طرح اپنے مخالف کو نفسیاتی طور پر مغلوب کرتا تھا کہ اس کا ایک خوفناک دشمن سے پالا پڑا ہے!"

چچ نامہ کے اوراق میں ہم واضح طور پر دیکھ رہے ہیں کہ عربی لشکر پورے سندھ میں فتوحات کرتا ہوا سندھ کے دارالخلافہ تک پہنچ جاتا ہے، لیکن راجا داہر ہے کہ کہیں بھی آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ نہیں کرتا۔ کیوں؟ آخر کوئی تو وجہ ہوگی؟

عربوں نے خراساں، روم، شام، عراق اور ایران میں غیر معمولی فتوحات حاصل کی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی صدائے بازگشت سندھ میں سنائی دیتی ہوگی۔ اب جو عربی لشکر اروڑ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے تو راجا داہر کا نفسیاتی طور پر مغلوب ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ اس

ذہنی کیفیت میں اس کی جنگی حکمت عملی بھی غلط ہوسکتی ہے۔ چچ نامہ میں اس کی ایک واضح مثال موجود ہے۔ راجا ڈاھر کا وزیر سیاکر سامنے آکر راجا ڈاھر کو اپنی غلطی سے آگاہ کرتا ہے:

"اے راجا! آپ جس روش پر جنگ کررہے ہیں، وہ غلط ہے۔ آپ سے کئی بار غلطیاں ہوئی ہیں۔ مگر اب بھی آپ نے اس تجربے سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اول تو جب عربوں کا لشکر دریائے مہران عبور کررہا تھا اور ٹولیوں ٹولیوں میں ہوکر گذر رہا تھا اس وقت آپ کو ان کا سامنا کرنا تھا کہ انہیں جنگ سے خوف ہوتا ہے۔ اب جب وہ اکٹھے ہوکر مقابلے کے لئے آئے ہیں تو آپ کے لئے بہتر ہوگا کہ ساری فوج ملازموں، پیادوں اور سواروں کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہوکر ان پر حملہ کیجئے۔"

راجا داہر نے طوعاً و کرہاً یہ بات قبول کی۔ لیکن تب تک (انگریزی محاورے میں) "پُل کے نیچے بہت سا پانی گذر چکا تھا۔"

لیکن راجا داہر کی شکست کے عوامل (Factors) بیرونی حالات کے علاوہ خود اس کے باطن میں بھی تلاش کرنے چاہئیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہندو ذہن اول آسمان کے ستاروں کی گردش کو دیکھتا تھا، بعد میں عمل کا راستہ اختیار کرتا تھا۔ مثلاً چچ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے دہرسینہ نے محسوس کیا کہ اس کی بہن ماتین جوان ہوگئی ہے۔ نجومیوں سے زائچہ بنوایا تو انہوں نے بتایا کہ آپ کی بہن کا ستارہ عروج پر ہے۔ اس نے بہن کو ڈاھر کے پاس بھیجا کہ فلاں راجا سے اس کا رشتہ آیا ہے۔ میں بہن کو بھیج رہا ہوں۔ آپ اس کی شادی کا اہتمام بہتر طور پر کریں گے۔

راجا داہر بھی علم نجوم کے ایک ماہر کے پاس گیا۔ اس نے ڈاھر کو بتایا کہ: "یہ تو سندھ کے راجا کی رانی بنے گی۔" یہ بات سن کر ڈاھر سکتے میں آگیا۔ جب واپس قلعے میں پہنچا تو اپنے وزیر بدھیمن کو طلب کیا، جس نے مشورہ دیا کہ:

"بہن سے شادی کرلیں۔ البتہ، میاں بیوی کے تعلقات استوار نہ کریں۔ گناہ بھی نہیں ہوگا اور نام کی خاطر وہ آپ کی رانی بھی کہلائے گی۔ لہٰذا حکومت بھی قائم رہے گی۔"

راجا داہر نے ایسا ہی کیا۔

علم نجوم کے ایک اور ماہر کا قصہ بھی چچ نامہ میں ملتا ہے۔

جیسینہ کی شکست کے بعد داہر اپنے سپاہیوں کے ساتھ ایسی جگہ آکر ٹھہرا کہ عربوں اور اس کے لشکر کے درمیان صرف تین میل کا فاصلہ تھا۔ وہاں داہر نے ایک نجومی سے پوچھا کہ "آج مجھے جنگ کرنی چاہیے یا نہیں؟"

نجومی نے اپنے علم سے نتیجہ نکالنے کے بعد جواب دیا کہ "علم نجوم کے مطابق غلبہ عربوں کے لشکر کا ہے، کیونکہ زہرہ ان کے پیچھے اور آپ کے سامنے ہے۔"

نجومی کی بات سن کر ڈاھر کو غصہ آیا۔

نجومی نے کہا: "راجا کو غصہ کرنا نہ چاہیے۔ زہرہ کی سونے کی تصویر بنائی جائے تاکہ وہ آپ کے پیچھے رہے اور فتح آپ کو حاصل ہو۔"

چنانچہ زہرہ کی شکل بنا کر اس کے فتراک میں آویزاں کردی گئی۔

گویا علم نجوم کے ماہر نے راجا داہر کی شکست کو فتح میں تبدیل کرنے میں ذرہ برابر بھی دیر نہیں لگائی۔ ہر چند کہ آسمان میں زہرہ کی گردش پر نجومی کا کوئی زور نہیں چلتا تھا، لیکن زہرہ کا اثر زائل کرنے کے لئے اس نے سونے کی شکل بنا کر راجا داہر کے پیچھے نصب کرادی۔ اب عرب جو چاہیں سو کریں۔ جنگ میں فتح تو ہر صورت میں راجا داہر کی ہے!

راجا ڈاھر اور محمد بن قاسم کے درمیان فیصلہ کن جنگ جمعرات کے دن سن ترانوے ہجری کی دسویں تاریخ کو ہوئی۔

راجا داہر میدانِ جنگ میں اس انداز سے گیا کہ سفید ہاتھی پر سوار تھا اور پالکی میں دو حسینائیں اسے پان کی گلوریاں پیش کررہی تھیں۔ چچ نامہ میں جنگ کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے:

> "......شجاع حبشی کے قتل ہونے کے بعد مشرکوں نے پیر جما کر حملہ کیا اور اسلامی لشکر کو چاروں طرف سے گھیر لیا جس کی وجہ سے اسلامی لشکر لرز گیا اور اس کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔
>
> محمد بن قاسم ایسا مدہوش ہوگیا کہ اپنے غلام ساقی سے کہنے لگا کہ "اطعمنی الماء" (مجھے پانی کھلا) پانی پی کر سانس لے کر اعلان کروایا کہ "اے عربو! آپ کا امیر محمد بن قاسم میں موجود ہوں۔ کہاں بھاگ رہے ہو......؟ کافر شکست کھا چکے ہیں۔ فتح ہماری ہے۔" اس اعلان کے بعد تمام عربی لشکر یکجا ہوگیا۔ <u>موکو ولد وسایو بھی اپنے سارے لشکر سمیت عربی لشکر کے ساتھ شامل ہوگیا۔</u>
>
> محمد بن قاسم نے اپنے خاص بہادروں کے نام لے کر آگے بڑھنے کو کہا، پھر خدا کا نام لے کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ کافر بھی جم کر لڑنے لگے۔ بہت خوفناک جنگ ہوئی۔ تلواروں کے ٹکرانے سے فضا میں چنگاریاں اڑنے لگیں۔ نیزے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔ آخرکار ہتھیار ٹوٹ گئے اور سپاہی ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوگئے۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک بہت سے کافر قتل

ہوئے۔ راجا ڈاھر راجکماروں کے باقی ایک ہزار سواروں کے ساتھ رہ گیا۔
آفتاب ڈوبنے لگا تھا کہ اچانک بائیں طرف سے شور وغل ہوا* راجا داہر نے اسے اپنا لشکر سمجھ کر نعرہ لگایا: "کسی من، کسی من" (میں یہاں ہوں، میری طرف آؤ)۔
اس پر عورتوں نے پکارا کہ "اے راجا! ہم آپ کی عورتیں ہیں اور عرب لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہوئی ہیں۔"
راجا داہر نے کہا کہ "ابھی تو میں زندہ ہوں۔ آپ کو کس نے گرفتار کیا ہے؟"
راجا داہر نے اپنے ہاتھی سے اسلامی لشکر پر چڑھائی کی۔ ادھر سے محمد بن قاسم نے نفت اندازوں سے کہا کہ "اب آپ کو موقع ملا ہے۔" ایک ہوشیار نفت انداز نے راجا داھر کی پالکی کو مارا جس سے اس کو آگ لگ گئی۔
راجا داہر نے فیلبان سے کہا کہ "ہاتھی واپس کرو کہ اس کو پیاس لگی ہے۔" لیکن، ہاتھی فیلبان کے قبضے میں نہیں آیا اور پانی میں جا کر گرا۔
ہاتھی پانی پی کر قلعے کی طرف روانہ ہو رہا تھا کہ مسلمان تیر انداز پہنچ گئے۔ ایک ماہر تیر انداز نے نشانہ لے کر تیر مارا جو راجا ڈاھر کے دل میں پیوست ہوگیا۔
وہ وہیں گر کر مرگیا۔
میدانِ جنگ پر رات کی تاریکی چھاگئی۔ جب صبح ہوئی اور آفتاب افروز ہوا تو سندھ کی تاریخ ہمیشہ کیلئے بدل چکی تھی۔

☆☆☆

سندھ پر عرب مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی، جن کا سپہ سالار محمد بن قاسم اتنا کمسن تھا کہ حیرت ہوتی ہے کہ اس عمر میں اس نے لشکر کی کمان کیسے سنبھالی ہوگی؟ تاہم چچ نامہ سے ثابت ہے کہ وہ جس جگہ بھی حملہ کرتا ہے، وہاں کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ عام محاورے میں غالباً اس بات کو "خوش بختی" سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محمد بن قاسم کی جنگی حکمت عملی راجا داہر سے بہتر تھی۔ وہ اس طرح کہ راجا داہر سندھ کا حکمران تھا۔ اس کی زمین اور عوام سے نا آشنا نہیں تھا۔ چچ کی عظیم سلطنت کا وارث تھا۔ اپنی سلطنت سے اور پڑوسی حکمران دوستوں سے مدد کے لئے فوجیں طلب کرسکتا تھا۔
لیکن چچ نامہ میں ایسا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ دیبل میں، برہمن آباد میں، سیوہن میں، غرض کی جہاں جہاں جنگیں لڑی گئیں، وہاں صرف مقامی سندھی فوج اور محمد بن قاسم کے عربی لشکر کا

* "آفتاب ڈوبنے لگا تھا" الفاظ اب تاریخی تناظر میں کتنے معنی خیز لگتے ہیں۔ انگریزی میں کہتے ہیں کہ 'Coming events cast their shadows' یعنی آنے والے واقعات کی پرچھائیاں پہلے سے پڑتی ہیں۔

مقابلہ ہوا، حتیٰ کہ فیصلہ کن جنگ میں بھی سلطنتِ سندھ کی فوج ظفر موج کہیں نظر نہیں آتی!

محمد بن قاسم کے لئے تو سندھ کی ہر چیز اجنبی تھی۔ وہ نہ اس کے پہاڑوں سے واقف تھا، نہ صحراؤں اور نہ دریاؤں سے۔ وہ سندھ کی روایات سے بھی نا آشنا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ کون سے قبیلے جنگجو اور خونخوار ہیں؟ تاہم وہ ہر مشکل پر قابو پالیتا ہے اور ثابت قدمی سے آگے بڑھتا رہتا ہے۔

☆☆☆

چچ نامہ میں فتح سندھ کے بعد بھی محمد بن قاسم کے تشدد کی کوئی داستان نظر نہیں آتی۔ اگر ہم کہیں کہ یہ غیر مہذب بات تھی کہ اس نے مفتوح اور مقتول راجا کا سر کٹوا کر بغداد بھیجا تو جاننا چاہئے کہ ہر حقیقت اپنے پس منظر میں دیکھی جاتی ہے۔ اس زمانے میں یہ ایک عام رواج تھا۔ کتنے دُکھ کی بات ہے کہ حضور پیغمبر ﷺ کے نواسے کا سر مبارک یزید جیسے ظالم اور فاسق کے دربار میں بھیجا گیا تھا۔

اسلام میں انسانی جسم کی بے حرمتی تو کیا اس کی تصویر کشی بھی ممنوع ہے۔ لیکن اموی دورِ خلافت میں عجم کے تاثرات اسلامی ثقافت پر اثر انداز ہونے لگے تھے۔ تصویر کشی کا بھی عام رواج ہوگیا تھا۔

عجم کے سلاطین اپنے مفتوح علاقے کے حاکم کی شبیہ سنگ مرمر کے ٹکڑوں سے بنوا کر اپنے محل کے صحن کے کمپاؤنڈ وال میں نصب کرواتے تھے۔ اس میں اپنی شان اور شوکت سمجھتے تھے۔

1966ء میں ایک علمی محفل میں رئیس غلام مصطفیٰ بھرگڑی سے سنا تھا کہ شام کے ایک محل میں راجا داہر کی تصویر موجود تھی۔ 1976ء میں سندھ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے ازراہِ محبت اسلامی تاریخ کے موضوع پر مجھے اپنی تصنیف تحفتاً دی، جس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ:

> "فلاں اموی خلیفہ نے شام میں ایک قصر تعمیر کرایا تھا، جس میں اپنی شان و شوکت دکھانے کی خاطر عجم کے رواج پر اس نے مفتوح علاقوں کے سلاطین کی تصاویر صحن کے کمپاؤنڈ وال میں نصب کرائیں تھیں۔ سندھ کا راجا داہر چوتھے نمبر پر کھڑا تھا۔"

اگر کہیں کہ محمد بن قاسم نے یہ تو بہت بُرا کام کیا کہ راجا داہر کی دو بیٹیاں خلیفے کے شبستان کے لئے بھیجیں تو وہ بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں، کیونکہ یہ اس عہد کا ایک عام رواج تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو چھوڑ کر کتنے اموی خلیفے تھے جن کا شبستان پری چہرہ حسیناؤں سے بھرا ہوا نہیں تھا؟ ان میں کتنی ان کی منکوحہ بیویاں تھیں اور کتنی کنیزیں تھیں جو میدانِ جنگ میں مالِ غنیمت کے ساتھ اسلامی لشکر کے ہاتھ آئیں تھیں۔ راجا داہر کی حرم سراء کی عورتیں بھی فیصلہ کن جنگ میں گرفتار ہوئیں تھیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

اموی خلیفے اپنی جگہ، عباسی دورِ خلافت میں خود شہرۂ آفاق خلیفہ ہارون الرشید کے بارے میں "تاریخ طبری" میں اتنا دیکھ لیں کہ آپ دوپہر کو قیلولہ کیسے فرماتے تھے؟

الف لیلیٰ کی داستانیں کس عہد کی یادگار ہیں؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر جگہ یہی حال تھا۔ عہدِ جدید میں بھی یہی حال ہے۔

میں 1984ء میں چین گیا۔ ہمیں شاہی محل میں لے گئے، جہاں ہمارے گائیڈ نے بتایا کہ دو ہزار دو سو چوبیس "حسینانِ چمن" بادشاہ سلامت سے صرف ایک رات کی ہم بستری کے لئے اپنی باری کا انتظار فرما رہی تھیں کہ سوشلسٹ انقلاب آ گیا۔

☆☆☆

اس پورے پس منظر میں چچ نامہ کے اندر محمد بن قاسم کا کردار صاف ستھرا نظر آتا ہے، لیکن حیرت ہے کہ خود اس کے اپنے وطن میں اس کا انجام کتنا دردناک ہوا۔

اسلامی تاریخ میں سب سے المناک داستانِ شہادت حضرت امام حسینؓ ہے۔ بہت سے عظیم شعراء نے اپنے اپنے انداز سے اس کا ذکر کیا ہے۔ روایت ہے کہ فارسی زبان کے عظیم شاعر حافظ شیرازی نے اپنے دیوان کی ابتداء ہی اسی سے کی ہے اور اپنا تاثر بیان کرنے سے پہلے یزید کا مصرع دیا ہے۔ حافظ کے دیوان کا اولین شعر یہ ہے:

اَلا یا اَیُّھَا السَّاقی اَدِرْ کاساً و ناوِلھا
کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

محمد بن قاسم ایک ملک کا فاتح تھا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن اس کے ہم مذہب اور ہم قوم عربوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کونسی قوم اپنے ایک عظیم فاتح بلکہ ہیرو کے ساتھ اس قسم کا سلوک روا رکھتی ہے؟ جواب پھر بھی وہی ہے کہ ہر حقیقت اپنے اپنے پس منظر میں پہچانی جاتی ہے۔

قبائلی عرب معاشرے میں پرانا بغض اور عناد آسانی سے ختم نہیں ہوا بلکہ اموی دورِ حکومت میں تو پرانی عصبیتوں کو اور بھی بھڑکایا گیا۔ بلاشبہ محمد بن قاسم نے خود کسی پر ظلم نہیں کیا، لیکن اس کا محسن حجاج بن یوسف انتہائی سفاک تھا، جس نے خانہ کعبہ کو آگ لگائی تھی۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ ایسا ظالم شخص پوری اسلامی تاریخ نے نہیں دیکھا۔ ظاہر ہے کہ عوام و خواص کو حجاج بن یوسف کے ساتھ اس کے عزیز و اقارب سے بھی دشمنی ہوگی۔

☆☆☆

آج سندھ ایک اجڑا ہوا دیار ہے، جس کو ایک ایسے تاریخ نویس کی ضرورت ہے جو اسلامی فتوحات کے وسیع پس منظر میں "سندھ کی فتح" کا عمیق مطالعہ (In-depth study) کرے اور

معروضی جائزہ لے کر حقائق بیان کرے۔ لیکن صرف یہ بھی کافی نہیں ہے۔ دراصل ہمیں اپنی تاریخ کی تعبیر اور تشریح کی ضرورت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وقائع نگاری کی اہمیت سے انکار ہے۔ تاریخ واقعات کا ایک تسلسل ہے۔ تاہم کسی بھی قوم کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ماضی کو بھول جائے حال کو نظر انداز کرے اور مستقبل کی تعبیر کا نقشہ بنانے بیٹھ جائے۔

یونانی مفکر تاریخ کو زمان اور مکاں میں "عالم ظہور" کا مکمل انکشاف سمجھتے تھے، جس نے انسان اور فطرت دونوں کو آغوش میں لے رکھا ہے۔ لیکن جدید دور کا انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ تاریخ وقت کی غلام گردشوں میں کھو گئی ہے۔ اس کے اظہار کی بہترین مثال ایک تیز رو ندی ہے جو اپنی راہ میں آنے والے ہر شجر اور پتھر کو اٹھا کر دور دور تک پھینک دیتی ہے۔ آج یہ ندی ایک بپھرا ہوا طوفان خیز دھارا معلوم ہوتی ہے۔ ہم خوفزدہ مسافروں کی طرح ایک کشتی میں سوار ہیں اور اس کو تیز رفتار ندی میں لاتعداد چٹانوں، منجدھاروں، گردابوں سے بچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نہیں معلوم کہ ہماری منزل کہاں ہے؟*

سر آغاز میں نے "چچ نامہ" سے حقائق لے کر قدیم زمانے میں سلطنت سندھ کی سرحدیں بیان کی ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں یہ کتنی وسیع سلطنت تھی! چنانچہ تاریخ نویس تو چھوڑیئے آج ایک عام قاری بھی بجا طور پر ہم سے یہ سوال کرسکتا ہے کہ پھر کیا ہوا کہ اتنی عظیم سلطنت بتدریج رفتہ رفتہ سکڑتی گئی؟

آج سندھ ایک چھوٹے سے رقبے کا نام ہے حالانکہ سبی (Sibi) اور لسبیلہ میں صاف سندھی زبان بولی جاتی ہے۔ اسی طرح ریتی سے ملتان تک جو قبیلے آباد ہیں، وہ سب سندھی سمجھتے ہیں۔ بعض بولتے بھی ہیں۔ بعض تو نسلاً سندھی ہیں۔ مثلاً ریاست بھاولپور کا حکمران عباسی خاندان سندھی ہے جو سندھ سے ہجرت کر کے گیا ہے۔ اس طرح سرائکی زبان کے عظیم شاعر خواجہ غلام فرید کے آباؤ اجداد ٹھٹے سے ہجرت کر گئے تھے۔ کوریجہ قبیلہ سے ہیں۔ خواجہ صاحب نے سندھی میں بھی کافیاں کہی ہیں۔

گویا چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری، لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ اب اہل سندھ کی کہیں بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اگر ہم سمجھیں کہ یہ سب کچھ اسلامی انقلاب کا منطقی نتیجہ تھا تو اس سے زیادہ غلط بات اور کوئی نہیں ہوگی!

ایک زمانہ تھا کہ پوری دنیا میں اندھیرا تھا روشنی کا چراغ یا تو چین میں جل رہا تھا یا بابل اور نینوا میں۔ مصر میں یا پھر سندھ میں، جس کا ثبوت "موہن جو دڑو" آج بھی موجود ہے۔

---

* رینے گھوں۔ عہد جدید کے معروف فرانسیسی مفکر کی سوانح حیات از راہن فیلڈ

اسلام نے مصر، شام، اردن، عراق، ایران اور سندھ سب ہی کو فتح کیا۔ لیکن آج چین اپنی جگہ موجود ہے۔ اور ہمارے قدیم رفقاء ایران، عراق، مصر وغیرہ جو ہمارے ساتھ ہی مشرف بہ اسلام ہوئے تھے وہ بھی اپنے گھروں میں خوش ہیں۔

ایک سندھ ہے کہ تجارت میں، صنعت میں، حرفت میں، کاریگری اور سپہ گیری میں کہیں بھی نہیں ہے۔ وطنِ عزیز پاکستان کا یہ صوبہ اب جہالت، رہزنی، ڈاکہ زنی، لوٹ کھسوٹ اور قتل میں سب سے آگے ہے۔

ان ڈاکو اور رہزنوں کا سرپرست کوئی غیر سندھی نہیں ہے۔ خود سندھی ہیں۔ سندھ میں جاگیردارانہ نظام کا جبر اتنا سخت ہے کہ کوئی بھی مظلوم انصاف کی امید نہیں رکھ سکتا۔ معروف انگریز مصنف ڈیوڈ چیز مین نے اس موضوع پر حال ہی میں ایک اہم کتاب لکھی ہے۔ انگلستان میں چھپی ہے۔ اس کا پورا نام اور ملنے کا پتہ یہ ہے:

LANDLORD POWER AND RURAL INDEBTEDNESS IN COLONIAL SINDH. 1865-1901 by Davidchees man (printed in Great Britain by T.J. Press Ltd, padstow, cornwall, 1997)

سندھی معاشرے میں اخلاقی گراوٹ کی ایک ناقابلِ تردید مثال یہ ہے کہ "کاروکاری" کی قربان گاہ پر سندھی عورت کا قتل اب معمول بن چکا ہے۔ ایک سندھی جاگیردار نے اس سیاہ کارنامے پر فخر کرتے ہوئے اسے "سندھی کلچر" قرار دیا۔ بعض مذہبی جماعتیں معاشرے کی اصلاح کرنے کے لئے "صالح بندے" تیار کرنے میں دن رات مصروف ہیں، لیکن وہ بھی اس شرمناک فعل پر خاموش ہیں۔ خاموشی نیم رضا ہوتی ہے۔ اس قتلِ عام میں ماں بہن اور بیوی میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا، حالانکہ ہمارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ بہشت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

صدیاں گذر گئیں کہ ہمارے صوفیائے کرام نے ہمارے معاشرے کو ہر قسم کی بُرائی سے پاک صاف کرنے کے لئے حُسنِ اخلاق کی تعلیم دی تھی لیکن آج خود ان صوفیائے کرام کی درگاہوں پر جائیے تو سب سے پہلے مکھیوں، کتوں اور گداگروں کے غول آپ کا استقبال کریں گے۔ لیکن اصل دکھ اس خرافات کا ہے جو درون خانہ جاری ہے۔ اس کی خبریں آئے دن پریس میں آتی رہتی ہیں۔ چند برس پہلے اپر سندھ کے ایک ڈپٹی کمشنر نے مجھے رازداری میں بتایا کہ فلاں درگاہ پر ہمیں سادہ لباس میں پولیس کھڑی کرنی پڑی، کیونکہ وہاں ہیروئن فروخت ہو رہی تھی۔

اس کے برعکس آپ اپنے پڑوسی اسلامی ملک ایران میں مشہد، اصفہان یا شیراز یا کسی اور شہر میں کسی بھی خانقاہ پر تشریف لے جائیں تو آپ کو ایسی صفائی اور پاکیزگی کی فضا ملے گی جیسے آپ بہشت بریں میں آ گئے ہوں۔ اس کی وجہ ایرانیوں کی نفاست پسندی نہیں ان کا قومی کلچر ہے۔

کمال اور زوال ہر قوم کی تاریخ میں نوشتۂ دیوار کی طرح نظر آتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ یونان نے فیثا غورث جیسا انسان پیدا کیا۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو کو جنم دیا۔ لیکن وہی یونان آج کس حال میں ہے؟

سندھ نے کوئی ابن خلدون پیدا نہیں کیا۔ کوئی ابن سینا پیدا نہیں کیا۔ کوئی ابن عربی پیدا نہیں کیا۔

ہاں! سندھ نے شاہ عبداللطیف بھٹائی جیسا اعلیٰ انسان، عظیم مفکر اور باکمال شاعر پیدا کیا لیکن ان کے پیغام کا بنیادی موضوع ''خود شناسی'' اور ''خدا شناسی'' ہے۔ بلاشبہ شاہ ہمیں حب الوطنی کا درس بھی دیتا ہے، لیکن دنیاوی معاملات کو درست کرنے کے لئے تو حضور پیغمبر ﷺ کی طرح شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر خود میدان میں نکلنا پڑتا ہے۔

بہر حال، انسان اُمید کے سہارے ہی مشکل سے مشکل حالات میں زندہ رہتا ہے اور روشن مستقبل کے خواب دیکھتا ہے۔ امید روشنی کی وہ سفید لکیر ہے، جو سیاہ بادلوں کے کناروں پر چمکتی رہتی ہے۔ ممتاز مفکر ینگ نے کتنا اچھا کہا ہے کہ:

''آخرکار افراد ہی تاریخ کے معمار ٹھہرتے ہیں۔''

سو، اہلِ سندھ بھی امید کرتے ہیں کہ ایک دن آئے گا کہ خاکِ پاک سندھ سے کوئی نہ کوئی ایسا باکمال فرد پیدا ہوگا، جو اس اجڑے ہوئے دیار کا کھویا ہوا وقار بحال کردے گا۔ تب تک سندھ کے شمال جنوب مشرق اور مغرب کے ہر شہر ہر گاؤں اور ہر قصبے پر سلام بے حساب اور دلِ دردمند کی دُعا:

خوشا شیراز و ضعش بیمثالش
خداوندا، نگہدار از زوالش

غلام ربانی آگرو

سندھی ادبی بورڈ
جام شورو، سندھ
23 مارچ 2002ء

پیش لفظ

سابقہ حکومت سندھ کے قائم کردہ "سندھی ادبی بورڈ" نے اپنی پہلی نشست منعقدہ 20- اکتوبر 1951ء میں ایک تجویز یہ بھی منظور کی تھی کہ تاریخ سندھ سے متعلق تین بنیادی کتابیں: (1) فتحنامہ سندھ (2) تاریخ معصومی اور (3) تحفۃ الکرام جو کہ فارسی میں تھیں، ان کے سندھی تراجم شائع کیے جائیں، تاکہ اہلِ وطن اپنی تاریخ کو اپنی زبان میں پڑھ اور سمجھ سکیں۔ بورڈ کی طرف سے ان کتابوں کے ترجمہ کا کام مخدوم امیر احمد صاحب، پرنسپل اورینٹل کالج حیدرآباد سندھ کے سپرد کیا گیا اور اس کی نگرانی راقم الحروف کے ذمہ کی گئی۔ یہ سندھی تراجم علی الترتیب 1955ء (تاریخ معصومی) 1957ء (فتحنامہ) اور 1958ء (تحفۃ الکرام) میں بورڈ کی طرف سے شائع ہوئے۔

اس کے بعد بورڈ نے "قومی تاریخ و ادب کے منصوبہ" کے تحت ان تینوں کتابوں کے اردو تراجم شائع کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کام کی نگرانی بھی بندہ کے سپرد کی۔ محترم اختر رضوی نے سندھی تراجم سے اردو تراجم کے مسودے تیار کیے، جن کو فارسی متن سے مقابلہ اور ضروری تصحیح کے بعد مرتب کیا گیا۔ تحفۃ الکرام اور تاریخ معصومی کے اردو ترجمے بورڈ کی طرف سے 1959ء میں شائع ہو چکے ہیں اور اب اس سلسلے کی آخری کتاب فتحنامہ کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

"فتحنامہ سندھ" جس کا دوسرا نام "چچنامہ" بھی ہے، سندھ کے زمانہ ما قبل اسلام اور اسلام کی ابتدائی فتوحات کے تاریخی دور کے متعلق ہے۔ 613ھ میں علی کوفی نے اس کتاب کے عربی مواد کو جو کہ بکھر کے قاضیوں کے پاس محفوظ تھا، فارسی میں منتقل کیا، اور یہ فارسی ترجمہ ہی ہم تک پہنچا ہے۔ جسے شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے مرتب کر کے شائع کیا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی فاضلانہ اصلاح کے باوجود مطبوعہ فارسی نسخہ اصلاح طلب تھا۔ اس لیے جب مخدوم امیر احمد صاحب نے فارسی متن سے سندھی ترجمہ کا مسودہ تیار کیا تو میں نے مناسب سمجھا کہ اسے فارسی کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں اور دیگر عربی تواریخ کی مدد سے از سر نو مرتب کیا جائے۔ اسی دوران "سندھی ادبی بورڈ" کے سیکرٹری کا ایک مراسلہ موصول ہوا، جس کے ساتھ بورڈ کے رکن رکین اور میرے محترم دوست سید حسام الدین صاحب راشدی کی پر زور سفارش بھی شامل تھی کہ میں اس اہم تاریخی کتاب پر نئے سرے سے تحقیق کروں، تاکہ یہ کتاب محض ترجمہ کے بجائے ایک مستقل

ایڈیشن کی صورت میں شائع ہو سکے۔ چنانچہ میرے ارادے کو تقویت ہوئی، لیکن یہ کام بہت مشکل تھا اور تقریباً دو سال کی مسلسل محنت کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچا۔ کتاب کا یہ سندھی ایڈیشن 1953ء میں بورڈ کی طرف سے شائع ہوا اور اس کی چھپائی اور پروف ریڈنگ کی نگرانی میں نے خود کی۔ میری رائے میں صحت اور تحقیق کے لحاظ سے "فتح نامہ" کا یہ سندھی ایڈیشن کافی مستند ہے اور وہ مورخ اور محقق جو آئندہ اس موضوع پر کام کرنا چاہیں، اس کی طرف رجوع کریں۔

محترم اختر رضوی نے اسی سندھی ترجمہ سے اردو کا مسودہ تیار کیا ہے۔ ایک مشکل تاریخی کتاب کا ترجمہ کرنا آسان کام نہیں، پھر یہ ان کی پہلی کوشش تھی اس لیے اس میں تصحیح کی خاصی گنجائش تھی۔ میری استدعا پر مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسی نے، جو سندھی ادبی بورڈ کے اسٹاف میں تھے، فارسی متن اور سندھی ایڈیشن سے مقابلہ کر کے اردو ترجمہ کی تصحیح کا کام اپنے ذمہ لیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے جس محنت اور مشقت سے کام لیا ہے وہ قابل قدر اور واجب تشکر ہے۔ البتہ کتاب کی طباعت چونکہ کراچی میں ہوئی، اس لیے میں اس کی نگرانی نہ کر سکا۔ تاہم متن اور حواشی میں جو اغلاط رہ گئی تھیں، ان کی درستی صحت نامہ میں کر دی گئی ہے۔ مقدمہ اور عنوانات، نیز اسماء اور اماکن کی فہرستوں کو از سر نو مرتب کر کے حیدرآباد میں چھپوایا گیا، جس سے ایک حد تک مافات کی تلافی ہو گئی ہے۔

میں اپنے فاضل استاد مولانا عبدالعزیز میمن، سابق پروفیسر و صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا رہین منت ہوں، جنہوں نے میری طالب علمی کے زمانے (1943ء-1945ء) میں بیش بہا تاریخی اور ادبی معلومات سے مستفیض فرمایا جو اس کتاب کی تحقیق میں بھی میرے لئے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ میں اپنے محترم رفیق اور مہربان دوست مرحوم قاضی احمد میاں اختر، سابق پروفیسر تاریخ اسلام سندھ یونیورسٹی، کا بھی شکر گذار ہوں، جنہوں نے وقت بے وقت میری کاوش تحقیق کے نتائج کو غور سے سنا اور اپنے مفید مشوروں سے نواز کر میری ہمت افزائی فرمائی۔

خادم العلم

نبی بخش

سندھ یونیورسٹی،
حیدرآباد سندھ
1963-4-26ء

مقدمہ

یہ کتاب جو عام طور پر "چچ نامہ" کے نام سے مشہور ہوگئی ہے نہ صرف سندھ کی تاریخ کے متعلق پہلی بنیادی کتاب ہے، بلکہ پورے براعظم ہندو پاک کے تاریخی سلسلے کی سب سے پرانی کتاب ہے۔ اس میں سندھ کے قبل از اسلام کی حکومتوں کے مختصر حالات اور سن 15 سے 96ھ (637-714ء) تک ہندستان کی شمالی مغربی سرحدوں پر اسلامی فوجوں کے ابتدائی بری اور بحری حملوں اور آخر میں مکران اور سندھ کی اسلامی فتوحات کا مفصل اور مستند ذکر موجود ہے۔ اس وجہ سے بلحاظ قدامت یہ کتاب بڑی تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔

یہ اصل کتاب عربی زبان میں تھی، 613ھ کے قریب اس کا فارسی زبان میں ترجمہ ہوا اور ہم تک اس کتاب کا صرف وہی فارسی ترجمہ پہنچا ہے، جس کے بعد پھر اس کے انگریزی اور سندھی زبانوں میں ترجمے کئے گئے ہیں۔ یوں تو اس "چچ نامہ" کے بارے میں بہت سے مصنف اس سے پہلے بھی بہت کچھ لکھ چکے ہیں، لیکن پھر بھی اس کتاب کے یہ پہلو اب تک تحقیق طلب ہیں کہ:

(1) اصل کتاب (عربی) کون سی تھی، کس کی لکھی ہوئی تھی اور کب لکھی گئی؟

(2) فارسی ترجمہ کو جو ہم تک پہنچا ہے، اس کی اصل عربی کتاب سے مطابقت اس میں جو تبدیلیاں اور اختلافات ہوئے ہیں، ان تبدیلیوں اور اختلاف کے بارے میں کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے؟

(3) خود فارسی ترجمہ کے ترجموں اور اس کی طباعت میں غلطیوں کی کس قدر اصلاح کی گئی ہے اور کس قدر گنجائش اب تک باقی ہے؟

اس مقدمہ میں ہم انہی اہم مسائل کو قدرے حل کرنے کی کوشش کریں گے اور آخر میں اس اردو ترجمہ اور اس میں شامل کردہ تحقیقات پر روشنی ڈالیں گے۔

اصل عربی کتاب

علی کوفی کا بیان: سب سے پہلے علی کوفی کا، جو اس کتاب کا عربی سے فارسی میں

مترجم ہے، اس کا اصل عربی ماخذ کے بارے میں یہ بیان قابل غور ہے:

میں نے 613ھ (چھ سو تیرہ) میں جب کہ میری عمر اٹھاون سال کی تھی، جملہ مشاغل سے ہاتھ اٹھا کر قیمتی کتابوں کو اپنا انیس و جلیس بنایا...... جس طرح اگلے مصنف خراسان، عراق، ایران، روم اور شام کی فتوحات میں سے ہر ایک کا نظم اور نثر میں بیان لکھ چکے ہیں (اسی طرح) میں نے ہندستان کی فتح (کے بارے میں لکھی ہوئی کتاب) (ص54) کی تلاش کے لیے نفس امارہ کو تکلیف دی اور اُچ مبارک سے اروڑ بکھر کی طرف رُخ کیا۔ کیونکہ وہاں کے امام عربوں کے خاندان اور نسل سے تھے۔ اور جب اس شہر میں پہنچا تو.......... مولانا قاضی اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن محمد بن موسیٰ بن شیبان بن عثمان ثقفی (ص54) سے ملاقات ہوئی۔ میرے دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ اس فتح کی تاریخ ان کے اجداد کی تحریر کردہ حجازی (عربی) زبان میں ایک کتاب (کی صورت) میں لکھی ہوئی ہے جوکہ (ہمارے خاندان میں) میراث کی حیثیت سے ایک سے دوسرے کے ورثہ میں منتقل ہوتی رہی ہے۔ مگر چونکہ یہ عربی کے حجاب اور حجازی کے نقاب میں چھپی ہوئی تھی، اس لئے عجمیوں (غیر عربوں) میں مشہور نہ ہوئی، جب میں اس کتاب سے واقف ہوا تو (دیکھا کہ) یہ کتاب حکمت کے جواہروں سے آراستہ اور نصیحت کے موتیوں سے پیراستہ تھی (ص55) میں نے اس کتاب کو عربی زبان سے فارسی میں منتقل کیا ہے (ص57) یہ کتاب......... ہند اور سندھ کی فتوحات کے بارے میں عرب کے عالموں اور ادیب حکیموں کی تصنیف ہے...... حالانکہ زبانِ تازی اور لہجۂ حجازی میں اس کا بڑا مرتبہ تھا اور شاہانِ عرب کو اس کے مطالعہ کا بے حد شوق اور اس پر حد سے زیادہ فخر تھا، لیکن چونکہ پردہ حجازی میں (پوشیدہ) تھی اور پہلوی (فارسی) زبان کی تزئین اور آرائش سے عاری تھی، اس وجہ سے عجم میں رائج نہ ہوسکی۔ (246)

اس بیان سے اس کتاب کے بارے میں یہ اہم نکات واضح ہوتے ہیں کہ: (1) جس طرح خراسان کی فتح، عراق کی فتح یا ایران اور شام کی فتوحات کے بارے میں کتابیں لکھی ہوئی تھیں، اسی طرح یہ کتاب "ہند و سندھ کی فتوحات کے بارے میں تھی۔" (2) یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی اور درحقیقت عرب عالموں ہی کی تصنیف تھی۔ (3) وہ اصل عربی کتاب 613ھ کے قریب اروڑ اور بکھر کے بڑے قاضی مولانا اسمٰعیل کے پاس تھی جوکہ عربوں کے ثقفی خاندان سے تھے اور عثمان ثقفی کے دسویں پشت میں تھے* یہ کتاب اس خاندان میں قدیم زمانے سے موجود تھی اور ایک سے دوسرے کی میراث میں منتقل ہوتی رہی۔ (4) یہ کتاب مولانا قاضی اسمٰعیل

* مولانا قاضی اسمٰعیل کے نسب نامہ کی صحت کے لئے دیکھئے آخر میں ضمیمہ

کے "اجداد کی تحریر کردہ" عربی زبان میں تھی۔

اگر یہ کتاب ان قاضیوں کے خاندان ہی کے کسی بزرگ کی تصنیف یا تالیف ہوتی تو قاضی اسمٰعیل ضرور اس سے علی کوفی کو آگاہ کرتے، لیکن علی کوفی کے بیان سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب دراصل کچھ دوسرے "عرب عالموں" کی تصنیف تھی اور مولانا قاضی اسمٰعیل کے "اجداد" کی محض نقل کی ہوئی تھی۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ کتاب دوسرے کسی مصنف یا مؤلف کے اصل قلمی نسخے کی پہلی نقل یا نقل کی بھی نقل تھی کہ جس کا علی کوفی نے فارسی میں ترجمہ کیا۔

سندھ کی تاریخ اور عرب مؤرخ: اس وقت تک کوئی بھی ایسی تاریخ معلوم نہیں ہوسکی ہے کہ جو صرف سندھ اور ہند کی ابتدائی اسلامی فتوحات کے بارے میں ہو۔ البتہ جن عرب مؤرخوں کی تواریخ اس وقت موجود ہیں یا جنہوں نے اپنی کتابوں میں سندھ کے عربی دور حکومت کے متعلق تھوڑے بہت حالات بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں:

(1) احمد بن یحیٰی بن جابر بن داؤد الکتاب البغدادی جو "البلاذری" کے لقب سے مشہور ہیں اور جنہوں نے 279-280ھ میں وفات پائی۔ بلاذری نے اپنی مشہور تاریخ "کتاب فتوح البلدان" میں ایک خاص باب "فتوح السند" (فتوحات سندھ) کے عنوان سے قلم بند کیا ہے۔

(2) احمد بن داؤد بن ونند جو کہ "ابوحنیفہ الدینوری" کے نام سے مشہور ہیں، اور جنہوں نے ماہ جمادی الاول 282ھ میں وفات پائی۔ ان کی تاریخ "کتاب الاخبار الطوال" میں سندھ کے متعلق کچھ مختصر حوالے موجود ہیں۔

(3) احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر بن وہب بن واضح الکاتب العباسی "الاصبہانی"* جو کہ "الیعقوبی" کے لقب سے مشہور ہیں اور جنہوں نے 284ھ میں وفات پائی۔ ان کی کتاب "کتاب التاریخ کبیر" جو عام طور سے ان کے نام سے "تاریخ الیعقوبی" سے موسوم ہے۔ یہ کتاب 252ھ کے واقعات پر ختم ہوجاتی ہے۔ اس تاریخ میں محمد بن قاسم کے سندھ فتح کرنے کے حالات کسی قدر تفصیل سے ملتے ہیں اور اس میں سندھ کے عرب گورنروں کے متعلق بھی چند حوالے موجود ہیں۔

(4) ابوجعفر محمد بن جریر الطبری جو 224ھ میں پیدا ہوئے اور ماہ شوال 310ھ میں وفات پائی۔ ان کی "تاریخ الرسل والملوک" جسے عرف عام میں "تاریخ الطبری" کہا جاتا ہے، اس میں 302ھ تک کے تاریخی واقعات کا ذکر ہے۔ سندھ کی فتوحات کے متعلق بھی اس میں کچھ مختصر حوالات موجود ہیں۔

* یعقوبی وطن کے لحاظ سے اصفہان کا تھا (دیکھئے ابن الفقیہ الھمدانی کی "کتاب البلدان" ص ۲۹)

مذکورہ مؤرخوں کے علاوہ ابن الاثیر (عز الدین ابوالحسن علی بن محمد 555-630ھ) کی "الکامل فی التاریخ" اور ابن خلدون (عبدالرحمٰن ابو زید ولی الدین 732-808ھ) کی تاریخ "کتاب العبر" میں بھی سندھ کی ابتدائی اسلامی فتوحات کا تذکرہ ہے، لیکن یہ دونوں مؤرخ بہت بعد کے ہیں اور ان کی تاریخوں میں جو مواد ہے وہ پچھلی تواریخ سے خصوصاً بلاذری اور طبری سے ماخوذ ہے، اسی وجہ سے مذکورہ چاروں مؤرخوں کی تاریخیں نسبتاً اصولی اور بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان مؤرخوں کے سال وفات (279، 282، 284، 310ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے تیسری صدی ہجری میں اپنی تاریخیں لکھیں۔ سندھ اور ہند کی ابتدائی فتوحات پہلی صدی ہجری (15-96ھ) میں وقوع پذیر ہوئیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان مؤرخوں اور سندھ کی ابتدائی فتوحات کے درمیان ایک صدی سے بھی کچھ زیادہ کی مدت حائل تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے یہ حالات اپنے سے پہلے کے مورخوں یا ان کی کتابوں سے اخذ کئے ہوں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہند اور سندھ کی فتوحات کے متعلق ان چاروں مؤرخوں کے ماخذ کیا تھے؟

عرب مؤرخوں کا اہم ماخذ المدائنی: چونکہ ابوحنیفہ الدینوری کی "کتاب الاخبار الطوال" میں سندھ کی فتوحات کے بارے میں کوئی اہم حوالہ نہیں ہے اس لئے ہم بلاذری، یعقوبی اور طبری کے حوالوں کے متعلق معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔

بلاذری: بلاذری نے اپنی تاریخ "فتوح البلدان" میں جن مؤرخوں اور راویوں سے تاریخی واقعات نقل کئے ہیں، ان میں ابوالحسن علی بن محمد المدائنی کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ زیادہ تر مواد اسی سے منسوب ہے۔ سندھ کی فتوحات کے حالات تو خاص طور پر اسی کے حوالے سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف واقعات اور حالات کے بارے میں بلاذری نے کم از کم 25 بیانات ایسے قلم بند کئے ہیں کہ جو اس نے خود براہ راست ابوالحسن مدائنی کی زبانی سنے[1] اور 21 دوسرے بیانات مدائنی سے منسوب کر کے شامل کئے جو شاید اس نے بلاذری کی مختلف کتابوں سے نقل کئے۔[2]

"فتوح السند" یعنی سندھ کی فتوحات کے باب کی ابتدا ہی اس طرح ہوتی ہے: اخبرنا علی بن محمد عبداللہ بن ابی سیف۔ الخ[3] یعنی ہمیں علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف نے خبر دی۔ یہاں ابتدا ہی میں بلاذری نے ابوالحسن المدائنی کا پورا نام لیا ہے اور گمان غالب ہے کہ یہ سارا

---

1. بلاذری نے ایسے بیانات کے لئے حدثنی، حدثنا، اخبرنی یا اخبرنا کے الفاظ کے ساتھ مدائنی کا نام لیا ہے۔ دیکھئے "فتوح البلدان" (مطبوعہ یورپ) صفحات 9، 11، 13، 35، 56، 73، 77، 277، 280، 281، 300، 311، 323، 327، 336، 342 (دو روایتیں) 353، 356، 382، 384، 392، 431، 438 اور 464۔
2. ایسے بیانات سے پہلے "قال" یا "فی روایۃ" کے الفاظ کے بعد مدائنی کا نام لیا ہے۔ دیکھئے فتوح البلدان (مطبوعہ یورپ) صفحات 7، 47، 128، 219، 240، 247، 337، 344، 354، 358، 359 (دو روایتیں)، 362، 365، 367، 373، 374، 382، 438، 465 اور 468
3. ایضاً ص 431

باب بلاذری نے خود مدائنی کی زبانی سنا اور اپنی کتاب میں قلم بند کیا۔ مندرجہ ذیل دلائل ہمارے اس قیاس کی تائید کرتے ہیں:

(1) باب کی ابتدا ہی مدائنی کے ذاتی نام کی سند سے ہوتی ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے راوی کا نام نہیں لیا گیا۔

(2) باب کے شروع میں جس پہلے واقعہ کا ذکر ہے، وہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں، عمان اور بحرین کے گورنر عثمان بن ابی العاص کی طرف سے، 15 ہجری میں اس کے بھائیوں حکم اور مغیرہ کی سرکردگی میں دیبل، بھڑوچ اور تھانہ کی چڑھائی اور فتوحات کا واقعہ ہے۔ اگر مدائنی کی سند اور زبان بیان کا تعلق صرف اس واقعہ تک ہوتا تو اس کے بعد دوسرے واقعہ (حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت میں محاذ ہند کی سرگرمیوں) یا اس کے بعد تیسرے واقعہ (حضرت علیؓ کی خلافت میں اس محاذ کی فتوحات) کے متعلق بلاذری ضرور کسی دوسرے راوی کی سند پیش کرتا جو کہ اس کا اصولی دستور ہے۔ لیکن باب کے شروع میں مدائنی کا نام لینے کے بعد بلاذری بغیر کسی دوسری سند کے واقعات کا مسلسل ذکر کرتا چلا گیا ہے۔

(3) اس باب میں بلاذری نے جہاں بھی بعض دوسرے راویوں کی روایتیں نقل کی ہیں، وہ صرف جملہ معترضہ کے طور پر اس بیان کی تصدیق، تکمیل یا اس سے اختلاف واضح کرنے کے لئے شامل کی ہیں، جسے وہ بحوالہ مدائنی نقل کرتا رہا ہے۔[1] پورے باب میں اصولی طور پر وہی

---

1. ایسی کل 12 روایتیں ہیں، جن پر غور کرنے سے ہمارے اس خیال کی پوری تائید ہوتی ہے۔ مثلاً 1- ص 437 پر دیبل کے بتخانہ کا ذکر کرنے کے بعد تصدیق کے طور پر محمد بن یحییٰ کی روایت اور منصور بن حاتم کا زبانی بیان درج کیا گیا ہے، جس نے بلاذری کے دنوں میں خود اس بتخانہ کے کھنڈر کو دیکھا تھا۔ اسی طرح ص 438 پر تصدیق کے لئے منصور بن حاتم کا بیان نقل کیا ہے، جس نے داہر اور اس کے قاتل کی تصویریں بھڑوچ اور دیبل میں دیکھیں۔ 2- اس بیان کی تکمیل کے طور پر ص 437 پر محمد بن قاسم کے صلح کے ذریعہ نیرون فتح کرنے کی روایت نقل کی ہے مگر اس میں کسی دوسرے راوی کا نام نہیں آیا، بلکہ صرف "قالوا" (یعنی کہتے ہیں) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرح "قالوا" (کہتے ہیں) سے شروع کرکے ص 439 پر محمد بن قاسم کی طرف سے حجاج کے پاس بھیجے ہوئے سونے اور نقدی کا ذکر ہے۔ ص 446 میں اس بیان کی تکمیل کی خاطر اس نے اپنے ہمعصروں منصور بن حاتم کا بیان (فضل بن ماہان کے متعلق) اور ابوبکر کا بیان (اصبہان کے حکم کے بارے میں) دیا ہے۔ 3- اس بیان سے اختلاف ظاہر کرنے کے لئے ص 433 اور ص 438 پر "وقال" کے لفظ سے جملہ ہائے معترضہ کے طور پر ابن الکلبی کے بیانات دیئے ہیں جس میں سے ایک میں اس نے مکران کے فاتح کا نام "حکم بن جبلہ" اور دوسرے میں داہر کے قاتل کا نام "قاسم بن ثعلبہ" بیان کیا ہے۔ اسی طرح صفحات 434-436 اور 442 پر بھی اس بیان سے اختلاف ظاہر کرنے والوں کی آراء بھی شامل کی ہیں، لیکن ان آراء کو ضعیف سمجھ کر انہیں "قال قوم" (کچھ لوگ کہتے ہیں) "قال بعضہم" (بعضوں کا کہنا ہے) اور "وقیل" (کہا جاتا ہے) کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بہرحال یہ جملہ روایتیں مدائنی کے بیان کی تصدیق یا اس کی مزید تکمیل یا پھر اس سے اختلاف ظاہر کرنے کے لئے نقل کی گئی ہیں۔

بیان مسلسل چلا گیا ہے کہ جو ابتدا ہی سے ابوالحسن مدائنی کی زبانی شروع ہوتا ہے، جس سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ بلاذری کے اس پورے باب "فتوح السند" کا اصل راوی اور مؤلف مدائنی ہے۔

یعقوبی نے فتوحات سندھ کے متعلق دیئے ہوئے بیانات میں مدائنی کا نام سند کے طور پر نہیں استعمال کیا ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل دلائل کے بنا پر کافی وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سندھ کے واقعات کے متعلق یعقوبی کا خاص ماخذ مدائنی ہی ہے۔

1- فتوحات سندھ کے بارے میں یعقوبی کے بیانات اصلی طور پر بالکل وہی ہیں کہ جنہیں بلاذری نے "فتوح السند" کے باب میں مدائنی کی زبانی نقل کیا ہے۔ البتہ اختصار کی وجہ سے یعقوبی نے کچھ باتیں حذف کردی ہیں اور اس کے ساتھ بعض چند ضعیف روایتوں کا اضافہ کردیا ہے۔

2- یعقوبی نے اپنی تاریخ میں اختیار سے کام لیا ہے اور اسناد کا سلسلہ اکثر نظر انداز کردیا ہے، حالانکہ ان واقعات کے بارے میں بیانات بالکل وہی ہیں کہ جو دوسری تاریخوں میں مدائنی کی سند سے نقل کیے گئے ہیں۔ مثلاً یعقوبی (جلد 2 ص278) میں امیر معاویہ کا عبداللہ بن سوار کو "چار ہزار" کے ساتھ مکران پر فوج کشی کے غرض سے روانہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ یہی بیان ہو بہو فتح نامہ (ص105) پر چار ہزار کی فوج کے ذکر کے ساتھ ابوالحسن مدائنی کی روایت سے مذکور ہے۔

3- یہ بھی ثابت ہے کہ یعقوبی، مدائنی سے واقف تھا، کیونکہ اس نے اپنی تاریخ (جلد 2 ص4) میں مدائنی کا ذکر کیا ہے۔

ابو جعفر طبری: اس نے اپنی ضخیم تاریخ میں ابوالحسن مدائنی سے بالواسطہ بہت کچھ نقل کیا ہے۔ اس کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم پانچ سو روایتیں مدائنی کی سند سے اس کی کتاب میں مذکور ہیں[1] خراسان کے جملہ حالات، شروع سے آخر تک زیادہ تر مدائنی کی روایت سے منقول ہیں، یہاں تک کہ پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے مدائنی کی پوری کتاب "فتوح خراسان" کو اپنی کتاب میں سمولیا ہے، اسی طرح عراق کی فتوحات اور نظام حکومت کے بارے میں بھی اکثر حالات مدائنی کی روایتوں سے نقل کیے گئے ہیں اور غالباً مدائنی کی کتاب "فتوح العراق" کو بھی طبری نے پوری طرح استعمال کیا ہے۔ البتہ خاص مشرقی ممالک جیسے کہ کرمان، سجستان اور مکران کی فتوحات، جو سندھ کی فتوحات کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں، ان کے

1. ہمارے شمار کے مطابق طبری نے اپنی تاریخ میں 503 مرتبہ مدائنی کا نام لیا ہے۔

حالات مدائنی کے بجائے (جس نے ان ممالک کی فتوحات پر مشتمل کتابیں لکھیں تھیں) دوسرے راویوں کی روایتوں کے ذریعے نقل کیے گئے ہیں۔[1]

سندھ کی فتح، اس کے بعد سندھ کے گورنروں یا سندھ کے بارے میں دوسرے بالواسطہ اشاروں کے متعلق طبری نے تقریباً چالیس حوالے دیئے ہیں جن میں سے اکثر مختصر ہیں اور بغیر سند کے دیئے گئے ہیں۔ کل تقریباً ایسے 9 حوالے ہوں گے جو کہ اسناد کے ساتھ ہیں۔[2] ان میں سے ایک حوالہ منصور بن جمہور کے سندھ میں بھاگ کر آنے کے متعلق مدائنی کی روایت سے دیا گیا ہے۔[3] اس کے علاوہ مدائنی کے شاگرد، عمر کی وساطت سے ایک خاص بیان طبری نے مدائنی کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (قال عمر قال علی و اخبرنا ابو عاصم الزیادی عن الھلواث الکلبی قال کنا بالسند مع محمد بن قاسم۔ الخ 1275x2) جس کا اصل راوی ہندوستان میں محمد بن قاسم کے ساتھ تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سندھ کے متعلق مدائنی کی روایتوں سے طبری بخوبی واقف تھا۔

<u>فتوحات سندھ کا اولین مصنف "المدائنی"</u> اس کا پورا نام "ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف المدائنی" ہے اور وہ شمس بن عبد مناف کے خاندان کے عبدالرحمٰن بن سمرہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ تقریباً <u>135ھ</u> میں بصرہ میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی۔ اس کے بعد وہاں سے منتقل ہو کر شہر "مدائن" میں جا بسا اور "المدائنی" کی نسبت سے مشہور ہوا۔ پھر بغداد میں سکونت پذیر ہوا، جہاں غالباً 225/224ھ میں اس نے وفات پائی۔[4]

مدائنی تاریخ اسلام کے واقعات کا بڑا ماہر تھا۔ خصوصاً خلافتِ اسلامیہ کے مشرقی ممالک، جیسا کہ عراق، خراسان، بحرین، عمان۔ کرمان، بجستان، کابل، زابلستان، مکران اور سندھ وغیرہ کی اسلامی فتوحات کا اسے مفصل اور مکمل علم تھا۔ چنانچہ ان کے متعلق اس نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کیں: کتاب فتوح العراق، کتاب فتوح خراسان، کتاب فتح الابلۃ، کتاب عمان، کتاب امر البحرین، کتاب کرمان، کتاب فتوح بجستان، کتاب کابل وزابلستان، کتاب فتح مکران، کتاب

---

1. مثلاً دیکھئے: طبری جلد 1 ص2705، 2707 اور 2708 جن میں بجستان، کرمان اور مکران کی فتوحات کی روایتیں اس طرح بیان کی گئی ہیں: کتب ابوالسری عن شعیب عن سیف عن محمد وطلحۃ والمہلب وعمر وقالوا۔ الخ۔
2. دیکھئے طبری 1839/2، 1946/2، 1979/2، 149/3، 282/3، 350-360/3، 363/3، 409/3، 1233/3۔
3. تاریخ طبری 1979/3 جس پر مدائنی کی روایت اس طرح بیان کی گئی ہے: ذکر علی بن محمد بن عاصم بن حفص التمیمی وغیرہ حدثوہ۔ الخ۔
4. اس کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے فہرست ابن ندیم (طبع یورپ) ص100-103، یاقوت کا معجم الادباء (طبع مارگولیتھ) 309/4-318، تاریخ بغداد (قاہرہ) نمبر (1438) ج12 ص54، انساب السمعانی (المدائنی)، شذرات الذہب (قاہرہ) 54/2، مروج الذہب (پیرس) 282/7۔

ثغر الہند اور کتاب عمال الہند۔[1]

مدائنی کی ان تصنیفات کا براہ راست یا بالواسطہ سندھ کی ابتدائی اسلامی فتوحات سے تعلق ہے۔ عراق کے فتح ہوجانے سے وہاں مضبوط فوجی مرکز کی بنیاد پڑی، جس سے پھر سندھ اور دوسرے مشرقی ممالک کی فتوحات میں سہولت پیدا ہوئی۔ اسی طرح بصرہ کے قریب قدیم بندرگاہوں "ابلہ"، "عمان" اور "بحرین" کی فتوحات سے مسلمانوں کی بحری طاقت وجود میں آئی اور دیبل، بھڑوچ اور تھانہ پر بحری حملے کرنے میں آسانی ہوئی، اور اسی طرح کرمان اور بجستان کی فتوحات کی وجہ سے اسلامی فوجیں ہندستان کی شمالی مغربی سرحد کی طرف بڑھیں۔ چنانچہ پہلے مکران، زابلستان اور کابل (مشرقی افغانستان) وغیرہ تسخیر ہوئے۔ اس کے بعد ادھر سے سندھ اور ہندستان کے کچھ علاقے فتح ہوئے۔ مدائنی کی تین کتابیں 1- کتاب فتح مکران 2- کتاب ثغر الہند (ہند یعنی محاذ سندھ) اور 3- کتاب عمال الہند (یعنی سندھ کے گورنر)، خاص طور پر براہ راست سندھ کی فتوحات اور یہاں کے عربی حکمرانوں کے متعلق ہیں۔

اس کے علاوہ مدائنی کی ایک اور تصنیف "کتاب اخبار ثقیف" ہے۔ جس میں ثقفی خاندان کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ سندھ کی فتوحات کے سلسلے میں ثقفی خاندان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی خاندان کا ایک فرد عثمان بن ابی العاص ثقفی نے 150ھ میں سب سے پہلے اپنے دو بھائیوں حکم اور مغیرہ کی سرکردگی میں دیبل، تھانہ اور بھڑوچ کی بندرگاہ پر بحری فوجیں روانہ کیں۔ اس کے بعد حجاج اور محمد بن قاسم بھی اسی ثقفی خاندان کے افراد تھے کہ جن کی شجاعت، ہمت، دلیری اور حکمت عملی سے سندھ فتح ہوا۔ مدائنی نے "کتاب فتوح خراسان" میں خاص طور پر خراسان کے گورنر جنید بن عبدالرحمٰن المری کے حالات لکھے ہیں۔[2] یہ جنید پہلے 5 یا 6 سال (105-111ھ) میں سندھ کا گورنر رہ چکا تھا اور یہاں بڑی فتوحات حاصل کیں تھیں اور غالباً اس کی اسی شہرت کی وجہ سے اسے سندھ سے تبدیل کر کے خراسان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ جہاں وہ اپنی وفات (محرم 116ھ) تک بدستور حکمران رہا۔

مدائنی کی مذکورہ تصانیف پر غور کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ خلافت اسلامیہ کے مشرقی ممالک کی فتوحات اور تاریخ سے پوری طرح باخبر تھا۔ خاص طور پر محاذ ہند یعنی فتوحات مکران اور سندھ اور وہاں کے عرب گورنروں کے حالات کا اسے کماحقہ علم تھا اور ان پر اس نے علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھیں۔ اس کے علاوہ جن خاص شخصیتوں کا سندھ کی فتوحات سے تعلق تھا ان

---

1. دیکھئے فہرست ابن ندیم ص103 اور معجم الادبا، 5/ 315-316۔
2. فہرست ابن ندیم، ص103

کے حالات سے بھی وہ پوری طرح واقف تھا۔ اس نے ان کو بھی اپنا موضوع بنایا، اور ان پر بھی کتابیں لکھیں۔

فتحنامہ کی بنیاد مدائنی کی روایتوں پر: مذکورہ تحقیق سے یہ حقیقت واضح اور صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ ہر لحاظ سے مدائنی ہی سندھ کی فتح اور تاریخ کا پہلا مؤرخ یا مصنف ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہند، سندھ اور مکران کی فتوحات کا بھی وہی تنہا مؤرخ اور راوی ہے کیونکہ ان واقعات کے سلسلہ میں عربی تواریخ میں کسی دوسرے ایسے مؤرخ کا حوالہ نظر نہیں آتا کہ جس نے پوری طرح ان ممالک کی تاریخ پر توجہ مرکوز کی ہو یا ان موضوعات پر کوئی کتاب لکھی ہو۔ مکران اور سندھ کی فتوحات کے جو حالات ہم تک پہنچے ہیں ان کا ذریعہ صرف مدائنی ہی ہے، اور ان ممالک کی اسلامی فتوحات کی تاریخ کے متعلق بلاذری، یعقوبی اور طبری کے بیانات زیادہ تر مدائنی کی روایتوں پر مبنی ہیں۔ اسی طرح سندھ کی فتوحات کے متعلق جو بنیادی حقائق اور واقعات قدیم عرب مؤرخوں کے توسل سے ہم تک پہنچے ہیں وہ بھی زیادہ تر مدائنی ہی کی روایتوں سے متعلق ہیں۔ لہٰذا اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ "فتحنامہ سندھ" جو کہ اصل میں عربی میں تھا اور جس میں سندھ کی ابتدائی اسلامی فتوحات کا ذکر ہے، اس کا مدار زیادہ تر مدائنی کی تصانیف اور روایتوں پر ہے۔ ہمارے اس خیال کی مزید تائید مندرجہ ذیل دلائل سے بھی ہوتی ہے۔

پہلے یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ قدیم عربی تواریخ میں بلاذری کی تاریخ "کتاب فتوح البلدان" میں ہی سندھ کی ابتدائی اسلامی فتوحات کے واقعات دوسری تمام تاریخوں کے مقابلہ میں زیادہ تفصیل سے ملتے ہیں۔ کیونکہ اس میں 15 صفحات (285-294) کا ایک پورا باب بلاذری نے "فتوح السند" کے عنوان سے قلم بند کیا ہے۔ اس باب کی مذکورہ روایتوں کا تجزیہ کرنے سے بھی یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اس کا اصل راوی اور مصنف مدائنی ہی ہے۔

اس باب کے متن اور مواد پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ: 1- اس کی ابتدا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں عمان سے سندھ اور ہند کی بندرگاہوں (دیبل، بھڑوچ اور تھانہ) پر کیے گئے پہلے بحری حملے کی فتوحات کے واقعات سے ہوتی ہے، یعنی کہ یہ باب محاذ ہند (سندھ اور ہند) کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ 2- اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے لے کر عبدالملک کے دور تک، مکران پر اسلامی لشکر کی جنگوں اور فتوحات کے حالات مذکور ہیں یعنی یہ واقعات مکران کی فتوحات سے تعلق رکھتے ہیں۔ 3- پھر ولید کے دور میں محاذ ہند اور سندھ کا ذکر، عبیداللہ بن نبہان اور بدیل کی دیبل پر فوج کشی کے واقعات سے شروع ہوتا ہے، اور یہ حصہ محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ کی مکمل فتح اور ہند کے کچھ حصوں کی فتوحات کے واقعات پر ختم ہوتا

ہے۔ 4- اس کے بعد سلیمان کے دورِ خلافت سے سندھ اور ہند کے عرب گورنروں کا ذکر شروع ہوتا ہے جو کہ معتصم کی خلافت کے بعد عمر بن عبدالعزیز الھباری کے سندھ پر قبضہ کرنے کے واقعات پر ختم ہوتا ہے۔

باب ''فتوح السند'' کے متن اور مواد کے مذکورِ بالا جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ بلاذری نے اس باب کی روایتوں میں مدائنی کی تین کتابوں 1- ''کتاب ثغر الہند''۔ 2- کتاب فتح مکران اور 3- کتاب عمال الہند کو جمع کر دیا ہے۔ یہ بات اس لئے بھی قرینِ قیاس ہے کہ بلاذری نے 280/279ھ میں وفات پائی اور مدائنی 225ھ میں یعنی بلاذری سے 55 سال پہلے فوت ہوا، جس کے یہ معنی ہوئے کہ جب بلاذری نے اس باب کی روایتیں مدائنی کی زبانی سنی ہوں گی اس وقت مدائنی کافی بوڑھا ہو چکا ہوگا اور مذکورہ تینوں کتابیں اس سے بہت پہلے تصنیف کر چکا ہوگا۔ اس وجہ سے زبانی روایت میں سندھ کی فتوحات کے متعلق اس نے بلاذری کو غالباً اپنی انہی تصانیف کا ماحصل بیان کر کے سنایا ہوگا۔ بلاذری کو بھی چونکہ اجمال مدنظر تھا اس لئے اس نے اپنی کتاب میں مدائنی کی روایتوں کا اختصار قلم بند کیا ہے۔

''فتح نامہ'' کا وہ حصہ جو اسلامی تاریخ سے متعلق ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاذری کے باب ''فتوح السند'' کا سارا مواد ترتیب وار اس میں شامل ہے۔ مثلاً صفحہ 101 [72] پر اس کی ابتدا ہی بلاذری کی باب کی طرح، حضرت عمرؓ کی خلافت میں عمان کے گورنر کی جانب سے ہند اور سندھ کی بندرگاہوں (دیبل، بھڑوچ اور تھانہ) پر بحری فوج کشی کے واقعہ سے ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت سے لے کر عبدالملک کے عہد تک اسلامی فوجوں کی مکران پر فوج کشی اور فتوحات کے واقعات بالکل بلاذری کے سلسلے کے مطابق دیئے گئے ہیں۔ پھر اس کے بعد ولید کے زمانے میں محاذ ہند و سندھ کا ذکر، دیبل پر عبیداللہ بن نبہان اور بدیل کی بحری فوج کشی سے شروع ہو کر محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ کی فتح کے مفصل بیانات پر ختم ہوتا ہے۔ البتہ محمد بن قاسم کے بعد جو عرب گورنر سندھ میں حکمران ہوئے، فتحنامہ میں ان کا کوئی ذکر ہمیں نہیں ملتا، اس کے یہ معنی ہوئے کہ فتحنامہ میں مدائنی کی صرف دو کتابوں، کتاب ثغر الھند اور کتاب فتح مکران کا مواد شامل ہے لیکن اس کی تیسری کتاب، عمال الھند کا مواد شامل نہیں ہے۔

فتح نامہ کی داخلی شہادتوں سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس میں مدائنی کی دونوں کتابیں، کتاب ثغر الھند اور کتاب فتح مکران مکمل طور پر شامل ہیں۔ مندرجہ ذیل دلائل ہمارے اس قیاس کو مزید تقویت دیتے ہیں۔

الف- بلاذری نے "باب فتوح السند" میں مدائنی کے حوالے سے جو واقعات اختصار کے ساتھ قلم بند کیے ہیں، فتحنامہ میں بھی وہی واقعات اسی ترتیب سے لیکن زیادہ تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ بلاذری کے اس باب میں مدائنی کی تینوں کتابیں شامل ہیں اور فتحنامہ میں غالباً صرف دو کتابیں فتح مکران اور ثغر الهند شامل ہیں۔ لیکن اپنی پوری رواتیوں کے ساتھ جس کی وجہ سے اس میں جملہ واقعات کی تفصیل موجود ہے، اس کے علاوہ باب "فتوح السند" اور فتحنامہ کے مشترکہ بیانات میں صرف اصولی نہیں بلکہ جزئیاتی مطابقت بھی موجود ہے۔ مثلاً فتحنامہ میں (ص127) پر بیان کیا گیا ہے کہ دیبل پر حملہ کرنے کے موقع پر حجاج کا خط پہنچا، جس میں ہدایت تھی کہ "مناسب یہ ہے کہ سورج کی طرف پیٹھ رکھو، تاکہ دشمن کو اچھی طرح دیکھ سکو۔" یہ الفاظ بلاذری کی عبارت (ص437) میں دیئے گئے حجاج کے حکم "ولکن مما یلی المشرق" کے عین مطابق ہیں۔ فتح نامہ (ص162) میں مذکور ہے کہ محمد بن قاسم نے حجاج کو سرکہ بھیجنے کے لیے لکھا، اور یہ انتظام کرنے کے لیے حجاج کے حکم سے دھنکی ہوئی روئی کو سرکہ میں بھگو کر خشک کیا گیا۔ بلاذری (ص436) کی عبارت بھی اس کے مطابق ہے کہ "وعمد الحجاج الی القطن المحلوج، فنقع فی الخل الخمر الحاذق." پہلا مجاہد جو کہ دیبل کے قلعہ کی فصیل پر چڑھا اس کا نام بھی بلاذری اور فتح نامہ کے بیانات میں ایک ہے (دیکھئے فتح نامہ ص310-311) داہر کے قاتل کے بارے میں بھی فتح نامہ اور بلاذری کے بیانات میں مطابقت ہے۔ ان جزئیاتی مطابقتوں سے ظاہر ہے کہ فتحنامہ کے تفصیلی بیانات مدائنی کی رواتیوں کے مطابق ہیں، جنھیں بلاذری نے مدائنی کی زبانی اپنے باب فتوح السند میں قلم بند کیا ہے۔

ب- دوسرے یہ کہ بلاذری کو مدائنی نے خود اپنی زبان سے ان فتوحات کے واقعات سنائے ہیں، اسی وجہ سے "باب فتوح السند" کے شروع میں بلاذری نے اس کا نام بطور سند کے پیش کیا ہے اور اس کے بعد وہ واقعات کو مسلسل نقل کرتا گیا ہے، یہاں تک کہ داہر کے قتل کے بعد (ص438) پر پھر اس نے اپنے اس بیان کی دوبارہ تصدیق کے لیے مدائنی کا نام لیا ہے۔ اور چونکہ یہ سارا بیان بلاذری نے مدائنی کی زبانی سنا اور نقل کیا ہے اس لیے اسے بار بار ہر واقعہ اور موقعہ پر اس کا نام دہرانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

قدیم عرب مورخوں کا دستور تھا کہ اپنی تصانیف میں اکثر ہر نئے بیان سے پہلے اپنا نام دینے کے بعد اپنے سلسلۂ اسناد (یعنی ان راویوں کے نام کہ جن کے توسل سے مصنف تک اس بیان یا واقعہ کی روایت پہنچی ہو) درج کرتے تھے اس کے بعد ہی پھر وہ بیان یا واقعہ پیش کرتے

تھے۔ مورخ ابو جعفر طبری نے اپنی تاریخ میں خاص طور پر اس رسم کی پابندی کی ہے اور وہ ہر نیا واقعہ قلم بند کرنے سے پہلے لکھتا ہے کہ: "قال فلان...... حدثنی قال حدثنی فلان" (یعنی فلاں نے مجھ سے بیان کیا کہ اس نے فلاں سے یہ سنا جس سے فلاں نے یہ ذکر کیا) یا "حدثنی" (مجھ سے بیان کیا) کے بجائے "عن" (فلاں سے بیان کیا) کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ غرض اس طرح خود مصنف کی کتاب میں اکثر بار بار خود مصنف اور اس کے استاد راویوں کا ذکر ملتا ہے۔

فتحنامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانے کے دستبرد کی وجہ سے یا غالباً فارسی مترجم علی کوفی کی بے احتیاطی کی وجہ سے، مختلف روایتوں کی اسناد کو یا تو ناقص حالت میں قلم بند کیا گیا ہے یا بالکل حذف کر دیا گیا ہے، لیکن پھر بھی مدائنی کے نام سے اس کے اسناد کے ساتھ فتحنامہ میں پوری 13 واضح روایتیں[1] موجود ہیں۔ دو، دوسری روایتیں (ص172-174) پر "محمد بن حسن" اور "محمد بن ابوالحسن" مدنی کے ناموں سے بیان کی گئی ہیں یہ دونوں بھی غالباً مدائنی ہی کی روایتیں ہیں اور اس کے نام "ابوالحسن علی بن محمد" کو سہواً غلط لکھا ہے۔[2] دوسری آٹھ روایتیں ایسے اشخاص کے نام سے دی گئی ہیں، جن سے دوسری روایتیں خود فتحنامہ میں مدائنی کی زبانی نقل کی گئی ہیں۔[3] جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ آٹھ روایتیں بھی یقینی طور پر مدائنی ہی کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں، لیکن ان کی ابتدا میں مدائنی کا نام حذف ہوگیا ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے فتحنامہ میں کل 23 روایتیں مدائنی کی تسلیم کی جاسکتی ہیں۔ اس کے بعد باقی ماندہ روایتیں کل 14 بچتی ہیں جو کہ دوسرے راویوں کے ناموں سے منسوب ہیں اور گمان غالب ہے کہ ان روایتوں میں سے بہتوں کی اسناد کے شروع کے حصے حذف ہیں اور ممکن ہے کہ ان میں سے بھی بعض مدائنی ہی کے ذریعہ سے پہنچی ہوں۔ بہرحال مجموعی طور پر فتحنامہ کا بڑا حصہ مدائنی کی روایتوں پر مشتمل ہے اور سوائے

---

1. دیکھیے صفحات 105-107-118-119-130 (دو روایتیں) 125-168-222-233-238 اور 1876-2397 مدائنی کا نام ابوالحسن یا علی بن محمد تحریر کیا گیا ہے۔
2. دیکھیے فتحنامہ کے آخر میں ص309 کا حاشیہ 174/(164)
3. مثلاً صفحات 103-104-105 پر تین روایتیں ہذلی کے نام سے دی گئی ہیں، لیکن صفحات 105 اور 106 پر خود ہذلی کی روایتیں ابوالحسن مدائنی کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ دو روایتیں (ص107 اور 117) عبدالرحمن بن عبد ربہ السلیطی کے نام سے دی گئی ہیں لیکن صفحات 227 اور 233 پر عبد ربہ السلیطی کی روایتیں بھی ابوالحسن مدائنی کی زبانی ظاہر کی گئی ہیں۔ صفحہ 191 پر ایک روایت ابومحمد ہندی سے منسوب ہے اور صفحات 125 اور 238 پر ابومحمد ہندی کی دونوں روایتیں ابوالحسن مدائنی کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ صفحہ 121 پر ایک روایت اسحاق بن ایوب کے نام سے دی گئی ہے حالانکہ صفحہ 119 پر اسحاق بن ایوب کی روایت ابوالحسن مدائنی کی زبانی نقل ہے۔ اسی طرح صفحہ 135 پر ایک روایت ابوالليث التمیمی الہندی کے نام سے آئی ہے حالانکہ صفحہ 187 پر ابوالليث ہندی کی روایت ابوالحسن مدائنی کی روایت بیان کی گئی ہے

اس فتحنامہ کے، سندھ کی فتوحات کے بارے میں مدائنی کی اتنی مفصل روایتیں دوسری کسی بھی عربی تاریخ میں موجود نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے اس قیاس کو زیادہ تقویت ملتی ہے کہ فتحنامہ کی اسلامی تاریخ اور فتوحات کا بڑا حصہ مدائنی کی دونوں کتابوں ''کتاب ثغر الہند'' اور ''کتاب فتح مکران'' کا مجموعہ ہے۔

فتحنامہ کے مواد کے ماخذ اور ان کی داخلی صحت: مجموعہ کے کل مواد کے تین سرچشمہ نظر آتے ہیں: (الف) مدائنی کی روایتیں۔ (ب) مدائنی کے علاوہ دوسرے عرب عالموں اور راویوں کی روایتیں۔ (ج) سندھ کی مقامی روایتیں۔ اب ہم ان تینوں ماخذوں پر تنقیدی لحاظ سے بحث کریں گے۔

الف۔ مدائنی کی روایتیں: عرب مورخوں نے مدائنی کو ایک معتبر مؤرخ تسلیم کیا ہے، کیونکہ اس کی روایتیں زیادہ ترصحیح اور پختہ ہیں۔ افسوس ہے کہ فتحنامہ میں اس کی روایتوں کی کڑیاں حذف ہیں جس کی وجہ سے اس کی روایتوں کا پورا تنقیدی جائزہ نہیں لیا جاسکتا، پھر بھی مندرجہ ذیل حقائق مدائنی کی روایتوں کی داخلی صحت کی تصدیق کرتے ہیں:

(1) پہلی تو فتحنامہ میں دی ہوئی مدائنی کی اکثر روایتیں اس کے ان اُستاد راویوں کے حوالے سے بیان کی گئی ہیں، جن سے اس نے مرکزی خلافت اور دوسرے واقعات کی بابت حالات سنے اور نقل کیے ہیں اور جن کے بیانات کو بلاذری اور طبری جیسے معتبر مؤرخوں نے صحیح تسلیم کرکے اپنی تاریخوں میں شامل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ روایتیں غور طلب ہیں:

صفحہ 104 [78] پر عبداللہ بن سوار کے متعلق بیان ابوالحسن مدائنی نے دو راویوں یعنی ہذلی اور مسلمہ بن محارب کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ فتحنامہ میں اسی طرح چار دوسری روایتیں (ص103، 104 اور 106 (دو روایتیں) ہذلی کی وساطت سے اور ایک روایت (ص233) مسلمہ بن محارب کے ذریعہ بیان کی گئی ہے جن میں سے ص106 پر ہذلی کی روایت اور ص233 پر مسلمہ کی روایت سے پہلے ابوالحسن کا نام دیا گیا ہے، لیکن صفحات 103، 104 اور 106 پر ہذلی کی روایتوں کے شروع میں ابوالحسن کا نام غالباً فارسی مترجم کی بے توجہی سے حذف ہوگیا ہے۔[1]

سلمی بن عبداللہ بن سلمی [2] جو کہ ابوبکر الہذلی کی عرفیت سے مشہور ہوا، تاریخ اسلام کا مستند اور تسلیم شدہ راوی ہے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں تقریباً 20 روایتیں اس کے سلسلہ اسناد نقل

1. دیکھئے آخر میں ص279-280 کا نوٹ103-104 [77]
2. طبری (3/2550) نے اس کا نام بالکل اسی طرح تحریر کیا ہے جسے صحیح تصور کرنا چاہیے طبری کے ایڈٹ کرنے والوں نے اسماء خاص کی فہرست میں اس کا نام "سلمہ بن عبداللہ" لکھا ہے اور "ابن رستہ" کی کتاب "الاعلاق النفیسہ" (ص213) میں اس کا نام "سلیمان بن عبداللہ" دیا گیا ہے۔ اس کے مزید حالات کے لئے دیکھیے آخر میں نوٹ صفحہ 281۔

کی ہیں جن میں سے آٹھ روایتیں ابوالحسن مدائنی کے ذریعہ بیان کی ہیں[1] یعنی ہذلی کی زیادہ تر روایتیں مدائنی کے ذریعہ نقل ہوئی ہیں۔ غرض ہذلی، مدائنی کے استادوں میں سے تھا اور اس کی روایتیں نہ صرف طبری بلکہ دوسرے مؤرخوں اور مصنفوں نے بھی مدائنی ہی کی زبانی نقل کی ہیں[2] ابوبکر ہذلی عباسی خلیفہ منصور (وفات 158ھ-775ع) کے زمانے تک بقیدِ حیات تھا۔[3] اور مدائنی (ولادت سن135ھ) کی عمر اس وقت تقریباً 23 سال تھی۔ چنانچہ اس نے جملہ تاریخی حالات خود ہذلی کی زبانی براہِ راست سنے، انہیں اپنی تصانیف میں شامل کیا اور دوسروں تک پہنچایا۔[4]

''مسلمہ'' کا پورا نام ''مسلمہ بن محارب بن سلم بن زیاد'' ہے اور وہ مشہور اموی سپہ سالار زیاد کی اولاد سے تھا۔[5] وہ نہ صرف تاریخی روایتوں کے سلسلے میں مستند مانا جاتا ہے، بلکہ حدیث کے راویوں میں بھی معتبر شمار کیا جاتا ہے۔[6] وہ مدائنی کے استادوں میں سے ہے اور اس کی تاریخی روایتیں زیادہ تر مدائنی کے ذریعہ ہی بلاذری اور طبری تک پہنچی ہیں اور مدائنی نے اس سے براہِ راست یہ روایتیں سنی تھیں۔ بلاذری نے ''فتوح البلدان'' (ص73-240 اور 280) میں تین روایتیں مسلمہ کے سلسلۂ اسناد سے نقل کی ہیں اور اپنی دوسری تصنیف ''کتاب انساب الاشراف'' (جلد 4 اور 11) میں کل چھ روایتیں مسلمہ کے سلسلۂ اسناد سے مدائنی کی زبانی نقل کی ہیں۔[7]

طبری نے کل 43 روایتیں ''مسلمہ'' کے سلسلۂ اسناد سے نقل کی ہیں اور سب مدائنی کی کتابوں یا مدائنی کے شاگرد عمر بن شبہ کے توسل سے خود مدائنی کی زبانی نقل ہیں۔ فتحنامہ کے صفحہ 334 پر بھی مسلمہ بن محارب کی ایک روایت ابوالحسن مدائنی سے نقل کی گئی ہے۔

غرض ہذلی اور مسلمہ دونوں مدائنی کے بزرگ ہمعصر اور تاریخ کے مستند عالم تھے۔ چونکہ فتحنامہ میں جو روایتیں مدائنی کے زبانی نقل کی گئی ہیں ان کے پچھلے سلسلے (یعنی ہذلی اور مسلمہ نے جن لوگوں سے یہ واقعات سنے اور ان لوگوں نے جن سے یہ سنے، ان کے نام) حذف ہیں، اس

---

1. تاریخ طبری ص 1/2832، 1/2871، 1/3068، 1/3135، 1/3198، 2/173، 1/1326 اور 3/132
2. مثلاً بلاذری نے فتوح البلدان (ص18) میں صرف ایک روایت ہذلی کی سند سے بیان کی ہے اور یہ ابوالحسن مدائنی کے زبانی نقل ہے۔ اسی طرح اس نے اپنی دوسری تصنیف ''کتاب انساب الاشراف'' (جلد 11 ص227) میں بھی ہذلی کی روایت مدائنی کی ذریعہ نقل کی ہے۔
3. دیکھئے طبری 3/401، 424، 435 اور 436۔
4. طبری نے مدائنی کی ہذلی کی بیان کی ہوئی روایتیں مدائنی کے شاگرد عمر بن شبہ کی زبانی نقل کی ہیں۔
5. دیکھئے تاریخ طبری 2/445
6. دیکھئے بخاری کی ''التاریخ الکبیر'' جلد 4 ص279
7. دیکھئے کتاب الانساب الاشراف، جلد 4، صفحات 73، 81، 106 اور جلد 11 صفحات 27، 168، 226

وجہ سے عینی شہادتوں اور معاصرانہ روایتوں کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ تاہم بعض روایتوں کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ مدائنی کی روایتوں کا سلسلہ بالآخر ان لوگوں تک پہنچتا ہے جو کہ بیان کردہ واقعات سے پوری طرح باخبر تھے۔ مثلاً صفحہ 106 پر ابوالحسن مدائنی کی روایت ابوبکر ہذلی سے اور ہذلی کی روایت اسود سے بیان کی گئی ہے اور یہ روایت امیر معاویہ کے عہد (41-60ھ) میں راشد بن عمرو کے محاذ ہند پر تقرر کے بارے میں ہے۔ اس روایت میں حالانکہ ہذلی اور اسود کے درمیانی راویوں کے نام حذف ہیں۔[1] لیکن اس کے باوجود خارجی شہادتوں کی بنیاد پر کافی وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اسود سے مراد الاسود بن یزید النخعی ہے اور وہ تاریخ کے مشہور راوی ہیں۔ تاریخ طبری میں کم از کم نو ایسی تاریخی روایتیں ہیں، جن کے سلسلۂ اسناد کی آخری کڑی اسود ہیں۔ جو کوفہ کے برگزیدہ تابعین میں سے تھے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت (سن 35 ہجری) کے موقع پر ان کی طرف سے انہوں نے مدافعت کی تھی۔[2] چنانچہ اس کے بعد امیر معاویہ کے عہد تک ان کا زندہ رہنا اور راشد بن عمرو کی تقرری سے باخبر ہونا قطعی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، اس لحاظ سے مدائنی کی یہ روایت مثال کے طور پر یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کی روایتیں بڑی باوزن ٹھوس اور معاصرانہ ہیں۔

اس تفصیلی بحث کے بعد اب ذیل میں ہم فتحنامہ میں مدائنی کے باقی دوسری روایتوں کے ماخذوں کا مختصر جائزہ لیں گے۔

2۔ فتحنامہ کے صفحہ 105 پر ابوالحسن مدائنی کا حاتم بن قبیصہ بن المہلب[3] کا براہ راست سماعی بیان نقل کیا گیا ہے۔ حاتم بن قبیصہ سن 98 ہجری میں طخارستان کا گورنر تھا۔[4] وہ تاریخ کا عالم تھا اور جس طرح راوی عمر بن شبہ نے مدائنی سے تاریخی روایتیں نقل کی ہیں، اسی طرح اس سے بھی روایتیں نقل کی ہیں۔[5] اسی وجہ سے مدائنی کا حاتم بن قبیصہ سے روایتیں اخذ کرنا بالکل قرین قیاس ہے۔ البتہ فتحنامہ میں بیان کی گئی یہ روایت عبداللہ بن سوار کی جنگ کے متعلق ہے

---

1. چونکہ ہذلی اور سلمہ دونوں ہمعصر اور مدائنی کے اہم ماخذ ہیں اور مدائنی نے بعض روایتیں ان سے ایک ہی وقت میں سنی ہیں (دیکھئے تاریخ طبری 2/73) طبری نے ایک روایت نقل کی ہے، جو اس نے ابن حمید سے اور ابن حمید نے، سلمہ سے اور سلمہ نے ابو اسحاق سے اور ابو اسحاق نے عبدالرحمٰن سے اور عبدالرحمٰن نے اپنے باپ اسود سے سنی (1/2355) اس سلسلۂ اسناد کے مطابق سلمہ اور اسود کے درمیان دوسرے راوی بھی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ فتحنامہ کی مذکورہ روایت میں سلمہ کے ہمعصر ہذلی اور اسود کے درمیان بھی کم از کم دو راویوں کے نام ہونے چاہئیں جو کہ حذف ہوگئے ہیں۔
2. دیکھئے تاریخ طبری: 1/2896, 2861, 2960۔
3. متن میں "حاتم بن قبیصہ الباہلی" غلط ہے اور صحیح نام "حاتم بن قبیصہ بن المہلب" ہے۔
4. دیکھئے تاریخ طبری: 2/1324
5. تاریخ طبری: 2/109-110

جسے امیر معاویہ نے تقریباً 41-42ھ میں محاذ ہند پر مامور کیا تھا اور اس جنگ میں حاتم بن قبیصہ کا موجود ہونا ناممکن نظر آتا ہے۔ طبری نے سن 50 ہجری کے دو چشم دید واقعات جن لوگوں کی زبانی حاتم بن قبیصہ کی وساطت سے نقل کئے ہیں، ان لوگوں اور حاتم بن قبیصہ کے درمیان کم از کم ایک راوی کا واسطہ ہے۔[1] اسی وجہ سے فتحنامہ کی اس روایت کا آخری حصہ حذف معلوم ہوتا ہے اور جس شخص نے ابن سوار کو جنگ میں دیکھا وہ حاتم بن قبیصہ نہیں بلکہ وہ راوی معلوم ہوتا ہے جس نے اس سے یہ روایت بیان کی۔

3- فتحنامہ صفحہ 119 پر ابوالحسن مدائنی کا اسحاق بن ایوب کی زبانی سنا ہوا بیان دیا گیا ہے جوکہ سن 93ھ میں حجاج کا محمد بن قاسم کو سندھ روانہ کرنے کے لئے فوجیں فراہم کرنے کے متعلق ہے۔ طبری نے ابوالحسن مدائنی کی اسحاق بن یعقوب سے نقل کی ہوئی دو روایتیں اپنی تاریخ میں بیان کی ہیں جوکہ امیر معاویہ کے عہد اور ولید کے متعلق ہیں۔[2] فتحنامہ کی یہ روایتیں بھی ولید کے عہد کی ہیں اور روایتی حیثیت سے مکمل ہیں۔ فتحنامہ کے صفحہ 121 پر ایک اور دوسری روایت میں اسحاق بن ایوب اور ہلواث کلبی کے نام ملتے ہیں اور اس میں مدائنی کا نام چھوڑ دیا گیا ہے، حالانکہ ہلواث کی روایتیں بھی مدائنی ہی کے ذریعہ پہنچی ہیں۔[3]

4- فتحنامہ کے صفحہ 125 پر ابوالحسن نے دیبل کے محاصرہ کا بیان "ابو محمد مولی بنی تمیم" سے نقل کیا ہے اور صفحہ 238 پر ابوالحسن نے پھر اسی "ابو محمد ہندی" سے ملتان کے متروی بتخانہ کا بیان نقل کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابو محمد، ہند یعنی سندھ کا باشندہ تھا اور بنو تمیم کا پروردہ تھا۔ ممکن ہے کہ ابو محمد کو ان واقعات کا براہ راست علم ہو، کیونکہ یہ واقعات 93-95ھ کے ہیں اور ممکن ہے کہ وہ کم از کم 56 سال بعد تک زندہ رہا ہو اور 150ھ کے قریب جب کہ ابوالحسن مدائنی کی عمر 15 سال کی تھی، ابو محمد نے اسے ان واقعات کی خبر دی ہو۔ لیکن فتحنامہ میں ان روایتوں کا بھی آخری حصہ غالباً حذف ہے اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ابو محمد خود ان واقعات کا شاہد عینی نہ ہو۔ بلکہ اس نے یہ حالات کسی دوسرے راوی کی زبانی سنے ہوں۔ چنانچہ بلاذری نے فتوح البلدان (ص438) میں محمد بن قاسم کی فتح کے متعلق ایک بیان نقل کیا ہے جو مدائنی نے "ابو محمد ہندی" سے اور ابو محمد نے وہ "ابوالفرج" نامی راوی سے نقل کیا ہے۔ بہرحال بلاذری کے اس

---

1. طبری نے سن 50ھ کے دونوں واقعات کو اسی روایت سے بیان کیا ہے یعنی طبری نے عمر بن شبہ سے، عمر بن شبہ نے حاتم بن قبیصہ سے، حاتم بن قبیصہ نے غالب بن سلیمان سے اور غالب بن سلیمان نے عبدالرحمٰن بن صبیح سے سنا۔ (تاریخ طبری: 2/109-110)
2. دیکھئے تاریخ طبری: 2/201 اور 2/1741
3. دیکھئے زیر مطالعہ مقدمہ صفحہ 9

حوالے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو محمد، مدائنی کے استاد راویوں میں سے ہے۔

البتہ فتحنامہ میں ص 191 پر داہر کے قتل، لاڈی کی گرفتاری اور محمد بن قاسم کے اسے خریدنے کی حکایت بھی ابو محمد ہندی ہی سے منقول ہے، جس نے اسے "ابو مسیر عابی" سے اور اس نے "ہند کے کسی اور شخص" سے سنی تھی، لیکن یہ روایت مشکوک ہے، کیونکہ ہر چند کہ ابو محمد مشہور راوی ہے لیکن "ابو مسیر عابی" کون تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا، لیکن اگر ہم اس کو "ابو مسیر عبدالاعلیٰ" تسلیم کرلیں[1] جو ایک مشہور راوی ہے، تب بھی روایت کی آخری کڑی نامعلوم اور مبہم ہے۔

5۔ فتحنامہ کے ص 239 پر ابوالحسن نے خریم بن عمرو سے ملتان کے خزانہ کی روایت نقل کی ہے۔ چونکہ حجاج نے خریم بن عمرو کو محمد بن قاسم کے ساتھ روانہ کیا تھا۔[2] اور سندھ کی فتوحات میں خریم اس کے ساتھ تھا[3] غالباً آخر وقت تک وہ محمد بن قاسم کے ساتھ رہا[4] اسی وجہ سے وہ ملتان کی فتح اور خزانہ کے حقائق سے پوری طرح باخبر تھا۔

6۔ فتحنامہ کی صفحہ 187 پر ابوالحسن کی ایک روایت جوکہ داہر کے قتل کے بارے میں ہے، ابوالیث ہندی سے اور اس کے بعد اس کے باپ سے منقول ہے۔ اس سے پہلے صفحہ 135 پر بھی محمد بن قاسم کی دیبل کی جانب روانگی کا بیان "ابوالیث التمیمی الہندی" سے نقل کیا گیا ہے، لیکن اس میں ایک راوی (ابوالحسن مدائنی) کا نام حذف ہوگیا ہے۔ یہ دوسرا بیان ابوالیث نے جعونہ بن عقبۃ السلمی سے سنا۔ لیکن فتحنامہ کے صفحہ 126 پر منقول بیان سے ظاہر ہے کہ جعونہ السلمی، محمد بن قاسم کے ساتھ تھا اور خاص منجنیق اس کے حوالے تھی اس سے ان روایتوں کی صحت کی تصدیق ہوجاتی ہے۔

7۔ فتحنامہ کے صفحات 222 اور 233 پر مدائنی (علی بن محمد) کی دو روایتیں عبدالرحمٰن بن عبد ربہ السلیطی سے منقول ہیں۔ دوسری روایت بیک وقت مسلمہ بن محارب اور عبدالرحمٰن بن سلیطی سے منقول ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن اور مسلمہ دونوں مدائنی کے بزرگ معاصر تھے۔

---

1. ابو مسیر عبدالاعلیٰ بن مسیر تاریخ کے راویوں میں سے ہے اور طبری نے تین روایتوں میں (2/4، 3/1130 اور 3/2426) بطور سند اس کا نام لیا ہے، جن میں سے ایک (3/130) سے یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ مامون رشید کی حکومت کے آخری سال 218ھ تک زندہ تھا۔
2. دیکھیے فتحنامہ صفحات 121 اور 124
3. دیکھیے فتحنامہ صفحات 128، 196، 205، 221
4. سندھ سے محمد بن قاسم کی معزولی 96ھ کے نصف اول میں وقوع پذیر ہوئی، اس وقت تک خریم بن عمرو کی کسی دوسری جگہ موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور فتحنامہ کے حوالوں سے اس کا یقین ہوتا ہے کہ وہ سندھ ہی میں رہا پھر محمد بن قاسم کی معزولی کے بعد 96ھ کے نصف آخر اور 97ھ کے قریب قتیبہ کے قتل ہونے کے وقت وہ خراسان میں نظر آتا ہے۔ (دیکھیے تاریخ طبری 2/1300 اور 2/1312)

پھر صفحات 107 اور 122 پر عبدالرحمٰن بن عبد ربہ سے دو روایتیں بیان کی گئی ہیں جن کا ناقل بھی مدائنی ہی کو تصور کرنا چاہئے حالانکہ اس کا نام حذف ہے۔ عبدالرحمٰن بن عبد ربہ سے ابوالحسن کی روایت کردہ یہ چاروں روایتیں مستند ہیں کیونکہ ان واقعات کے متعلق بلاذری نے ابوالحسن سے جو روایتیں نقل کی ہیں وہ آپس میں ملتی جلتی ہیں۔

مذکورہ وضاحتوں سے کسی قدر یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ فتحنامہ میں مدائنی سے متعلقہ روایتیں تاریخی اعتبار سے صحیح ہیں۔ البتہ ص 242 پر ''محمد بن علی اور ابوالحسن مدائنی'' کے ناموں سے محمد بن قاسم کے خلاف داہر کی بیٹیوں کی سازش کے متعلق جو من گھڑت کہانی بیان کی گئی ہے وہ جملہ مستند تاریخی ماخذ کے خلاف ہے اور اسی وجہ سے اس کا سلسلۂ اسناد غالباً مصنوعی ہے۔[1]

ب- مدائنی کے علاوہ باقی دوسرے عرب راوی: فتحنامہ میں باقی کل 14 روایتیں ایسی ہیں[2] جو دوسرے عرب راویوں سے بیان کی گئی ہیں اور ان کے سلسلۂ اسناد میں نہ کہیں مدائنی کا نام آتا ہے اور نہ ایسے ہی کسی دوسرے راوی کا کہ جس سے فتحنامہ میں کسی دوسری جگہ مدائنی کے حوالہ سے کوئی روایت منقول ہے۔ لیکن یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ ان روایتوں کا تعلق مدائنی سے نہیں، کیونکہ ان کے سلسلۂ اسناد قطعی مختصر اور صرف ایک دو راویوں تک محدود ہیں۔ اس کا بڑا امکان ہے کہ ان میں سے کافی روایتیں مدائنی ہی کے ذریعے منقول ہوں، لیکن دوسرے راویوں کے ساتھ ساتھ مدائنی کا نام بھی متروک ہوگیا ہو۔

چونکہ ان روایتوں کی اسناد کے سلسلے بہت ہی مختصر ہیں اور یقینی طور پر راویوں کے نام حذف ہیں، اس لئے ان کی مزید تحقیق میں بڑی دشواری ہے۔ البتہ کچھ تاریخی واقعات ایسے ہیں کہ جو ان روایتوں کی صداقت کی شہادت دیتے ہیں۔ مثلاً ص 163/[151] پر بیان کردہ داستان خواجہ امام ابراہیم سے منسوب ہے اور آخر میں ص 305-306 کے نوٹ میں دی ہوئی تفصیلی بحث اس روایت کی صحت کو ثابت کرتی ہے۔ ایسے ہی دوسری روایتوں کا بلاذری اور یعقوبی کے درج کردہ فتح سندھ کے بیانات سے موازنہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ان صحیح اور مستند بیانات کی منافی نہیں ہیں سوائے دو روایتوں کے۔ ایک صفحہ 191 پر لاڈی کے متعلق ''عقیل بن عمرو'' کی روایت اور دوسری ص 195 پر بنو تمیم کے کسی نامعلوم شخص کے ذریعہ بیان کردہ وہ روایت کہ جس میں محمد بن قاسم کا حجاج سے اس کی بیٹی کا رشتہ طلب کرنے کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کے

1. دیکھئے آخر میں صفحہ 334-335 جن میں من گھڑت حکایت اور صحیح تاریخی حالات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔
2. دیکھئے فتح نامہ صفحات 101، 102، 105، 108، 113، 115، 123، 130، 163، 184، 191، 195، 197، 214

آخر میں ص284 نوٹ 118/[94] میں محمد بن قاسم کی شادی کے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے جس سے مذکور دونوں روایتوں کی تردید ہوتی ہے۔

ج- مقامی روایتیں: مدائنی کی روایتیں یا وہ دوسری روایتیں جو کہ عرب راویوں کی اسناد سے دی گئی ہیں وہ عرب محققوں کے فنِ روایت کے اصولوں کے مطابق ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر روایتوں کے سلسلے ان عرب راویوں تک پہنچے ہیں کہ جنہیں متعلقہ واقعات کی براہِ راست خبر تھی۔ بعض روایتوں کے سلسلے سندھ کے راویوں یعنی ابو محمد[1]، ابواللیث ہندی[2] اور امیر محمد والی ساوندی سمہ[3] تک پہنچے ہیں۔ ان میں سے دو راوی ابو محمد اور ابواللیث عرب قبیلہ بنو تمیم سے وابستہ تھے اور ان کی روایتیں مدائنی اور دوسرے عرب راویوں کے توسل سے پہنچی ہیں۔ ساوندی سمہ کا والی امیر محمد غالباً عرب تھا۔ لیکن اس سے نقل کردہ روایت کا سلسلۂ اسناد حذف ہے۔ ان تینوں راویوں میں سے صرف ابو محمد ہندی کا صفحہ 258 پر داہر کے قتل اور لاڈی کی گرفتاری کے متعلق بیان دراصل ایک دوسرے نامعلوم مقامی شخص سے منقول ہے، اسی وجہ سے اس گمنام شخص کی روایت کو مستند نہیں کہا جاسکتا، جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں واضح کرچکے ہیں۔

عرب راویوں سے وابستہ ان تینوں مقامی اشخاص کے بیانات کے علاوہ بھی فتحنامہ میں ایسا کافی مواد موجود ہے کہ جس کی بنیاد مقامی روایتوں پر ہے۔ ان میں سے صرف ایک روایت (ص185) شجاع نامی ایک شخص کے داہر سے مقابلے کے متعلق ایسی ہے جس میں ایک مقامی راوی رام رسیہ برہمن کا نام لیا گیا ہے، لیکن باقی مندرجہ ذیل روایتیں فنِ روایت کے اصول کے مطابق نہیں ہیں، کیونکہ ان میں کسی راوی کا بھی نام نہیں دیا گیا۔

1- صفحہ 59 سے 100 تک اسلامی فتوحات سے پہلے، سندھ کی بیان کردہ تاریخ کا سارا بیان صرف سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے اور کسی جگہ بھی کسی راوی کا نام نہیں دیا گیا۔ مثلاً صفحہ 59 پر ابتدا ہی نامعلوم "راویانِ اخبار اور مصنفینِ تاریخ" سے ہوتی ہے اور ص25 پر اس داستان کا مصنف اور اس بوستان کا محرر بھی نامعلوم ہے۔ اس باب میں ص63 پر عرب امیر عین الدولہ ریحان مدنی کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے ہجری سال دوئم کی جانب اشارہ، اور ص99 پر قبیلہ بنو سامہ کے علافیوں کا سندھ میں بھاگ کر آنا یہ سب باتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ یہ باب یقینی طور پر کسی مسلمان مورخ کا تصنیف کردہ ہے۔ اس کے علاوہ اس باب میں سندھ کے بعض واقعات اور حالات کی تفصیلات کا موجود ہونا اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ ان حالات کے جمع کرنے میں کافی تحقیق سے کام لیا گیا

1. دیکھئے فتح نامہ صفحات 123، 234، 191
2. ایضاً صفحات 135، 187
3. ایضاً صفحہ 219

ہے۔ البتہ اس میں چچ اور رانی سوہن دیوی کے معاشقے کی داستان کا افسانوی رنگ غمازی کرتا ہے کہ یہ غالباً فارسی مترجم کا اضافہ ہے، جس پر تفصیلی بحث آئندہ آئے گی۔

2- ص158 پر ڈاہر کے محمد بن قاسم کے مقابلے کے لئے میدان کے دوسرے کنارے پر تیار ہونے کا بیان بھی مقامی روایت پر انحصار رکھتا ہے، لیکن اس کی صحت کو موثق کرنے کے لئے اسے خاص طور پر "ہند کے داناؤں" سے منسوب کیا گیا ہے۔

3- ص209 پر "لاڈی" کے متعلق جو بیان دیا گیا ہے وہ بظاہر بھی غلط ہے، کیونکہ وہاں صاف طور پر یہ کہا گیا ہے کہ یہ بیان "برہمن آباد کے بزرگوں کی رام کہانیوں سے ماخوذ ہے۔"

4- ص224 پر اروڑ کی ساحرہ کا قصہ بھی محض ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کی روایت مبہم ہے اور کہا گیا ہے کہ "اس کہانی کے بیان کرنے والوں نے اسی طرح بیان کیا ہے۔"

5- ص227 پر اروڑ کے برہمن قیدی سپاہی والا قصہ بھی صرف ایک کہانی ہے، کیونکہ "اس حکایت کے راوی اور اس کے بیان کرنے والے" نامعلوم ہیں۔

6- ص228 پر جے سنگھ کے کیرج کی طرف مدد حاصل کرنے کے لئے جانے کا بیان "بزرگوں اور سربراہ لوگوں سے سنی ہوئی باتوں" پر مبنی ہے اور حالانکہ "بزرگوں اور سربراہوں" کے الفاظ جے سنگھ کے کیرج جانے کے بیان کی صحت پر زور دیتے ہیں، مگر اس بیان میں جے سنگھ سے جنکی کی محبت کا افسانہ غالباً فارسی مترجم کی تخلیق ہے جس کا ذکر آئندہ اوراق میں آئے گا۔

7- ص228 پر جے سنگھ کی ولادت اور بہادری کی داستان بھی "اروڑ کے بعض برہمنوں" سے منقول ہے اور محض ایک کہانی ہے، جسے کوئی خاص تاریخی اہمیت حاصل نہیں۔

مذکورہ مواد کے علاوہ مترجم علی کوفی نے بھی زیب داستان اور عبارت آرائی کے خیال سے کچھ اپنی طرف سے بھی اضافے کئے ہیں، جن کا آگے چل کر جائزہ لیا جائے گا۔

اصل عربی کتاب کی تالیف کے متعلق رائے: فتحنامہ کے تاریخی پس منظر اور اس کے سارے مواد کے اصل ماخذ کی بابت مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ فتحنامہ کی تالیف کا مدار حسب ذیل کتابوں اور بیانات پر ہے۔

1- مدائنی کی دو کتابیں "کتاب فتح مکران" اور "کتاب ثغر الھند"۔

2- مدائنی کے علاوہ (؟) سندھ کی فتح کے متعلق دوسرے عرب راویوں اور مؤرخوں کے بیانات۔

3- سندھ میں قبل از اسلام کے دور کے متعلق اور محمد بن قاسم کی فتوحات سے متعلق بعض حکایتوں کے بارے میں مقامی لوگوں، داناؤں، بزرگوں، سربراہوں اور برہمنوں وغیرہ کے زبانی بیانات۔

ان میں سے پہلے اور دوسرے ماخذوں میں تمیز کرنا مشکل ہے، کیونکہ روایتوں کے سلسلے حذف ہیں اور بہت ممکن ہے کہ فارسی ترجمے میں جو روایتیں دوسرے راویوں سے منسوب ہیں، وہ درحقیقت مدائنی کے توسل سے نقل کی گئی ہوں، لیکن اس کا نام چھوڑ دیا گیا ہو۔ ان حقائق سے اس گمان کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ ان راویوں میں سے جن اشخاص کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، وہ مدائنی سے پہلی کی ہیں اور ان کے بیانات غالباً مدائنی کے ذریعہ ہی بعد کے لوگوں تک پہنچے ہیں۔ بہرحال پہلے اور دوسرے ماخذوں کے راویوں میں ابوالحسن مدائنی سب کے بعد کا ہے۔ اسی لئے یا تو یہ کتاب خود مدائنی (135-225ھ) کی تصنیف ہے یا اس کی وفات (225ھ) کے بعد تصنیف ہوئی۔ فتحنامہ میں خود مدائنی کی روایتوں میں سے بعض کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ بیانات بعض دوسرے راویوں کے ذریعہ مدائنی سے نقل کئے گئے ہیں۔[1] جس کے معنی یہ ہوئے کہ شاید ابوالحسن کے بعد یہ بیانات اس سے سینہ بسینہ یا اس کے کتابوں کے توسل سے قلم بند کئے گئے۔

جس مواد کا خاص مقامی روایتوں پر مدار ہے، ان کے سنہ تالیف کی بابت یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ سوائے "رام رسیہ برہمن" کے دوسرے تمام راویوں کے نام ناپید ہیں اور خود رام رسیہ کا تنہا نام بھی کوئی رہنمائی نہیں کرسکتا۔

فتحنامہ کے سارے متن میں کوئی بھی ایسی داخلی شہادت موجود نہیں ہے کہ جس کی بنا پر اس کا سنہ تالیف متعین کیا جاسکے، البتہ 235/[236] پر ایک عربی شعر ہے جو کہ ابوالفتح بستی کے قصیدہ میں سے ہے[2] جس نے 400/401ھ میں وفات پائی۔ لیکن چونکہ اس شعر کا نفس مضمون سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے ممکن ہے کہ وہ فارسی مترجم نے شامل کیا ہو۔ اس شبہ کی بنا پر اسے فتحنامہ کے سنہ تالیف کے سلسلے میں سند کے طور پر پیش کرنا منطقی طور پر صحیح نہ ہوگا۔

البتہ مترجم علی کوفی کے دیباچے میں بیان کیا گیا ہے کہ اصل کتاب "عرب عالموں" کی تصنیف ہے اور اس کا نسخہ قاضی اسمٰعیل (613ھ) کے "جد امجد کے ہاتھوں کا لکھا ہوا" تھا اور ان کے خاندان میں میراث کے طور پر چلا آرہا تھا۔[3] "جد امجد" کے تذکرے اور "میراث کے طور پر

---

1. مثلاً فارسی متن میں صفحہ 103 پر یہ الفاظ ہیں: "علماء و دہقین و بزرگان بہ گزین از ابوالحسن روایت کردند"۔ صفحہ 157 پر "از ابوالحسن مدائنی روایت کردند" کے الفاظ دیے گئے ہیں، اور صفحہ 164 پر "در احادیث می آرند از (علی بن) محمد ابی الحسن المدائنی" کے الفاظ مذکور ہیں۔
2. دیکھئے آخر میں ص515 نوٹ 337/[136]
3. دیکھئے زیر مطالعہ مقدمہ ص۳۔ ایلیٹ (Elliot) "ہاتھوں لکھی ہوئی" سے مراد "تصنیف کردہ" لیتا ہے۔ دیکھئے تاریخ ایلیٹ جلد 1 ص134۔ لیکن ایسے قیاس کے لیے کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اگر یہ کتاب قاضی اسمٰعیل کے بزرگوں میں سے کسی کی تصنیف ہوتی تو وہ علی کوفی کو اس سے مطلع کرتا۔

ورثہ میں چلے آتے رہتے" سے یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ کتاب شاید دو یا ڈھائی صدی تک اس خاندان میں رہی ہو۔ اس کتاب کے اس خاندان میں رہنے کا زمانہ چوتھی صدی ہجری تک ہوسکتا ہے۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ اصل عربی کتاب، مدائنی کی وفات سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے اخیر تک یعنی 225ھ سے 400ھ کے درمیان کسی زمانے میں تالیف ہوئی ہوگی۔

مدائنی کے بعد دوسرے جس شخص نے بھی یہ کتاب تالیف کی، اس نے مدائنی کی تصانیف "کتاب فتح مکران" اور "کتاب ثغر الھند" پر ہی اس کی بنیاد رکھی اور اسی وجہ سے یہ کتاب محمد بن قاسم کی فتوحات سندھ پر ختم ہوتی ہے۔ اگر 225-400ھ کے درمیانی زمانے میں کسی مصنف کو تاریخ سندھ کے متعلق کسی نئی تاریخ کے لکھنے کا خیال ہوتا، تو اس وقت تک جتنے بھی گورنر سندھ پر حکومت کر چکے تھے، اُن کا ذکر بھی یقیناً کتاب میں شامل کرتا، یعنی محمد بن قاسم کے بعد کے حالات ضرور درج کرتا۔

حالانکہ اس کتاب کا تعلق ایک محدود تاریخی دور سے ہے، لیکن واقعات کی تفصیل کی وجہ سے اسے ایک ممتاز تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اس کتاب میں سندھ کی قبل از اسلام کی تاریخ کے امکانی تفصیلی بیانات، محمد بن قاسم کے شیراز سے روانگی کے وقت سے فتح ملتان تک کے مفصل حالات، محمد بن قاسم اور ڈاھر کے درمیان جنگ کی تیاریوں اور لڑائی کی کیفیتوں اور مختلف معرکوں کی جزئیاتی تفصیلات و اہم واقعات، خاص مواقع پر عرب شعراء کے اشعار، حجاج اور محمد بن قاسم کے خط و کتابت کے مفصل اندراجات، فتحنامہ کا یہ جملہ مواد نہ صرف منفرد اور ممتاز ہے، بلکہ عربی تاریخوں میں بھی کمیاب ہے۔ اس کتاب کے مواد میں جو پیچیدگیاں ہمیں نظر آتی ہیں، وہ تو غیر معتبر مقامی روایتوں کے داخل کرنے سے پیدا ہوئی ہیں، یا دوسرے نسخوں کی نقل در نقل کی وجہ سے اسماء خاص، واقعات کے سنین میں تحریف و تصحیف اور عبارتوں میں خلل ہونے کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں یا غالباً فارسی مترجم کی روایتوں کے سلسلے حذف کرنے اور عبارت میں رنگ آمیزی کرنے کی وجہ سے واقع ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ روایتوں کی سلسلوں میں قطع و برید کی وجہ سے بعض واقعات کی صحت کا پرکھنا البتہ ناممکن ہوگیا ہے، لیکن باقی جملہ کوتاہیوں اور اضافوں اور پیچیدگیوں کی علمی تحقیق اور تنقید سے تلافی ہوسکتی ہے۔

اصل عربی کتاب کا نام: اصل عربی کتاب جس کا 613ھ کے قریب علی کوفی نے ترجمہ کیا، اس کے سرورق پر یا شروع میں کتاب اور اصل مصنف کا نام ہونا قطعی طور پر یقینی ہے، لیکن فارسی مترجم علی کوفی نے اپنے دیباچے میں اس کے متعلق کوئی وضاحت نہیں کی، بلکہ اپنے فارسی ترجمے کے لیے ایک نیا نام تجویز کیا، جو کہ غالباً نامانوس ہونے اور ترجمے کے آخر میں ہونے

کی وجہ سے رائج نہ ہوسکا۔ چنانچہ بعد کے پڑھنے والوں نے اسے مختلف ناموں سے پکارا اور آخر میں یہ کتاب "چچ نامہ" کے غلط لیکن آسان نام سے مشہور ہوئی۔ گزشتہ صدی میں پہلی بار ایلفنسٹن نے اس کے انڈیا آفس کے قلمی نسخے کے مطالعے کے بعد اس کا نام "تاریخ ہندوسندھ" ظاہر کیا۔[1] اس کے بعد الیٹ نے اپنی تاریخ میں وضاحت کی کہ "چچ نامہ" کے نام کے لیے خود کتاب میں کوئی داخلی ثبوت موجود نہیں، بلکہ کتاب کی ابتدا اور آخر میں اسے "فتح نامہ" کہا گیا ہے۔[2] اس کے بعد آخر میں شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے فارسی متن سے کتاب کے نام کے متعلق حوالے جمع کر کے واضح کیا کہ کتاب کا "فارسی میں اصل نام فتحنامہ" تھا۔[3] اور اسی لحاظ سے فارسی ایڈیشن میں انہوں نے کتاب کا نام "فتحنامہ سندھ المعروف بہ چچ نامہ" رکھا ہے۔ ذیل میں ہم اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

چونکہ کتاب کا اصل عربی نام ہم تک نہیں پہنچا ہے، اس وجہ سے صرف فارسی ترجمہ کی داخلی شہادتوں کی روشنی ہی میں ہمیں اس کا سراغ لگانا ہوگا۔ ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے اس سلسلے میں فتحنامہ کے صفحات [54-56-185] کے حوالہ جات دیے ہیں، جن میں اس کتاب کے لیے "ایں فتحنامہ" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی دوسرے صفحات پر اس قسم کے حوالے موجود ہیں۔ "ایں کتاب ہندو...... فتح سندھ" ص[8]، "تاریخ ایں فتح" ص[10]، "ایں فتحنامہ" ص[13]، "فتحنامہ" (بمعنی فتح کا وہ خط جو محمد بن قاسم نے حجاج کو بھیجا) صفحات [186-187، 191، 196 اور 199]۔ ان حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ "فتحنامہ" کو مترجم نے دو معنوں میں استعمال کیا ہے، یعنی لفظی طور پر بمعنی "فتح کا خط" اور اصطلاحی طور پر یہ کتاب کہ جس کا تعلق خاص سندھ کی فتح سے ہے۔ اب اگر تسلیم کرلیا جائے کہ لفظ "فتحنامہ" اصل عربی کتاب کے نام کے مفہوم کو کسی قدر ادا کرتا ہے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصل عربی نام میں شاید "فتح" کا لفظ ضرور تھا۔ ص[10] پر "تاریخ ایں فتح" والا فقرہ بھی کسی قدر اس قیاس کی تائید کرتا ہے۔ دوسری طرف ص[8] پر عبارت "محرر ایں کتاب تاریخ ہند و مقرر فتح سندھ" بھی گویا بیانیہ معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر اس عبارت سے بھی عربی نام کا اندازہ لگایا جائے، تب بھی صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید اس اصلی نام میں "تاریخ ہند و فتح سندھ" جیسے الفاظ تھے۔

---

1 دیکھیے ایلفنسٹن کی انگریزی تاریخ "ہسٹری آف انڈیا" پانچواں ایڈیشن لندن 1866، ص 311 حاشیہ 31۔
2 الیٹ کی تاریخ جلد 1 ص 131
3 "فتحنامہ سندھ المعروف بہ چچ نامہ" تصحیح ڈاکٹر داؤد پوتہ مقدمہ ص "ی"

یاقوت اپنی کتاب معجم البلدان (457/3) میں ملتان کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ "ذکرہ المدینی فی فتوح الھند والسند" یعنی "مدینی نے اس (بت) کا ذکر فتوح الہند والسند" میں کیا ہے۔ یاقوت کا یہ واحد حوالہ ہر چند کہ قیمتی اور قابل توجہ ہے، لیکن مبہم بھی ہے۔ اگر اس میں "المدینی" کو "المدائنی" تسلیم کرلیا جائے، اور "فتوح الھند والسند" کو کتاب کا خاص نام تصور کیا جائے تو پھر یہ مطلب ہوگا کہ ابوالحسن مدائنی نے "فتوح الھند والسند" کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی تھی (جوکہ یاقوت 1179-1229ء کے مطالعے میں آچکی تھی) اور اسی لحاظ سے فارسی مترجم کے مذکورہ الفاظ یقینی طور پر اسی نام کی غمازی کرتے ہیں۔ اگر یہ وضاحت تسلیم کرلی جائے تو پھر تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فتحنامہ غالبًا ابوالحسن مدائنی کی تصنیف ہے اور اس کا اصل نام "فتوح الھند والسند" تھا۔ مدائنی کی تصنیف کی صورت میں یہ کتاب تقریبًا 150ھ (جب مدائنی کی عمر کم از کم 15 سال کی تھی) اور 225ھ (جب مدائنی نے وفات پائی) کے درمیانی زمانے میں تصنیف ہوئی، لیکن کسی اور پختہ شہادت کے نہ ہونے کی وجہ سے صرف اسی ایک حوالے کی بنیاد پر یہ نتیجہ فیصلہ کن نہیں ہوسکتا، کیونکہ یاقوت کے مذکورہ حوالے کے دوسرے مطلب بھی ہوسکتے ہیں۔[1] لیکن اس کے باوجود یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حوالہ میں "فتوح الھند والسند" کے الفاظ اور بلاذری کے باب "فتوح السند" کا عنوان اور فتحنامہ کی مذکورہ عبارتیں اس نتیجے کی طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ غالبًا اصل عربی کتاب کا نام "فتوح الہند والسند" تھا۔

افسوس کہ فارسی مترجم علی کوفی نے نہ اصل کتاب کے نام کے متعلق کوئی وضاحت کی ہے اور نہ اپنے فارسی ترجمے کے لیے کوئی صاف اور واضح نام منتخب کیا ہے۔ ایک تو اسے اپنے ترجمے کا نام تجویز کرنے کا خیال ہی کتاب ختم کرنے کے بعد آیا، دوسرے ترجمے کا نام تجویز کرنے میں اس نے اپنے مربی وزیر عین الملک کے نام کا لحاظ رکھا، جس کی وجہ سے ایک آسان اور صاف

---

1. اول تو اس حوالے میں مصنف کا نام "المدینی" دیا گیا ہے۔ "المدائنی" نہیں، اسی وجہ سے مذکورہ کتاب "فتوح الھند والسند" کا مصنف "المدینی" تھا۔ لیکن چونکہ فتحنامہ میں اس نام کے مورخ کا کوئی اہم ذکر نہیں ہے اس وجہ سے "فتوح الھند والسند" یقینی طور پر ایک دوسری کتاب تصور کی جانی چاہیے۔ یاقوت نے اپنی دوسری تصنیف "معجم الادباء" میں المدائنی کی تصنیفات کے نام ابن ندیم کی "کتاب الفہرست" سے نقل کرکے شامل کیے ہیں، لیکن نہ یاقوت کے ان نقل کیے ہوئے ناموں میں مدائنی کی مذکورہ کتاب "فتوح الھند والسند" کا ذکر ہے اور نہ ہی ابن ندیم کی اصل کتاب الفہرست میں۔ دوسرے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس حوالے میں مصنف کا نام صورت غلطی کی وجہ سے "المدینی" لکھا گیا ہے اور یہ صحیح نام "المدائنی" ہے، تب بھی "فتوح الھند والسند" کے فقرے سے لازمی طور پر ایک خاص کتاب سے مراد نہیں لی جاسکتی، بلکہ مجموعی طور پر اسے مدائنی کی تصنیفات کتاب "فتح مکران" کتاب "ثغر الھند" اور کتاب "عمال الھند" کی جانب اشارہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ جن میں ہند اور سندھ کی فتوحات کا ذکر تھا۔

نام کے بجائے اس نے ایک طویل اور پر تکلف "لقب" یعنی "منہاج الدین والملک، الحضرۃ الصدر الاجل العالم عین الملک" اختیار کیا۔[1] ایک تو خود اس طویل لقب کی انوکھی ساخت اور ہیئت بھی معنوی لحاظ سے مشکوک ہے، دوسرے فتحنامہ کے قلمی نسخوں میں کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے یا خود مترجم کے مختلف عبارتیں اختیار کرنے کی وجہ سے، اس طویل لقب کو "سماء الدین والملک، الحضرۃ الصدر الاجل العالم عین الملک" بھی پڑھا جاسکتا ہے اور اس میں "عین الملک" کے فقرے کو "علاء الملک" بھی پڑھا جاسکتا ہے۔[2]

ظاہر ہے کہ مترجم علی کوفی کے بعد دوسرے جن لوگوں نے اس کے ترجمے کے قلمی نسخے پڑھے ہوں گے، انہیں بھی اس طویل اور مبہم لقب سے یاد کرنے میں آسانی نہ محسوس ہوئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ "طبقات اکبری" (تصنیف 1002ھ) کے مصنف (جس کا حوالہ سب سے پہلا ہے) اور اس کے بعد "زبدۃ التواریخ" (تصنیف 1014-1025ھ) کے مصنف نے اس کتاب کو علی کوفی کے اس طویل "لقب" کی بجائے ایک مختصر نام "منہاج المسالک" سے ذکر کیا ہے۔ پھر اگر مترجم علی کوفی اپنے اس اختراعی طویل لقب کو اپنے ترجمے کے شروع میں، دیباچے میں بیان کر دیتا تب بھی بعد کے پڑھنے والے اس سے آسانی سے متعارف ہوتے اور پھر اس کتاب کو مختصر طور پر "منہاج الدین" یا "منہاج المسالک" کے ناموں سے موسوم کرتے، اس طرح متفقہ طور پر لفظ "منہاج" اس کتاب کے نام میں ایک مستقل حیثیت اختیار کر لیتا۔ لیکن جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے، علی کوفی کو اپنے ترجمے کے لیے موزوں لقب اختیار کرنے کا خیال دیر سے آیا۔ شاید اسی وجہ سے اس نے لقب کتاب کے آخر میں بیان کیا، لیکن چونکہ اس کے پڑھنے والوں کو کتاب کے دیباچے میں اس کتاب کا کوئی نام نظر نہ آیا اور ابتدائی باب میں "چچ" کے متعلق طویل بیانات پڑھ کر، نیز چچ کی ذہانت اور ہوشیاری سے متاثر ہو کر، انہوں نے اسے "شاہنامہ" اور "سکندر نامہ" کی طرح "چچ نامہ" کے نام سے موسوم کر دیا۔ ظن غالب یہ ہے کہ اس کتاب کا یہ غلط نام بہت قدیم زمانے سے مشہور ہے۔ کیونکہ "طبقات اکبری" میں، جو کہ 1002ھ میں تصنیف ہوئی اور جس میں فتح نامہ کے بارے میں سب سے قدیم حوالہ ہے، اس میں اس ترجمے کے بارے میں یہ الفاظ ہیں کہ "تاریخ منہاج المسالک کہ مشہور بہ چچ نامہ است"[3] اس سے یہ ثابت ہوتا ہے

1. فتح نامہ ص 245۔
2. دیکھئے حاشیہ: (1)۔(1) ص 245 اور آخر میں ص 334 کا نوٹ 245/[247]
3. طبقات اکبری جلد 3، ص 506

کہ کم از کم 1002ھ کے بہت پہلے سے علی کوفی کا یہ فارسی ترجمہ ''چچنامہ'' کے غلط مگر آسان نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ ''طبقات اکبری'' کے بعد ''بیگلار نامہ'' میں بھی، جو کہ 1017ھ کی تصنیف ہے، اس میں اس ترجمے کو ''کتاب چچنامہ'' کے عام نام سے موسوم کیا گیا ہے۔[1] خود فتحنامہ کے جملہ موجود قلمی نسخوں میں سے سب سے پرانا نسخہ جو کہ شوال 1061ھ میں لکھا گیا اور اس وقت پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے، اس کے سرورق پر بھی یہ عبارت تحریر ہے ''این تاریخ فتح سند است متعلق چچ نامہ خوانند است محمد بن قاسم خویش حجاج''[2] اس مبہم عبارت میں بھی ''چچنامہ'' کا نام موجود ہے۔ ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ نہ صرف گیارہویں صدی ہجری کی ابتدا ہی سے یہ کتاب ''چچ نامہ'' کے عام نام سے مشہور ہے، بلکہ اس سے بھی پہلے سے یہ اسی نام سے موسوم کی جاتی تھی۔ چنانچہ جب سے لے کر آج تک اسے اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے، حالانکہ علمی طور پر یہ نام متفقہ حیثیت نہیں اختیار کر سکا۔ اس کتاب کے ایک نسخہ (ن) میں، جو کہ 1232ھ کا لکھا ہوا ہے اور جس کا ذکر آئندہ اوراق میں آئے گا، اس کا نام ''منھاج الدین معروف بہ چچنامہ'' لکھا ہوا ہے۔ اور ایک دوسرے نسخے (ک) میں، جو کہ 1288ھ کا تحریر کردہ ہے، اس میں، اس کتاب کا نام ''تاریخ قاسمی'' یا ''چچ نامہ'' تحریر ہے۔

بہرحال کتاب کے اصل عربی نام کا پتہ نہ چلنے اور خود اصل فارسی نام کے مبہم ہونے اور آسانی کی وجہ سے دوسرے بدلے ہوئے اور غلط ناموں کے رائج ہوجانے کی بڑی ذمہ داری مترجم علی کوفی کی اصل کتاب کے سلسلے میں بے احتیاطی اور اس کے کئے ہوئے رد و بدل پر ہے۔ ذیل میں ہم انہی امور پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

مترجم علی کوفی اور اس کا فارسی ترجمہ

مترجم: خود مترجم کے بارے میں بھی ہمیں صرف وہی حالات معلوم ہیں کہ جو اس نے اپنے متعلق اپنے فارسی ترجمے کے دیباچے اور اس کے آخر میں تحریر کئے ہیں۔ مثلاً: اس نے اپنا

1. بیگلار نامہ، نسخہ قلمی، مکتبہ عالیہ، ہز ہائینس میر نور محمد خان مرحوم، حیدرآباد سندھ
2. اسی سرورق پر پیشانی کے بائیں طرف ''فتح نامہ ابا مسلم'' کے الفاظ درج ہیں۔ اور اس کے بعد مذکورہ بالا عبارت ہے، جس کے نیچے یہ ناقص عبارت تحریر ہے کہ ''این قصہ ابا سلیم مروزی کہ جنگ کردہ باشد...... مروروذ...... و کشش او، و درین کتاب تمام مذکور شد...... فتحنامہ این...... مروروذ...... و حافظ محمد ظہور الدین۔ اس عبارت کا سلسلہ پھر نسخہ کے آخری صفحہ کی پشت پر شروع ہوتا ہے، جس کا تعلق ابو مسلم مروروذی (خراسانی) اور خراسان کے گورنر نصر بن سیار کی جنگ سے ہے۔ لیکن اس ساری عبارت کا اس نسخے کے اندرونی مواد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

پورا نام ''علی بن حامد بن ابی بکر کوفی'' بیان کیا ہے۔[1] (ص53) 613ھ میں اس کی عمر 58 سال کی تھی۔ (ص54) اس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ وہ تقریباً 555ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور اس کی اس نسبت ''کوفی'' سے یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ کوفے میں پیدا ہوا اور وہیں پرورش پائی۔ اس کے بیان کے مطابق جب اپنی عمر کا ایک معتد بہ حصہ وہ نعمت و آرام میں بسر کر چکا، اور اس دنیائے دوں سے بڑا نصیب اور مکمل حصہ پا چکا۔ اس وقت حادثات اور زمانے کی صعوبتوں اور زمانے کے مصائب سے تنگ آ کر، اپنے اصلی وطن اور مولد کو چھوڑ کر، کچھ دنوں آ کر اُچ مبارک میں مقیم اور سکونت پذیر ہوا۔ (ص53-54) اس کے اس بیان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ابتدائی زندگی کافی عیش و آرام سے گذری اور ''مکمل کامیابی'' کے فقرے سے گمان ہوتا ہے کہ وہ شاید اپنی جوانی اور چالیس سال کی عمر کے بعد اپنے اصلی وطن (کوفہ؟) سے مجبوراً ہجرت کر کے ''کچھ دنوں آ کر اُچ مبارک میں سکونت پذیر ہوا۔'' اس وقت یہاں سندھ اور ملتان پر سلطان ناصر الدین قباچہ (602-625) حکمران تھا۔ قباچہ ایک بہادر، بیدار مغز اور علم پرور سلطان تھا۔ مغلوں کے فتنے کی وجہ سے خراسان، غور اور غزنہ کے علماء آ کر اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے، جن کا وہ بڑا قدردان تھا۔ اس کا وزیر شرف الملک رضی الدین ابوبکر بھی اس کی طرح بڑا علم دوست اور معارف نواز تھا۔ وزیر شرف الملک نے علی کوفی کی بڑی توقیر کی، اور اسے دل کھول کر نوازا، اور اس طرح وہ کئی سال اس کے ''سایۂ کرم'' میں رہا اور اس کی نوازشوں اور احسانوں نے اس کی صعوبتوں اور غموں کا مداوا کر دیا۔ (ص55)۔ وزیر شرف الملک کے بعد اس کی اولاد نے اپنے باپ کے طریقے کو باقی رکھا۔ چنانچہ وہ اس کی اولاد کے احسانات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''اس کی اولاد.......... کی نعمتوں کا حق میری گردن پر لازم ہے۔'' (ص55)

فتحنامہ کے دیباچے سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ علی کوفی ایک دیندار شخص تھا۔ ص53 پر سلطان ناصر الدین قباچہ کے متعلق اس کے دعائیہ اشعار اور ص57 پر اس کا مندرجہ قطعہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ایک اچھا خاصہ شاعر تھا۔ فتحنامہ کا فارسی ترجمہ اس کی نثر کی سادگی اور مؤثر

---

1. اصل فارسی عبارت یوں ہے: ''بندہ دولت محمدی علی بن حامد بن ابی بکر کوفی'' ص9/[8]۔ کتاب کے قلمی نسخوں میں کچھ لوگوں کی غلطی کی وجہ سے لفظ ''محمدی'' کو ''محمد'' یا ''محمد بن'' پڑھا گیا ہے۔ اس طرح ''ایلیٹ'' (جلد 1، ص131) اور ''اتھی'' (فہرست انڈیا آفس لائبریری No. 435) نے مؤلف کا نام ''محمد علی بن حامد بن ابی بکر کوفی'' لکھا ہے اور ''ریو'' (فہرست متحف برطانیہ جلد 1، ص290) نے ''محمد بن علی بن حامد ابی بکر کوفی'' تحریر کیا ہے۔ حالانکہ فارسی متن میں تین مقامات پر مؤلف نے صاف طور پر اپنا ذاتی نام ''علی'' لکھا ہے۔ دیکھئے ص53/[8]، 55/[11] اور 51/[13]، روہڑی کے سید محب اللہ نے اپنی تاریخ سندھ (فارسی قلمی) میں دو مرتبہ مؤلف کا نام ''علی بن ابراہیم الکوفی'' لکھا ہے، لیکن مؤلف کی خود اپنی عبارت ان غلطیوں کی تردید کرتی ہے۔

اسلوب کی شہادت دیتے ہیں، اور اسلامی تاریخ سے بھی اس کی خصوصی دلچسپی کو ظاہر کرتے ہیں۔
غالباً انہی علمی اور ادبی صلاحیتوں ہی کی وجہ سے سلطان ناصر الدین اور اس کے وزراء کے دربار میں علی کوفی کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیکن اس کے بعد 613ھ میں جب اس کی عمر اٹھاون سال کی تھی، اس کا آفتاب اقبال زوال پذیر ہوا، اور اس کی ساری مسرتیں خاک میں مل گئیں۔ شاید اسی بنا پر وہ تمام مشاغل ترک کرکے تصنیف اور تالیف کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اسی سلسلے میں اس نے ہندستان کی ابتدائی اسلامی فتوحات کے متعلق کتاب کی تلاش میں اُچ سے اروڑ کا سفر اختیار کیا، جہاں اس کی ملاقات مولانا قاضی اسمٰعیل سے ہوئی۔ قاضی اسمٰعیل نے اسے ابتدائی اسلامی تاریخ کے متعلق ایک عربی کتاب دکھائی، جوکہ ان کے "اجداد کی تحریر کردہ" تھی، اور ان کے خاندان میں ایک دوسرے کو بطور میراث کے منتقل ہوتی چلی آرہی تھی (ص54)۔علی کوفی نے اس کتاب کا عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا اور اس ترجمے کو اپنے مرحوم مربی وزیر شرف الملک رضی الدین ابوبکر کے فرزند وزیر عین الملک فخر الدین حسین کے نام نامی اسم گرامی سے منسوب کیا۔ (ص55-56)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید وزیر عین الملک نے اس سے کچھ بیرخی اختیار کرلی تھی، اس لیے اس نے اس کتاب کو اس کے لڑکے کے نام سے انتساب کرکے اس کی خوشنودی حاصل کرنی چاہی، جیساکہ اس نے خود اس طرف اشارہ کیا ہے "تاکہ وہ اس کھوٹے سکے کے وسیلے بآسانی مرتبہ حاصل کرسکے اور اس بلند درگاہ میں تقرب اور قبولیت کے شرف سے مشرف ہو۔" (ص58)

ہم تک علی کوفی کا صرف یہی ترجمہ "فتح نامہ" جوکہ اب "چچ نامہ" سے موسوم ہے، پہنچ سکا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس تالیف کے بعد وہ کب تک زندہ رہا اور دوسری کونسی کتابیں اس نے تصنیف یا تالیف کیں۔ لیکن چونکہ اس نے اپنی بقیہ عمر کے لیے تصنیف و تالیف ہی کو اپنا مشغلہ بنالیا تھا۔ اس وجہ سے ممکن ہے کہ اس نے کچھ اور کتابیں بھی لکھیں ہوں۔ متاخر دور کے ایک مصنف سید محب اللہ نے اپنی "تاریخ سندھ" میں علی کوفی کی دو دوسری کتابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، لیکن اس کا نام غلطی سے "علی بن ابراہیم کوفی" بیان کیا ہے۔ سید محب اللہ نے اپنی تاریخ سندھ کے "حصہ دوم" ("در تفصیل امصار وبلاد و حضار وقصبات سندھ و وجہ تسمیہ و لغت آنھا") میں حیدرآباد نیز ماٹھیلہ کی بنیاد کے متعلق کتاب "تنقیح الاسناد" کی کچھ مختصر عبارتیں نقل کی ہیں، اور قصبہ میرپور (متصل ماٹھیلہ) کے متعلق بھی اسی کتاب کے کچھ حوالے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "انتہی ترجمہ، تنقیح الاسناد فی تشریح الامصار والبلاد، تصنیف علی بن ابراہیم الکوفی صاحب چچنامہ"۔ پھر کتاب کے حصہ سوم (بقیۃ ذیل الاوراق در تشریح ذوات سندھ) میں ذات "کلاس" کے بارے میں لکھا ہے کہ "صاحب کتاب الانساب علی بن ابراہیم الکوفی میگوید کہ کلاس نام مردی

بود از مغول کہ حالا کلتاسیان منسوب باؤ اند۔" کتاب کے حصۂ چہارم (تحمۂ خاتمہ در تشریح بعض اما کن و جبال مشہورہ وغیرہ) "تھان ستی" (ستیوں کا استھان) کے بارے میں اسی "کتاب الانساب" کی عبارت نقل ہے، اور آخر میں ہے کہ "انتھیٰ خلاصۂ عبارت سید علی اصغر تھوی" جس کے یہ معنی ہیں کہ دراصل سید علی اصغر ٹھٹوی نے "کتاب الانساب" کا حوالہ اپنی کتاب میں دیا تھا، اور سید محبّ اللہ نے اس سے یہ عبارت نقل کی ہے۔ اپنی کتاب میں سید محبّ اللہ نے ان ماخذوں کے نام درج کئے ہیں: چچنامہ، تحفۃ الکرام، تاریخ طاہری، جمع الجوامع، طبقات بہادر شاہی، تاریخ بے بدل، رسالہ سید علی اصغر تھوی الملقب بہ خاکسار، اور تاریخ سیوستانی۔ سید محبّ اللہ نے علی کوفی کی متذکرہ بالا کتابوں کا ذکر ماخذ کی حیثیت سے نہیں کیا، کیونکہ شاید یہ کتابیں اس کے پاس نہیں تھیں۔ لیکن ان کے حوالے جن کتابوں سے اخذ کئے ہیں، ان میں علی کوفی کی کتابوں کا ذکر موجود تھا۔ چنانچہ علی کوفی کی "کتاب الانساب" کا حوالہ "رسالہ سید علی اصغر ٹھٹوی" کی عبارت سے نقل کیا ہے اور دوسری کتاب "تنقیح الاسناد فی تشریح الامصار والبلاد" کا حوالہ بھی غالباً اسی رسالہ یا تاریخ سیوستانی سے دیا ہے۔ حالانکہ یہ تحریر نہیں کیا گیا ہے، لیکن اندازے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب سید محبّ اللہ کے سامنے موجود تھی۔

بہرحال علی کوفی کی ان دونوں کتابوں کے یہ نادر، مبہم لیکن دلچسپ حوالے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ علی کوفی نے اپنی بقیہ زندگی تصنیف و تالیف میں گذاری اور فتحنامہ کے علاوہ دوسری کتابیں بھی لکھیں۔ لیکن اس کی تصانیف میں فارسی ترجمہ "فتحنامہ" ہی سب سے زیادہ مشہور ہوا۔

فارسی ترجمہ پر تنقیدی نظر: اصل عربی کتاب کا خالص مواد معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے ہم یہ معلوم کریں کہ مترجم علی کوفی نے اپنے اس فارسی ترجمے میں اپنی طرف سے کیا اضافے اور ترمیمات کی ہیں۔

اس سلسلے میں مترجم کا "مخلص کتاب" یعنی کتاب کے تمہ کا باب غور طلب ہے، جس میں وہ اس کتاب کو عربی سے فارسی میں ترجمہ کرنے کی ضرورت اور اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"حالانکہ زبان تازی اور لہجۂ حجازی میں اس کا بڑا مرتبہ تھا.......... لیکن چونکہ یہ پردۂ حجازی میں (چھپی ہوئی تھی) اور پہلوی (فارسی) زبان کی تزئین و آرائش سے عاری تھی، اس لیے عجم میں رائج نہ ہوسکی۔ نہ اہلِ فارس کے کسی آرائش کرنے والے نے فتحنامہ کی اس عروس کو سنگھارا، اور نہ زبان و عدل کی نگارخانے اور حکمتوں کے گنجے میں سے اسے کوئی لباس پہنایا، نہ عقل کے خزانے سے اسے کوئی زیور پہنایا اور نہ میدانِ فصاحت اور گلزارِ بلاغت سے کسی شہسوار

نے اس میدان میں گھوڑا دوڑایا۔" (ص245-246)

فارسی ترجمے کے متعلق مترجم کے مذکورہ بالا الفاظ اس کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مثلاً اس کے خیال کے مطابق 1- ایرانی مصنفوں کی طرز پر اس نسخے کی آرائش کرنا، 2- زبان کی رنگینی سے جلا دینا 3- دانائی اور عقل کے زیور سے اسے آراستہ کرنا اور یہ کہ حسب ضرورت اس کے مضامین کی تشریح اور تاریخ اخذ کرنا 4- اسلوب بیان کو وضاحت اور بلاغت کے سانچے میں ڈھالنا۔ یہ جملہ ضرورتیں اس "فارسی ترجمے" میں درکار تھیں۔ چنانچہ فتحنامہ کا فارسی ترجمہ جابجا مترجم کے ان خیالات کی عکاسی کرتا ہے، جن کا تجزیہ کرنے سے ہم اس کے کئے ہوئے اضافوں اور ترمیمات کا پتہ چلا سکتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں دیباچہ (ص49 تا 58) اور آخر میں "دعا" اور "مخلص کتاب" کے عنوانات (ص245 تا 246) سے ظاہر ہے کہ یہ عنوان اور ان کے تحت کا مواد مترجم ہی کا تحریر کردہ ہے، جنہیں وہ کتاب میں شامل کرنے اور اضافے کرنے میں بلکل حق بجانب ہے۔ لیکن ان کے علاوہ بھی اس کے دوسرے کافی اضافے کتاب کے متن کا جزو بن گئے ہیں، جو کہ مترجم نے غالباً اپنے مذکورہ بالا خیالات کے ماتحت کئے ہیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اضافے غور طلب ہیں۔

(1) عورتوں کے قصے اور عشقیہ افسانے: فتحنامہ میں، جو کہ خالص تاریخی مواد، واقعات اور فتوحات کے ذکر کی صورت میں موجود ہے اس کے تسلسل اور تفصیلات پر معتبر عربی تواریخ شاہد ہیں، اس کے علاوہ خود فارسی عبارت کے جملوں کی نشست اور ساخت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اصل عربی کتاب سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس خالص تاریخی حیثیت کے برعکس اس میں جو حکایتی اور روایتی مواد اصل عربی کتاب سے ترجمہ نہیں کیا گیا کیونکہ نہ اس میں خالص تاریخی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے اور نہ اس میں قدیم عرب مؤرخوں کی تحریر کا اسلوب، ایجاز اور اختصار ہے، بلکہ یہ حکایتی مواد زیادہ تر مقامی روایت پر مبنی ہے اور شاید اروڑ اور بکھر کے قاضیوں کی مدد سے انہیں یکجا کر کے اس کتاب میں شامل کیا گیا ہو۔ شاید اسی مواد ہی کے سہارے مترجم علی کوفی کو اس "دلھن کی آرائش" کرنے کی گنجائش مل گئی، اور جہاں جہاں اسے عورتوں کے متعلق اشارے ملے وہیں وہیں اس نے انہیں اپنے ترجمے میں فارسی کے افسانوی اور رومانوی رنگ میں رنگ کر شامل کر دیا۔ مثلاً رانی سوبھن دیوی اور چچ کا معاشقہ (ص63-64) داہر کی بہن "ماتین" اور سوبھن رائے بھاٹیہ کی منگنی کا قصہ (ص88-91) ڈاہر کی بیوی "لاڈی" اور محمد بن قاسم کی شادی کی حکایت (ص124، 223) داہر کی بھانجی "حسنہ" اور اس کے نکاح کی داستان

(ص199-200)، جے سنگھ سے کیرج کے راجہ دروھر کی بہن "چنگی" کا عشق (ص228-229) اور آخر میں داہر کی دو بیٹیوں، محمد بن قاسم، اور خلیفہ ولید کا قصہ (ص244-245)۔ ان ساری داستانوں کو افسانوی رنگ میں رنگ کر، اور رائی کو پہاڑ بنا کر پیش کرنے میں فارسی مترجم علی کوفی کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ اسی کے رومانوی تخیل کی بلند پروازی ہے کہ رانی سوبھن دیوی اپنی محبت کا اظہار اشعار میں کرتی ہے۔ (ص63) اور کیرج کے حاکم دروھر کی بہن چنگی، جے سنگھ کے عشق کی آگ میں جلتی سلگتی اور بستر ہجر پر تڑپتی ہوئی فارسی رباعی الاپتی ہے۔ (ص230) مختصر یہ کہ اگر اصل متن میں ان واقعات کے بارے میں کوئی اشارہ ملتا بھی تھا تو اس نے اسے کھینچ تان کر ایک داستان بنادیا ہے۔

علی کوفی کے یہ اضافے صرف عشقیہ حکایتوں ہی تک محدود نہیں رہے بلکہ اس نے جہاں بھی گنجائش دیکھی وہیں بات کو طول دینے کی کوشش کی ہے، مثلاً ص224 پر اروڑ کی جادوگرنی کا واقعہ محض ایک فضول اضافہ ہے اور ص227-228 پر برہمن سیانی اور محمد بن قاسم کی حکایت بھی اسی نوعیت کے اضافے کی ایک دوسری مثال ہے، جس میں اروڑ کا برہمن سیانی فارسی شعر پڑھتا ہے۔

2- عبارت آرائی: مترجم نے ترجمے کے متعلق "عبارت کے ہار" اور "زبان کے سنگارخانہ" (ص246) کی خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اسی کی خاطر اس نے ترجمے میں عبارت آرائی اور رنگین بیانی کو اختیار کیا ہے جس کا نفس مضمون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان اضافوں میں ایک تو (غالباً اس کے اپنے) وہ فارسی اشعار ہیں جو اس نے بعض عورتوں اور مردوں کی زبانی ادا کرائے ہیں یا کسی خاص موقع پر خود مناسبت سے ادا کئے ہیں۔ مثلاً مذکورہ اشعار کے حوالوں کے علاوہ ص227 پر ایک فارسی رباعی ایفائے وعدہ کے اصول کی حمایت میں اور ص235 پر شاعر ابوالفتح بستی کے ایک عربی قصیدہ[1] کے بیت "صلاح ومشورہ" کی حکمت عملی کی تصدیق میں پیش کئے ہیں۔

دوسرے اسلوب بیان میں رنگینی پیدا کرنے کے خیال سے سیدھی سادھی بات کو تکلف اور تصنع سے ادا کیا ہے جس کی مثال ذیل کی عبارتیں ہیں جن کا مقصد سوائے تصنع اور تکلف کے کچھ نہیں اور جن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ "سورج ڈوبا" یا "صبح ہوئی" اور یا "سورج طلوع ہوا۔"

ص72: جب دنیا نے کالی گدڑی اوڑھی اور ستاروں کا بادشاہ رات کی سیاہ چادر میں روپوش ہوگیا۔

1. تصدیق کے لئے دیکھئے آخر میں توضیحات ص515

ص137: دوسرے دن جب صبح صادق تاریکی کے پردے سے اطلسی لباس پہن کر نمودار ہوئی۔
ص180: دوسرے دن جب صبح نے مشرق کی جانب سے اپنا جہاں آراء اور دلکش جمال دنیا کو دکھایا۔
ص201: جب رات کے سیاہ پردے سے صبح صادق نمودار ہوئی۔
ص230: دوسرے دن جب ستاروں کا بادشاہ آسمانوں کے برجوں سے نمودار ہوا اور سرمگی پردہ چاک ہوا۔
ص 242: دوسرے دن رات کے سیاہ پردے سے ستاروں کا بادشاہ ظاہر ہوا۔

3- **القاب کے اضافے**: مترجم کے زمانے میں بادشاہوں، امیروں اور بزرگوں کی شان و شوکت کے پیش نظر فخریہ القاب کا عام رواج تھا۔ ''شہاب الدین'' اور ''معز الدین'' یہ دونوں سلطان محمد بن سام غوری کے شاہی القاب تھے۔ اس کے بعد ''سلطان ناصر الدین'' قباچہ کے دور حکومت میں مترجم علی کوفی اُچ میں آکر مقیم ہوا۔ سلطان ناصر الدین کے وزیر ابوبکر کا لقب ''رضی الدین'' تھا جو علی کوفی کا بڑا مربی تھا۔ اس کے بعد وزیر ابوبکر کا بیٹا حسین ''فخر الدین'' کے لقب سے وزیر ہوا، جس کے نام سے مترجم علی کوفی نے فتحنامہ کو منسوب کیا۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق علی کوفی نے ترجمے میں بھی اگلے بزرگوں اور امیروں کے ناموں کے آگے ایسے ہی القاب کا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً اپنے متن میں[1] ص [12] 13 پر آنحضرت ﷺ کو وجیہ العرب، نظام الملۃ وقوام الملۃ'' کے القاب سے یاد کیا، حالانکہ اس وقت ایسے القاب کا بالکل رواج نہ تھا۔ اسی طرح [9]/10 پر محمد بن قاسم کو ''عماد الدولۃ والدین'' کا لقب دیا ہے۔ دوسرے پانچ مقامات[2] پر صرف ''عماد الدین'' پر اکتفا کیا ہے اور ص [127]/145 پر پھر اسے ''کریم الدین'' کا لقب دیا ہے۔ ہم ص 248-249 کے حاشیے میں واضح کرچکے ہیں کہ محمد بن قاسم کے نام کے ساتھ اس قسم کے القاب وآداب نہ تھے، بلکہ اس کی کنیت ''ابوالہبار'' تھی۔ علی کوفی نے پھر ص [235]/234 پر اروڑ کے قاضی موسیٰ کے لئے ''برہان الملۃ والدین'' کا لقب استعمال کیا ہے۔ اور اس کی اولاد میں سے اپنے ہمعصر قاضی اسمٰعیل کو ص [9]/54 پر ''کمال الملۃ والدین'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ایسے القاب کا اس زمانے میں اتنا عام رواج تھا کہ علی کوفی نے انسانوں کے علاوہ اپنے فارسی ترجمے کے لئے بھی ''منہاج الدین'' - الخ ([245]/247) کا لقب تجویز کیا۔ بہرحال یہ

---

1. اس ترجمے میں کچھ القاب اردو میں بھی ترجمہ ہوگئے ہیں، اس لئے تصدیق کے لئے فارسی متن کو دیکھنا چاہئے، جس کے صفحات مربع قوسین میں دیئے گئے ہیں۔

2. دیکھئے صفحات 99، 100، 107، 127، 139 اور 183] 118، 127، 155، 173، 242، 243

ثابت ہے کہ القاب کے یہ اضافے اس کی اختراع ہیں اور ان کا اصل مواد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

4- **تشریحی اضافے:** ترجمہ کرتے وقت مترجم نے اصل عربی متن میں آئے ہوئے شہروں یا مقامات کے ناموں کی مختصر الفاظ میں تشریح کی ہے کہ وہ اس کے زمانے میں کہاں تھے اور کیا تھے؟ مثلاً ص 83/[49] پر چچ نے مکران اور کرمان کی سرحد مقرر کی، اسی سرحد کی مزید وضاحت کے ضمن میں اس نے لکھا ہے کہ "وہی سرحد موجودہ وقت تک قائم ہے۔" یہ الفاظ ظاہر ہے کہ مترجم کے ہیں اور قیاسی ہیں۔

ص 84/[49] پر شہر قندابیل کی وضاحت میں بیان کیا ہے کہ "قندابیل یعنی قندھار"- یہ قندھار والا فقرہ بھی مترجم کا ہے جو غلط ہے۔ قندابیل سے مراد "گنداوا" ہے جس کے متعلق ہم نے صفحہ 271 کی توضیح میں بحث کی ہے۔

ص 128-129/[107] پر "کارمتی" اور "نمدمتی" کی لفظی تشریح بھی مترجم کی طرف سے کی گئی ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ "کارمتی یعنی گِل شور" (کھاری مٹی) اور "نمدمتی یعنی گل سیمیں" (چاندی جیسی چمکدار مٹی) اس کے ان فقروں پر ص 294-295 کی توضیح میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

ص 179 [171] پر لفظ "نیم نیزہ" کی تشریح کے ضمن میں اس نے لکھا ہے کہ "لوہے کا دستہ جسے سیل بھی کہتے ہیں" اور پھر ص 185 [178] پر بھی اسی لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "لوہے کا دستہ جسے ہندو سیل کہتے ہیں۔"

ص 218 [217] پر شہر برہمن آباد کی توضیح میں لکھا ہے کہ "برہمناباد یعنی بابراہ"- یعنی توضیح مترجم کی ہے اور اس نے صحیح طور پر برہمن آباد کا مقامی نام "باہراہ" (یعنی بانبھراہ) دیا ہے جس کی وضاحت ہم نے ص 320 پر کی ہے۔

مذکورہ بالا جملہ اضافے مترجم علی کوفی نے اپنی طرف سے رنگین بیانی، عبارت آرائی یا تشریح کے خیال سے کئے ہیں اور اپنے نقطۂ نگاہ سے وہ اس میں حق بجانب ہے۔ لیکن چونکہ ان اضافوں نے اصل، صحیح اور معتبر عربی تاریخ کی کتاب کو افسانوی رنگ دے کر اگرچہ اس کی قدر و قیمت کو سطحی محققوں کی نظروں میں گھٹا دیا ہے، لیکن اس کے باوجود اہلِ نظر مترجم کے ان اضافوں کو پرکھ سکتے ہیں اور کتاب کی اصل قدر و قیمت کو سمجھ سکتے ہیں۔

اضافوں کے علاوہ مترجم علی کوفی سے بعض ایسی بھی کوتاہیاں عمداً یا سہواً ہوگئی ہیں جن کی تلافی مشکل ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل کوتاہیوں نے خاص طور پر اصل عربی کتاب کی صحت پر اثر ڈالا ہے۔

1- مترجم علی کوفی نے اصل عربی کتاب کا نام نہیں دیا اور اس کے بجائے اپنے فارسی ترجمے کے لئے پرتکلف نام تجویز کیا۔ اس کی سے نہ صرف اصل عربی کتاب کا نام محو ہوگیا ہے، بلکہ اس کے فرضی ناموں کے لئے بھی میدان ہموار ہوگیا، جس کا اس سے پیشتر ذکر ہو چکا ہے۔

2- اصل عربی کتاب میں سے مختلف بیانوں کے بارے میں راویوں کے سلسلۂ اسناد کو کتنے ہی مقامات پر غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کردیا ہے اور راویوں کا نام دینے کے بجائے ترجمہ میں صرف ''راویوں'' یا ''محرروں'' کے مبہم الفاظ شامل کئے ہیں۔ مثلاً

ص59: کتاب کی ابتدا ہی میں راویوں کے نام حذف کر کے اس طرح لکھتا ہے: ''راویانِ اخبار اور مصنفین تاریخ نے اس طرح بیان کیا ہے۔ الخ''

ص68: ''اس داستان کا مصنف اور اس بوستان کا محرر اس طرح روایت کرتا ہے۔ الخ'' (چچ کی رانی سوہن دیوی سے شادی کے متعلق)

ص75: ''اس فتح کی حکایت بیان کرنے والے نے اس طرح کہا ہے۔ الخ'' (چچ کا کشمیر سے اروڑ آنے کے متعلق)

ص101: ''ان خبروں کے راویوں اور ان روایتوں کے جاننے والوں نے اس طرح بیان کیا ہے۔ الخ'' (عہد اسلام میں فتوحات کی ابتدا کے متعلق)

ص102: ''اس روایت کے راویوں اور اس داستان کے مصنفوں نے اس طرح بیان کیا ہے۔ الخ'' (حضرت عثمانؓ کے عہد کی فتوحات کے متعلق)

ص118: ''خبروں میں تصرف کرنے والے اور روایتوں کی تفسیر کرنے والے اس طرح کہتے ہیں۔ الخ'' (محمد بن قاسم کے محاذ ہند پر تقرر کے متعلق)

ص154: ''اس حکایت کے راوی نے بیان کیا۔ الخ'' (علافی کے داہر کو نصیحت کرنے کے متعلق)

ص180: ''ان کنواریوں کی آرائش کرنے والوں نے اس طرح روایت کی ہے۔ الخ'' (10 رمضان کو محمد بن قاسم اور داہر کی جنگ کے متعلق)

ان حذف کردہ اسناد کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے فارسی مترجم کو تاریخی اسناد کی اہمیت کا پورا اندازہ نہ تھا اور اسی لیے شاید اس نے اصل اسناد میں دیئے ہوئے عربی ناموں کو نکال کر مذکورہ اجمالی فقروں سے کتاب کی زیب و زینت میں اضافہ کرنے کو ترجیح دی۔ مذکورہ بالا مقامات میں کتاب کی ابتدا، اسلامی فتوحات کا آغاز وغیرہ، ایسے اہم مواقع ہیں کہ جہاں عربی تاریخ کے اصول کے مطابق اسناد کا تفصیل سے ذکر ہوگا، جنہیں غالباً مترجم نے طوالت اور بے

لطفی کے خیال سے خارج کر دیا ہے اور جہاں جہاں صرف ایک یا دو روایتوں کے نام ہیں وہاں نہیں قائم رہنے دیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے بعض مقامات اور خصوصاً قبل از اسلام کے دور کے بیانات (مثلاً چچ کی رانی سوبھن دیوی سے شادی) کے لیے اسناد کے سلسلے ہی نہ ہوں، لیکن عہد اسلام کی اسناد کے حذف ہونے کی وجہ سے اس کی تمیز کرنا بھی مشکل ہوگئی ہے۔ کافی وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ص 101 پر "عہد اسلام میں فتوحات" کے اہم باب کی ابتدا سلسلۂ اسناد سے خالی نہ رہی ہوگی، اور ضرور اس میں سلسلۂ اسناد دیا ہوگا۔ کیونکہ بلاذری نے بھی یہی حالات بیان کیے ہیں، لیکن شروع میں "علی بن محمد عبداللہ بن ابی سیف" یعنی المدائنی کا پورا نام دے کر یہ واقعات اس کی روایت سے منسوب کیے ہیں۔

بہرحال سلسلۂ اسناد کو حذف کردینے کی کوتاہی مترجم کی ایسی غلطی ہے جس کی وجہ سے ایک محقق کو ان مبہم روایتوں، عنوان اور بیانات کا تجزیہ کرنے میں سخت دشواری حائل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کی ابتدائی روایت میں اصل مصنف کے نام ہونے کا بھی قوی امکان ہے، لیکن وہ بھی مترجم کی عبارت آرائی اور اختصار نویسی کی نذر ہوگیا ہے۔

3- جہاں سلسلۂ اسناد موجود ہے، وہاں بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکمل اور مفصل نہیں ہے۔ مثلاً یہ دو روایتیں قابل توجہ ہیں:

ایک روایت ص 104 پر "جو ہذلی سے مروی ہے" (اور حضرت علیؓ کے عہد میں حارث بن مرہ کی مکران میں جنگ کے بارے میں ہے)

دوسری روایت ص 106 پر "اس تاریخ کی تفسیر کرنے والوں نے ہذلی اور عیسیٰ بن موسیٰ سے روایت کی ہے، جس نے اپنے باپ سے سنا ہے۔" (جو سنان بن سلمہ کے محاذ ہند پر مقرر ہونے کے ضمن میں مذکور ہے)۔

ان میں سے پہلی روایت میں صرف "ہذلی" کا نام دیا گیا ہے، لیکن ہذلی نے جس سے یہ بات سنی اور اسے جس شخص سے معلوم ہوئی ان دونوں کے نام اس روایت کے سلسلہ اسناد میں حذف کردیئے گئے ہیں۔ یعنی سلسلہ اسناد کا اول اور آخری حصہ متروک ہے۔ اسی طرح دوسری روایت میں سلسلہ اسناد کی ابتدائی کڑی حذف کردی گئی ہے۔ چنانچہ فتحنامہ میں ذیل کی دوسری روایتوں سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ "ہذلی" سندھ کی روایتوں کے سلسلے میں براہ راست خود راوی نہیں، بلکہ وہ اور اس سے پہلے اور بعد کے راویوں کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً:

ص 105: "ابوالحسن نے ہذلی سے روایت کی کہ اس نے مسلمہ بن محارب بن زیاد سے سنا" (تحت عنوان عبداللہ بن سوار کا محاذ ہند پر تقرر)

ص 107: "ابوالحسن نے ہذلی سے سنا اور اس نے اسود سے روایت کی۔" (تحت عنوان راشد کا محاذ ہند پر تقرر)

ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ غالباً فارسی مترجم کی بے احتیاطی کی وجہ سے زیادہ تر اسناد کے سلسلے ناقص رہ گئے ہیں، جس کی وجہ سے بعض جگہ اس کتاب میں تحقیقی لحاظ سے بڑی کمی پیدا ہوگئی ہے۔

4۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کرتے وقت مترجم سے سہواً بھی کچھ عربی عبارتیں چھوٹ گئی ہیں، جس کی وجہ سے بعض مقامات پر ترجمے میں خلجان اور الجھاؤ پیدا ہوگیا ہے۔ اس کی عبارتوں میں صورتخطی کی غلطیاں تو خیر کاتبوں کی بے احتیاطی یا عدم واقفیت پر محمول کی جاسکتی ہیں، لیکن غیر مکمل عبارتیں مترجم ہی کی سہو کا نتیجہ ہیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایسی عبارتیں فارسی ترجمے کے جملہ قلمی نسخوں میں نامکمل ہیں: مثلاً:

1- ص 106-108/[81]: سنان بن سلمہ اور احنف بن قیس کا ذکر۔
2- ص 139/[121]: کاکو کوتل کے خاندان کا ذکر۔
3- ص 206/[303]: پر علافی (یا جے سنگھ؟) کے کشمیر جانے کا ذکر۔
4- ص 217/[217]: محمد بن قاسم، قتیبہ اور جہم بن زحر کا ذکر۔
5- ص 232/[233]: جے سنگھ کے کشمیر جانے کا ذکر۔

ان ناقص عبارتوں میں سے پہلی اور چوتھی عبارت کی دوسری کتابوں کی مدد سے بمشکل تصحیح کی گئی ہے۔ لیکن دوسری باقی عبارتوں کی تصحیح خارج از امکان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اہم تاریخی کتاب کے یہ الجھاؤ اور خلل، ان گراں قیمت تاریخی معلومات پر دائمی حجاب کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کا مداوا بظاہر کوئی نہیں۔

فارسی ترجمے کی اہمیت: باوجود مترجم کی ان کوتاہیوں کے اس فارسی ترجمے کی تاریخی اور ادبی اہمیت مسلم ہے۔ مترجم کا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے اصل عربی کتاب کا فارسی ترجمہ کرکے ابتدائی اسلامی ہندی تاریخ پر عموماً اور سندھ کی تاریخ پر خصوصاً بہت بڑا قیمتی، نادر اور نایاب مواد پیش کیا ہے، کیونکہ اصل عربی کتاب کی غیر موجودگی میں یہ فتحنامہ ہی اس قدیمی تاریخ کا تنہا عکاس ہے، جس کی بدولت ہم عربی کی اصل کتاب کے مضامین و معاملات تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ غالباً یہی وہ سب سے پہلی کتاب ہے جو ارض سندھ میں سندھ و ہند کی تاریخ پر لکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ فتحنامہ ان چند ممتاز ترجموں میں سے ایک ہے کہ جو قدیم اور نایاب عربی کتب سے فارسی میں ترجمہ کی گئی ہیں۔ مثلاً

''بلعمی'' وہ پہلا شخص تھا، جس نے 350 اور 360ھ کے درمیان ''تاریخ طبری'' کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس کے بعد ''تاریخ سیستان'' دوسری کتاب ہے جس کا کافی مواد عربی سے ترجمہ کیا گیا۔ تاریخ سیستان دراصل فارسی ہی میں لکھنی شروع کی گئی اور اس کا صرف پہلا حصہ فتحنامہ سے پہلے 445-448ھ کے قریب مکمل ہوا، لیکن اس کا دوسرا حصہ فتحنامہ کے بعد 725ھ کے قریب تالیف کیا گیا۔[1] اس سلسلے کی تیسری کتاب، ''کتاب الفتوح'' ہے، جس کو احمد بن اعثم کوفی نے عربی میں خلیفہ ہارون رشید کی عہد تک کی فتوحات کے متعلق[2] لکھا۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ محمد بن احمد المستوفی الھروی نے 596ھ میں یعنی فتحنامہ سے 17-18 سال پہلے کیا۔[3] عجیب بات یہ ہے کہ محمد بن احمد المستوفی نے جن حالات میں اس کتاب کا ترجمہ کیا وہ حالات قریب قریب بالکل علی کوفی ہی جیسے تھے۔ یعنی کہ مترجم کا ضلع بوشنج میں اس کتاب کا ترجمہ کرنا اور پھر اسے خراسان کے وزیر ''مؤید الملک قوام الدولہ والدین افتخار اکابر خوارزم وخراسان'' سے منسوب کرنا۔ علی کوفی بھی اس قسم کے حالات میں اس کے نقش قدم پر چلا اور 17 سال بعد 613ھ میں اس نے فتحنامہ کا ترجمہ کیا۔ بہرحال فتحنامہ ان چند ممتاز قدیم کتابوں میں چوتھے نمبر پر ہے کہ جو عربی سے فارسی میں ترجمہ ہوئیں۔

اس کے علاوہ ادبی لحاظ سے بھی ''فتحنامہ'' فارسی نثر کی بڑی قدیم کتابوں میں سے ایک ہے اور ہندوستان کے فارسی ادب میں فارسی نثر کی غالباً سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس کا اسلوب بیان بڑا سادہ اور دل آویز ہے۔ عوفی نے اپنی مشہور کتاب ''لباب الالباب''، فتحنامہ کی تالیف کے صرف تین چار سال بعد 617ھ کے قریب لکھی اور اسے سلطان ناصر الدین کے اسی وزیر عین الملک فخر الدین حسین کے نام سے منتسب کیا کہ جس سے علی کوفی نے فتحنامہ کو منسوب کیا ہے۔ اگرچہ عوفی اور علی کوفی دونوں ایک ہی دور کے ہیں، لیکن ''فتحنامہ'' کے مقدمے کا ''لباب الالباب'' کے مقدمے سے موازنہ کرنے پر واضح ہوتا ہے کہ عوفی کے اسلوب بیان میں کافی تکلف اور تصنع ہے اور اس کے مقابلے میں علی کوفی کا اسلوب بیان زیادہ رواں، سہل، سادہ اور مؤثر ہے۔

فارسی ترجمے کے بعد اس کی اشاعت

علی کوفی 613ھ (1216ء) میں تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے اسی سال یا دوسرے سال جلد ہی فتحنامہ کا فارسی ترجمہ مکمل کرلیا، چونکہ اس نے یہ ترجمہ سلطان ناصر الدین

1. دیکھئے ''تاریخ سیستان'' طبع طہران 1314 شمسی ص د۔
2. دیکھئے یاقوت ''معجم الادباء'' (گب میموریل) جلد اص 379 اور ''لسان المیزان'' مطبوعہ حیدرآباد دکن، جلد اص 138
3. دیکھئے فہرست ریو (Rieu) جلد اص 151، اور ''فتوحات اعثم کوفی'' مطبوعہ بمبئی۔

قباچہ کے وزیر معین الملک فخر الدین حسین کے نام اس لئے منسوب کیا تھا کہ وہ اس کے ذریعے سے اس کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرے۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ علی کوفی نے اپنے ترجمہ کا ایک نسخہ لے جاکر اُچ میں (جو کہ سلطان ناصر الدین کا پایۂ تخت تھا) وزیر عین الملک کی خدمت میں پیش کیا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک نسخہ اروڑ بکھر کے ان قاضیوں کو بھی دیا ہو کہ جن کے اصل عربی نسخے سے "فتحنامہ" ترجمہ کیا تھا۔ اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسا ہی کوئی ایک نسخہ اس نے اپنے پاس بھی رکھا ہو۔ لیکن چونکہ ترجمے کے وقت (613ھ) میں بھی اس کی عمر 58 سال کی تھی، اور اس کے بعد دوسرے مصنفوں کی کتابوں، نیز سلطان ناصر الدین کے سربر آوردہ درباری علماء میں اس کا ذکر نظر نہیں آتا، اسی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ اس کے بعد علی کوفی زیادہ عرصے زندہ نہیں رہا اور اسی وجہ سے فتحنامہ کے قلمی نسخے بھی غالباً محدود ہی رہے۔

"فتحنامہ" کا سب سے قدیم نسخہ جو اس وقت تک معلوم ہوسکا ہے۔ وہ 1061ھ کا تحریر کردہ ہے اور پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ باقی ماندہ دوسرے نسخے 1230ھ کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں۔

حیرت ہے کہ 613ھ سے لے کر 1061ھ تک یعنی تقریباً ساڑھے چار سو سالوں کے دور کا کوئی بھی قلمی نسخہ اس وقت تک دستیاب نہیں ہوسکا۔ البتہ سلطان فیروز شاہ کی جانب سے ملتان کے گورنر عین الملک ماہرو کے لکھے ہوئے خطوط کے مجموعے "منشات ماہرو"[1] میں ایک ایسا حوالہ موجود ہے، جو غالباً "فتحنامہ" سے اخذ کیا گیا ہے۔ "منشات ماہرو" میں عین الملک کی طرف سے سندھ کے سمہ حکمرانوں جام بانھبنہ یہ (بانبھینہ) اور جام جونہ کے نام لکھے ہوئے خطوط موجود ہیں اور داخلی شہادتوں کی بنیاد پر یہ خطوط تقریباً 761-765ھ کے زمانے کے لکھے ہوئے ہیں۔ جام بانھبنہ یہ ان دنوں سندھ میں اپنی خودمختار حکومت قائم کرنا چاہتا تھا، اور اسی وجہ سے وہ دہلی کی مرکزی حکومت کی مخالفت کر رہا تھا۔ چنانچہ عین الملک نے اپنے ایک جوابی خط میں اس کی بغاوت اور عہد شکنی کا ذکر کرتے ہوئے اسے طعنہ دیا ہے کہ یہ سندھیوں کی قدیم عادت ہے اور اس سلسلے میں راجہ داہر کی دونوں بیٹیوں کی محمد بن قاسم کے خلاف سازش اور دغا کی حکایت مثال کے طور پر بیان کی ہے، اور چونکہ یہ افسانہ سوائے فتحنامہ کے کسی بھی دوسری کتاب میں درج نہیں ہے اس وجہ سے گمان غالب ہے کہ فتحنامہ، عین الملک ماہرو کی نظر سے گذر چکا تھا اور شاید جام بانھبنہ یہ بھی اس سے واقف تھا، تب ہی تو عین الملک نے اس حکایت کو مشہور سمجھتے ہوئے اپنے

1. مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے تاریخ کے پروفیسر محترم شیخ عبدالرشید کا کافی عرصہ ہوا ایک خط ملا تھا، جس میں موصوف نے اطلاع دی تھی کہ انہوں نے "منشات ماہرو" کو ایڈٹ کیا ہے اور وہ زیر طبع ہے۔

خط میں اس کا ذکر کیا تھا۔ بہرحال اس حوالے سے اس کی کسی قدر تصدیق ہوتی ہے کہ کتاب کے فارسی ترجمے (613ھ) کے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد بھی (761-765ھ) اس ترجمے کے قلمی نسخے ملتان اور سندھ میں موجود تھے۔

اس کے تقریباً ڈھائی سو سال کے بعد گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں بھی فتحنامہ کے قلمی نسخوں کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً طبقات اکبری (تصنیف 1002ھ)، تاریخ معصومی (تصنیف 1009ھ)، تاریخ فرشتہ (تصنیف 1015ھ)، بیگلارنامہ (تصنیف 1017ھ) اور زبدۃ التواریخ (تصنیف 1014-1025ھ) کے مصنفوں نے اس سے سندھ کی ابتدائی تاریخ کے حالات نقل کئے ہیں۔

پھر اس کے ایک سو سال کے بعد بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں "تاریخ مفضلی" (تصنیف 1124-1131ھ)[1] کے مؤلف مفضل خان اور اسی صدی کے آخر میں "تحفۃ الکرام" (تصنیف 1182ھ) کے مصنف علی شیر قانع نے "فتحنامہ" سے سندھ کی قدیم تاریخ اور محمد بن قاسم کی فتوحات کے حالات نقل کئے ہیں۔

فتحنامہ کے ترجمے: ان قدیم مؤرخوں کے بعد موجودہ عالموں اور مؤرخوں نے گذشتہ اور موجودہ صدی میں فتحنامہ کے ترجمے کی طرف توجہ کی اور پوری کتاب یا اس کے کچھ حصوں کے انگریزی میں سندھی میں اور اردو میں مندرجہ ذیل ترجمے کئے:

(الف) لیفٹننٹ ٹی۔ پوسٹنس (T.Postans) غالباً پہلا شخص تھا جس نے انگریزی زبان میں 1838ء اور 1841ء میں "جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" میں اس کتاب کا مختصر ترجمہ شائع کیا۔[2] یہ پہلی کوشش تھی اسی وجہ سے پوسٹنس کا ترجمہ کافی ناقص ہے۔[3]

(ب) اس کے بعد ایلیٹ نے پوری کتاب کے خاص تاریخی حصے ترجمہ کئے[4] لیکن اس کے کئے ہوئے ترجمے میں بھی افراد اور مقامات کی تحقیق میں نقائص رہ گئے، جن پر محقق ہوڈی والا نے اپنی کتاب "ہندی۔ مسلم تاریخ کے متعلق مطالعات" میں (ص 103-104-193) میں تنقید کی ہے۔

(ج) اس کے بعد سندھ کے مشہور ادیب مرزا قلیچ بیگ نے پہلی مرتبہ پوری کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا، جو کراچی کے کمشنر پریس سن 1900ء میں طبع ہو کر شائع ہوا۔ مرزا صاحب

1. دیکھئے فہرست ریو (Riou)، جلد 2، ص 892-893
2. دیکھئے "جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" جلد 7 (No. LXXIV) سال 1838ء، ص 93-96 اور 297-310 اور جلد 10 (No. CXI) سال 1841ء، ص 183-197 اور 267-271
3. دیکھئے ایلیٹ کی تاریخ مقامی مورخوں کی زبانی، جلد 1 ص 137
4. ایضاً جلد 1 ص 131-211

نے اپنے ترجمے کی تمہید مورخہ 20 نومبر 1900ء میں لکھا ہے کہ: ''کتاب کا ترجمہ کرنے میں مجھے کافی دشواریاں پیش آئی ہیں۔ میرے قلمی نسخے میں اتنی غلطیاں اور کوتاہیاں تھیں کہ مجھے کتاب کے دوسرے قلمی نسخے، جس قدر ممکن تھے، حاصل کرنے پڑے، تاکہ اپنے نسخے کو ان سے ملا کر غلطیوں کی اصلاح کروں اور خلاؤں کو پُر کروں۔ چنانچہ دوستوں کی عنایت سے مجھے حیدرآباد، ٹھٹھہ، سکھر اور شکارپور سے 7 یا 8 نسخے دستیاب ہوئے۔ اس کے بعد کافی محنت اور کاوش کے ساتھ عربی کے عالموں کی مدد سے میں نے (عبارتوں کی) اصلاح کی اور جس قدر ممکن ہوسکا ان خلاؤں کو پر کیا (لیکن بدقسمتی سے سارے قلمی نسخوں میں غلطیاں اور کوتاہیاں تھیں)۔ اس کے بعد میں نے حتی الامکان کتاب کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا۔ (اس میں) میں نے کافی حواشی اور حوالے بھی دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ مسائل واقعات کے متعلق میں نے تاریخ معصومی اور تحفۃ الکرام کے بیانات کے اقتباسات بھی اس میں موازنہ کے لیے شامل کئے ہیں۔ قرآن شریف کی آیتوں، رکوع اور سورتوں کے حوالے میں نے سیل (Sale) کے انگریزی ترجمے سے دیئے ہیں اور رچرڈسن کے ٹیبل سے میں نے ہجری سالوں کے مسیحی سال درج کئے ہیں۔''

مرزا صاحب کے مذکورہ بیان سے ظاہر ہے کہ ان کی کوشش اس کتاب کے مکمل اور حتی الامکان صحیح انگریزی ترجمے کی پہلی کوشش تھی۔ اس کے علاوہ مرزا صاحب نے اپنے ترجمے کے آخر میں لوگوں اور مقامات کے ناموں کی حرفی ترتیب کے ساتھ فہرست بھی شامل کی ہے، جو موجودہ طرز تحقیق کے لحاظ سے ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

ان اہتمامات کے باوجود مرزا صاحب کا انگریزی ترجمہ کافی تصحیح کا محتاج ہے۔ انہوں نے جن 7 یا 8 قلمی نسخوں کا مطالعہ کیا تھا، ان کی کوئی بھی وضاحت نہیں کی، جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ وہ نسخے کس حد تک معتبر تھے۔ خود ان کی رائے کے مطابق ''سارے نسخوں میں غلطیاں اور کوتاہیاں تھیں'' اور غالباً اسی وجہ سے مرزا صاحب کے ترجمے میں افراد اور مقامات کے ناموں اور عبارتوں میں کافی غلطیاں رہ گئی ہیں۔

(د) انڈیا آفس لنڈن کے قلمی نسخے سے سندھ کے میر صاحبان کے زیرِ اہتمام فتحنامہ کا ایک سندھی ترجمہ ہوا، جو کافی عرصہ تک ہز ہائینس میر نور محمد خان (حیدرآباد) کے کتب خانہ کی زیب و زینت رہا۔ اس کے بعد یہ ترجمہ مرحوم خداداد خان مصنف ''لب تاریخ سندھ'' کے پاس رہا اور اب وہ محترم محمد حنیف صاحب صدیقی کے پاس محفوظ ہے۔

(ھ) 1923ء میں مرزا قلیچ بیگ نے اس کتاب کا پھر سندھی میں ترجمہ شروع کیا۔ اور اس ترجمے کا پہلا حصہ جو کل 60 صفحات پر مشتمل ہے، کرشنا پرنٹنگ پریس (1 تا 40 صفحات) اور

بلاونسکی پریس (41 تا 60 صفحات) حیدرآباد سے طبع ہوکر شائع ہوا۔ اس پہلے حصے کے مقدمے میں مورخہ 30 جولائی 1923ء میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ "اب بعض دوستوں کی فرمائش کے مطابق میں نے سندھی میں ترجمہ کیا ہے۔" آخر میں "اشارہ" کے طور پر لکھا ہے کہ "کتاب دو حصوں میں شائع ہوئی ہے۔ پہلا حصہ صرف چچ کے راج تک محدود ہے۔ باقی حالات دوسرے حصے میں آئیں گے۔" مرزا صاحب کا یہ ترجمہ بھی محض ترجمہ ہی ہے اور تحقیق و تصحیح سے خالی ہے۔

(و) مرزا قلیچ بیگ کے انگریزی ترجمے سے محترم محمد حفیظ الرحمٰن حفیظ بہاولپوری نے کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا جو "عزیز المطابع الیکٹرک پریس بہاولپور" میں طبع ہوا۔ مترجم کے دیباچے میں 12- رمضان 1357ھ/ 4- نومبر 1938ء کی تاریخ ظاہر کی گئی ہے۔ چونکہ یہ ترجمے کا ترجمہ ہے اسی وجہ سے صحت کے لحاظ سے ناقص ہے۔

فتحنامه کے فارسی متن کی اشاعت: خود فارسی متن کی تصحیح اور تحقیق کی طرف سب سے پہلے سندھ کے عالم، فاضل، محقق اور ادیب، شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ مرحوم نے توجہ کی، اور ان کا تصحیح کردہ "فتحنامہ سندھ" مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن کی سعی اور اہتمام سے 1358ھ/ 1939ء میں مطبع لطیفی دہلی میں طبع ہوکر شائع ہوا۔

موجودہ تحقیق و تجسس کے اصولوں اور معیار کے مطابق یہ پہلی کوشش تھی، جس میں فاضل مصحح نے کتاب کے جملہ مختلف قلمی نسخوں کو سامنے رکھ کر متن کی تصحیح کی، کتاب کا مقدمہ لکھا، متن کی وضاحت کے لیے حواشی اور تعلیقات تحریر کئے اور آخر میں افراد اور ملکوں کے ناموں کی فہرست شامل کی۔ متن کی تصحیح کے لیے فاضل محقق نے مندرجۂ ذیل قلمی نسخے استعمال کئے:

نسخه م- مملوکہ برٹش میوزیم، نوشتہ 9- محرم 1248ھ۔

نسخه پ- مملوکہ کتبخانہ پنجاب یونیورسٹی، نوشتہ 4- شوال 1061ھ۔

نسخه ب- مملوکہ کتبخانہ بانکی پور، نوشتہ 10- ذیقعد 1272ھ۔

نسخه ک- مملوکہ کتبخانہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ، نوشتہ 19 اکتوبر 1887ء۔

نسخه س- علاؤالدین صاحب سہ کا ذاتی نسخہ، کافی بعد کا لکھا ہوا، تاریخ نامعلوم۔

نسخه ج: میر نور محمد خان کے کتبخانے کا سندھی ترجمہ، جو محمد حنیف صاحب صدیقی کے پاس موجود ہے، تاریخ ترجمہ نامعلوم۔

ان نسخوں کے علاوہ مصحح نے مرزا قلیچ بیگ کا انگریزی ترجمہ اور ایلیٹ کا انگریزی ترجمہ بھی استعمال کیا ہے۔

اس اہتمام و کاوش و محنت کے بعد، فتح نامہ کا فارسی ترجمہ پہلی بار کافی صحت کے ساتھ

مطبوعہ شکل میں علمی دنیا کے سامنے پیش ہوا۔ متن کے حتی المقدور صحت کے علاوہ فاضل محقق نے پہلی مرتبہ کتاب کے اصل نام پر مقدمہ میں بحث اور اس کے عام مشہور نام "چچنامہ" کے بجائے داخلی شہادتوں کی بنا پر اس کا زیادہ صحیح نام "فتحنامۂ سندھ" تجویز کیا۔ اپنے حواشی میں بھی فاضل محقق نے بعض تاریخی اور جغرافیائی حقائق پر روشنی ڈالی ہے۔

اس طرح محترم ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم کی اس مخلصانہ کوشش نے پہلی بار اس تاریخی کتاب کے متن کو صحیح معنی میں اہل علم سے روشناس کرایا۔ الفضل للمتقدم۔

لیکن صاحب موصوف سے بالمشافہ تبادلۂ خیالات پر معلوم ہوا کہ یہ کام کافی عجلت کے ساتھ ختم کیا گیا ہے۔ اور غالباً اسی وجہ سے بعض اسماء خاص کی اصلیت، متن کی بعض پیچیدہ عبارتوں کی صحت، مزید قلمی نسخوں کا موازنہ، کتاب کے تاریخی پس منظر کی عمیق تحقیق، تاریخی واقعات اور جغرافیائی ماحول پر بعض ضروری مباحث اور بعض دوسرے عام پہلو تشنہ رہ گئے ہیں۔

زیر نظر اردو ترجمہ اور اس کی تحقیق

اس اردو ترجمہ اور تالیف میں ان جملہ تحقیق طلب مسئلوں کو حتی الامکان طے کرنے کی کوشس کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کے سارے متن کی جزئیاتی تصحیح اور آخر میں ہر پیچیدہ اور مشکل مقام و مسئلہ کی علمی تنقید اور تشریح اس ترجمے اور تالیف کی دو امتیازی خصوصیات ہیں۔ اس سلسلے میں جو مفصل کاوشیں کی گئی ہیں، اجمالی طور پر ذیل میں ان کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے، تاکہ آئندہ کے محقق کو باقی ماندہ مسائل کی طرف متوجہ ہونے میں آسانی ہو۔

1- کتاب کے جملہ قلمی نسخوں سے موازنہ: پہلے صفحہ ۷۸ پر فتحنامہ کے ان قلمی نسخوں کا ذکر کیا گیا ہے، جنہیں فارسی متن کے ایڈیٹر شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے استعمال کیا ہے۔ صاحب موصوف نے ان میں سے نسخہ م کو بنیادی نسخہ تسلیم کیا ہے اور نسخہ پ کی عبارتوں کو اکثر مقامات پر ترجیح دی ہے۔[1]

نسخہ پ: راقم الحروف نے پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں نسخہ پ کے مطالعے کے بعد اسے بنیادی نسخہ تسلیم کرتے ہوئے فارسی متن کی کافی عبارتوں کو درست کیا ہے: مثلاً ص 98 حاشیہ 2 (دہر سینہ کی عمر تیس سال تھی نہ کہ مدت حکومت)، ص 107 حاشیہ 1 (عبداللہ نہیں بلکہ عبد رب)، ص 107 حاشی 1 (کوہ مندر نہیں بلکہ کوہ منذر) ص 143-144 پر حاشیہ (3)-(3) کے دائرہ کی پوری عبارت کی تصحیح۔ ص 157 حاشیہ 1 (حزان نہیں بلکہ حران)، ص 170 حاشیہ 1 (جیپور نہیں

1. دیکھئے فارسی ایڈیشن: مقدمہ ص (یط)

بلکہ جیور)، ص 183-184 حاشیہ 1 ("اے بنو عزیز" نہیں بلکہ "اے عزیز")، ص 187 پر حاشیہ (1)-(1) کے دائرے میں داہر کے اپنے اصلی الفاظ وغیرہ۔

نسخہ ب: فارسی ایڈیشن میں دوسرا خاص نسخہ ب استعمال کیا گیا ہے، جو بانگی پور لائبریری میں محفوظ ہے۔[1] اس نسخے کو راجہ محمد نامی کاتب نے 10- ذیقعد 1272ھ میں شہر پونہ میں ایک دوسرے ہی نسخے سے نقل کیا، جسے میر مراد علی خان کے ارشاد کے مطابق محمد خلیل نامی کاتب نے 3- ذیقعدہ 1232ھ میں لکھا تھا۔ میر مراد علی خان والا نسخہ جو نسخہ ب سے 40 سال پہلے کا لکھا ہوا ہے، ہزہائنس میر نور محمد خان مرحوم کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ محترم دوست ہزہائنس میر نور محمد خان (ثانی) کی عنایت سے راقم الحروف کو یہ نسخہ مطالعے کے لیے حاصل ہوا، جسے نسخہ ن سے موسوم کیا گیا ہے۔ فتحنامے کے جملۂ قلمی نسخوں میں قدامت کے اعتبار سے یہ نسخہ دوسرے نمبر پر ہے اور صرف نسخہ پ ہی اس سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ اس نسخے ن کی مدد سے بھی ہم نے املاء کی جابجا تصحیح کی ہے۔ مثلاً ص 75 پر "کنبہ" کی جگہ "تاکیہ"۔ اسی صفحہ پر چند سطور کے بعد "شاکھا" کی جگہ "شاکلہار" ص 131 پر "نگید وا" کی جگہ "تکید وا"۔ ص 132 پر داہر کے اپنے الفاظ، جو صرف پ اور ن میں دیئے گئے ہیں، وغیرہ۔ بعض خاص اصلاحیں ن اور ر کی متفقہ عبارتوں کے مطابق کی گئی ہیں۔ مثلاً: ص 128 پر "ذکوان بن علوان بکری" کی جگہ "ذکوان بن علوان بکری" اور ص 149 پر "قصہ وسورتہ" کی جگہ پر "قصبہ وجورتہ" وغیرہ۔

نسخہ ر: فارسی متن کے فاضل ایڈیٹر نے برٹش میوزیم والے (OR1787) نسخے م کو بنیادی نسخہ قرار دیا ہے۔ وہ نسخہ دراصل حضرت پیر صاحب پاگارہ کی لائبریری کا تھا اور اس کے صفحے 205 پر پیر صاحب علی گوہر شاہ "اصغر" (1231-1263ھ) کی مہر ثبت ہے، جس پر یہ طغرا مندرجہ ہے:

ز درج صبغت اللہ شہ علی گوہر بود طالع
چو خورشید حقیقت شد محمد راشد (ے) لامع

1250ھ

اس نسخہ کا کاتب "نور محمد چپ نویس" ہے، جس نے اسے 9- محرم 1248ھ میں لکھا۔[2] شاہی لائبریری رام پور میں ایک "مجموعہ تاریخ فارسی" (رقم 520) تین کتابوں یعنی تاریخ معصومی، چچنامہ اور تاریخ طاہری پر مشتمل ہے۔ یہ تینوں کتابیں ایک ہی قسم کے خط میں ایک ہی کاتب کی

---

1. دیکھئے فہرست بانگی پور لائبریری، مرتبہ "ڈینیسن راس" جلد 7 ص 117، رقم (597)
2. دیکھئے فارسی ایڈیشن، مقدمہ صفحات (یا-ک)

لکھی ہوئی ہیں، جس نے تاریخ طاہری کے آخر میں اپنا نام اور تاریخ کتابت اس طرح درج کی ہے: "حاجی محمد مجاور درگاہ بتاریخ غرہ ماہ جماد الثانی 1245"۔ اس نسخے اور مذکورہ بالا نسخے م کا مقابلہ کرنے پر واضح ہوتا ہے کہ نسخہ م اس رام پور والے نسخے کی نقل ہے۔ حاجی محمد روہڑی میں "موئے مبارک" کی درگاہ کا مجاور تھا، اور راقم الحروف نے اس کی ہاتھوں کے لکھے ہوئے بعض دوسرے رسالے بھی اسی خط میں دیکھے ہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ پیر صاحب پاگارہ کا نسخہ اسی روہڑی والے نسخے کی نقل ہے۔ ہم نے اس رام پور والے نسخے کو ر سے تعبیر کیا ہے، اور اس کے مطابق متن میں کتنے ہی مقامات پر بعض اہم اصلاحیں کی ہیں۔ مثلاً: ص149 پر (1)-(1) کی درمیانی عبارت کی تصحیح۔ ص168 پر (1)-(1) درمیان اس فقرہ کا اضافہ کہ محمد بن قاسم کے سپاہی "ٹولیوں ٹولیوں میں ہوکر" پار ہوئے ص225 پر "قبایض بن طاہر" کی جگہ "قیان بن طاہر" (یعنی کیان بن تھاہر)۔ ص181 پر "ہول" کی جگہ "ڈھول" (یعنی ڈھول)۔ ص220 پر "دندہ و کرہاہ" کی جگہ پر "دندہ و کرہہار" (یعنی جھیل وکرہہار وغیرہ)

غرض پ، ن اور رفتناے کے جملہ قلمی نسخوں میں ترتیب وار قدیمی نسخے ہیں، جن میں سے پ کا دوبارہ مطالعہ کیا گیا ہے، اور ن اور ر کو پہلی مرتبہ اس اردو ایڈیشن کی تصحیح کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ باقی دوسرے تین چار اور بھی قلمی نسخے علم میں آئے ہیں۔[1] جن کا مطالعہ فائدے سے خالی نہیں، مگر یہ نسخے ایک تو بعد کے لکھے ہوئے ہیں، دوسرے ناقص ہیں اس وجہ سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔

2- اصل عربی کتاب کے کاتبوں کے سہو یا مترجم علی کوفی کی بھول کی وجہ سے متن کی بعض عبارتوں کے حصے حذف ہوگئے ہیں، جس کی وجہ سے سارے قلمی نسخوں میں خلا اور ابہام رہ گیا ہے، جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جاچکا ہے۔ ہم نے دوسری مستند عربی کتب میں ان حذف شدہ عبارتوں کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور کم از کم دو ناقص عبارتوں کو درست کیا ہے۔ یعنی ایک 107 / [81] پر سنان بن سلمہ اور احنف بن قیس والے بیان کی تصحیح ابن قتیبہ کی کتاب

---

1. "مطبع تھیک امپیریل" میں شاید دو نسخے موجود ہیں، جن کی طرف الیٹ نے اپنی تاریخ (1/137) میں اشارہ کیا ہے۔ ای- بلاشیٹ (E.Blochet) کی فہرست (ببلیوتھیک نیشنل، پیرس جلد ا ص۳۰۲) میں ایک نسخے کا حوالہ راقم الحروف کی نظر سے بھی گذرا ہے، لیکن اس کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ اس وجہ سے اس کے بارے میں مزید کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ نسخہ م کے علاوہ متحف برطانیہ میں ایک دوسرا نسخہ بھی موجود ہے۔ (فہرست ریو 1/290-291، No. OR 1582) لیکن ایک تو وہ ناقص ہے، دوسرا کافی بعد کا یعنی انیسویں صدی کا لکھا ہوا ہے۔ ان کے علاوہ فتحنامے کے کچھ حصے ایک "مجموعہ اقتباسات تاریخی" (No. OR 1838) میں بھی شامل ہیں۔ انڈیا آفس لائبریری لندن میں بھی ایک نسخہ موجود ہے۔ (فہرست، ایتھے No> 435) جس کی بعض عربی عبارتوں سے فارسی متن کے فاضل ایڈیٹر نے مقابلہ کیا ہے، لیکن ان کی رائے میں یہ نسخہ بھی ناقص اور بہت غلط ہے (دیکھئے فارسی ایڈیشن مقدمہ- کو)

"عیون الاخبار" (227/1) سے کی گئی ہے، اور دوسری صفحے 304/[217] پر محمد بن قاسم اور قتیبہ کو حجاج کی طرف سے چین کی فتح کی پیشکش اور جہم بن زحر کو عراقی لشکر کے ساتھ قتیبہ کے پاس بھیج دینے کے متعلق اصلاح، یعقوبی (246/2) اور طبری (889-90/1) کے حوالوں سے کی گئی ہے۔[1]

3- اس ترجمے میں آئے ہوئے کل افراد اور مقامات کے ناموں کی، متن کے مختلف تلفظوں اور دوسرے ماخذوں کی روشنی میں تصحیح کی گئی ہے۔ عربی ناموں کی حتی الامکان قدیمی اور اصل صورت واضح کی گئی ہے۔ مثلاً ص 76 پر "سرکوندھ بن بھنڈرکو" (فارسی متن میں پسر کول بن بھندر کو ہے)، اسی صفحہ پر "وکیو بن کاکو" (فارسی متن میں کیہ بن کاکہ ہے)۔ ص 140 پر "چچوں" (فارسی، متن میں جتان ہے) وغیرہ اصلاحیں قابل توجہ ہیں۔

4- جس قدر ممکن ہوسکا ہے فتحنامہ میں مذکور جملہ افراد اور مقامات کا واضح تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل مثالیں خاص اہمیت رکھتی ہیں:

مثلاً: محمد بن قاسم کے ساتھی سپہ سالاروں اور خاص افراد میں سے اکثر کی سوانح حیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً: جہم بن زحر الجعفی (ص 289-291)، عطیہ بن سعد العوفی (ص 291-292)، سفیان بن الابرد الکلبی (ص 292)، قطن بن برک الکلابی (ص 292-293)، نباتہ بن حنظلہ الکلابی (293)، تمیم بن زید قینی (ص 310)، خریم بن عمرو المری (ص 315-316)، حکم بن عوانہ کلبی (319)، اور وداع بن حمید البحری (ص 320)۔ اس کے علاوہ حجاج کے کاتب (ص 304-305) اور ص 163/[151] پر بیان کی ہوئی داستان کے مصنف خواجہ امام ابراہیم کے حالات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

اہم مقامات، شہروں، جھیلوں، تالابوں اور شاخوں کی نشاندہی اور تعارف پر خاص توجہ کی گئی ہے اور اس سلسلے میں مندرجہ ذیل شہروں اور مقامات کے بارے میں پیش کی ہوئی جغرافیائی اور تاریخی تحقیق فی الحال ایک خاص اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی اروڑ (ص 248-249)، دیبل (ص 251-260)، کیکانان (ص 260)، برہمن آباد (ص 260-262)، نیرون کوٹ (ص 263)، کنوہار مندر (ص 261-208)، راوڑ (ص 272-277)، سوج (ص 297-299)، بغرور یعنی بکھر (ص 249، 300-301)، اشھم (ص 306-307)، جلوالی بھاٹ (313-314)، کیرج، یعنی کیرا یا کھیڑا (ص 321) ساوندی اور جھیل وکربھار (ص 321-322) اور ملتان کا مشروی بتخانہ (ص 330) وغیرہ۔

5- اس ایڈیشن میں نہ صرف تاریخی اور جغرافیائی تحقیق کو پیش نظر رکھا گیا ہے، بلکہ

1. دیکھئے آخر میں ص 318-320 پر نوٹ 304/[217]۔

ضرورت کے مطابق ادبی تحقیق پر بھی پوری توجہ کی گئی ہے۔ فتحنامہ میں مذکور شعراء کے حالات پر حتی الامکان روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے دیوانوں یا عربی ادب کی دوسری کتابوں کی مدد سے ان کے اشعار کی ضروری تصحیح بھی کی گئی ہے۔ شعراء میں سے اعورشنی (ص 281-282)، عبداللہ بن الاعور الحرمازی (ص 282-283)، حمزۃ بن بیض الحنفی (ص 288-289) اور عدیل بن فرخ العجلی (ص 223) کے بارے میں مختصر مگر جامع حوالے قلم بند کئے گئے ہیں۔ ص 103/[74] پر حکیم بن جبلہ سے منسوب اشعار کے متعلق (ص 278-279) کے حاشیہ میں روشنی ڈالی گئی ہے اور ص 110-113/[86] شاعر فرزدق کے اشعار کی اس کے دیوان کے مختلف مطبوعہ نسخوں کی مدد سے تصحیح اور تکمیل کی گئی ہے۔ اور اس کے علاوہ نامعلوم شعراء کے اشعار کو متعین کرنے کی بھی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے اور کم از کم ایک ایسے گمنام بیت کے متعلق جو 118/[236] پر دیا گیا ہے، یہ پتہ لگایا گیا ہے کہ وہ مشہور شاعر ابوالفتح بستی کے قصیدہ کا ہے (دیکھئے ص 328)۔

6- محمد بن قاسم کے متعلق ہر نقطہ نگاہ سے ضروری تحقیق کی تکمیل کی گئی ہے۔ ص 247-248 پر فتحنامہ میں اس کے دیئے ہوئے لقب "عمادالدین" کی مصنوعیت پر تبصرا کیا گیا ہے اور اس کی کنیت "ابوالہبار" کو متعارف کرایا گیا ہے۔ ص 284-288 پر محمد بن قاسم کے خاندان اور شادی کے متعلق فتحنامہ کے جملہ متضاد اور مشکوک بیانات کو مستند تاریخی حوالوں سے، پرکھ کر صحیح حالات اور نتائج پیش کئے گئے ہیں۔ اور آخر میں ص 334-344 پر تاریخی واقعات کی روشنی میں محمد بن قاسم کی سندھ سے واپسی، نظر بندی اور وفات پر تحقیقی بحث کے ذریعے داہر کی بیٹیوں کے فرضی افسانے کی تردید کی گئی ہے۔

علمی نقطہ نظر سے اس اردو ایڈیشن کے مذکورہ بالا چھ پہلو خصوصی حیثیت رکھتے ہیں، ورنہ مجموعی طور پر متن کے حاشیوں اور آخر میں "تشریحات و اضافے" کے زیرِ عنوان ہر مبہم، مشکوک اور پیچیدہ امور کی تشریح کی گئی ہے اور تحقیق طلب مسائل پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں آدمیوں اور مقامات کے ناموں کی فہرست شامل کی گئی ہے، تاکہ حوالے تلاش کرنے میں سہولت ہو اور ساتھ ہی ساتھ ان جملہ تحقیقات اور تجزیوں کے ضمن میں جن خاص علمی، ادبی اور تاریخی کتب کا مطالعہ کیا گیا ہے، ان کی بھی فہرست شامل کردی گئی ہے۔ اس کے بعد جہاں تک کتاب کی اصلیت، فارسی ترجمے کی کوتاہیوں اور اہمیت اور بعد کے ترجموں، نیز فارسی ایڈیشن کے حقائق اور دوسرے مسائل ہیں، ان میں بھی حتی الامکان کوئی کمی نہیں کی گئی۔ امید ہے کہ یہ مقدمہ ہر مؤرخ اور محقق کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

ن-ب

متن فتح نامہ

ضروری اشارات

1- متن میں مربع قوسین میں دیے ہوئے ہندسے اصل مخطوطے کے صفحات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ مثلاً صفحہ 13 کی سطر 19 میں ہندسہ [11] کے معنی یہ ہیں کہ یہاں پر اصل مخطوطے کا گیارہواں صفحہ ختم ہوا۔ حواشی اور حوالہ جات میں بھی مربع قوسین میں دیے ہوئے ہندسوں سے مراد یہی مخطوطے کے صفحات ہیں اور دوسرے ہندسے مطبوعہ کتاب کے صفحات سے متعلق ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد اور تعریف اسی مالک حقیقی کو زیب دیتی ہے کہ جس کے احسانوں کا ذکر خلاصہ ایمان اور جس کی نعمتوں کا شکر مقدمہ امن و امان ہے۔ ایسا صانع کہ جس کا امر کن فیکون واہموں سے معدوم نہیں ہوتا اور ایسا قادر کہ جس کی بے مثال صفات، خیالی حکمتوں میں محدود نہیں ہوتیں۔ ایسا مقدر کہ جس نے اپنی قدرت کے آسمانوں میں سیاروں کی شمعیں جلائیں اور ایسا مصور کہ جس نے اپنی حکمت کے درجوں اور دقیقوں سے ستاروں کی منزلیں منقش کیں۔ وہ آفرید کار کہ جس کی صنعتِ جمال نے چمکتے سورج کو آراستہ کیا اور ایسا پروردگار کہ جس کے جلال قدر نے شب تاریک کی زلفوں کو سنوارا۔ فضائے بسیط میں چشم سحاب اس کے عدل کے خوف سے گریاں ہے اور سطح زمین پر گل کا دمکتا مکھڑا اس کی رحمت کی فیض سے خنداں ہے۔ وہ ایسا جبار ہے کہ جس نے فرعون بے عون کو اس کے تمسخر اور کفر و ضلالت کے سو سالہ نشے کے باوجود صرف ایک بے وضو سجدے کی برکت سے اپنی رحمت اور مہربانیوں کا حقدار ٹھہرایا اور ایسا قہار کہ مکار ابلیس کو سات سو ہزار برس کی عبادت گذاری کے باوجود محض ایک سجدہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے اپنی پاک اور با عزت بارگاہ سے خارج اور مردود قرار دیا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین والحمدللہ رب العالمین. (پھر اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ اور بہتر خالق ہے اور ساری تعریف اسی اللہ کو زیب دیتی ہے جو سارے جہاں کا پالنہار ہے)۔

دعا، سلام، درود اور صلواتوں کے سارے تحفے اس رسول ﷺ کی عنبرین خاک اور روضۂ مطہر پر بھیجنے چاہئیں کہ جس کے وعظ اور نصیحتوں کے اثر سے مومنوں کے دلوں کے آئینوں میں جلا ہے اور جس کے خلق کی شعاعوں سے محبوں کی جانیں مقبول ہیں۔ ایسا صادق کہ جس کے چہرہ اخلاق کو مخلوق کی بدگوئی مکدر نہ کر سکی اور ایسا سالک کہ جس کے امن کی راہ پر گامزن ہوتے والے قدموں کو کوڑے کے کانٹے نہ دکھا سکے۔ ایسا کریم کہ اس کے در دولت کے ادنیٰ خادموں نے نور محمدی کی برکت سے نقارے کی ہر چوٹ پر کسی نہ کسی کو با اختیار حاکم بنایا۔ حجاز کے کافروں، ایران اور خراسان کے بے دینوں اور سرکش ہندؤں کو اپنی آبدار تلواروں اور خونخوار نیزوں کے زور سے زیر اور ذلیل کیا اور بتوں اور مورتیوں کی جگہ مسجدیں اور منبر بنائے جس کی وجہ سے محمدی دلیلوں

کے آثار اور نبوی نشانوں کے معجزے ظاہر ہوئے۔

صلوٰۃ اور سلام ان دس صحابہ اور پاک دامن نقیبوں پر، جن کے حق میں زبانِ نبوت اور عہد رسالت نے قرآن مجید میں یہ بشارت دی ہے: (قولہ تعالیٰ) وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ [2] عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا. "جو ان کے (محمد ﷺ کے) ساتھی ہیں وہ کافروں کے لئے سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ تم انہیں رکوع اور سجدے ادا کرتے ہوئے دیکھو گے۔" صلوات اللہ علیہ وعلیہم اجمعین.

رسول الثقلین محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مناقب اس کنواری کے لئے جڑاؤ ہار اور ان قیمتی موتیوں کے قافیوں کی صحت پر روشن برہان اور ان تصانیف کی آرائش اور ان گردانوں کے نظام پر واضح دلیل ہو کر رہیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا حکم رسول الثقلین و نبی حرمین کو پہنچا کہ: يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا. "اے چادر اوڑھنے والے! رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی عبادت کر، آدھی رات اٹھ بیٹھ کر گذار یا اس میں تھوڑی کمی بیشی کر اور اچھی طرح سے قرآن کی تلاوت کر۔" تو وہ سردار اولاد آدم و خواجۂ ہر دو عالم، صدر رسالت و بدر جلالت اور سالار زمرۂ سعادت و رازدار سر عاقبت مصلیٰ پر اتنی دیر تک ٹھہرنے لگے کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر آئے اور چہرہ مبارک زرد ہو گیا۔ آخر کار قاصدِ بارگاہ وطاؤسِ مملکت الٰہی حضرت جبرئیل امین صلوات اللہ وسلامہ علیہ فرمان خداوندی لے کر حاضر ہوئے اور کہا کہ اے مرسلوں کے پیشوا، متقیوں اور خوش بختوں کے سرتاج و رہنما اور صادقوں کے اولیاء بارگاہ ذوالجلال سے [3] یہ فرمان جاری ہوا ہے: طٰهٰ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى. یعنی اے پیغمبر! اے چودھویں کے چاند! میں نے تمہیں تکلیف دینے کے لئے قرآن تم پر نازل نہیں کیا۔ نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ تمہارے بعد ختم ہے۔ تمہاری خیالی دعائیں بھی بارگاہ لا یزال میں مقبول ہیں۔ تم اپنے لئے اتنی محنت اور سختی کیوں اختیار کرتے ہو؟ اگر تم اپنی طلب کا فقط اشارہ کرو تو مقبولیت کی بشارت کا حکم تمہیں پہنچا دیا جائے۔"

یہ سن کر سردار سرداران طریقت اور سالار راہِ حقیقت نے خزینۂ دھن فکر کو وا کیا اور نطق گہربار سے یوں ارشاد فرمایا: یا اخی جبرئیل افلا اکون عبدا شکورا. یعنی باوجود اتنے بلند مرتبوں کے جو مجھے حاصل ہیں، میں آخر بندہ ہوں اور بندہ زادہ ہوں۔ اے بھائی جبرئیل! کیا میں (خدا کا) شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

محمد (ﷺ) کے حق میں خدائے ذوالجلال کے کئی فرمان ہیں۔ مثلاً: ایک جگہ رحمۃ للعالمین

ہونے کی بشارت دی گئی۔ (قوله تعالیٰ) وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ. "ہم نے تمھیں ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" دوسری جگہ صحابیوں کے ساتھ اپنی رسالت (کے عہدہ) پر جلوہ گر کیا ہے۔ (بمصداق قول تعالیٰ) مُحَمَّدٌ رسول اللہ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ۔ الآیة [1] (محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی۔ الخ) اور ایک جگہ خزانۂ نبوت کو نبوت اور رسالت کی مہر سے مستحکم فرمایا۔ مثلاً: ولکن رسول اللہ [4] وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ [2]" پر وہ اللہ کا رسول جو نبیوں اور رسولوں (کے سلسلے) کو ختم کرنے والا ہے۔" اور ایک دوسری جگہ مخلصوں اور متقیوں کے لئے بشارت اور سرکشوں اور مفسدوں کے لئے دھمکی کا اشارہ فرمایا یعنی: یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ. "اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر۔"

[پس اے جبرئیل] مجھے جو اتنے مراتب و احتشام و مراسم و احترام سے مشرف کیا گیا ہے، تو اس کا منشاء یہی تھا کہ ظلم کی سیاہی اور کفر کی گمراہی، اسلام اور دینداری کی روشنائی میں تبدیل ہو، نفاق اور جہالت کی بنیادیں منہدم ہوں، اسلام کے جھنڈے سربلند ہوں، اس مذہب اور حکومت کا آئین دنیا میں قیامت تک جاری رہے اور کسی قسم کے شرک اور منافقت سے آلودہ نہ ہو اور سنت کا پھول بدعت کے کانٹوں سے نہ چیرا جائے۔

[یہ ارشادات سن کر] جبرئیل امین صلوات اللہ علیہ وسلامہ واپس چلے گئے اور پھر فوراً ہی آ کر کہنے لگے: "السلام علیک یا محمد! خدائے تعالیٰ درود و سلام کہتا ہے اور اب اس کا قطعی فرمان اور محکم تقدیر یہ ہے: اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ. (بے شک تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت دے سکتا ہے۔) اے محمد! یہ ہرگز خیال نہ کرنا کہ کوئی شخص تمہارے بلانے سے میری بارگاہ میں آتا ہے یا ابلیس کے دھوے سے ہماری درگاہ سے راندہ ہوتا ہے۔ اصل میں نکالنے والے ہم ہیں۔ جسے ہم نکال دیں اسے کوئی نہیں بلا سکتا اور جسے ہم بلائیں اسے کوئی نہیں نکال سکتا۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (بے شک میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہیں)۔ اس لئے اے محمد ﷺ! تم اس وجہ سے فکرمند نہ ہو۔ جن لوگوں نے [5] میثاق والے دن اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) غور سے سنا اور قَالُوْا بَلٰی (کہا کہ ہاں) والا فرمان برداری کا طوق اپنی گردنوں میں

---

1. یہ پوری آیت یہ ہے: مُحَمَّدٌ الرسول اللہ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماهم فی وجوههم من اثر السجود (سورۃ فتح، رکوع 4) "محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی، کافروں کے لئے سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ تم انہیں رکوع اور سجدے ادا کرتے دیکھو گے۔ وہ اپنے رب کا فضل اور رضامندی چاہتے ہیں۔ ان کی پیشانیوں میں سجدوں کے نشان ہیں۔"

2. اصل متن میں "محمد رسول اللہ خاتم النبیین" ہے جو صحیح نہیں ہے۔

ڈال کر میری وحدانیت کا اقرار کیا۔ [ان کے لئے] میں دولت محمدی کے اطاعت گذاروں میں سے کوئی نہ کوئی [ایسا شخص] مخلوق پر جلوہ افروز کروں گا، جس کی کوششوں کے وسیلے سے وہ لوگ اسلام کی عزت سے مشرف ہوتے (رہیں گے) اور جس فرقے نے ہمارے حکم سے سرکشی اور عناد اختیار کیا ہے، اسے گمراہی اور نعمت کے انکار سے منسوب کروں گا تاکہ وہ (مومن) جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ (کافروں اور منافقوں سے جہاد کر) کے فرمان اور اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ (مشرکوں کو جہاں پاؤ وہاں قتل کرو) کے اشارے کے مطابق (کافروں کو) خونخوار تلواروں اور دلفگار نیزوں اور تیروں کا لقمہ بنائیں تاکہ خراسان، ایران، عراق، شام، روم اور ہندستان کی یہ فتوحات کتابوں میں لکھی جائیں اور زمانے کے حاشیے پر ان کا ذکر ہمیشہ قائم رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قباچہ السلاطین خلد اللہ ملکہ کی تعریف

یہ داستان لطیف اور تاریخ ظریف اس وقت لکھی گئی جب سلطانِ سعید شہید، بادشاہِ اسلام، شہنشاہِ اقلیم، مالکِ بلاد اللہ، مددگارِ عباد اللہ، معین خلق اللہ، دشمنِ اساسِ کفر و ضلالت، بانیٔ قواعد دین و ہدایت، ناصرِ اولیائے عالم و قاتلِ اعدائے بنی آدم، عزت بخشِ دنیا و دین حامیٔ اسلام و مسلمین، ظل اللہ ابوالمظفر محمد بن سام، ناصر امیر المؤمنین، نوراللہ ثراہ وجعل الجنۃ مضجعہ ومثواہ (اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کی قبر کو منور رکھے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے) کے تحت مملکت پر مددگارِ سلطنت عظیم و ہمنشین ملک معظم [6] و خسرو اعظم، سلطان الحق و برہان الخلق، قطب معالی، مسند خلافت، ناصر دنیا و دین، رفیقِ اسلام و مسلمین، دشمنِ اعدا و مشرکین، شریکِ امیر المؤمنین، ابوالفتح قباچہ السلاطین رونق افروز ہے اور اس کی شان و شوکت کے خیمے تاکید کی طنابوں اور انتظام کی تختیوں پر استادہ اور منظم ہیں اور اس کے امر و نہی کے حکمنامے دنیا کے ہر ملک اور ہر حصے میں نافذ ہوتے ہیں یہاں تک کہ سرکشوں اور فتنہ انگیزوں کے گروہ گریبانوں میں سر ڈال کر عزلت گزیں ہوگئے اور مخلص و پرہیزگار امن و سلامتی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ نظام مملکت اور قوانین سلطنت اس درجہ (عروج) پر ہیں کہ اس کے آسمان رفعت پرچم جس طرف بھی جا پہنچتے ہیں، حکومتیں شوق و رغبت سے سر اطاعت خم کرتی ہیں۔[1]

---

1. اس پوری عبارت آرائی کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لطیف داستان اس وقت لکھی گئی جب کہ سلطان محمد بن سام باشوکت کے تحت شاہی پر ناصر الدین قباچہ متمکن تھا اور اس کی حکومت اتنی مستحکم تھی کہ اس نے جس ملک پر بھی حملہ کیا اسے اپنا مطیع و فرمانبردار بنالیا۔

شعر

خسروا ملک بر تو خرم باد
ملک گیتی ترا مسلم باد

از تو آباد ظلم ویران شد
بہ تو بنیاد عدل محکم باد

خطبہ تعظیم یافت از نامت
ہمچنین سال و مہ معظم باد

وآنچہ در ملک جم، نبود ترا
ہمہ زیر نگین خاتم باد

چتر میمون ہمت عالیت
سایہ دار سپہر اعظم باد

ہر دلی کز تو حال عصیان است
ہمہ کاوش چو زلف درہم باد

تا کم و بیش در شمار آید
دولت بیش دشمنت کم باد

بہ یمینت چو ملک داد یسار
در یسار تو خاتم جم باد

اللہ تعالیٰ اس مملکت کے نظام اور اس سلطنت کی رونق کو مستحکم بنیادوں پر [7] دائم و قائم رکھے اور اس کے مضبوط محل اور اس نعمت کے سنگین قلعے اور اس کے اطراف کو ہمیشہ حوادث انتشار کے آسیب سے محفوظ رکھے۔ اور خطبہ و سکہ اس کے القاب اور خطاب عالی کے ساتھ رہتی دنیا تک منبروں اور درہموں کی زینت رہے۔ اور جب تک جہاں کو مدار اور فلک کو دوران روزگار ہے اس کی جہانگیری کی شان و شوکت کی آفتاب اور جہانداری کی حشمت کا ماہتاب، افق جلال اور آفاق کمال پر، بحق محمد وآلہ اجمعین، ہمیشہ چمکتا اور طلوع ہوتا رہے۔

علی کوفی اس کتاب کی تصنیف کا سبب بیان کرتا ہے

اس کتاب ''تاریخ ہند'' کا محرر اور ''فتح سندھ'' کا مقرر، بندۂ دولت محمدی، علی بن حامد بن ابی بکر کوفی، جب اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ نعمت و آرام میں بسر کر چکا اور اس دنیائے دوں سے بڑا

نصیب اور مکمل حصہ پاچکا تب حادثات کی صعوبتوں اور زمانے کی اچانک آفتوں سے (مجبور ہو کر) اپنے اصلی وطن اور پیدائشی مسکن سے جدا ہوا اور کچھ دنوں، اُچ مبارک میں آ کر سکونت گزیں اور آرام پذیر ہوا۔ (لیکن) پھر "تلک الایام نداولھا بین الناس" (ہم ان ایام کو لوگوں میں پھراتے ہیں) کا حکم پہنچا اور شراب دار تقدیر نے جام مسرت کو حنظل مضرت سے بدل دیا اور مسرتوں سے محرومیت کا سلسلہ جاری رہا۔[1] اور چرخ دوار غدار کی سختیوں سے زہر کا گھونٹ پیتا اور قہر کی ضرب سہتا رہا۔

(آخر) اٹھاون سال کی عمر اور سنہ چھ سو تیرہ (ہجری) میں جملہ مشاغل سے ہاتھ اٹھایا اور قیمتی کتابوں کو اپنا انیس وجلیس بنایا، اور دل میں سوچتا رہا کہ چونکہ لکھنے والے کے دل پر [8] ہر علم کے اشارے نقش ہوتے ہیں، اس لئے ہر عالمِ وقت اور حکیم یگانہ نے اپنے دور میں اپنے مخدوموں اور مربیوں کی مدد سے کوئی نہ کوئی تصنیف یا تاریخ یادگار چھوڑی ہے، جیسا کہ پچھلے مصنف خراسان، عراق، ایران، روم اور شام کی فتوحات میں سے ہر ایک کا نظم اور نثر میں مفصل بیان لکھ چکے ہیں۔ ہندوستان کی فتح سے، جو محمد بن قاسم اور شام وعرب کے امیروں کے ہاتھوں ہوئی، اس ملک میں اسلام ظاہر ہوا اور سمندر سے لے کر کشمیر اور قنوج تک مساجد اور منبر تعمیر ہوئے اور تخت گاہ اروڑ کے حکمران راجہ داہر بن چچ بن سیلائج کو امیر معظم عماد الدولۃ والدین (دین اور حکومت کے ستون) محمد بن قاسم [بن محمد بدائی] بن عقیل الثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے قتل کیا [جس کی وجہ سے] یہ سارا ملک مع اپنے قرب وجوار کے اس کے حوالے ہوا۔ چنانچہ میں نے چاہا کہ [ایک ایسی] تاریخ لکھی جائے جس سے اس ملک کا حال، یہاں کے باشندوں کی کیفیت وکمیت اور [داہر کے] قتل کئے جانے کا واقعہ معلوم ہو۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے میں نے نفس امارہ کو تکلیف دی اور اُچ مبارک سے اروڑ[2] اور بکھر کے شہروں کا رخ کیا کہ وہاں کے ائمہ عربوں کی نسل اور خاندان سے تھے۔ جب میں اس شہر میں پہنچا تو مولانا قاضی امام الاجل، عالم البارع، کمال الملۃ والدین، سید الحکام، اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن محمد بن موسیٰ بن شیبان بن عثمان ثقفی، ادام اللہ فضلہ ورحم آبائہ [9] واسلافہ بحق محمد وآلہ اجمعین سے ملاقات ہوئی، جو فصاحت میں کانِ فضل اور ملاحت میں جانِ عقل ہیں، علم و زہد کے ہر فن میں بے نظیر اور اصناف بلاغت میں یکتائے زمانہ ہیں، میرے دریافت کرنے پر

1 اصل فارسی عبارت "واستقامت بندمت سرد ومتواتر شد" ہے۔ ہمارے خیال میں یہ عبارت الجھی ہوئی ہے اور مطلب وہی ہو سکتا ہے جو ترجمہ میں دیا گیا ہے۔ خود فارسی ایڈیشن کے فاضل ایڈیٹر کو بھی اس عبارت میں شبہ ہے، چنانچہ انہوں نے حاشیے میں لکھا ہے: "عبارت دراین جا مختل است" (ن۔ ب)

2 (ب) کی عبارت کے مطابق "اروڈ" یعنی "اروڑ" ہے مگر دوسرے جملہ نسخوں میں حتی (ن) اور (ر) تک میں یہ لفظ "الور" ہے۔

انہوں نے بتایا کہ اس فتح کی تاریخ ان کے آباء و اجداد کی تحریر کردہ حجازی زبان (عربی) میں ایک کتاب (کی شکل) میں لکھی ہوئی موجود ہے جو ایک سے دوسرے کے ورثہ میں آتی رہی ہے۔ چونکہ یہ عربی کے حجاب اور حجازی کے نقاب میں چھپی ہوئی تھی اس لئے عجمیوں (غیر عربوں) میں مشہور نہیں ہوئی۔

کتاب کا ترجمہ

جب میں اس کتاب سے واقف ہوا تو (دیکھا کہ) وہ حکمت کے جواہر سے آراستہ اور نصیحت کے موتیوں سے پیراستہ ایک کتاب تھی جس میں عربوں اور شامیوں کی شجاعت اور مردانگی کی کئی قسمیں واضح تھیں اور رعب و دانائی ان سے ظاہر تھی۔ جو بھی قلعہ فتح ہوا اس سے دولت ہاتھ آئی اور کفر و گمراہی کی رات کے لئے صبح (ظاہر ہوئی)۔ ان دنوں جو بھی علاقہ ہاتھ آیا اور اسلام کی عزت سے مشرف ہوا تو اسے مسجدوں اور منبروں سے نور اور عابدوں و زاہدوں سے سرور حاصل ہوا اور آج تک اس نواح میں ہر روز اسلام اور دینداری کے جمال اور علم و امانت کے کمال میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اور ہر زمانے میں دولت محمدی کا کوئی بھی غلام جب بھی ملک اور سلطنت کے تخت پر متمکن ہوتا ہے تو نئے سرے سے اسلام کے آئینے سے گمراہی کا زنگ صاف کرتا ہے۔[10]

مدح ملک الوزراء اشرف الملک ضاعف جلالہ[1]

(جس کے نام یہ کتاب منسوب ہے)

پس جب یہ دینی داستان عربی کے حجاب اور حجازی کے نقاب سے فارسی زبان میں منتقل ہوئی اور عبارت کے ہار اور دیانت کے سنگھار سے مشرف ہو کر نثر کی لڑی میں ترجمہ ہوئی تو دل اس فکر میں غوطہ زن ہوا کہ یہ عجیب اور نیا تحفہ اور لطیف فتح نامہ کس سردار کی جانب منسوب ہونا چاہئے۔ آخر قسمت نے میری رہنمائی کی اور یہ سعادت ظاہر ہوئی کہ میں نے دل میں کہا کہ: "اے علی! گذشتہ دنوں اور سالوں سے لے کر کتنا عرصہ گذرا ہے کہ تو مولی الانام، صدر جہاں، دستور صاحب قرآن، شرف الملک، رضی الدولۃ والدین، جلال الوزراء، صاحب السیف والعلم نوراللہ مضجعہ وطیب ثراہ کے سایۂ کرم اور احاطۂ پناہ میں رہا ہے اور تو نے اپنی اس مزین (تصنیف) کو اس کے احسانوں میں پل کر ترتیب دیا ہے اور اس کی اولاد دام علوھم ورحم

1 خدا اس کی بزرگی کو دوبالا کرے

آبـــائهم (ان کی بلندی قائم رہے اور ان کے بزرگوں پر رحم کیا جائے) کی نعمتوں کا حق مجھ پر واجب ہے، اس لئے بہتر ہوگا کہ یہ فتح نامہ، جو دینی ثواب[1] اور دنیوی فضائل (کا مرکب) ہے۔ جس پر (آئندہ) دنیا کے محقق اور بڑے احسان کرنے والے بادشاہ فخر کریں گے اور سب کو عربوں کے اعتقاد کی تصدیق اور اہلِ ادب و ترقی کے خلوص سے پورا اتفاق ہوگا۔ اور یہ دولت (فتح نامہ)، جو اہلِ عرب و شام کی شہامت و صولت (کی یادگار) ہوگی (کیوں نہ اس کی نذر کی جائے) جس کا خاندان معظم اور حسب نسب عرب ہے اور [11] جس کے جد بزرگ، امیر اجل، اخص مکرم، کریم الدین، وجیہ العرب، نظام الملت، قوام الامت، افتخار آل قریش حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے، جن کے ہاتھوں خراسان اور ایران کا بڑا حصہ فتح ہوا، جس کی سپہ سالاری اور لشکر کشی کی شرح و تفصیل علیحدہ کتاب میں (درج ہے) جہاں بھی (انہوں نے) کافروں کو شکست دی، اسلام کے جھنڈے وہاں ہمیشہ کے لئے بلند ہوئے اور وہاں کی فتح کا خط امیر المومنین عمر بن الخطابؓ کو پہنچتا تھا اور وہ خود مومنوں کے سامنے بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے (جس میں عظمت اسلام پر) فخر کرتے ہوئے (اللہ تعالیٰ کی) تعریف کرتے تھے۔ (یہ تصنیف کیوں نہ صاحب (کمال) و مالک سیف و قلم، فخر دولت و دین و فاتح گردوں جبیں، نظام الاقالیم، جلال الوزراء حسین بن ابی بکر بن محمد الاشعری ضاعف اللہ جلالہ فی اعز ارومۃ واکرم جرثومۃ ماکر الجدیدان واتفق الفرقدان واختلف العصران (اللہ تعالیٰ اس کی عزت دوگنی کرے سب سے باعزت خاندان اور سب سے شریف گھرانے میں، جب تک رات اور دن چلتے رہتے ہیں فرقدین[2] اتفاق کرتے رہیں اور زمانے ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہیں) کی توجہ میں لائی جائے کہ ملاحظے کے شرف اور مطالعے کی نظر سے مشرف ہوکر قبولیت کے اعزاز سے مقبول و میمون ہو اور زمانے کی بزرگیوں کی فہرست میں (شامل) ہو۔[3]

---

1. اس متن میں "صواب" تحریر ہے جو غلط ہے۔ مترجم
2. فیروز اللغات صفحہ 185 میں "فرقدان" یا "فرقدین" کے یہ معنی دیئے گئے ہیں: قطب شمالی کے وہ دو تارے جو قطب کے قریب ہیں اور اس کے چاروں طرف گردش کرتے رہتے ہیں اور صبح سے شام اور شام سے صبح تک دکھائی دیتے ہیں اور کبھی نظر سے غائب نہیں ہوتے۔ (مترجم)
3. عنوان سے لے کر اس مقام تک کی عبارت آرائی کا خلاصہ یہ ہے کہ "جب یہ کتاب عربی سے فارسی میں ترجمہ ہو چکی تو میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ یہ کتاب کس امیر کے نام سے منسوب کی جائے۔ آخر بخت نے رہنمائی کی اور دل نے کہا کہ اے علی! جس صورت میں تو وزیر شرف الملک مرحوم باالقاب کی نعمتوں کا پروردہ ہے اور اس کے اور اس کی اولاد کے حقوق تیری گردن پر واجب ہیں اس وجہ سے مناسب یہی ہے کہ یہ کتاب جو اپنی خوبیوں کی حامل ہے اور جس کے پڑھنے سے عرب اور شام کے باشندوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائے گی، اس کتاب کو لے جا کر وزیر حسین بن ابو بکر بن محمد اشعری باالقاب کی خدمت میں پیش کر کہ وہ عرب خاندان سے ہے اور اس کے جد اعلیٰ ابو موسیٰ اشعری کے ہاتھوں ایران اور خراسان کا بڑا حصہ فتح ہوا تھا، تاکہ اس کے مطالعے کے شرف سے یہ کتاب بابرکت اور مقبول ہو۔" (مترجم)

معذرت مصنف

بزرگان وقت و صاحبان تاریخ، چند چیزوں کو ان کے ذکر کو باقی رکھنے والی، اور ان کے نام کو زندہ رکھنے والی سمجھتے ہیں۔ (یعنی) سب سے پہلے وہ انصاف و معدلت اور حلم و وقار کو اپنا شعار ولباس بناتے ہیں۔ دوسرے اپنی ذات پر خرچ کر لینے کے بعد جو مال آدمی کا سرمایہ ہے، اسے آخرت کے لئے ذخیرہ کرتے ہیں۔ تیسرے اپنی اولاد کو ہنر بدیع سے آراستہ کرتے ہیں اور چہارم عالمان وقت و حکیمان زمانہ کو اعلیٰ کتابوں کی تصنیف اور مفید حکمتوں کی تالیف کی ترغیب دیتے ہیں [12] اور اسی کو اپنے مقاصد کا زینہ اور اغراض کا ذریعہ سمجھتے ہیں، کیونکہ نصیحت کے سخن اور حکمتوں کے فن، کتب و جرائد کے صفحات پر ہمیشہ یادگار رہیں گے۔

قطعہ

آں سروراں کہ نام نکو کسب کردہ اند

رفتند یادگار از ایشان جز آں نماند

نوشیرواں اگرچہ فراوانش گنج بود

جز نام عدل از پس نوشیرواں نماند

ہر چند کہ میری یہ مجال نہیں کہ میں خود کو اس عالیشان بارگاہ میں جو سرچشمہ فضل اور حکماء کی جلوہ گاہ ہے، فضیلت کے لباس میں ظاہر کروں، لیکن جب سعادت نے آواز دی، کرم عام نے حکم دیا اور آفتاب اقبال نے طالع سعید کی جانب رہنمائی کی تو اس سرور کی دعا اور ثنا کے لئے مستعد ہوا جس کی تعریف میں اکابران دہر اور فاضلان عصر نے زبان کھولی ہے اور علماء زمانہ و حکیمانِ یگانہ کے ہاتھ اس کی دعا کے لئے اوپر اٹھے ہوئے ہیں۔ بندہ علی کوفی (بھی) نعمتوں کا حق ادا کرنے کے لئے خلوص سے دعا مانگتا ہے کہ اس حکومت کا چمنِ اقبال پاکیزہ آبِ کرم سے سیراب اور نور ماہتاب سے سرسبز اور ثمر بار رہے۔

☆میں نے اس کتاب کو عربی کے پردے سے نکال کر فارسی میں، صرف اس شاندار گھرانے اور عالی قدر خاندان کی عزت افزائی اور ہمیشہ کی یادگار قائم کرنے کے لئے ترجمہ کیا ہے۔ جب (یہ کتاب) پسندیدگی کی نظر اور احسان کے التفات سے مزین ہوگی تو میں اس کے وسیلے اتنا اعلیٰ درجہ اور مرتبہ حاصل کروں کہ اس "فتحنامہ" کے فخر کی چادر اور مباہات کی زینت، قرنوں کے استعمال سے بھی فرسودہ نہ ہوگی۔ میں صاحبانِ زمانہ و رئیسانِ یگانہ سے جنہوں نے

☆ ......☆ ان نشانوں کے درمیان والی عبارت کا مدار (پ) (ر) (م) نسخوں کی روایت پر ہے۔

چاند کے گرد تاروں کی طرح (دنیا) کو سجا رکھا ہے امیدوار ہوں کہ [13] چونکہ طالع طبیعت منزل مراد کی طرف مائل نہ تھا، اور دل کو قرار نہ تھا (اس وجہ سے) اگر اس میں کوئی سہو یا قصور نظر سے گذرے تو اس عذر کے پیش نظر معذور سمجھیں اور معافی سے اس کی پردہ پوشی کریں، کیونکہ کسی بھی مخلوق کو "النسیان مرکب علی الانسان" (انسان بھول اور خطا کا مرکب ہے) کے چشمے کا پانی پیئے اور اس راہ سے گذرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔☆

اگر معذوریوں کی شرح تفصیل سے لکھی جائے تو ہزار میں سے ایک اور کثیر میں سے قلیل بھی پوری نہ ہوگی۔ لیکن (میں نے یہ کتاب) اختیار سے نہیں بلکہ مجبوراً پیش کی ہے، تاکہ اس کھوٹے سکے کے طفیل یہ آسانی مرتبہ حاصل کرسکوں اور بارگاہ بلند میں، جو ہمیشہ یوں ہی بلند رہے، قربت حاصل ہو، قبولیت کے شرف سے مشرف ہو اور یہ "فتحنامہ" دنیا کے ختم ہونے تک کتابوں کے صفحات پر باقی رہے۔ "واللہ ولی التوفیق" (توفیق کا مالک اللہ ہے)۔

آغاز کتاب حکایت راجہ داہر بن چچ بن سیلائج اور محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں اس کا ہلاک ہونا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اس اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان ہے)

خبروں کے راویوں اور تاریخ کے مصنفوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ شہر اروڑ، جو ہند و سندھ کا پایۂ تخت تھا، دریائے سیحون پر جسے مہران کہتے ہیں، طرح طرح کے محلوں، رنگ برنگ کے چراگاہوں [14] نہروں، حوضوں، پھلواریوں، باغیچوں اور گلکاریوں سے آراستہ ایک بڑا شہر تھا اور اس با رونق شہر میں رائے سیہرس بن ساہسی رائے نامی ایک ہندو راجہ رہتا تھا، جس کے پاس بھرپور خزانے اور بکثرت دفینے تھے۔ اس کا عدل دنیا میں مشہور اور اس کی سخاوت زمانے میں شہرۂ آفاق تھی۔ اس کی حکومت کے حدود مشرق میں کشمیر تک، مغرب میں مکران تک، جنوب میں دیبل اور ساحل سمندر تک اور شمال میں کردوں کے پہاڑ اور کیکانان تک (پھیلی ہوئی تھیں) اس نے اپنے ملک میں چار حکمران مقرر کئے تھے۔ ایک برہمن آباد میں، جسے نیرون کوٹ کے قلعے سے لے کر دیبل اور لوہانو یعنی لاکھہ اور سمہ (اراضی والے علاقے) سے لے کر سمندر[1] تک کا علاقہ تفویض تھا۔ دوسرا سیوستان کے (مرکزی) شہر میں تھا۔[2] اور بدھیہ، جنگان، رونجھان اور کوہ پایہ سے لے کر

1. اصل متن کی عبارت یہ ہے "و دریا در اہتمام او فرمود" فارسی میں دریا، سمندر کو بھی کہتے ہیں اور ندی کو بھی۔ ہم نے متن میں سمندر لکھا ہے کیونکہ دیبل اس راجہ کے قبضے میں تھا اور ان دنوں وہ سندھ کا مشہور بندرگاہ تھا۔ (مترجم) لیکن اگر "دریا" کے معنی ندی کے لئے جائیں تب بھی صحیح ہے، کیونکہ اُن دنوں دریائے سندھ شہداد پور کے قریب ہوکر بہتا تھا، جس کے نشانات آج تک موجود ہیں اور عام لوگ اسے "سوھنی کا دریا" کہتے ہیں۔ شہداد پور کے بعد یہ دریا مشرق جنوب کی طرف بہتا تھا۔ ٹنڈو آدم اور ہیرانی کے قریب کے لوگ اس کو اب تک "لوہانو دریا" کہتے ہیں۔ اس نام سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں اس علاقے میں "لوہانہ" قوم آباد تھی۔ نسخہ (ب) میں "لوہانہ" کو "سمہ اور لاکھا" کا مرکب بتایا گیا ہے۔ اس لحاظ سے بھی ہم "سموں اور لاکھوں" دونوں قوموں کی موجودہ سکونت کو پیش نظر رکھ کر یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ "سمہ" جنوب والے علاقوں میں رہتے تھے اور "لاکھا" شہداد پور متعلقہ والی اراضی میں، جہاں آج تک اس خطہ کو "لاکھاٹ" کہا جاتا ہے۔ (ن-ب)
2. اصل عبارت "در قصبہ سیوستان" ہے۔

مکران تک کا علاقہ اس کے حوالے تھا۔ تیسرا حکمران اسکلندہ اور بھاٹیہ کے قلعے میں، جسے گواڑاور چچ پور بھی کہتے ہیں، رہتا تھا اور اس کے قرب و جوار کے علاقے دیوہ پور[1] تک اس کا تصرف تھا۔ اور چوتھے حکمران کو اس نے ملتان کے عظیم الشان شہر میں متعین کیا اور سکہ، برہم پور، کرور، اشہار اور تاکیہ سے لے کر کشمیر کی حدود تک کا علاقہ اس کے زیر حکومت رکھا۔ وہ خود دارالحکومت اروڑ میں تخت پر جلوہ افروز رہتا اور کردان، کیکانان اور برہاس (کے علاقے براہِ راست) اپنے زیر فرمان رکھتا تھا۔ اپنے نائب حکمرانوں میں سے ہر ایک کو اس نے جنگ کے لئے مستعد رہنے [15] اور گھوڑوں، ہتھیاروں اور جملہ اسباب حرب سے لیس رہنے کے بارے میں سخت ہدایتیں دے رکھی تھیں اور اسی طرح ملک کی حفاظت، رعایا کی دل جوئی اور سلطنت کی خوش حالی کے لئے بھی حکم نامے جاری کر رکھے تھے۔ تاکہ وہ اپنی ولایتوں کی سرحدوں کو محفوظ رکھیں چنانچہ اس کے جملہ ممالک میں ایک بھی ایسا دشمن نہ رہا جو اس کی سرحدوں میں کسی طرف سے بھی چھیڑ چھاڑ کر سکتا۔

[لیکن ایک مدت بعد] قضائے الٰہی سے بادشاہ نیمروز کا لشکر اچانک ایران کی طرف سے یلغار کرتا ہوا کرمان آ پہنچا۔ یہ خبر سن کر راجہ سیہرس بڑی بے پرواہی اور بڑے تکبر کے ساتھ اروڑ کے قلعے سے زبردست لشکر لے کر اس کے مقابلے پر آیا اور اس سے جنگ کی۔ جب دونوں جانب سے نامور مرد اور جنگ جو بہادر خون خوار تلواروں کا لقمہ بن چکے تو قادر حکیم پر توکل کر کے ایرانیوں کے لشکر نے [ایک زوردار] حملہ کیا۔ راجہ سیہرس کا لشکر ذلیل ہو کر اور شکست کھا کر بھاگ گیا، مگر سیہرس اپنی عزت اور نام کی خاطر ڈٹا رہا اور جنگ کرتا ہوا قتل ہوا۔

ایران کا بادشاہ نیمروز واپس لوٹ گیا اور سیہرس کا بیٹا رائے ساہسی اپنے باپ کے تخت پر بیٹھ کر اس ملک کا خود مختار حاکم ہوا۔ اس کے باپ کے زیر فرمان رہنے والے چاروں حکمرانوں نے اس کی تابعداری اور موافقت کر کے اس کے آگے سر جھکایا اور اپنے خزانے اس کے حوالے کر کے اس کی اطاعت اور اخلاص کو اپنا طرۂ امتیاز بنایا، جس کی وجہ سے رائے ساہسی اکبر کی پوری مملکت اس کے دائرۂ اثر و اقتدار میں آئی اور رعایا اس کے عدل و انصاف سے آسودہ حال ہوئی [16]۔

اس کا ایک حاجب[2] [رام] تھا، جو ہر قسم کے علم و حکمت میں طاق تھا۔ اس کا حکم سارے ملک پر چلتا تھا اور اس کے کام میں کوئی بھی شخص دخل انداز اور مخل نہ ہوتا تھا۔ دفتر انشاء بھی اس کے حوالے تھا اور ساہسی رائے کو اس کے قلم اور بلاغت پر پورا بھروسہ تھا اور وہ کبھی اس کے مشورے کے خلاف عمل نہ کرتا تھا۔

1 اصل عبارت "دیو جنوز" ہے (وضاحت کے لئے دیکھئے آخر میں حاشیہ)

2 حاجب = Chamberlain

چچ بن سیلائج کی حاجب رام کی خدمت میں آمد

ایک دن حاجب رام وزیر بدھیمن کے ساتھ دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک برہمن آیا اور آ کر بہت عمدہ الفاظ میں اس کی تعریف و توصیف کی۔ حاجب رام نے اس سے پوچھا کہ "اے برہمن! کہاں سے آئے ہو اور تمہارا کیا مقصد ہے؟" برہمن نے جواب دیا کہ "میرا نام چچ ہے اور میں راہب سیلائج کا بیٹا ہوں۔ میرا بھائی چندر اور میرا باپ (دونوں) شہر اروڑ کے مضافات کے ایک مندر میں عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ساہسی رائے و رام حاجب کے حق میں دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ میں رام حاجب سے ملنا چاہتا ہوں، کیونکہ وہ (اپنی) علمیت اور قابلیت کی وجہ سے (آجکل) عنوانِ سعادت اور مفتاحِ عزت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی خدمت کا سہارا حاصل کروں۔" حاجب رام نے کہا کہ "فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے تو بیشک تمہاری زبان صاف ہے، مگر تم کچھ فنِ ادب کی صلاحیت اور لکھنے پڑھنے کی قابلیت بھی رکھتے ہو؟" چچ نے جواب دیا کہ "مجھے چاروں وید [17] رگ، یجر، اتھر اور سام، حفظ ہیں، اس کے علاوہ حضور جس کام کے لئے بھی حکم فرمائیں گے وہ ایمانداری، درستی، دیانت اور قابلیت کے ساتھ، جس کی میں نے تربیت حاصل کی ہے، نہایت خلوص سے انجام دوں گا۔" ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ سکہ اور دیبل سے چند امور کے متعلق مراسلے بھی آ گئے۔ رام حاجب نے یہ مراسلے چچ کو دیئے۔ اس نے بہترین انداز میں انہیں پڑھ کر سنایا اور عمدہ خط اور نفیس الفاظ میں ان کے جوابات بھی لکھ دیئے۔ یہ دیکھ کر حاجب رام نے اس کی فصاحت و بلاغت اور خوش خطی کی بے حد تعریف کی اور اعزاز و انعام سے نواز کر اس سے کہا کہ "مجھے بہت سے امور اور مصروفیتیں درپیش رہتی ہیں، جس کی وجہ سے ممکن ہے کہ کسی موقع پر (رائے سہاسی کی) خدمت میں حاضر ہونے سے معذور ہوں، اس لئے (تم) میرے نائب کی حیثیت سے دفتر انشاء میں موجود اور رائے کے دروازہ پر حاضر رہا کرو۔"

چچ نے اس کے کہنے پر یہ کام اپنے ذمے لیا اور اس میں یہاں تک منہمک ہو گیا کہ وہ "دیوانِ رسائل" (وزیر مراسلات) کے نام سے پکارا جانے لگا۔ آخر ایک دن رائے ساہسی دربار میں آیا، شہر کے اہم اور بڑے لوگ حاضر تھے کہ اتنے میں سیوستان کے کچھ خطوط آئے۔ رائے نے حاجب رام کو بلوایا مگر وہ ابھی دفتر میں نہ آیا تھا۔ چچ نے کہلا بھیجا کہ "میں [18] رام حاجب کا نائب ہوں، اگر کوئی خط کے لکھنے کی ضرورت درپیش ہو تو بندہ لکھ کر وہ کام انجام دے۔" رائے ساہسی نے اسے بلوایا۔ چچ نے ان خطوط کو نہایت عمدگی سے (پڑھ کر) سنایا اور

شرح و بسط کے ساتھ ان کے مطالبے کو بیان کیا۔ اس کے بعد ان کے جوابات شیریں اور خوشخط لکھ کر رائے کے سامنے پیش کیے۔ رائے ساہسی نے، جو خود بھی خط اور بلاغت کے علم میں یکتا تھا، مطالعہ کر کے اسے پسند کیا اور عزت افزائی کے پیش نظر (چچ کے لئے) "مطلق نیابت"[1] کا حکم جاری کیا۔

جب حاجب رام محل میں آیا تو رائے ساہسی نے اس سے پوچھا کہ "ایسا ہنر مند اور فصیح نائب اور ایسا خوشخط کاتب کہاں سے تمہارے ہاتھ آیا؟ اسے خوش رکھ کر اس کی تربیت کرتے رہو۔" رام وزیر نے عرض کیا کہ وہ برہمن سیلائج کا بیٹا ہے، (نہایت) ایماندار، تجربہ کار اور سیدھا سادا (انسان) ہے۔" (اس کے بعد) رام حاجب نے چچ کی طرف راجا کا التفات دیکھ کر اس کی جانب اپنی توجہ زیادہ کردی اور نائب وزارت کی ذمہ داری بھی اس کے حوالے کی یہاں تک کہ اس کے موجودگی اور غیر حاضری میں چچ اس کے کام انجام دیتا رہا اور کاروبار سلطنت اور امور حکومت میں دخیل ہوتا گیا۔ جب بھی (وہ) رائے کی خدمت میں حاضر ہوتا تو (رائے) اسے نوازتا اور انعام و اکرام سے سرفراز کر کے اسے یہ کام کرتے رہنے کی نصیحت کرتا اور کہا کرتا کہ اس کام سے (ایک تو) کاروبار کا نظام درست ہوتا ہے اور (دوسرے) تجھے بھی آئندہ بڑا عہدہ حاصل ہوگا۔ اس طرح وہ اسے نیکی کے وعدوں کا امیدوار بنایا کرتا۔ آخرکار رضائے الٰہی سے حاجب کی عمر پوری ہوئی اور وہ اجل کا شکار ہوگیا۔ [19]

وزارت کا چچ بن سیلائج کے حوالے ہونا

اس کے بعد رائے ساہسی نے چچ کو بلا کر وزارت کی ذمہ داری اس کے سپرد کی۔ چچ لوگوں سے ہمدردی اور فراخ دلی سے پیش آتا تھا، یہاں تک کہ اس نے سارے ملک کے نظم و نسق کو مضبوط کیا، سبھوں نے اس کی متابعت کی اور اس نے وزارت اور سررشتہ داری میں اپنے جوہر کے کمال دکھائے۔

ایک دن ساہسی رائے خلوت خانہ میں رانی "سوہنس دیوی"[2] کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، یہ عورت رائے پر چھائی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے وہ اس کی بے حد عزت کرتا تھا۔ اتنے میں وزیر چچ محل میں آیا اور دربان کے ذریعے ساہسی رائے کو پیغام بھیجا کہ وہ "کسی ضروری کام سے محل کے دروازے پر اس لئے حاضر ہوا ہے کہ جو مشکل پیش آئی ہے وہ رائے کی خدمت میں بیان

1. یعنی "عام نائب مختار"۔

2. فارسی ایڈیشن میں "سونھن دیو" عبارت لکھی گئی ہے اور (ن) میں ہر جگہ "سوھدی" ہے۔

کرے۔ اگر فرصت اور اجازت ہو تو اندر حاضر ہو کر عرض کرے۔" اس پیغام کے ملنے پر راجہ نے رانی سے کہا کہ "ایک نامحرم حرم سرا میں آرہا ہے، اس لئے تم پردے کے پیچھے چلی جاؤ۔" رانی سوھن دیوی نے کہا کہ "میری ہزار جانیں ساہسی کے قدموں پر نچھاور ہوں! کتنے ہی اوباش اور نوکر آتے رہتے ہیں، اگر ایک برہمن آئے گا تو اس کی طرف میری کیا توجہ ہوگی۔ اس سے ایسی کیا شرم ہے جو میں چھپ جاؤں!" وہ عورت جب ضد کرتی تھی تو رائے اسے ناراض نہ کرتا تھا، کیونکہ وہ اس کے مکر کا خریدار تھا۔ چنانچہ اس نے چچ کو بلایا۔ چچ جن امور کے سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔ انہیں رائے کے سامنے پیش کر کے نہایت عمدگی سے اس کی توجہ میں لیا۔ [20]

رانی کا چچ پر عاشق ہونا اور چچ کا اس کی محبت سے انکار کرنا

برہمن چچ ایک خوبصورت، متناسب الاعضاء، وجیہ شباہت اور سرخ رخساروں والا نوجوان تھا۔ رانی نے جب اس کی دلکش صورت اور قد و قامت کی جھلک دیکھی تو اس پر دل و جان سے عاشق و مفتون ہوگئی اور اس کی شکل و صورت اور سج دھج پر فریفتہ ہو کر اس کے میٹھے لفظوں اور دلکش حرفوں پر دل دے بیٹھی۔ چچ کی محبت نے اس کے دل میں گھر کیا اور عشق کا پودا رائے کی بیوی کے دل میں بڑھ کر درخت ہوا۔ راجہ میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ تھی، جس کی وجہ سے رانی کو اس سے کوئی اولاد نہ تھی۔ آخرکار اس نے ایک بڑھیا کٹنی کے ذریعے پیغام بھیجا کہ "اے چچ! تیری پلکوں کے تیروں نے میرے دل کو زخمی کر دیا ہے اور تیری جدائی کی زنجیر میرے گلے کا پھندہ بن چکی ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ تو اپنے وصل سے میرے مرض کا علاج کرے گا اور دل دہی کے ہاتھوں سے یہ پھندہ میرے گلے سے کھولے گا اور اپنی محبت کے ہار اور بندگی کے آویزوں سے میری گردن اور کانوں کو مزین کرے گا۔ اگر تو نے میری یہ التجا قبول نہ کی تو میں خود کو ہلاک کر ڈالوں گی۔ رباعی

ہیچت افتد کایں دل من شاد کنی
وز ہجر و فراق خویش آزاد کنی
در بازکشی اے صنما! روئے زمین
فریاد کنم مہا کہ بیداد کنی [21]

بڑھیا نے جب یہ پیغام چچ کو پہنچایا تو اس نے انکار کیا اور خود کو (اس فعل شنیع سے) باز رہنا واجب جان کر کہا کہ راجاؤں کے حرم میں خیانت کرنا جان کا خطرہ، آخرت کی گرفتاری اور دنیا کی بدنامی ہے۔ جب بادشاہوں کا غضب جوش میں آتا ہے تو پھر اسے نہ کوئی حجاب روک سکتا

ہے نہ دفع کر سکتا ہے۔ اس لئے اسے یہ خیال چھوڑ دینا چاہئے۔ خصوصاً ہمارے لئے، کیونکہ ہم برہمن ہیں اور میرے بھائی اور باپ راہب ہیں، جو اپنی عبادت گاہ میں گوشہ نشین اور مراقبے میں بیٹھے ہیں، میرے لئے یہی بے عزتی کافی ہے کہ بادشاہ کی ملازمت میں ہوں، جہاں امید اور خوف کے درمیان زندگی گذرتی ہے۔ کیونکہ مخلوق کی نوکری (ہمیشہ) غضب کے بادلوں سے متصل ہوتی ہے اور داناؤں کو ناپسند۔ چار چیزوں پر اعتماد نہ کرنا چاہئے بادشاہ، آگ، سانپ اور پانی پر۔ پھر ان برائیوں کے ہوتے ہوئے یہ برائی بھی اپنے ذمہ لوں، تو اس کی یہ مراد پوری نہ ہوگی۔ یہ پیغام ملنے پر (رانی) نے بڑی نرمی اور لجاجت سے کہلا بھیجا کہ اگر میری صحبت اور موانست سے پرہیز کرتے ہو تو (کم از کم) مجھے اپنے جمال و خیال سے تو ہر روز وقت بوقت بہرہ اندوز کرتے رہو تاکہ تمہارے وصل کی امید (ہی) پر خوش رہا کروں۔ رباعی

خرسندم اگر سال بسالت بینم — در در عمری شبی خیالت بینم
نومید مگردم از خیالت صنما! — آخر روزی شب وصالت بینم

[بہرحال] جب آنکھیں لڑیں تو دل بھی وصل یار [کے شوق] میں گرفتار ہوئے۔ [22] اور آخر صبح وصل ان کے قریب آنے لگی جس کی وجہ سے روحانی موافقت مستحکم ہوئی اور ان کی محبت والفت [آپس میں] عہد و پیمان کی دستاویز شمار ہونے لگی۔

رائے کو ان کے حال کی کوئی خبر نہ تھی۔ حالانکہ مخالفوں کا گروہ ان کی نگاہیں دیکھ کر بدگمان ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ کسی نے بھی آنکھوں سے کچھ نہ دیکھا تھا اس وجہ سے [یہ راز] مخفی رہا۔ بعض دشمنوں نے رائے کو اس حال سے باخبر بھی کیا، مگر رائے نے اس پر یقین نہ کیا اور کہا کہ "[ایک تو] میرے حرم سے ایسا ہونا ممکن نہیں [دوسرے] وزیر چچ بھی ایسی بے حرمتی کا ہرگز مرتکب نہ ہوگا۔"

[آخرکار] ایک مدت کے بعد وہ سارا ملک [چچ] کے زیر تصرف آ گیا۔ وہ جو بھی کام کرتا تھا، رائے اسے پسند کرتا تھا۔ اور جب ساہسی رائے خود بھی کوئی کام کرتا تھا تو بغیر اس کے صلاح ومشورے کے نہ کرتا تھا، یہاں تک کہ پورے ملک میں چچ کا حکم چلنے لگا۔

دارالفناء سے ساہسی رائے کا انتقال کرنا

آخرکار قضائے الٰہی پردۂ راز سے نمودار ہوئی۔ رائے بیمار ہوا، مرض نے طول کھینچا اور موت کی نشانیوں نے اس کے چہرے کو تبدیل کر دیا۔ رائے کی بیوی نے فکرمند ہو کر چچ کو بلایا اور کہا کہ "اے چچ! رائے کی عمر پوری ہو چکی ہے اور موت کی نشانیاں اس کے جسم پر ظاہر ہو گئیں

ہیں۔ رائے کا کوئی فرزند نہیں ہے جو اس کے مرنے کے بعد اس ملک کا وارث ہو۔ [چنانچہ اب] بلاشبہ رائے کے اقربا ملک و مملکت پر قابض ہونے کے بعد پرخاش کی وجہ سے ہمیں ستانے اور ذلیل کرنے کی کوشش کریں گے۔ بلکہ رائے کی زندگی ہی میں (انہوں نے) جو طعنہ زنی شروع کردی ہے، اس سے تو یہ یقین ہوتا ہے کہ اب [23] وہ ہماری جان اور مال بھی [ہم سے] چھین لیں گے۔ [چنانچہ] ایک تجویز میرے ذہن میں آئی ہے، جو یقین ہے کہ درست ثابت ہوگی اور ہماری مراد بھی پوری ہوگی اور یہ ملک بھی تجھے مل جائے گا۔ میری عقل کا یہی تقاضا ہے کہ اگر [اس موقع پر] ہم نے ہمت سے کام لیا تو خدائے پاک یہ ملک تیرے حوالے کردے گا اور یہ سلطنت اور عزت تجھ سے قائم رہے گی اور سب لوگ تیرے مطیع ہوجائیں گے۔ [یہ سن کر] چچ نے کہا کہ ''تیرا حکم میرے سر آنکھوں پر ہے کیونکہ وہ [یقیناً] میں مصلحت ہوگا، لیکن مخلص خدمتگاروں سے مشورہ کرنا [بھی] فرض ہے [اس لئے] مجھے بھی اس تجویز سے آگاہ فرما۔ (اس پر) رانی سوہن دیوی نے کہا کہ پچاس عدد طوق اور بیڑیاں تیار کرنے کا حکم دے اور رات کو خفیہ طور پر لاکر، تہ خانے میں رکھ۔ [چنانچہ] چچ نے حکم دیا، جس بنا پر بھاری زنجیریں اور بیڑیاں تیار کرکے راتوں رات محل کے تہ خانے کے ایک گوشہ میں پہنچادی گئیں۔

جب رائے کا آخری وقت ہوا اور نزع کا عالم طاری ہوا اور طبیب اٹھ کر باہر جانے لگے تو رانی سوہن دیوی نے [ان سے] کہا کہ تھوڑی دیر گھر میں اندر ٹھہرو اور [پھر اپنے] ایک معتقد کو حکم دیا کہ سب کو گھر میں قید کرکے دروازے بند کردے تاکہ سامہی رائے کی موت کی خبر شہر میں کسی کو معلوم نہ ہو اور جو تیرے اور میرے فرمان بردار ہیں انہیں محل میں لے آ۔ [چنانچہ] سارے وفاداروں کو محل میں لایا گیا۔ پھر [اس نے] کہا کہ فلاں فلاں جو بھی رائے کے عزیز اور ملک کے دعویدار ہیں، ان سب کو ایک ایک کرکے بلا۔ چنانچہ ایک ایک کو اس بہانے سے کہ آج راجہ کچھ بہتر ہے اور اس سے کچھ مشورہ کرنا چاہتا ہے، بلایا جاتا اور جب [وہ] حاضر ہوتے [24] تب انہیں اندر بھیج دیا جاتا، جہاں معتمدانِ خاص انہیں قید کردیتے۔ اس طرح سارے مخالفوں کو طوق و سلاسل میں اسیر کرلیا گیا۔ اس کے بعد رائے کے عزیزوں کے دوسرے گروہ کے لوگوں کو، جوکہ مفلس تھے، بلاکر کہا کہ آج رائے نے تمہارے فلاں عزیز کو، کہ جس کے خوف سے تمہیں نیند نہ آتی تھی، ناراض ہوکر قید کردیا ہے۔ اگر تم فقر و فاقے سے نجات چاہتے ہو اور شان و شوکت اور مال حاصل کرنا چاہتے ہو تو قید خانے میں جاکر اپنے دشمن کا سر قلم کردو اور پھر اس کے گھر زمین مال و اسباب اور نوکروں چاکروں پر جاکر اپنا قبضہ جماؤ۔ چنانچہ ہر ایک نے جاکر اپنے دشمن کو قتل کیا اور اس کے ملک و میراث پر قابض ہوا۔ اس طرح ایک ہی رات میں [سارے] مخالف

خون خوار گواروں کی خوراک بن گئے [اور انہیں] دشمنوں سے نجات مل گئی اور پھر ملک میں کوئی بھی ایسا مخالف [باقی] نہ رہا جو [رائے کی] میراث کا دعویٰ کرتا۔

چچ بن سیلائج کا راجہ ساہسی رائے کے تخت پر بیٹھنا

پھر جب [انہوں نے] فوج اور ملازمین کو اپنا مطیع بنایا اور مفلس ٹھاکر، جنہوں نے ان کی تابعداری قبول کرلی تھی، ہتھیاروں سے لیس ہوکر مستعدی کے ساتھ دربار میں صفیں باندھ کر آبیٹھے اور پھر جملہ رؤسا، تاجر، مشائخ اور امرا کو حاضر کرکے تخت کو آراستہ کیا جاچکا، تب رانی سوھن دیوی نے پردے کے پیچھے آکر وزیر بدھیمن سے کہا کہ [25] دربار کے سربراہوں اور مقربوں کی مزاج پرسی کے بعد انہیں راجا کا یہ حکم پہنچادے کہ اگرچہ وہ روبصحت ہے اور مرض سے چھٹکارا پاچکا ہے مگر یہ جو انتقامی کارروائی کا حادثہ ہوگذرا ہے اس کے صدمے سے ساہسی رائے کو دربار میں آنے کا یارا نہیں [جس کی وجہ سے ممکن ہے] کہ شریف و رذیل اور طاقتور و ضعیف خلق [خدا] کا کاروبار معطل رہے، اس وجہ سے "[میں] اپنی زندگی میں حاجب چچ کو اپنا نائب مقرر کرتا ہوں، تاکہ کہیں رعایا سے جو خدا کی امانت ہے، بے انصافی ہونے کی وجہ سے ملک میں کوئی بدنظمی نہ پیدا ہو۔

[یہ پیغام سن کر] سبھوں نے ادب سے دوزانو ہوکر سجدۂ اطاعت ادا کیا اور کہا کہ "ہم رائے کے حکم کے بندے ہیں۔ وزیر چچ بہرحال عمدہ صلاحیتوں اور پسندیدہ عادتوں کا حامل ہے، اسی کی عقل کی بدولت ملک کا کاروبار بہتر طور پر [چل رہا] ہے۔"

اس کے بعد رانی سوھن دیوی نے ایک ہزار مطیع اور مخلص رئیسوں، سربراہوں، سپہ سالاروں اور امیروں کو اعلیٰ اور طرح طرح کے انعام و اکرام سے سرفراز کرکے بادشاہت کا تاج چچ کے سر پر رکھا اور اسے تخت پر بٹھایا۔ اس پر سب لوگ فخر کرتے ہوئے نئے سرے سے خدمت گاری کی شرطیں بجالائے۔

پھر اس کے حکم سے وزیر [بدھیمن] نئے سرے سے وزارت کے عہدے پر فائز کیا گیا اور خاص افراد کو گراں قدر انعامات سے سرفراز کرنے کے بعد امراء کو جاگیروں کے نئے پروانے عطا کئے۔ [اس طرح] چچ کی کے ساتھ [عنان] حکومت چچ کے ہاتھ میں آگئی۔

اس بات کو چھ ماہ گذر گئے۔ آخر ساہسی رائے کی موت کی خبر اس کے بھائی مہرتھ[1]

1 فارسی نسخہ میں "مہرت" ہے اور نسخہ (ن) میں بھی اس کا یہی املا ہے۔ (پ) میں "مہترین" اور (ر) اور (ک) میں ہر جگہ "مہرب" لکھا ہوا ہے۔ یہاں "مہرت" نام کی اصلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے "مہرتھ" لکھا گیا ہے۔ (ن-ب)

کو پہنچی جو چتروڑ[1] کا بادشاہ تھا (اس غم کی خبر کو سنتے ہی) وہ افواج کثیر، دلیران نامور اور فیلان مست کا انبوہ ساتھ لے کر جنگ کے لئے چچ پر چڑھ آیا اور اروڑ سے تین میل کے فاصلے پر آ کر خیمہ زن ہوا۔ (پھر) اس نے اپنے وزیروں [26] اور خاص آدمیوں کا ایک گروہ وفد کے طور پر (چچ) کے پاس روانہ کیا اور یہ پیغام بھیجا کہ میں اس ملک کا وارث ہوں یہ ملک میرے باپ دادا کا ہے اس لئے بھائی کی میراث کا میں زیادہ حقدار ہوں (اگر تو یہ ملک میرے حوالے کرے گا تو) تجھے وزارت اور نیابت کے اس عہدے پر بحال رکھا جائے گا اور تجھ سے ہمیشہ مہربانی اور احسان کی روش رکھی جائے گی۔

چچ کا مہرتھ سے جنگ کرنا اور اسے مکر سے قتل کرنا

چنانچہ چچ رانی کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ "یہ دشمن گھر کے دروازے پر آ پہنچا ہے اور ملک اور میراث کا دعوے دار ہے اب کیا رائے ہے؟ ساہسی رائے کی بیوی نے ہنس کر کہا کہ میں پردہ نشین عورت ہوں اگر مجھے جنگ کرنی ہے تو پھر تم میرے کپڑے پہن کر (گھر میں) بیٹھو اور اپنے کپڑے مجھے دو تا کہ میں باہر نکل کر جنگ کروں۔ کیا تم نے بزرگوں کا یہ قول نہیں سنا کہ جب کسی کام کے لئے کوئی آدمی مقرر ہو اور عقل اور تجربے سے کام لے تو وہ ضرور اس میں کامیاب ہوگا اور اس کام کو انجام کو پہنچائے گا۔ جب سلطنت تمہارے حوالے اور تم سے منسوب ہو چکی ہے تو پھر میرے مشورے کی کیا ضرورت ہے؟ مستعد ہو کر گرجتے ہوئے شیر کی طرح میدان میں جا کر دشمن کو دفع کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ عزت اور ناموری کے ساتھ مرنا اپنے ہم جنسوں کے سامنے ذلت برداشت کرنے سے بہتر ہے۔ بیت

هم فیل داری، هم چشم، هم خیل داری، هم خدم
مردانه بیرون نه قدم، زیر و زبر کن خصم را

چچ، رانی کا یہ جواب سن کر شرمندہ ہوا اور سلاح جنگ زیب تن کر کے لشکر آراستہ اور صفیں پیراستہ کر کے (دشمن کے) مقابل ہوا۔ اور جو لوگ اب تک قید تھے ان سب کو بھی آزاد کر کے اور نئے سرے سے عہد و پیمان لے کر اپنا احسان مند بنایا اور پھر انہیں انعام و اکرام سے سرفراز کر کے دشمن سے جنگ کرنے کے لئے میدان میں لایا۔ (اس طرف) مہرتھ رائے نے بھی اپنے لشکر کا میمنہ، میسرہ، مقدمہ اور قلب و ساقہ جمایا۔ پھر دونوں جانب سے بہادران بے جگر ایک

1 (پ)، (ک)، (ر) اور (م) میں اس کا یہی املا ہے اور شہر چتوڑ کا قدیم نام بھی یہی ہے (دیکھئے آخر میں حاشیہ صفحہ 26) اور اسی وجہ سے یہ املا قائم رکھا ہے۔ فارسی ایڈیشن میں اس کو "چتوڑ" لکھا گیا ہے۔ (ن-ب)

دوسرے [27] پر ٹوٹ پڑے اور تھوڑی ہی دیر میں دونوں جانب کشتوں کے پشتے لگ گئے۔
مہرتھ رائے نے جب دیکھا کہ دونوں طرف کے مردانِ دلیر خواہ مخواہ خون خوار تلواروں کا لقمہ بن رہے ہیں تو اس نے چچ سے کہا کہ "ہم اور تم دونوں سلطنت کے دعوے دار ہیں (اس لئے فوجیں کٹوانے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ ہم خود باہم) ایک دوسرے سے جنگ کریں، پھر ہم میں سے جو بھی فتح مند ہو کر میدان سے باہر نکلے ملک اسی کا ہے۔" (اس پر) چچ نے اس کے سامنے آ کر کہا کہ "میں برہمن ہوں، سوار ہو کر نہ لڑسکوں گا، اگر پیادہ ہو کر مقابلے پر آؤ تو جوڑ اچھا رہے گا۔" چتردور کے راجہ کو اپنی ہمت اور شجاعت پر پورا بھروسہ تھا۔ چنانچہ اس نے دل میں کہا کہ برہمن کی کیا مجال کہ جنگ میں میرے مقابلے پر ہتھیار اٹھانے کا حوصلہ کرے (سامنے تو آئے) پرندے کی طرح گردن مروڑ کر سرتن سے جدا کردوں گا۔ (اس خیال سے) وہ گھوڑے سے اتر کر پا پیادہ روانہ ہوا۔ چچ بھی پیدل چلا، مگر اس نے سائیس کو حکم دیا کہ وہ گھوڑے کو اس کے پیچھے پیچھے لائے۔ جب وہ ایک دوسرے کے قریب آئے تو چچ نے اچانک گھوڑے پر سوار ہو کر اس پر حملہ کردیا اور زخمی کر کے اس کا سرتن سے جدا کردیا۔ (یہ دیکھ کر) چچ کے لشکر نے حملہ کیا اور چتردور کو فوج کو شکست ہوگئی۔ ان میں سے کچھ نے مہرتھ کو قتل ہوتا دیکھ کر امان طلب کی اور اطاعت اختیار کی اور بہت سے خون خوار تلواروں کا لقمہ بنے۔ چچ فتح کی خوشیاں مناتا ہوا قلعے میں واپس آیا، شہر میں مقبرہ بنانے کا حکم دیا، تختِ مملکت پر بیٹھ کر جشن [28] منایا اور امیروں اور جنگ جو بہادروں سے فیاضانہ سلوک کیا۔ اب چاروں ممالک میں کوئی بھی سرکش باقی نہ رہا۔

چچ کی رانی سوہن دیوی سے شادی

اس داستان کا مصنف اور اس بوستان کا محرر اس طرح روایت کرتا ہے کہ جب یہ فتح حاصل ہوئی جب رانی سوہن دیوی کے حکم سے رؤسا اور اکابرینِ شہر حاضر ہوئے رانی نے ان سے فرمایا کہ اب جب کہ ساہسی رائے انتقال کر چکا ہے اور مجھے اُس سے کوئی فرزند نہیں ہے کہ جو ملک کا وارث ہو اور یہ ملک راجہ چچ کے قبضے میں آیا ہے تو اس صورت میں (بہتر اور مناسب یہ ہے کہ) تم مجھے بعقد صحیح و مہر صریح چچ کے حوالے کرو۔ چنانچہ جملہ رؤسا اور بزرگ متفق ہو کر دربار میں آئے اور رانی سوہن دیوی کا عقد چچ سے پڑھایا۔ چچ کے اُس سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اُس نے ایک بیٹے کا نام داہر اور دوسرے کا دہرسینہ[1] اور بیٹی کا نام مائیں رکھا۔

1. (ن) اور (ب) میں ہر جگہ "دہرسین" اور باقی نسخوں میں "دہرسیہ" لکھا ہوا ہے اور فارسی ایڈیشن میں بھی یہی تلفظ اختیار کیا گیا ہے۔ "سیہ" دراصل "سنگھ" یا "سیمھ" ہے یعنی "شیر" نسخہ (ک) کی عبارت بھی "دہرسیمھ" ہے۔ (ن-ب)

ہر ایک کی ولادت کے وقت نجومیوں سے اس نے ان کی قسمت دریافت کی اور انہوں نے اس کے حکم پر ہر ایک کے نصیب کے بارے میں ستاروں کی بُرجوں میں منزلوں، نیک بختی اور بدبختی اور عزت و ذلت کا زائچہ تیار کیا (اس کے بعد انہوں نے) بتایا کہ راجہ کے دونوں بیٹے بادشاہ ہوں گے اور سندھ کافی مدت تک اُن کے قبضے میں رہے گا۔ لڑکی کی قسمت کے بارے میں اُنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ وہ سندھ سے کہیں باہر نہ جائے گی اور جو اس کا شوہر ہوگا، وہی اس ملک کا راجہ ہوگا اور سارا سندھ اس کے [29] قبضے میں رہے گا (جس سے) وہ فائدہ اور حظ حاصل کرے گا۔ جب نجومیوں نے یہ انکشاف کیا تو (چچ نے) حکم دیا کہ یہ (راز) مخفی رکھو اور کسی پر ظاہر نہ کرو۔

چچ کا اپنے بھائی چندر کو شہر اروڑ میں لانا اور اُس کا تقرر کرنا

پھر (چچ) نے ایک معتمد آدمی کو اپنے بھائی چندر کے پاس بھیجا اور کہا کہ "ہمارے بزرگ راہب ہیں اور ہمیشہ بتوں اور مندروں سے بچی عقیدت رکھتے ہیں۔ بزرگی اور رسم آتش پرستی میں اُن کا نام مشہور اور (ہر طرف) پھیلا ہوا ہے، ہمارا باپ سیلائج اس راہ میں "اِنَّـا وَجَـدْنَـا آبَـاءَ نَـا"[1] کے قول پر عمل پیرا ہے جو کہ ہمارے عالموں اور حکیموں کو پسند ہے۔ لیکن ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص خود کو پرہیزگاری اور ریاضت کے حوالے کرے گا تو جب اس کی روح اُس کے جسم سے جدا ہوگی تو ان نیک کاموں کے معاوضے میں وہ روح کسی بادشاہ کے بیٹے یا کسی سردار کے جسم میں داخل ہوگی جہاں وہ دل کا سکون اور مال و دولت کا تجمل اور پوری پوری فراغت حاصل کرے گا۔ سیلائج کے خدا نے اس دفعہ ہمیں بادشاہی عطا کی ہے اور ایک بڑی سلطنت میرے زیرِ فرمان آئی ہے۔ اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ تختگاہ اروڑ میں تمہیں اپنا نائب مقرر کر کے اپنا ولی عہد بناؤں۔ تمہیں خود بھی حکومت میں دینداری، امانت، پرہیزگاری اور عبادت کرنے کی وجہ سے دوگنا سہ گنا ثواب ملے گا۔" اگرچہ وہ (شروع میں) کتراتا رہا، لیکن آخر چچ نے اسے لاکر "عدالت اجیل"[2] کا (سربراہ) مقرر کیا اور اروڑ کا مکمل انتظام اس کے ہاتھ میں دے کر اپنا اور سلطنت کا کاروبار اس کے حوالے کیا۔ [30]

---

1. اِنَّـا وَجَـدْنَـا آبَـاءَنَـا عَلٰی اُمَّۃٍ وَّ اِنَّا عَلٰی آثَارِھِمْ مُقْتَدُوْنَ ۔ (ہم نے اپنے اجداد کو ایک طریقے پر دیکھا اور ہم ان کی نشانیوں کی پیروی کرنے والے ہیں)
2. اصل میں "دیوان مظالم" ہے جس کے معنی ہیں ایسی عدالت، جس میں ملک کے کسی بھی بڑے آدمی کے ہاتھوں کئے ہوئے ظلم کے خلاف شکایت سن کر اس کی دادرسی کی جائے۔ (مترجم)

چچ کا اپنے بھائی چندر کی نیابت کے بارے میں پروانے جاری کرنا

[اس کے بعد چچ نے پورے ملک میں اس مضمون کا فرمان جاری کیا] جب کہ سیلائچ کے خدا نے ہمیں تخت و تاج کے لائق بنا کر ہماری بادشاہی کا حکم جاری کیا ہے تو ضروری ہے کہ رعایا کی جو کہ خدا کی امانت اور میرے تصرف میں ہے، حفاظت کی پوری کوشش کی جائے اور عدل و انصاف کے ذریعہ سے ان کی خوش حالی اور بہبود کے لئے ساری کوششیں عمل میں لائی جائیں تا کہ کوئی بھی طاقتور کمزور پر ظلم نہ کرے اور ہم سے خدائے تعالیٰ کے دربار میں لاپرواہی اور بے توجہی کی وجہ سے باز پُرس نہ ہو۔ اس وجہ سے یہ بڑی ذمہ داری اور نازک کام میرے بھائی "راہبوں کے سرتاج" چندر کے سپرد کیا گیا ہے، تا کہ وہ [میرے] سامنے اور غیر حاضری میں اس [بوجھ] کو سنبھالے [چنانچہ] ساری فوج اور امراء اور رعایا پر لازم ہے کہ "اس کے حکم اور مشورے کی خلاف ورزی نہ کریں اور اس کی فرمانبرداری لازمی سمجھیں۔"

چچ کا وزیر بدھیمن سے مملکت کے حالات اور سیہرس رائے کے ملک کی حدود دریافت کرنا

پھر [چچ نے] وزیر بدھیمن طاکی کو بلا کر اُس سے سیہرس رائے کے ملک کی حدود دریافت کیں اور کہا کہ "اے لائق وزیر اور معتمد مشیر! ملک سندھ کی وہ حدود تجھے معلوم ہیں کہ جو ساھسی رائے اعظم کے زیرِ اقتدار اور زیر فرمان تھا؟ وہ چار بادشاہ کہ چاروں طرف کی حکومتوں کے ذمہ دار تھے کون تھے؟ مجھے ان سے واقف کرتا کہ میں اُن کے پاس جاؤں اور موافقت یا مخالفت میں مجھے ہر ایک کی طبیعت [کا حال] معلوم ہو۔ پھر جو میرے احکامات کا [31] پابند ہو، اُس کی تربیت کی جائے اور جو ہمارے حکم سے سرتابی کرے، اُسے دفع کرنے کا تدارک کیا جائے تا کہ سب فرمانبرداری قبول کرلیں اور کوئی ہمارے احکامات سے سرکشی اور انحراف کرنے والا باقی نہ رہے۔

بدھیمن کی تقریر

وزیر نے زمین پر سجدہ کر کے عرض کیا کہ "راجہ چچ سلامت رہے اور اُسے معلوم ہو کہ

یہ تخت گاہ اور سلطنت ایک ہی راجہ کے زیر حکومت رہی ہے اور اس کے (ماتحت) حاکم ہمیشہ اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مستعد رہے ہے یہ ملک جب سیہرس رائے اعظم بن دیوائج[1] کے زیر اقتدار آیا اور وہ ایران کی فوج سے شکست کھا کر مارا گیا تو اُس کے بعد یہ ملک ساہسی کے حوالے ہوا۔ اُس نے چاروں حاکموں (میں سے ہر ایک) کو الگ الگ علاقوں کا ذمہ دار ٹھہرایا، تاکہ وہ خزانے کے مال کی وصولی اور ملک کی حفاظت کرنے پر پوری توجہ دیتے رہیں۔ چونکہ راجہ اس کے لئے فکرمند رہا کرتا تھا۔ اس لئے وہ اس تدبیر سے اس فکر کو اپنے دل سے دور کرنا چاہتا تھا۔ اس میں لشکر کے لئے (بھی استحکام) کی ترغیب ہے۔ کیونکہ اگر (کمزوری) دفع نہ ہوئی تو ممکن ہے کہ گردشِ زمانہ کے رد و بدل کی وجہ سے کوئی ایسا خوفناک حادثہ پیش آئے جس کو ٹالنا ناممکن ہوجائے۔ لیکن اگر ولایت مستحکم ہوگی اور دل کو سکون میسر ہوگا تو پھر آس پاس کے سرحدی (مقرر کئے ہوئے) حکمران بھی توجہ کریں گے اور خدمت میں حاضر ہوں گے۔ اور درحقیقت ہے بھی ایسا کہ جب بہادر لشکر اور مست ہاتھیوں کی وجہ سے دل کو اطمینان اور قوت نصیب ہوگی تو مسبب الاسباب بھی فتح اور کامرانی کے مواقع پیدا کرے گا اور تجھے دشمنوں پر فتح حاصل ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک کے علاقوں اور حدود [32] کو مستحکم کرے گا اور [چاروں] علاقوں کے چاروں حاکم تیری بندگی کا طوق اپنی گردن میں ڈالیں گے تو جملہ پریشانیاں دور ہوجائیں گی اور مخالف جوہردار تلوار کے خوف سے اطاعت کا ہار اپنے گلے میں ڈالیں گے اور یہ ملکِ عظیم اور اقلیم مشتری شان و شوکت کے ساتھ تیرے دم سے نہ صرف قائم رہے گا، بلکہ ہر روز ترقی کرتا رہے گا۔ بہرحال اس مقصد کے لئے بادشاہ کو ہمت اور دلیری اختیار کرنی چاہئے اور خدائے تعالیٰ کے حکم پر توکل کرنا چاہئے [مجھے یقین ہے کہ] اللہ تعالیٰ راجہ کے ارادے اور ہمت کے مطابق مقصد کو پورا اور امیدوں کو کامیاب کرے گا۔

چچ کا مملکت اروڑ کی حدود کے بارے میں فیصلہ کرنا اور حدیں واضح کرنا

جب چچ نے وزیر بدھیمن سے یہ گفتگو سنی اور اُس کی بات اس کے دل میں بیٹھ گئی تو اسے خوشی اور فرحت حاصل ہوئی اور اس مشورے پر اس کا شکر گذار ہونے کے بعد اس خوشخبری کو

1. یہ رائے سیہرس اعظم بن دیوائج : یہ رائے سیہرس بن ساہسی سے پہلے ہے کہ جس کا ذکر صفحہ 18 پر آچکا ہے اور جو خود بھی ایران کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ (ن-ب)

اس نے [نیک] فال سے تعبیر کیا اور اسی کے مطابق اس نے چاروں طرف اپنے معتمد سرداروں کو ایک فرمان بھیجا اور آس پاس کے بادشاہوں سے بھی استدعا کی اور ایک لشکر عظیم تیار کرنے لگا تاکہ ہندستان کی اس سرحد پر جائے کہ جو ترکوں سے ملی ہوئی ہے۔ آخر وہ نجومیوں کے حساب کے مطابق نیک ساعت کے آنے پر روانہ ہوا اور منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا قلعہ بھاٹیہ کے قریب جا پہنچا کہ جو دریائے بیاس کے جنوبی ساحل پر ہے۔ اس قلعہ کے حاکم نے مقابلہ کیا، لیکن جنگ اور خونریزی کے بعد شکست کھا کر بھاٹیہ کا راجہ قلعہ بند ہوگیا اور راجہ چچ غالب ہوا۔ اس جنگ میں کافی مدت لگی [محاصرہ رہا] جس کی وجہ سے [قلعہ میں] غلّے کی قلت ہوگئی اور گھاس اور لکڑیاں [ملنا] بھی مشکل ہوگئیں۔ [آخر] جب [قلعہ والے] تنگ ہوگئے تو [رات کے وقت] جب کہ دنیا نے سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی اور ستاروں کا بادشاہ [سورج] رات کی [33] تاریکی میں روپوش ہوگیا تھا۔ [بھاٹیہ کا راجہ] وہ قلعہ چھوڑ کر اسکلندہ کے قلعے کی طرف چلا گیا اور اس قلعے کے قرب و جوار میں خیمہ زن ہوا، یہ قلعہ بھی اس کے قبضے میں تھا اور زیادہ مضبوط تھا۔ اس موضع کی چراگاہ میں ٹھہر کر اس نے دریافت حال کے لئے جاسوس بھیجے جنہوں نے آ کر خبر دی کی چچ بھاٹیہ کے قلعے میں جا کر فروکش ہوا ہے۔

چچ کا اسکلندہ کے قلعے کی طرف جانا

جب چچ کو معلوم ہوا کہ [بھاٹیہ کا راجہ] اسکلندہ میں قلعہ بند ہوگیا ہے تو اس نے یہ خبر سنتے ہی اپنے ایک خاص اور معتمد آدمی کو بھاٹیہ کے قلعے کا نگران مقرر کر کے اسکلندہ کی طرف رخ کیا اور وہاں پہنچ کر اس کے مقابل میں خیمہ زن ہوا۔ اسکلندہ کے قلعے میں شجاع نامی ایک سردار رہتا تھا، جو ہمیشہ چچ کا مطیع رہا کرتا تھا اور قلعہ کے باشندوں پر اس کا بہت اثر تھا، کوئی بھی چھوٹا بڑا اس کے مشورے کے خلاف نہ جاتا تھا۔ چچ نے اس کے پاس قاصد بھیج کر اسے [قلعے کی] حکومت اور بادشاہت کی پیشکش کی، پھر [چچ کے] حکم سے پختہ قول و قرار کے ساتھ اس قلعہ کی بادشاہی کا [اس مضمون کا] پروانہ لکھا گیا کہ [وہ] جس وقت بھاٹیہ کے راجہ [چترا] کو قتل یا قید کرے گا تو [اس کی جگہ] وہ خود راجہ ہوگا اور یہ شہر بھاٹیہ سمیت اس کے قبضے میں دیا جائے گا [شجاع نے] بھی یہ پیشکش قبول کی اور اس مستحکم شرط کی امید پر اپنی ضمانت اور اپنا بیٹا چچ کے پاس بھیج کر وقت بے وقت اس حاکم [چترا] کی خدمت میں جانے لگا۔ یہاں تک کہ رات یا دن میں [کسی وقت بھی] اسے دربار میں جانے سے کوئی نہ روکتا تھا۔ [چنانچہ ایک دن] موقع پا کر] آدھی رات کو [34] اس نے راجہ چتر کو قتل کر کے اس کا سر چچ کے پاس بھیج دیا۔

راجہ چچ نے قاصد سے [بڑا] سلوک کیا اور خوشی ظاہر کرتے ہوئے انعام و اکرام دے کر اس قلعے کی خودمختار حکومت کا فرمان عطا کیا۔ شہر کے رؤسا اور اُمراء نے آ کر [چچ] کو ہدیے اور تحفے پیش کیے۔ چچ نے بھی شہر کے سربراہوں اور مشہور افراد کی عزت افزائی کی اور شجاع مئیمہ کی فرماں برداری کی تاکید کی تاکہ وہ ہمیشہ اس کی اطاعت گذاری کو لازم جانتے رہیں اور اس کے حکم سے انحراف نہ کریں۔

چچ کا سکہ اور ملتان کی طرف منزل انداز ہونا

راجہ چچ نے اسکلندہ کی مہم سے فارغ ہو کر سکہ اور ملتان کی جانب رخ کیا۔ شہر ملتان میں سامسی رائے کے عزیزوں میں سے بجھرائے[1] نامی ایک راجہ (حکومت کرتا) تھا اور وہ بڑے وسیع ملک اور کثیر سامان و اسباب (جنگ) کا مالک تھا۔ جب اسے چچ کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ خود دریائے راوی کے ساحل پر (مقابلے کے لئے) آ ڈٹا۔ اس کا بھتیجا سیوول[2] ملتان کے سامنے مشرق کی طرف واقع قلعہ سکہ کا حکمران تھا۔ (اس کے علاوہ) بجھرائے کا چچازاد بھائی اجسین بھی لشکر جرار لے کر (چچ کے مقابلے کے لئے) آ گیا۔ دریائے بیاس کے گھاٹ کے قریب (باڑھ کی وجہ سے) (چچ اور اس کا لشکر) تین ماہ تک خیمہ زن رہا۔ پھر جب (دریا کا) پانی گھٹ گیا تو اسی گھاٹ پر اس نے ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں کوئی بھی مزاحمت کرنے والا نہیں تھا۔ (چنانچہ اس مقام سے دریا کو عبور کر کے) سکہ کے شہر کے سامنے پہنچ کر اس نے سیوول سے جنگ شروع کر دی۔ کافی مدت تک قلعے کا محاصرہ رہا (آخر) جب اہل قلعہ کی حالت ابتر ہوئی، چچ کے کچھ نامور ساتھی شہید ہوئے اور دشمنوں کے لاتعداد آدمی برباد ہوئے تب [35] سیوول وہاں سے بھاگ کر ملتان کے قلعے میں چلا گیا اور پھر (وہاں سے) سب اکٹھے ہو کر (فوج اور) ہتھیاروں سمیت راوی کے کنارے آ کر ٹھہر گئے۔ راجہ چچ نے سکہ کے قلعہ پر قبضہ کر کے اس میں جو پانچ ہزار جنگ جو سپاہی تھے، ان سب کو قتل کر دیا۔ اور شہر کے باشندوں کو غلام اور مال غنیمت کے طور پر قید کر کے امیر عین الدین ریحان مدنی کو سکہ کے قلعے پر (حاکم) مقرر کیا اور خود ملتان کی طرف (دریا) عبور کر کے جا پہنچا، جہاں دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ راجہ بجھرائے کثیر فوج، جنگی ہاتھی اور بہادر مرد ساتھ لے کر (قلعہ سے) باہر نکلا اور چچ کے مقابلے میں آ کر خوفناک جنگ کی۔ دونوں طرف سے بے شمار آدمی قتل ہوئے (آخر) بجھرائے نے قلعہ بند ہو کر کشمیر کے بادشاہ کے پاس خط بھیجا اور اسے چچ کے بارے میں خبر دی کہ چچ بن سیلائج برہمن،

1. اصل لفظ "بجھرا" ہے۔ (ن-ب)
2. نسخہ (م) میں "سیوول" ہے۔ (ن-ب)

تخت گاہ اروڑ کا والی بن کر لشکر کثیر کے ساتھ حملہ آور ہوا ہے اور سارے چھوٹے بڑے قلعے فتح کرکے اپنی قبضے میں کئے ہیں۔ ہم میں اس کے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہی ہے۔ مضبوط قلعے اس کے زیر فرمان آچکے ہیں۔ اب تک کوئی بھی راجہ مقابلے اور جنگ میں اُس پر فتح حاصل نہیں کرسکا ہے اور (ب) وہ ملتان آ پہنچا ہے۔ (اس لئے) آپ ہماری امداد فرض سمجھتے ہوئے کوئی کمک روانہ فرمائیں۔

قاصد کا کشمیر سے خالی ہاتھ واپس ہونا

جب قاصد کشمیر پہنچا تو اس وقت وہاں کا راجہ مرچکا تھا اور اس کا چھوٹا بیٹا تخت نشین ہوا تھا۔ (اس خط پر) وزیروں، مشیروں، سربراہوں، حاجبوں، سرداروں اور ملک کے بہی خواہوں نے آپس میں مشورے کئے اور اس خط کا نہایت عمدگی کے ساتھ یہ جواب دیا کہ کشمیر کا راجہ دارالبقاء کی جانب کوچ کرگیا ہے اور اس کا بیٹا ابھی نوعمر اور بچہ ہے۔ اس وقت اس کے امیر اپنی اپنی جاگیروں میں سرکشی اور بغاوت کررہے ہیں۔ [36] جس کی وجہ سے ہمیں پہلے اپنے انتظامات درست کرنے ہیں اور چونکہ فی الحال ہم اپنے معاملات کی فکر میں مبتلا ہیں، اس وجہ سے ہم (آپ کی) کوئی مدد اور اعانت نہیں کرسکتے۔

جب قاصد نے واپس آکر بجھرائے کو یہ خبر پہنچائی اور وہ کشمیر کے راجہ کی اعانت سے ناامید ہوگیا، تب اس نے پختہ عہد کے ساتھ راجہ چچ سے صلح کی درخواست کرکے امان نامہ کی التجا کی تاکہ وہ قلعہ چھوڑ کر سلامتی کے ساتھ باہر نکل جائے اور کوئی بھی اس سے اس وقت تک تعرض نہ کرسکے کہ جب تک وہ اپنے تابعداروں، متعلقین اور ملازمین سمیت کسی پُرامن مقام پر نہ پہنچ جائے۔ چچ نے اس کی یہ درخواست قبول کرلی اور اسے امان دی۔ (اس کے بعد) وہ قلعے سے نکل کر اپنے وفاداروں اور متعلقین کے ساتھ کشمیر کے پہاڑوں کی طرف چلا گیا اور چچ قلعے میں داخل ہوکر ملک پر قابض ہوگیا۔

چچ کا ملتان کے قلعے میں اپنا نائب مقرر کرکے آگے بڑھنا

ملتان کے قلعے پر قبضہ ہوجانے کے بعد (چچ نے) ایک ٹھاکر کو ملتان میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود مندوی کے بُت خانے میں جاکر بت کو سجدہ کرکے اور خیرات کرکے (وہاں سے) آگے بڑھنے کا مصمم ارادہ کیا۔ (اثناء راہ میں) برہمپور، کرور اور اِشہار[1] کے راجاؤں نے خدمت و

1. ن "اَشہار"

اطاعت کی شرطیں ادا کیں۔ وہاں سے (آگے بڑھ کر) وہ تاکیہ[1] اور کشمیر کی سرحد پر جا پہنچا۔ راستے میں کسی بادشاہ نے بھی اس کے مقابل یا حائل ہونے کی جرأت نہ کی۔ مثال: اللہ تعالیٰ جب کسی کو عظمت دیتا ہے تو اس پر ساری تکلیفیں آسان کرتا ہے اور اس کی ساری مرادیں پوری کرتا ہے۔ (دیکھو چچ) جس جگہ پہنچتا تھا وہ ملک فتح ہو جاتا تھا۔ [37] آخرکار (وہ) شاکلپار[2] کے قلعے کے قریب پہنچا۔ یہ مقام تاکیہ سے کچھ آگے بتایا جاتا ہے، جہاں کشمیر کی سرحد ہے۔ یہاں (آ کر) منزل انداز ہوا اور یہاں کے قرب و جوار کے لوگوں میں سے کچھ کو مغلوب کیا، کچھ کو حکم اور اطاعت کے دائرے میں لایا اور اس علاقے کے امیروں اور بادشاہوں سے پختہ عہدنامے کر کے ملک (کا انتظام) مستحکم کیا۔ اس کے بعد (اس نے) دو پودے منگوائے، ایک بید کا اور دوسرا صنوبر کا (پھر انہیں) دریائے چچ ماہیات کے کنارے کشمیر کے اس پہاڑ کے دامن میں، جس کے چشموں سے یہ دریا بہتا ہے، لگا کر اس وقت تک وہاں مقیم رہا، جب تک کہ دونوں درختوں کی شاخیں بڑھ کر ایک دوسرے سے مل نہ گئیں۔ پھر ان پر نشان لگا کر اس نے کہا کہ ہمارے اور کشمیر کے راجہ کے درمیان یہ سرحد ہے، اس سے آگے ہمیں بڑھنا نہیں ہے۔

کشمیر کی سرحد مقرر کر کے چچ کا واپس ہونا

اس فتح کی حکایت بیان کرنے والے نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب کشمیر کی جانب سرحد مقرر ہوگئی تو چچ اپنے دارالحکومت اروڑ کو واپس ہوا اور ایک سال آرام کر کے سفر کی تکلیف اور تھکاوٹ دور کی۔ (اس درمیان میں) اس کے (ماتحت) بادشاہوں نے (نئی مہم کے لئے) سامان جنگ اور اسلحہ جات فراہم کئے۔

پھر (ایک دن چچ نے) کہا کہ "اے وزیر! مشرق کی طرف سے تو ہمیں اطمینان ہوا۔ لیکن اب ہمیں مغرب اور جنوب کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔" وزیر نے جواب دیا کہ "بادشاہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ملک کے حالات سے واقفیت رکھتا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ (ایک طرف) پیشقدمی کرنے کے دوران میں غیر حاضری کی وجہ سے (دوسری طرف کے) امیروں اور بادشاہوں کے دماغ میں غرور پیدا [38] ہو گیا ہو (اور وہ یہ خیال کرتے ہوں) کہ

1. فارسی ایڈیشن میں "کنبہ" لکھا گیا ہے، جو صرف خیالی لفظ ہے اور کسی بھی نسخے میں موجود نہیں ہے۔ اس جگہ پر نسخہ (ن) اور (ک) کی عبارت صاف طور پر "تاکیہ" ہے اور دوسرے نسخوں کی عبارت "تاکیہ" ہی کی غلط اور بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ صحیح نام "تاکیہ" ہی سمجھنا چاہئے، کیونکہ ملتان سے آگے یا اس کے آس پاس والے علاقے کا نام "ٹکا دیش" تھا۔ (ن-ب)

2. فارسی ایڈیشن کا املا "شاکلہا" ہے، اور شاکلپار نسخہ (ن) کے مطابق ہے۔ (ن-ب)

سامسی رائے کے بعد ہم سے جو خزانے کے مال کے سلسلے میں کوئی تقاضہ نہیں ہوا تو (اس کی وجہ شاید یہی ہے کہ چچ) کمزور اور ضعیف ہے۔

چنانچہ نیک ساعت دیکھ کر (چچ) بدھیہ[1] اور سیوستان کے قلعوں کی طرف روانہ ہوا۔ سیوستان کے قلعے میں متو[2] نامی ایک بادشاہ رہتا تھا۔ چچ نے اس کی طرف جانے کا مصمم ارادہ کیا اور اس مقام سے اُس نے دریا پار کیا کہ جسے "دھتایت"[3] کہتے ہیں اور جو سموں (کی قوم) اور اروڑ کی درمیانی سرحد ہے۔ وہاں سے پھر بدھیہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں کا حاکم سر کوندہ بن بھنڈر بھکو[4] تھا اور اس کی راجدھانی کا کاراج تھی۔ وہاں کے باشندوں کو "سیوس" کہتے تھے۔ چچ نے اُن پر حملہ کر کے سیویس کا قلعہ فتح کیا۔ کاکہ کا بیٹا وکیہ[5] اس کے سامنے حاضر ہوا اور اپنے باپ اور تابعداروں کے لئے امان کا طلبگار ہوا اور (خود پر) خراج مقرر کر کے مطیع ہوا۔

لشکر کا سیوستان جانا

پھر (چچ) نے وہاں سے سیوستان (کی طرف) رخ کیا۔ جب قریب پہنچا تو اس شہر کے حاکم (متو) نے بڑے دبدبے اور پوری تیاریوں کے ساتھ مقابل ہو کر جنگ کی۔ چچ اس پر غالب آیا اور متو اپنے لشکر سمیت شکست کھا کر قلعے میں بھاگ گیا۔ چچ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ ایک ہفتہ کے بعد اہل قلعہ عاجز ہو گئے اور امان طلب کر کے پختہ اقرار کے ساتھ باہر نکلے اور قلعہ کی کنجیاں چچ کے امیروں کے حوالے کیں۔ چچ نے انہیں امان دے کر نوازا اور وہاں کی حکومت بھی (متو) کے حوالے کر کے اس پر ایک معتمد کو نگران مقرر کیا اور کچھ دنوں کے لئے وہاں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ ملک اور شہر کا نظم و نسق بحال ہو گیا۔

---

1. متن تفتہ کا مدار فارسی ایڈیشن کے "بودھیہ" پر ہے جو غالبا صرف پرانے نسخے (پ) کا تلفظ ہے۔ اور نسخہ ہائے (ن) (ب) (ج) (م) (س) کا تلفظ "بدھاپور" اور (ر) کا تلفظ "بدھاپور" ہے اس لحاظ سے "بدھیہ" کے بجائے "بدھاپور" پڑھنا بھی قابل غور ہے۔ (ن۔ب)

2. اس تلفظ کا مدار فارسی نسخے کے "متو" پر ہے۔ (ب) (س) (ک) نسخوں کا تلفظ "مہتہ" ہے۔ (ن۔ب)

3. فارسی نسخوں کا اختیار کردہ تلفظ "دھایت" ہے اور "دھتایت" کا تلفظ (ن) (ب) (ج) نسخوں کے مطابق ہے۔ (ن۔ب)

4. سبھی نسخوں میں (ن) (ب) (پ) کا تلفظ اسی طرح ہے۔ مثلاً (ن) (ب) "وعہد ایشاں رابسر کوندہ بن بھندر کو بھکو بود" نسخہ (پ) میں ہے "وعہد ایشاں رابسر کوندہ بن بھندر کو بکہ بود" چنانچہ بر تقدیر "وعہد ایشاں را فلان بن فلان بود" "فلاں" کی جگہ پر "سرکوندہ بن بھندر و بھکو" آئے گا۔ جسے ہم نے اصل سندھی نام کے قالب میں ڈھال کر "سرکوندہ بن بھندر و بھکو" لکھا ہے۔ فارسی ایڈیشن میں اس پورے جملے کی عبارت اس طرح مذکور ہے "وعہد ایشاں رابسر کول بن بھندر کو بھکو بود" (ن۔ب)

5. اصل عبارت "وکیہ بن کاکہ" ہے۔ فارسی ایڈیشن میں "و" کو حرف عطف سمجھ کر اس شخص کا نام "کیہ بن کاکہ" تصور کیا گیا ہے۔ (دیکھئے فارسی ایڈیشن صفحہ 257 پر دیئے ہوئے صفحہ 29 کا حاشیہ)

چچ کا برہمن آباد کی طرف لوہانے کے بادشاہ اگھم [1] کے پاس قاصد بھیجنا

جب سیوہن کی مہم ختم ہوئی تو (چچ نے) برہمن آباد والے لوہانے [2] کے بادشاہ اگھم یعنی لاکھوں، سموں اور سہتوں کے حاکم کے پاس فرمان بھیج کر اس سے اپنی اطاعت کا طلبگار ہوا۔ کچھ دنوں بعد راستوں میں جو جاسوس مقرر کئے گئے تھے، انہوں نے مکران سے ایک شخص کو اگھم کے خط کے ساتھ گرفتار کیا۔ یہ خط سیوستان کے بادشاہ متو کو لکھا گیا تھا جس میں تحریر تھا کہ میں ہمیشہ تمہارا دوست اور خیر خواہ رہا ہوں اور نہ کبھی میں نے تمہاری مخالفت کی اور نہ (کبھی تم سے) جنگ کرنے کا خیال کیا ہے۔ تم نے جو دوستانہ خط لکھا تھا وہ موصول ہوا، جس سے میری عزت افزائی ہوئی۔ جب تک ہماری طاقت مضبوط رہے گی اس وقت تک کوئی بھی دشمن ہمارے قریب نہ آ سکے گا۔ میں تمہاری درخواست کا پابند ہوں اور ہر (التماس) پوری کروں گا۔ تم بادشاہ اور بادشاہ زادے ہو۔ ہماری تمہاری دوستی ہے۔ یہ صعوبتیں بہتوں پر گذری ہیں اور وہ ان مصیبتوں سے پناہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ میرے ملک میں برہمن آباد سے دیبل تک جس جگہ بھی تم رہنا مناسب سمجھو [40] تمہیں وہاں رہنے کی اجازت ہے اور اگر (تم نے) کسی دوسری طرف جانے کا مصمم ارادہ کرلیا ہے تب بھی (تمہیں) کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ جب تک تم کسی جگہ پر جا کر سکون سے نہ آباد ہو جاؤ، اس وقت تک (میں) تمہارا مددگار رہوں گا۔ میرے پاس اتنے گھوڑے اور فوج مہیا ہو سکتی ہے کہ (میں) تمہاری مدد کرسکوں۔

آخرکار متو کو ہند کے ریگستان کے بادشاہ [3] کے پاس کہ جسے بھٹی بھی کہتے ہیں، جانا بہتر نظر آیا۔

چچ کا لوہانہ کے (حاکم) اگھم کو حاضر ہونے کے لئے فرمان بھیجنا

پھر چچ نے رانیہ اگھم لوہانہ کے پاس حکم بھیجا کہ تم اپنے آپ کو شان و شوکت اور اصل و نسل کے لحاظ سے شاہانِ وقت میں سمجھتے ہو اور مجھے یہ ملک، بادشاہت، مال، دولت اور طاقت

---

1. اصل عبارت ''اگھم لوہانہ'' ہے جسے فارسی زیر اضافت سے ''اگھم لوہانہ'' سمجھنا چاہئے ''لوہانہ ملک کا (حاکم) اگھم'' فارسی عبارت اس دلیل کی، پوری تائید کرتی ہے۔ (ن-ب)

2. اصل عبارت ''لوہانہ برہمناباد'' ہے۔

3. اصل عبارت ''ملک رمل'' ہے۔

اپنے باپ دادا سے ورثے میں نہیں ملی ہے اور ہماری (موروثی) ملکیت نہیں ہے میرے لئے یہ آسان تر اسباب اور بہترین انتظامات خداوند تعالیٰ کے مہیا کئے ہوئے ہیں جو میرے لشکر کی وجہ سے نہیں بلکہ دنیا کے پیدا کرنے والے بے مثال، یگانہ خدا نے سیلائج کی دعا سے یہ ملک مجھے عطا کیا ہے اور ہر حال میں وہ میرا مددگار ہے۔ مجھے کسی دوسرے سے مدد کی امید نہیں ہے۔ میری ساری مشکلوں کو آسان بنانے والا اور میری نقل و حرکت میں مدد کرنے والا وہی ہے، اور وہی سارے دشمنوں اور مخالفوں پر (مجھے) فتح اور کامیابی بخشتا ہے۔ ہمیں دونوں جہانوں کی نعمتیں حاصل ہیں۔ اگر تمہیں اپنی شان و شوکت، دبدبے، سامان جنگ اور بڑائی پر اعتماد ہے تو پھر یقین جانو کہ تمہاری نعمت پر زوال آئے گا اور تم برباد ہو گے۔ [41]

چچ کا شہر برہمن آباد آنا اور لوہانہ کے (حاکم) اگھم سے جنگ کرنا

اس کے بعد راجہ چچ، لوہانہ کے (حاکم) اگھم کی طرف روانہ ہوا۔ اگھم (اس وقت) برہمن آباد سے باہر ملک (کے دورے) پر گیا ہوا تھا۔ (لیکن) چچ کے آمد کی خبر سن کر برہمن آباد واپس آیا اور آ کر لڑائی کا سامان تیار کرنے لگا۔ (چنانچہ جب) راجہ چچ برہمن آباد کے نزدیک پہنچا تو اگھم اس کے مقابلے کے لئے تیار ہو کر آ گیا۔ دونوں طرف سے نامور بہادروں کے قتل ہونے کے بعد (آخر) اگھم کا لشکر (شکست کھا کر) بھاگا اور قلعے میں جا چھپا۔ چچ نے اس کا محاصرہ کیا۔ ایک سال تک طرفین میں جنگ جاری رہی۔ ان دنوں ہندستان یعنی قنوج کا راجہ ستھان بن راسل تھا۔[1] اگھم نے خط بھیج کر اس سے مدد طلب کی، لیکن جواب آنے سے پہلے ہی اگھم فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا اس کا جانشین ہوا۔

اگھم کا ایک مربی تھا جو کہ بدھ مت کا (مقتدر) شمنی راہب[2] تھا اور "بدھرکو"[3] کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا ایک مندر تھا جسے "بدھنو وہار"[4] کہتے تھے اور (اسی مندر میں) وہ "کنوہار"[5] نامی بت کی مجاوری کرتا تھا وہ اپنی بندگی اور بھگتی[6] کی وجہ سے بہت مشہور تھا، اس اطراف کے

---

1. نسخہ (پ) میں "سیار بن راسل" (ر) میں "ستھان بن راسل" اور (ن) (ب) (ح) میں "سیار بن رائے بدل" تحریر ہے۔
2. اصل عبارت "ناسک کتی" ہے ("شمنی" کے لئے مزید دیکھئے حاشیہ صفحہ 43۔)
3. اصل عبارت "بدھ رکو" ہے۔
4. نسخہ (ر) اور (م) میں "نوبہار" ہے۔
5. نسخہ (ر) میں "دلہار" ہے۔ (م) میں "دلسا"، (ن) میں "دلسا" (پ) میں "دلسا" اور (ک) میں "دکھا" ہے۔ یہاں ص 80 کے نقشہ کے مطابق "کنوہار" درج کیا گیا ہے۔
6. اصل عبارت "ناسکی وبھگتی" ہے

سارے لوگ اس کے مرید تھے۔ اگھم خود بھی اس کے دھرم (کا پیرو) تھا اور اسے اپنا پیشوا سمجھتا تھا۔ (چنانچہ چچ کے مقابلے پر) اس کے قلعے بند ہونے میں اس پروہت نے اس کی حمایت کی تھی، لیکن خود جنگ میں حصہ لینے کی بجائے مندر میں جا کر وہ اپنی (مقدس) کتابوں کی تلاوت میں مصروف ہو گیا تھا۔ جب راجہ اگھم مر گیا اور اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا تو اس پروہت کو خوف ہوا کہ کہیں میری ملکیت، اسباب اور زمینیں ہاتھ سے نکل نہ جائیں۔ [42] چنانچہ اس نے اپنا اصطرلاب اٹھا کر اور حساب لگا کر قطعی فیصلہ کیا کہ یہ ملک (بالآخر) راجہ چچ کے قبضے میں جائے گا اور وہ مجھ پر مہربان ہوگا۔

(چنانچہ آخرکار) جب (اگھم کا) بیٹا عاجز ہو گیا اور اس کی فوج نے جنگ جاری رکھنے سے انکار کر دیا، تو قلعہ چچ کے ضابطے اور قبضے میں آ گیا۔

چچ کا فرمان

چچ کو یہ معلوم ہوا کہ اگھم اور اس کا بیٹا دونوں اسی پروہت کے مرید تھے اور اسی کے مکر، جادو، بہکانے اور تدبیروں کی وجہ سے جنگ نے ایک سال تک طول کھینچا ہے، تو اس نے قسم کھائی کہ اگر یہ قلعہ فتح ہو گیا تو میں اس پروہت کو پکڑ کر اس کی کھال کھنچواؤں گا اور یہ کھال نقارچیوں کو دوں گا تاکہ وہ اسے نقارے پر مڑھ کر اور کوٹ کوٹ کر پارہ پارہ کر دیں۔ جب پروہت کو چچ کی اس قسم کی خبر ملی تو وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ چچ کی یہ مجال نہیں کہ وہ مجھے ہلاک کر سکے۔

(آخرکار) جب برہمن آباد کے قلعے پر ایک طویل عرصے تک جنگ اور مقابلہ ہوتا رہا اور بہت سے آدمی ہلاک اور برباد ہو چکے تو (اہل قلعہ نے) جنگ بند کر کے امان طلب کی اور صلح کے خواہشمند ہوئے۔ (چنانچہ) معتمدوں اور سربراہوں کے بیچ میں پڑنے سے طرفین میں صلح ہو گئی اور قلعہ چچ کے حوالے ہوا۔ قلعے میں داخل ہونے کے بعد چچ نے (اہل قلعہ سے) کہا کہ "اگر تم یہاں سے جانا چاہو تو بے شک چلے جاؤ تم سے کوئی تعرض نہ کرے گا (لیکن) اگر تم نے یہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے تو (اطمینان کے ساتھ بدستور) رہتے رہو۔" اگھم کے بیٹے اور اس کے تابعداروں نے خود چچ کی مہربانیاں دیکھ کر رہ جانا ہی پسند کیا۔ (پھر) کچھ دنوں وہاں رہ کر چچ نے ان کے مزاجوں سے (کماحقہ) واقفیت حاصل کی۔ [43]

چچ کا اگھم کی بیوی سے شادی کرنا اور اپنی بھتیجی اس کے بیٹے سربند کی زوجیت میں دینا

پھر چچ نے سربند کی ماں کے پاس پیغام بھیج کر اس سے اپنی شادی کی اور اس کے بیٹے کو بلا کر اپنے چچا زاد بھائی ڈھسی [1] کی بیٹی سے اس کا نکاح کیا اور اسے رنگ برنگ کے کپڑے پہنائے۔ (پھر) ایک سال وہاں رہ کر مالیہ وصول کرنے کے لئے اپنے عمال مقرر کئے اور آس پاس کے راجاؤں کو (پوری طرح) اپنا مطیع بنالیا۔

(اس کے بعد اس نے) دریافت کیا کہ "وہ پروہت جادوگر کہاں ہے کہ میں بھی اسے دیکھوں۔ (لوگوں نے) کہا کہ وہ بھگت ہے اور بھگتوں کے پاس ہوگا۔ وہ ہندستان کے داناؤں اور کنوہار [2] مجاوروں میں سے ہے۔ پروہت اس کی بڑی عزت کرتے ہیں اور اس کے کمال کے قائل ہیں۔ اس کے جادو اور شعبدوں کی یہ انتہا ہے کہ اس نے ایک دنیا کو اپنا مطیع اور مرید بنالیا ہے۔ اس کے سارے مقاصد طلسم کے زور سے حاصل ہوتے ہیں۔ سربند کے باپ کی دوستی کے خیال سے کچھ دنوں تک وہ سربند کا معاون رہا اور اسی کے سہارے برہمن آباد کے سپاہی جنگ میں ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔

چچ کا پروہت کے پاس جانا اور اس سے حال دریافت کرنا

پھر چچ سارے مسلح سپاہیوں اور محافظوں کے ساتھ سوار ہوکر پروہت کو قتل کرنے کے لئے بدھ (کے مندر) کنوھار [3] کی جانب روانہ ہوا (راستے میں اس نے) مسلح سپاہیوں کو پکار کر حکم دیا کہ جب میں اس سے ملاقات اور باتیں کرکے چپ ہوجاؤں اور تمہاری طرف دیکھوں تو تم تلواریں نکال کر اس کا سر دھڑ سے جدا کردینا۔ اس کے بعد (چچ) بدھ کنوھار [4] میں داخل ہوکر (جب پروہت کی جانب چلا تو اسے (ایک) کرسی پر بیٹھے ہوئے اپنی عبادت میں مشغول دیکھا [44] اس کے ہاتھ میں سخت (گندھی ہوئی) مٹی تھی جس کے بت بنا کر ایک مہر جیسی چیز ان بتوں

1. اصل عبارت "ڈھسیہ" ہے۔
2. یہ تلفظ (پ) (م) (ح) (س) (ک) نسخوں کے مطابق ہے اور یہی تلفظ نیچے دو مقامات پر قائم رکھا گیا ہے۔ فارسی ایڈیشن میں "کنوہار" دیا ہوا ہے (؟) (ر) میں "کنوہار" اور (ن) میں "کنھوہار" ہے۔ (ن-ب)
3. نسخہ (پ) (ک) (م) (ر) کی عبارت "کیھار" ہے جو "کنھار" یعنی "کنوہار" کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ پورا لفظ "بدھ کنوہار" ہے جس سے مراد "بدھ مت کا کنوہار ہے۔" (ن-ب)
4. (پ) (ن) (ب) (ک) کی عبارت اس جگہ پر بھی "بدھ کنوہار" ہے۔ (ن-ب)

میں لگاتا جارہا تھا۔ جس کی وجہ سے ان پر بدھ کی تصویر نقش ہوجاتی تھی اور وہ مکمل ہوجاتے تھے۔

اس کے بعد (وہ) انہیں ایک جگہ پر رکھتا جاتا تھا۔ چچ اس کے سامنے کھڑا رہا (مگر) اس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ایک گھنٹا گذرنے اور بتوں کی تکمیل سے فارغ ہونے کے بعد سر اٹھا کر اس نے کہا "سیلائج بھگت کا بیٹا آیا ہے"۔ (چچ نے) جواب دیا: "ہاں اے عبادت گذار پروہت۔" پھر اس نے کہا کہ "کس کام سے آئے ہو۔" وہ بولا "تم سے عقیدت تھی، اس وجہ سے تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔" اس نے کہا "(اچھا) اترو" چچ (گھوڑے سے) نیچے اترا اور پروہت نے گھاس کا ایک پولا بچھا کر چچ کو اس پر بٹھادیا اور پوچھا کہ "اے چچ! کیا کام ہے؟" چچ نے عرض کیا: "میں چاہتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ موافقت کرو اور برہمن آباد کے قلعے میں پھر واپس آجاؤ تو بڑے بڑے کام تمہارے سپرد کروں تاکہ تم سربند کے ساتھ ایک جگہ رہ کر اسے صلاح ومشورہ دیتے رہو۔" پروہت نے کہا کہ "مجھے تیری حکومت کی کوئی ضرورت نہیں۔ نہ میں دیوانی کے کام سے رغبت رکھتا ہوں اور نہ دنیاوی کام چاہتا ہوں۔" چچ نے کہا کہ "پھر برہمن آباد کے قلعے میں تم نے (میرا) مقابلہ کیوں کیا تھا؟" (اس نے) جواب دیا کہ "جب لوہانہ کا (حاکم) اگھم فوت ہوگیا اور یہ لڑکا باپ کی مفارقت سے پریشان ہونے لگا تو میں (مجبورا) اسے صبر کی تلقین کرتا رہا اور خدا کی بارگاہ میں طرفین کے مابین صلح اور اتحاد پیدا کرنے کی دعا کرتا رہا۔ اس کے علاوہ (میرے خیال میں) دنیوی سرداری اور سارے کاموں سے بدھ کی خدمت کرنا اور آخرت کی نجات طلب کرنا بہتر ہے۔ (اب چونکہ) تو اس ملک کا راجہ ہے، اس لئے تیرے فرمان عالی کے مطابق میں سارے قبیلے سمیت قلعے کے متصل منتقل ہونیکے لئے تیار ہوں، مگر مجھے خوف ہے کہ قلعے والے بدھ (مندر) کی آبادی کو تکلیف [45] اور نقصان پہنچائیں گے۔ (کیونکہ) چچ آج بڑی سلطنت کا ملک ہے۔" چچ نے کہا کہ "بدھ کی بندگی زیادہ بہتر ہے اور اس کام کی ہمیشہ تعظیم کرنا ہی سب سے افضل ہے۔ اب اگر تجھے کوئی حاجت یا طلب ہو تو بیان کر کہ میں اس سعادت کو پورا کرنے اور اس عزت افزائی کو انجام دینے میں پیش قدمی کروں۔" پروہت نے کہا کہ "مجھے تجھ سے کوئی بھی دنیاوی طلب اور خواہش نہیں ہے۔ کاش خدا تجھے عاقبت کے کاموں کی توفیق عطا کرے۔" چچ نے کہا "میری بھی خواہش یہی ہے کیونکہ اسی کے بدلے ہی میں نجات اور بلندی کے درجے حاصل ہوسکیں گے، مجھے حکم دے تاکہ اس بارے میں مدد کرنا واجب سمجھ کر شریک ہوں۔" بھگت پروہت نے جواب دیا: "جب تیرا مقصد صرف نیکی کے کام کرنا اور خیر کی جانب قدم بڑھانا ہے تو پھر نووہار کے مندر کی جو کہ قدیمی عبادتگاہ ہے اور زمانے کی گردشوں کی وجہ سے جسے (کافی) نقصان پہنچا ہے، اس کی (نئے سرے سے) عمارت بنوائی

جائے اور اپنا مال اس کی تعمیر پر خرچ کر۔ میری مدد تو اس طرح سے کر سکتا ہے۔" چچ نے جواب دیا کہ "میں شکر گزار ہوں۔"

چچ کا برہمن آباد واپس جانا

(اس کے بعد) چچ وہاں سے سوار ہو کر واپس ہوا۔ وزیر نے عرض کیا کہ "راجا! ایک عجیب واقعہ دیکھا ہے۔" وہ بولا: "کیا؟" وزیر نے کہا: 'راجہ اس پروہت کے قتل کے لئے آپ کا جلادوں کو حکم دینے کا پکا ارادہ تھا، مگر اس کے سامنے آنے پر (آپ) اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگ گئے اور اس کی درخواست قبول فرمائی۔" چچ نے کہا: "ہاں! میں نے اس میں ایسی چیز دیکھی، جس میں کوئی جادو [46] اور شعبدہ نہیں تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو مجھے کچھ (خاص) نشان دکھائی دیئے۔ جب میں اُس کے سامنے بیٹھا تو ایک بھیانک اور خوفناک شکل اس کے سر پر استادہ نظر آئی، اُس کی آنکھیں آگ جیسی اور خشمگین، ہونٹ موٹے اور لٹکے ہوئے اور دانت نیزوں جیسے تھے۔ اس کے ہاتھ میں الماس جیسے ڈنڈے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی کو مارے گی۔ اس کو دیکھ کر میں ڈر گیا اور مجھ سے ممکن نہ ہوا کہ اس (پروہت) سے اس طرح کی بات کروں کہ جو تم مجھ سے سن چکے ہو، مجھے اپنی جان کی پڑی تھی اس لئے اسے رعایتیں دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔"

چچ کا برہمن آباد میں ٹھہر کر وہاں کے باشندوں پر محصول مقرر کرنا

پھر چچ نے برہمن آباد کے قلعے میں ٹھہر کر ملک کے کاروبار آمدنی اور رعایا کی بہبود کے ذرائع درست کئے اور لوہانہ کے جتوں[1] کو ذلیل کر کے، اُن کے سربراہوں کو سزا دے کر اُن سے ضمانت لی اور قلعے میں بند کر کے ان سے یہ شرطیں قبول کرائیں کہ سوائے کچھ خاص مواقع کے کبھی تلوار نہ باندھیں گے، مخمل اور ریشم کے کپڑے نہ پہنیں گے۔ اُن کے اوپر کی چادر خواہ سوتی ہو لیکن نیچے کی چادر (ضرور) اونی، سیاہ یا سرخ رنگ کی ہوگی، گھوڑوں پر زین (کاٹھی) نہ رکھیں گے، ننگے سر اور ننگے پیر رہیں گے، گھر سے باہر نکلیں گے تو کتے اپنے ساتھ رکھیں گے، برہمن آباد کے گورنر کے باورچی خانے کے لئے لکڑیاں فراہم کرتے رہیں گے۔ رہبری اور جاسوسی کے لئے

1. فارسی ایڈیشن میں "جتان ولوہانہ" کی عبارت درج ہے۔ نسخہ (پ) کی عبارت "جتان لوہانہ" یعنی "(علاقہ) لوہانہ کے جت" ہے جو کہ زیادہ قریب قیاس ہے، اس لئے اسی کو درج کیا گیا ہے۔ صفحہ 214 پر بھی صاف طور پر عبارت "جتان لوہانہ" لکھی ہے۔ (ن-ب)

بھی انہی کو بھیجا جائے گا۔ (اس طرح) جب وہ اپنے میں یہ صلاحیتیں پیدا کریں گے اور جب کوئی دشمن جنگ کے لئے [47] اس ملک کی طرف رخ کرے گا، تو وہ (سربند) کی مدد کرنا خود پر فرض سمجھ کر اس کا دفاع کریں گے۔

پھر سارے کام ختم کر کے ملک کا انتظام درست کیا اور جس نے بھی مخالفت یا سرکشی کی (اسے سزا دے کر) دوسروں کے لئے مثال قائم کرتا گیا اور ضمانتیں لے کر قابو میں لاتا گیا جس کی وجہ سے (آخرکار) ملک کا سارا کاروبار ٹھیک ہو گیا۔

راجہ چچ کا کرمان جا کر مکران کی حد واضح کرنا

ضروری کاموں سے فارغ ہو جانے کے بعد چچ کے دل میں کرمان کی سرحد کا خیال پیدا ہوا۔ اس وجہ سے کہ یہ حصہ ہندستان کی مملکتوں سے ملحق ہے اس لئے اُس کے حدود کا تعین ضروری ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کو دو سال گذر چکے تھے۔ (ادھر) ایران کے بادشاہ کسریٰ بن ہرمز کے مرنے کے بعد ملک پراگندہ ہو چکا تھا، کیونکہ (وہاں) عنانِ حکومت ایک عورت کے ہاتھ آ گئی تھی (چنانچہ) چچ کو جب اس کی خبر ملی تو اس نے بڑے جاہ و حشم کے ساتھ کرمان کا رخ کیا اور نجومیوں نے جو (نیک) ساعت بتائی اُس پر ارمائیل کی طرف کوچ کیا۔ یہ علاقہ بدھ مت کے اس شمنی (پروہت) کے زیرِ اقتدار تھا کہ جو ہندوستان کے راجہ سیہرس رائے کے گورنروں کی اولاد میں سے تھا اور جسے (اس کی) دیانت اور صداقت کی خصوصیتوں کے پیشِ نظر (وہاں) مامور کیا گیا تھا، لیکن زمانے کے تغیر و تبدل کی وجہ سے وہ خودسر ہو گیا تھا اور خدمت سے سرکشی اختیار کر لی تھی۔

(وہ پروہت) چچ کے استقبال کے لئے آیا اور جب اسے (چچ کے) وعدے اور دل کی صفائی کا اطمینان ہوا اور (باہمی) دوستی سے دونوں کے دلوں میں جگہ پیدا ہو گئی تو پھر (چچ) وہاں سے مکران کی سرزمین کی طرف روانہ ہوا۔ (راستے میں اس نے) دیکھا کہ (یہاں کا) ہر آدمی اس کی اطاعت سے کترا رہا ہے۔ آخرکار [48] مکران کے پہاڑ اور درّے [1] سے گذر کر وہ دوسرے شہروں کی طرف جا پہنچا۔ وہاں چچ پور [2] نام کا ایک پرانا قلعہ تھا، جسے اس کے حکم سے نئے سرے سے تعمیر کیا گیا اور وہاں بجنوری یعنی پانچ سازوں والی نوبت مقرر کی جو کہ ہندوؤں کی رسم کے مطابق شام اور پو پھٹنے کے اول وقت بجائی جاتی ہے۔ پھر اس اطراف کے سارے دھقانیوں کو

1. اصل عبارت "عقبہ مکران وکوہ" ہے۔
2. اصل عبارت جملہ نسخوں میں "کنرپوزیا" اس کی بگڑی ہوئی صورت ہے اس اصلاح کے لئے دیکھئے آخر میں حاشیہ ص 49 (ن ب)

بلاکر عمارت کے مکمل کرنے کا حکم دے کر وہاں سے کوچ کیا اور اس نہر کے کنارے جاکر خیمہ زن ہوا، جو مکران اور کرمان کے درمیان ہے۔ اس مقام کو اس نے مشرقی سرحد قرار دیا اور نہر کے کنارے کھجوروں کا ایک بڑا جھنڈ لگا کر (اعلان کیا کہ) مکران اور کرمان کی سرحد یہ کھجوروں کے درخت ہیں اور ان پر نشان لگادیا کہ یہ چچ بن سیلائج بن بساس سندھ کے راجا کے زمانے میں مقرر ہوئی یہی حد اس وقت تک قائم ہے۔[1]

چچ بن سیلائج کا ارمابیل جانا اور وہاں محصول مقرر کرنا

اس کے بعد (چچ) ارمابیل کی طرف لوٹا اور ملک توران سے (گذرتا ہوا) پورالی (ندی)[2] کے قریب سے اوپر کی طرف گیا۔ (راہ میں) کسی نے بھی اس سے جنگ نہیں کی (اور اس طرح وہ آخر قندابیل (یعنی قندھار) تک جا پہنچا۔ اس کے بعد اسی بیابان وادی سے (اس نے) حصار کی طرف رخ کیا۔ (لیکن) وہاں کے لوگ قلعہ بند ہوگئے، اس لئے وہ نہر سینی[3] پار کرکے اس کے کنارے جم گیا یہاں تک کہ (محصور) لوگ تنگ آگئے اور انہوں نے اپنے اوپر سو پہاڑی گھوڑے اور ایک لاکھ درم سالانہ خراج مقرر کیا۔ (چنانچہ چچ نے) ایک سال کا خراج پیشگی لے کر مستقل قائم کی اور پھر وہاں سے تخت گاہ اروڑ کو واپس آگیا اور (جہاں وہ اس وقت تک مقیم رہا جب تک اس کی روح جسم سے علیحدہ ہوکر جہنم کی جانب روانہ ہوگئی۔ اس کا دور حکومت چالیس سال تھا۔

دارالحکومت اروڑ میں چندر بن سیلائج کی تخت نشینی

چچ بن سیلائج کی وفات کے بعد اس کا بھائی چندر تخت نشین ہوا (یہ بڑا دین دار شخص تھا چنانچہ) اپنے مذہب کی طرف (پوری طرح) متوجہ ہوا۔ اس کی بے حد تبلیغ کی۔[4] بھکشوں اور پروہتوں کے دھرم کو تقویت پہنچا کر ترقی دی اور ہندوستان کے بادشاہوں کے ساتھ خط و کتابت جاری کی۔[5]

---

1. اصل عبارت "وامروز ہماں حد بجا رسید" ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فقرہ مترجم علی کوفی کا ہے اور اس کا اشارہ مکران اور کرمان کی سرحد کے متعلق ہے جو ناصر الدین قباچہ کے عہد میں قائم تھی۔ (ن-ب)
2. فارسی ایڈیشن اغلاط نامہ ص290 کے مطابق صحیح عبارت اس مقام پر "بردست پورالی" ہونی چاہئے۔ (ن) کی عبارت "بردست تورالی" ہے اور اسی لحاظ سے "بردشت تورانی" بھی بہترین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ (ن-ب)
3. نسخہ (م) میں "سینی"، (ن) میں "کیتی"، (ب) (س) میں "کنی" اور (ک) میں "زنٹین" ہے۔
4. نسخہ (ن) میں "تبلیغ" ہے۔ فارسی ایڈیشن کی عبارت یوں ہے "وتیغ بسیار فراہم آورد۔"
5. اصل عبارت یہ ہے "بکتوبات و مراسلات از ملوک ہند باز گرفت"۔ مندرجہ بالا ترجمہ اس فقرے کا صحیح مفہوم ادا کرنے کے لئے دیا گیا ہے ورنہ لفظی ترجمہ یہ ہوگا: "ہندوستان کے بادشاہوں سے خطوط و مراسلات واپس لے لئے۔" ممکن ہے اس سے یہ مراد ہو کہ کیے ہوئے عہدنامے واپس لے لئے واللہ اعلم۔ (ن-ب)

سیوستان کے بادشاہ ''متو'' کا جانا

(یہ حال دیکھ کر) سیوستان کا راجہ ''متو''، قنوج کے راجہ کے پاس گیا۔ اس وقت ہندوستان کا بادشاہ بارانسی تھا اور قنوج پر سیہرس بن راسل کی حکومت تھی۔ متو نے اس کی خدمت میں جا کر بیان کیا کہ چچ بن سیلائج وفات پاچکا ہے اور اب اس کا بھائی چندر تخت نشین ہوا ہے۔ (چونکہ) وہ ایک بھگت ہے اور سارا دن بھگتوں کے ساتھ مندر میں درس و تدریس میں مشغول رہتا ہے۔ اس لئے اس سے بادشاہت چھین لینا آسان ہے۔ (اب) اگر بادشاہ یہ ملک فتح کر کے میرے حوالے کرے تو اس کے معاوضے میں، میں اپنے اوپر خراج مقرر کرنے کے لئے تیار ہوں جو کہ (حسب وعدہ) خزانے میں پہنچاتا رہوں گا۔ [50]

سیہرس کا جواب

اس سے (اتفاق کرتے ہوئے) سیہرس نے متو سے کہا کہ ''چچ ایک عظیم بادشاہ اور وسیع ملک کا مالک تھا (بے شک) اس کے مرجانے کے بعد اب اگر میں اس کی سلطنت فتح کرلوں گا تو میرے ملک کی بڑی شہرت ہوگی (پھر) تجھے بھی میں اس کے ایک حصے پر (حکمران) مقرر کروں گا۔ (پھر) سیہرس نے اپنے بھائی برہاس بن کسائس کو روانہ کیا چچ اکبر[1] کے پوتے[2] نے جوکہ کشمیر اور رمل کا راجا تھا، اس کی اطاعت قبول کی (جس کے بعد دونوں) اپنے لشکر لے کر روانہ ہوئے اور دریائے ہاسی کے قریب پہنچ کر منزل انداز ہوئے۔ قلعہ دیوہ پور[3] میں چندر کے جو امیر رہتے تھے وہ روپوش ہوگئے۔ (چنانچہ اُن کی جگہ) اپنے آدمی مقرر کر کے وہ آگے بڑھ گئے اور آخر آکر بندکاہویہ کے قریب پہنچے۔ یہاں ایک مہینہ ٹھہر کر (انہوں نے) بدھ کی پرستش کی۔ (پھر) چندر بن سیلائج کے پاس قاصد اور خط بھیجا کہ آکر فرمان برداری کی شرطیں پوری کرے اور امان کا طلب گار ہو۔ چندر نے یہ سن کر انکار کیا اور قلعہ بند ہو کر جنگ کی تیاری کرنے لگا اور دہرسینہ بن چچ کو برہمن آباد بھیج دیا، جہاں لوہانہ کے آدمیوں نے اس کی خدمت میں سر جھکایا، اور خود داہر بن چچ کے ساتھ اروڑ کے قلعے میں استقلال کے ساتھ ڈٹا رہا۔ سیہرس کے لشکر نے طویل مدت تک قلعے کا محاصرہ جاری رکھتے ہوئے جنگ کی، مگر وہ قلعے والوں پر فتح نہ پاسکا، تب

---

1. یہاں معلوم ہوتا ہے کہ اس چچ سے پہلے بھی کوئی دوسرا چچ ہندوستان کا راجہ ہو گذرا ہے کہ جس کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔ (مترجم)
2. اس کا نام بھی راسل تھا جیسا کہ ص52 سے ظاہر ہے۔ (مترجم)
3. اصل فارسی متن میں ''دیو دہور'' ہے (وضاحت کے لئے دیکھئے حاشیہ صفحہ 51)

اس نے صلح کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کسی ترکیب سے داہر کو باہر لاکر قید کرنا چاہا۔ (انہوں نے سمجھا کہ اگر وہ اسے گرفتار کرلیں گے یا قتل کرڈالیں گے تو پھر قلعہ ان کے قبضے میں آجائے گا اور سلطنت (پر بھی) ان کا اقتدار ہوجائے گا۔ [51]

سکھرس کا داہر بن چچ کے پاس قاصد بھیجنا

(چنانچہ) پھر راسل اور برہاس نے قاصد بھیجا کہ "ہمارا ارادہ واپس جانے کا ہے، اس وجہ سے تمہارے ساتھ پختہ عہد نامہ کرنا چاہتے ہیں، تاکہ یہ ملک تمہاری حکومت کے ساتھ قائم رہے۔ ملاقات کے بعد ہم داہر کو عزت و تکریم کے ساتھ واپس کریں گے۔ (اس پر) داہر پانچ سو مسلح نامور اور منتخب بہادر ٹھاکروں کو ساتھ لے کر طرفین کے مابین صلح کی شرطیں استوار کرنے کے لئے باہر نکلا۔ باہر آکر اس نے اپنے خاص لوگوں سے کہا کہ ہمارا بھروسہ صرف تمہاری بہادری اور ہوشیاری پر ہے۔ (غرض اس طرح کی باتوں سے) سبھوں کے دلوں کو تقویت دیتے اور بہترین وعدوں سے سبھوں کی ہمتیں بڑھاتا ہوا راسل کے سرائے کے دروازے پر جا پہنچا۔ راسل نے انہیں دروازے پر رکنے کا حکم دیا اور اپنے ایک حاجب کو بلا کر کہا کہ نیچے جاکر داہر کے سپاہیوں سے کہو کہ تمہاری تلواریں جوہردار ہیں، اس لئے اپنے ہتھیار اوپر بھیج دو تاکہ میں تمہاری تلواروں میں سے ایک کو پسند کرکے اپنے پاس یادگار کے طور پر رکھوں۔ جب سب ہتھیار دے چکیں تو سب کو قید کرلینا اور دوسری صورت میں قتل کر ڈالنا۔ وزیر اس بہانے سے نیچے آیا اور ایک محراب کے نیچے آکر کھڑا ہوگیا اور جوں ہی اُن سے ہتھیار دینے کا مطالبہ کیا (ابھی وہ ہتھیار دینے میں ہی تھے کہ) اچانک محراب گر پڑی اور حاجب اس کے نیچے دب کر رہ گیا۔ (یہ حال دیکھ کر) راجہ راسل خود نیچے آیا اور سب کو اپنے سامنے بلایا، ہر ایک سے ہتھیار لے کر دیکھتا، اور پھر اس کے سامنے ڈالتا چلا گیا، یہاں تک کہ داہر بن چچ کے قریب پہنچا (اور) داہر سے کہا کہ "اپنی تلوار مجھے دکھا"۔ داہر نے جواب دیا کہ: "اے بادشاہ! یہ خنجر میرے بھائی کا ہے، جسے میں اپنے سے [52] جدا نہیں کرسکتا۔ (اگر دیکھنا ہے تو) میرے ہاتھ میں اچھی طرح دیکھ لے۔" جب وہ قریب پہنچا تو داہر کے ایک بہادر نے آگے بڑھ کر کہا کہ "اے بادشاہ! ان ساری تلواروں سے میرا خنجر بہتر ہے۔" راسل جوں ہی اس سے تلوار لینے کے لئے آگے بڑھا تو (اس) بہادر نے مست شیر کی طرح جست کرکے راسل کو اس کی داڑھی پکڑ کر زمین پر دے پٹکا، اور اس کے سینے پر چڑھ کر کہنے لگا کہ "کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے فنا کردوں؟" (اسی اثنا میں) داہر اور (دوسرے) ٹھاکروں نے تلواریں سونت کر چاروں طرف

سے اُسے گھیر لیا۔ راسل نے بے بس ہو کر کہا "(آخر) تم کیا چاہتے ہو، میں تم سے پختہ عہد نامہ کرتا ہوں جو کہ بالکل سچا ہوگا اور اس کے ذرہ بھر خلاف نہ ہوگا۔" داہر نے کہا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ تو ہمارے ساتھ فریب کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے ہمیں تیری بات پر کوئی بھروسہ نہیں۔ دھوکہ اور بے اعتقادی کی سزا پہلے تیرے حاجب کو ملی جو کہ محراب کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا، اور اب تو ہمارے ہاتھ گرفتار ہوا ہے۔ اب ضمانت دے کر دیوہ پور کا قلعہ اور ہماری جو ضمانتیں تیرے پاس ہیں وہ واپس کرے گا، اس کے بعد (ہی ہم) تیری ضمانت واپس کریں گے۔" (پھر) راسل نے اپنے ضامن اروڑ بھیجے جن میں سے پانچ مشہور سربراہ اروڑ کے قلعے میں روک لئے گئے۔ اس کے بعد عہد لے کر (راسل کو) چھوڑا گیا۔ داہر نے ان (راسل کے ضامنوں) کو پانچ سو بہادروں کے ساتھ برہمن آباد بھیجا اور راسل، داہر کے معتمدوں کو اپنے ساتھ لے گیا اور قلعہ اُن کے حوالے کیا اور جو آدمی اُس کی قید میں تھے، ان سب کو بھی آزاد کر دیا۔ جب قلعے سے (ان) معتمدوں کے خطوط داہر کو موصول ہو گئے تب اس نے راسل کے ضامنوں کو باعزت طریقے پر واپس بھیج دیا اور ان کے درمیان صلح اور دوستی ہو گئی۔

چندر کا چچ بن سیلائج کے تخت پر بیٹھنا

اس طرح سلطنت پھر چندر کے حوالے ہوئی اور رعیت رعایا اُس کی خبر گیری کی وجہ سے آرام سے رہنے لگی اور کاروبار مملکت پھر درست ہو گیا۔ چندر کی بادشاہی سات سال تک رہی اور آٹھویں سال [53] وہ انتقال کر گیا۔ (چنانچہ) داہر اروڑ کے تخت پر بیٹھا اور چندر کا بیٹا راج برہمن آباد میں جانشین ہوا۔ راج کی حکومت ایک سال سے زیادہ نہ رہی اور اس کے بعد دہرسینہ بن چچ برہمن آباد کو اپنے قبضے میں لایا اور اس کی بہن ماہین نے بھی اس سے اتفاق کر کے اس کی بیعت کی۔ اس کے بعد دہرسینہ نے اکھم کی بیٹی سے شادی کی اور پانچ سال وہاں رہا اور چاروں طرف پروانے جاری کئے، جس پر سب نے اس کی اطاعت اختیار کی۔ (پھر) دہرسینہ کچھ دنوں راوڑ[1] کے قلعے میں جا کر رہا۔ اس قلعے کی بنیاد چچ نے رکھی تھی اور وہ اس کے مکمل ہونے سے پہلے وفات پا گیا تھا۔ (دہرسینہ نے) اس قلعے کی تعمیر مکمل کر کے آس پاس کے دہقانیوں کو بلایا اور (ان میں سے) اچھے اچھے آدمیوں کو اس (قلعے) میں آباد کر کے اس کا نام راوڑ رکھا۔ پھر خود برہمن آباد قلعے میں واپس چلا آیا اور سلطنت کے کاروبار میں مصروف ہو گیا۔

---

1. اصل تلفظ "راوڑ" ہے۔

دہر سینھ کا اپنی بہن کو بھاٹیہ کے رائے کے حوالے کرنے کے لئے اروڑ بھیجنا

(کچھ دنوں کے بعد) دہر سینہ نے محسوس کیا کہ اس کی بہن ماٹین جوان ہوگئی ہے۔ چنانچہ وہ متفکر ہوگیا۔ ادھر نجومیوں نے ماٹین کا زائچہ دیکھ کر بتایا کہ اس کا ستارۂ اقبال اوج پر ہے۔[1] دہر سینہ ابھی اسی فکر میں تھا کہ رل کے راجہ سوبھن رائے بھاٹیہ کا قاصد اس کے پاس ماٹین کا رشتہ لے کر پہنچا۔ دہر سینہ اگرچہ اس کا بڑا بھائی تھا مگر پھر بھی بہن کا شاہانہ جہیز تیار کرکے سات سو گھوڑے اور پانچ سو ٹھاکر اس کے ساتھ روانہ کرکے اُس نے داہر کو لکھا کہ ماٹین کو بھاٹیہ کے راجہ کے حوالے کردے اس رشتہ کے سلسلے میں سوبھن رائے کی شرط یہ ہے کہ جہیز میں اسے ایک قلعہ دیا جائے جس کا وہ مالک رہے گا۔ [54]

پس جب قاصد اروڑ پہنچا اور (ماٹین کو رخصت کرنے میں) صرف ایک ماہ کی مدت رہ گئی تھی کہ راجہ کے کسی خاص آدمی نے ایک دن ہندوستان کے ایک حکیم جس کو علم نجوم میں کمال مہارت حاصل تھی، کوئی سوال پوچھا، جس کے متعلق اس کا بتایا ہوا جواب بالکل ٹھیک نکلا۔ وہ آدمی (جب) راجہ داہر کے پاس آیا تو راجہ نے اُس سے پوچھا "ٹھاکر آج تم کس مہم میں مشغول تھے جو دیر سے آئے ہو۔ کیا وہ کام ہماری خدمت سے بھی زیادہ مقدم تھا۔" ٹھاکر نے کہا "راجہ سلامت رہے! مجھے ایک ایسا ہی ضروری کام پیش آگیا تھا، جس کی وجہ سے میرا دل پریشان اور متفکر ہوگیا۔ برہمنوں میں ایک نجومی ہے جو کہ بڑا عالم اور نجوم میں یکتا ہے (وہ) حکمی نتائج بتاتا ہے اور اس کی دلیلیں تجربے کے عین مطابق ہوتی ہیں۔ (پھر اس نے اپنا معاملہ) مفصل بیان کیا اور جو واقعہ تھا وہ من وعن پیش کیا۔ اس پر داہر نے کہا: "ہمارے سفر حضر، بادشاہی کی رونق اور حکومت کے انتظام کے متعلق اس سے جاکر پوچھو۔" اس آدمی نے اُٹھ کر عرض کیا "راجہ سلامت رہے! کامیابی کے وقت راجاؤں کو حکیموں کی صحبت اور عالموں، ادیبوں اور برہمنوں کی رفاقت سے عار نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ ہمارے امام ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کی تعظیم بجالانے کی کوشش کرنا لازمی جاننا چاہئے۔ کیونکہ ان کی خوشنودی، عزت اور مرتبے کی ترقی اور عظمت وحشمت کے لئے باعث دوام ہے۔ اس کے علاوہ فال وہ بہتر ہے جو کہ صاحب واقعہ خود روبرو حاضر ہوکر (معلوم کرے) اور نجومی جواب دیں۔"

1. اصل متن کی عبارت یہ ہے "و میلاد او را منجمان بر طالع سعد نہادند" جس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ "نجومیوں نے اس کی ولادت خوش بخت ستارہ پر رکھی ہے" لیکن چونکہ یہ ترجمہ اپنا مفہوم ادا کرنے کے لئے واضح اور کافی نہیں ہے اس لئے آزاد ترجمہ کرکے مطلب واضح کیا گیا ہے۔

داہر کا بہن کے متعلق حکم پوچھنے کے لئے نجومی کے پاس جانا

داہر کو یہ تقریر پسند آئی (اور اس نے) ہاتھی پر پالکی باندھنے کا حکم دیا اور (پھر اس میں) بیٹھ کر نجومی کے ٹھکانے پر پہنچا۔ نجومی نے راجا [55] کو دیکھ کر استقبال کیا اور کہا "راجہ سلامت رہے! کس کام سے آنا ہوا ہے۔" داہر نے جواب دیا: میرا لشکر کی مصلحت کے متعلق سوال ہے، جس کی وجہ سے آیا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ ملک کی بہتری، سلطنت کے قاعدے قانون اور دوسرے سارے ضروری کاموں کے لئے بھی حساب کرنا چاہئے تاکہ کاموں کے مآل ہمیں روشن ہو سکیں کہ نتیجہ کیا ہوگا۔ نجومی نے کہا "کہ خوش قسمتی کے سارے ستارے تیرے طالع کی طرف دیکھ رہے ہیں اور تربیع [1] یا مقابلے کے پیش نظر کوئی بھی نحس (ستارہ) خلاف نہیں۔ یہ قلعہ اور بادشاہی سالہا سال کے لئے تیرے واسطے مقرر اور مستحکم ہے اور اگر راجہ کو سفر کا اتفاق ہوگا تو وہ بھی مبارک اور سعید ہوگا اور اپنی مسند عظمت و بزرگی پر سلامت واپس آئے گا۔" پھر اس نے پوچھا "ہماری بہن 'مائین' کا طالع کیسا ہے؟"

نجومی کے ارشادات

نجومی نے کہا کہ "حساب کا زائچہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ اروڑ کے قلعے سے باہر نہ جائے گی، اور اس کا رشتہ وہ راجہ طلب کرے گا جس کے قبضے میں ہندوستان کی بادشاہت ہوگی اور یہ لڑکی اس کے عقد میں آئے گی۔"

نجومی نے اسے جب یہ حقیقت وضاحت کے ساتھ بتائی تو داہر فکر میں پڑ گیا کہ یہ کیسے ہوگا۔ (اس نے) گھر واپس آ کر یہ قصہ اپنے باپ کے وزیر بدھیمن سے مفصل بیان کیا۔

وزیر بدھیمن کا راجہ داہر کو مشورہ

وزیر نے کہا کہ بادشاہی کا معاملہ بڑا نازک ہے اور مختلف ملکوں، سرحدوں، فوجوں اور نوکروں چاکروں کے شہنشاہ کے لئے اپنی سلطنت سے ناتہ توڑنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ (مثال) [56] کیونکہ پانچ چیزیں اپنا مقام چھوڑ کر سرسبز نہیں ہوتی ہیں: 1- بادشاہت سے بادشاہ 2- وزارت سے وزیر 3- عمل سے عالم 4- جسم سے بال اور دانت 5- اور عورت کے پستان۔ کہ

---

1. تربیع علم نجوم کا اصطلاحی لفظ ہے جس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ چار ستارے چوکور شکل میں استادہ ہوں اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں۔ (مترجم)

یہ چیزیں جب اپنے مقام سے ہٹ جاتی ہیں تو زیب نہیں دیتیں۔ بادشاہ سلطنت کے لئے بھائیوں اور عزیزوں کی جان لیتے ہیں، ورنہ ملک بدر تو ضرور کردیتے ہیں اور اپنے مقربوں اور تعلقہ داروں کی بھی ملک میں حصہ داری یا مداخلت روا نہیں رکھتے۔ بادشاہ اگر بادشاہی سے کنارہ کرلے تو پھر عام آدمیوں کے برابر ہے۔ (اب) جبکہ نجومی نے یہ حکم (ظاہر) کیا ہے تو بہن کو نکاح میں لاکر اور بیوی بناکر تخت پر بٹھانا چاہئے۔ اگرچہ (تم) اس کی صحبت سے دامن بچائے رہو گے تاہم وہ بیوی کہلائے گی اور اس طرح تیری بادشاہی تیرے پاس رہے گی۔"

اس کے بعد راجہ داہر نے ان پانچ سوٹھاکروں کو بلوایا جوکہ اس کے خاص آدمی اور معتقد تھے اور ان سے کہا کہ "ہر حال میں مجھے تمہاری بہادری اور سمجھداری پر اعتقاد ہے۔ تمہارے مشورے اور نصیحت کے سوا کوئی چارہ نہیں اور سارے ملک میں میرا فرمان تمہاری قوت پر جاری ہے۔ اس وقت نجومیوں نے اس طرح نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مسمات مائیں اس قلعے سے دوسری جگہ نہ جائے گی اور اس کا شوہر وہ ہوگا جس کے قبضے میں اس سلطنت کا کثیر حصہ رہے گا۔ بادشاہی میرے قبضے سے نہ جانی چاہئے۔ اس کے لئے سوچنا ہے (کیونکہ) بادشاہی سے رشتہ توڑنا مشکل بات ہے۔ وزیر بدھیمن نے ایک مشورہ دیا ہے مگر وہ بڑا شرم ناک، ناخوشگوار [57] اور برہمنوں کے خاندان کے لئے باعث بدنامی ہے، اور جب یہ بری بات بادشاہان وقت اور عوام کی زبان پر آئے گی تو وہ ہمیں اپنی برادری سے خارج کردیں گے، جس کی وجہ سے میرے طریقے میں خلل پیدا ہوگا۔

وزیر بدھیمن کا طلسم

وزیر بدھیمن گھر آیا اور ایک دُنبے کو لاکر اس کے بالوں پر ریت اور رائی چھڑک کر شبانہ روز اس پر پانی چھڑکتا رہا یہاں تک کہ وہ پھول گیا۔ پھر اسے باہر نکال دیا۔ چھوٹے، بڑے، شہری اور دیہاتی سب اسے بڑے تعجب سے دیکھنے لگے یہاں تک کہ تین دن گذر گئے۔ اس کے بعد وہ دنبہ سارے شہر میں گھومتا رہا مگر کسی نے اس پر توجہ نہ دی اور اسے بھول گئے۔ وزیر نے کہا "اے بادشاہ! جو بھلی بُری بات ہوتی ہے، وہ لوگوں کی زبان پر تین دن تک رہتی ہے اس کے بعد کوئی بھی اس کی نیکی یا بدی کو یاد نہیں کرتا۔ تم کسی طرح بادشاہی سے قطع تعلق کرلینا نہیں گوارا کرسکتے اور اپنے دل میں اس کا (قطعی) فیصلہ کرچکے ہو۔ یہ جماعت تیرے حکم سے سرتابی کرنے والی نہیں ہے۔ اس لئے تجھے یہ کام ضرور کرنا چاہئے۔" پھر داہر نے ان پانچ سوٹھاکروں سے ان کی رائے پوچھی جن کے قول پر وہ ہمیشہ اعتماد رکھتا تھا اور وہ خود بھی اس کے حکم کے گرویدہ اور اس

کے جملہ اقوال و افعال سے متفق رہتے تھے۔ سب نے اتفاق کیا کہ راجا کا حکم ہماری جانوں پر جاری ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بادشاہوں کی طراوت بادشاہی سے ہے اور اگر یہ سلطنت چلی جائے تو پھر بھائی کو پہنچے یا غیر کو، (کوئی بھی فرق نہیں ہے) جب اس بات پر سب متفق ہو گئے اُس وقت (داہر محل میں) گیا اور جا کر اپنی بہن کے سر پر چادر ڈالی اور اسے انگوٹھی اور دوسرے زیورات پہنا کر اپنی تلوار اس کے پہلو میں رکھی۔ (اس کے بعد) تلوار سمیت باہر آیا اور اس کے چادر کے پلو کو اپنی چادر سے باندھ کر تخت حکومت پر اسے اپنے برابر چھتری کے نیچے لا بٹھایا اور یہ بات عوام اور خواص کی زبانوں پر آ کر مشہور ہو گئی۔

داہر کا دہر سینھ کے پاس تعظیم کے ساتھ خط لکھ بھیجنا

پھر داہر نے اپنے بھائی دہر سینہ کے پاس بصد تعظیم خط بھیجا جس میں مائیں کے ستارے کا حال درج کیا کہ "نجومیوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑکی اروڑ کی ملکہ ہوگی اور اس کا شوہر راجہ ہوگا جس کے قبضے میں یہ ملک آئے گا۔ اس وجہ سے (سب کے) مشورے سے میں نے بادشاہی کے خاطر یہ ننگ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ معذرت کی جاتی ہے کہ یہ مصلحت خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری سے اختیار کی گئی ہے۔ معاف فرمائیں۔"

داہر کا خط دہر سینھ کو پہنچنا

جب یہ خط دہر سینہ کو ملا تو اس نے جواب لکھا کہ یہ بات بری تھی اور یہ فعل ناپسندیدہ۔ خواہ ضرورت سے ہو یا با اختیار، تو کسی بھی حالت میں معذور نہیں تھا۔ اگر یہ ممنوع اور ناجائز فعل (صرف) بادشاہی کے لئے جائز سمجھا ہے، تاکہ تیری دنیاوی بادشاہت قائم رہے (تو) تیرے لئے کوئی چارہ نہیں۔ لیکن اگر شیطانی وسوسے کی وجہ سے (تو نے) اس باب کو شروع کیا ہے (تو پھر) تجھے (فوراً) باز آنا، توبہ کرنا اور پشیمان ہونا چاہئے۔ تاکہ تو ہمارے دین سے خارج نہ ہو جائے اور ہمیں تجھ سے بیعت نہ توڑنی پڑے اور اگر تو ان نصیحتوں پر بھی اس نامعقولیت سے باز نہ آئے گا تو باز پرس کا [59] سزاوار ہوگا، جس کی وجہ سے تجھے تکلیف پہنچے گی اور تجھے تیرے ناپسندیدہ کاموں کی جو بھی سزا ملے، اسے تجھ کو اپنے ہی طرف سے سمجھنا چاہئے۔" پس جب دہر سینہ کا خط داہر کو ملا تو (اس نے) دل میں اپنے بھائی دہر سینہ کے پاس جانے کا خیال کر کے وزیر سے مشورہ کیا کہ کیا میں "برہمن آباد جاؤں، تیرے نزدیک کیا مناسب ہے؟"

وزیر بدھیمن کا داہر کو روکنا

وزیر بدھیمن نے کہا: "راجہ سلامت رہے! یہ رائے قائم کرنے میں آپ نے بڑی غلطی کی ہے جس کی کسی بھی تدبیر سے تلافی نہ ہو سکے گی اور جس کے نتیجے کو جس طرح بھی روکا جائے گا وہ (بالآخر) جان کی ہلاکت کا سبب ہوگا۔ اگر آپ بھائی کے سامنے ہونا ہی چاہتے ہیں تو پھر (آپ کو اپنی) زندگی سے ہاتھ دھولینا چاہئے اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا بھائی آپ کی مخالفت نہ کریگا تو یہ ایک بڑا محال (امر) ہے، جسے آپ نے دل میں جگہ دی ہے، کیونکہ ملک، زمین اور زن کے معاملے میں شرکت اور حصہ داری نہیں ہو سکتی بلکہ (اس میں) جان کا خطرہ اس حد تک ہوتا ہے کہ بیٹا باپ پر اور باپ بیٹے پر اعتماد نہیں کرتا۔ اگر آپ اس بات کا مصمم ارادہ کر چکے ہیں تو پھر (آپ کو) اپنی زندگی سے ہاتھ دھولینے چاہئیں۔ لیکن مجھے یہ کسی طرح بھی بہتر نہیں نظر آتا۔" داہر نے کہا کہ "پھر ہماری بھلائی کس (بات) میں ہے؟" وہ بولا "آپ کی بہتری اس بات میں ہے کہ آپ اپنے بھائی کے ساتھ ملنے جلنے اور بیٹھنے اٹھنے سے احتراز کریں، قلعہ بندی کو لازمی جانیں اور جیسا بھی نجومی اور ساحر کہیں اس پر عمل کریں اور ان کی نصیحتوں کے تابع رہیں ورنہ اس سلسلے میں کوئی دوسرا حیلہ کارگر نہ ہوگا۔

(چنانچہ) داہر اس مشورے پر مضبوطی سے جم گیا [60] اور قلعہ بند ہو کر غلہ، چارہ اور لکڑیوں وغیرہ کی فکر کرنے لگا اور ان کا ذخیرہ کر لیا اس کے علاوہ مزید سامان جنگ اور ہتھیار وغیرہ فراہم کر کے مستعد اور منتظر بیٹھ گیا۔

داہر کا دہرسینھ کو خط بھیجنا

اس کے بعد داہر نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ دہرسینہ کے پاس ایک خط لکھا کہ اگرچہ ماہین کو ہمارے باپ سے نسبت ہے لیکن (اصل میں) وہ جتوں کی بیٹی ہے[1] جو کہ سرکش اور جرائم پیشہ ہیں۔ خصوصاً جتوں کی عورتیں۔ اگر حقائق پر غور کرو گے تو (تمہیں معلوم ہوگا کہ) وہ (ہرگز) اعتماد اور بھروسے کے لائق نہیں ہیں اور امانت و پرہیزگاری سے (کوسوں) دور ہیں۔ (چنانچہ) ہندی میں مثل مشہور ہے کہ "جس نے بھی بھیڑ کی ٹانگ پکڑی، اس نے اسے دودھ لیا اور جس نے بھی جتنی عورت کا ہاتھ پکڑلیا، وہ اس پر سوار ہوا۔" (بہرحال) چونکہ (ماہین کا) مزاج

1۔ داہر کی یہ تاویل عجیب ہے، کیونکہ اس سے پیشتر ص 68 پر بیان کیا گیا ہے کہ رانی سوہنی دیوی کے بطن سے دو بیٹے، داہر اور دہرسینہ اور ایک بیٹی ماہین پیدا ہوئی تھی۔ (مترجم)

اجنبی ہے اس لئے اس سے نکاح جائز تھا۔ (اب تم) یہ نصیحتیں کرنا چھوڑ دو (لیکن) اگر تمہیں اس بارے میں (اب بھی) کوئی شک وشبہ ہو تو میں سخت قسم کھا کر عہد واثق کرتا ہوں کہ ہر حالت میں میں تمہارا فرمانبردار رہوں گا۔ اروڑ کے قلعے میں، میں تمہارے ایک گورنر کی حیثیت سے ہوں نہ (کبھی میں) تمہاری مخالفت کروں گا اور نہ (کبھی تم سے) مقابلہ کروں گا۔ زیادہ ادب۔

دہرسینھ کا داہر کو گرفت میں لانے کے لئے اروڑ جانا

جب داہر کا (یہ) خط اس کے بھائی دہرسینہ کو ملا اور اس نے محسوس کیا کہ داہر نے خود کو اس مکاری سے اسے خوش کر کے، آنے سے انکار کیا ہے اور بھائی کی نصیحت نے اس پر کوئی (خاطر خواہ) اثر نہیں کیا، تب اس نے سامان اور سواری تیار کرنے کا حکم دیا اور [61] پھر نیک ساعت دیکھ کر عجلت کے ساتھ روانہ ہوا۔ کتنے ہی دنوں (وہ) خطرناک بیابانوں اور نالوں میں سفر کرتا رہا۔ ہر منزل پر وہ کنویں کھدوا کر اپنی مشکیں اور دوسرے برتن پانی سے لبریز رکھتا تھا تاکہ لشکر سیراب رہے اور پیاسا نہ مرے۔ اس طرح کافی دن انہوں نے راہ میں گذارے اور صبر اور نرمی سے کام لیتے رہے۔ (اپنی اس روش سے دراصل) انہوں نے داہر کو فریب دینا چاہا اور حکمت وترکیب کو کام میں لا کر اُسے اپنے قابو میں لانا چاہا۔ (چنانچہ) وہ جاسوس بھیج کر راستوں اور شکار گاہوں کی نگرانی کراتا رہا تاکہ وہ کہیں نکل نہ جائے۔

(اس طرف) داہر (اگرچہ بظاہر) سارے دن خود کو عیش وعشرت میں مشغول رکھتا تھا (لیکن در پردہ) وہ راستوں اور شکار گاہوں میں جاسوس بھیج کر خبریں حاصل کرتا رہتا تھا اور اُس نے معتمد فوجی سرداروں کو پورے ہتھیاروں سے لیس کر کے چاروں طرف مامور کر دیا تھا۔ (اس کے علاوہ) قلعے کے چاروں دروازوں پر ایماندار اور قابل اعتماد چوکیدار بھی بٹھائے تھے تاکہ وہ سختی کے ساتھ قلعے کے دروازوں کی حفاظت کریں اور چوکنا رہیں۔

(دوسری طرف) دہرسینہ یہ خیال کرتا رہا کہ داہر شاید اپنے کہنے پر پشیمان ہوا ہے (چنانچہ) جب وہ تین دن کی مسافت پر آ کر ٹھہرا تو اُس کے جاسوسوں نے اسے آ کر خبر دی کہ داہر بن چچ اور اس کا لشکر سارا دن عیش وعشرت اور لہو ولعب میں مشغول رہتا ہے اور دہرسینہ کی جانب سے انہیں کوئی بھی خدشہ نہیں ہے۔

دہرسینہ کی داہر کو قابو میں لانے کی کوشش کرنا

(یہ خبر سن کر) دہرسینہ کو طمع ہوئی کہ جب وہ غافل ہے تو شاید یہ قلعہ (آسانی سے) ہتھے

چڑھ جائے گا۔ چنانچہ اس نے کوشش کی اور یلغار کرتے ہوئے ایک دن اور رات میں بیس فرسنگ کی مسافت طے کر کے صبح کے وقت [62] اروڑ (جا) پہنچا۔ داہر اس وقت شکار پر جانے کے لئے تیار تھا۔ گھوڑا اس کے سامنے لایا گیا، اسی وقت اچانک ایک سوار ظاہر ہوا جس کے ارد گرد اور بھی سوار تھے۔ (ان) سواروں کے قلعے کی دروازے پر پہنچتے ہی دروازے بند کر دیئے گئے اور لوگ ہتھیار لے کر فصیلوں پر چڑھ گئے۔ اس طرف دہر سینہ (بھی) قلعے کے دروازے پر آ کھڑا ہوا، اور دربان سے کہا کہ دروازہ کھولو، تا کہ میں اندر آؤں، لیکن قلعے والوں نے دروازہ نہ کھولا اور جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ دہر سینہ نے داہر کے پاس پیغام بھیجا کہ "میں لڑائی جھگڑے کے لئے نہیں آیا (بلکہ) یہ قلعہ میرے باپ کی تخت گاہ تھا اور اس سے مجھے ورثے میں ملا ہے اور تجھے میرے ہاتھ سے حکومت ملی ہے۔ بادشاہی میری ہے اور میری طرف سے تو اس کا گورنر ہے۔ ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں ہوا کرتے (اس لئے) تجھے اس بادشاہت سے دستبردار ہو کر قلعہ میرے معتمدوں کے حوالے کر دینا چاہئے۔" داہر نے کہلا بھیجا کہ "تم قریب نہ آؤ اور باہر جا کر خیمہ زن ہو اور اپنے بھروسے کے آدمی بھیجو تا کہ مجھے اعتماد ہو اور میں باہر نکل کر قلعہ تمہارے حوالے کروں۔" دہر سینہ نے جب دیکھا کہ وہ مقابلے کے لئے تیار ہے اور یہ حیلہ کارگر نہیں ہوا تو مہران کے پاس جا کر اس نے پڑاؤ ڈالا اور پھر داہر کو گرفتار کرنے کی فکریں کرتا اور دل میں منصوبے تیار کرتا رہا۔ پہلے تو اس سے صلح اور نرمی اختیار کر کے برادری اور قرابت (ظاہر کر کے) تواضع کرتا رہا۔ (اس خیال سے کہ) شاید قلعے سے باہر نکل آئے اور دوسری طرف اروڑ کے سربراہوں اور سرداروں کے پاس آدمی بھیجتا رہا کہ شاید (ان کے ذریعے) وہ اس کی بیعت کر لے (لیکن کچھ بھی) حاصل نہ ہوا۔

داہر کا وزیر سے مشورہ کرنا

پھر داہر نے بدھیمن وزیر کو بلا کر کہا کہ "دہر سینہ خط و کتابت میں اتنی [63] نرمی اور انکسار بجا لاتا ہے کہ مجھے خیال ہوتا ہے کہ میں باہر جا کر اپنے بزرگ بھائی کی رضامندی حاصل کروں، میں سمجھتا ہوں کہ وہ مجھ سے دغا نہیں کرے گا۔" بدھیمن وزیر نے کہا "اے راجہ! اس کے قول پر اعتماد نہ کرنا چاہئے اور اس مکر و فریب میں آ کر اس کا کہنا نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ بادشاہوں کے پاس بہت سے حیلے ہوتے ہیں اور اقرار و قسم تو ان کے فریب کے وہ پھندے ہیں کہ جن سے وہ دشمن کو دام میں پھانستے ہیں اور اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی تواضع کے ساتھ وعدے کرتے ہیں تا کہ ان کی غرض حاصل ہو اور بادشاہی آداب میں تو کہا گیا

ہے کہ دشمن پر مکر اور حیلے سے قابو حاصل کیا جاسکتا ہے اور اس کے ذریعے سے کام نکالنا چاہئے اور جو مصیبت کے پھندے میں گرفتار ہوگا، کوئی حیلہ اس کے کام نہ آئے گا۔ مکر و دغا تو صرف بادشاہوں کے انتقام لینے کے لئے بنے ہیں۔ اس وجہ سے میں ڈرتا ہوں کہ (مبادا) دہرسینہ کے ہاتھوں آپ کو کوئی تکلیف پہنچے یا آپ مکر کے دام میں پھنس کر فریب کے پنجرے میں گرفتار ہوں، جس سے چھٹکارا حاصل کرنا آپ کے لئے مشکل ہو جائے۔" داہر نے کہا کہ "اگرچہ یہ خوف بجا ہے اور (اس سے) بے فکر نہیں ہوا جاسکتا، تاہم وہ میرا حقیقی بھائی ہے اور میں اس سے بھاگ نہیں سکتا۔ چنانچہ (اس نے) جو فرمایا ہے میں اس سے گریز نہیں کرسکتا (اس لئے) میں اس کی خدمت میں حاضر ہوں گا (بشرطیکہ) مجھے یہ اعتماد ہو جائے کہ میں ماسون لوٹ آؤں گا۔" اس پر راجہ دہرسینہ نے پختہ اقرار کے ساتھ قسم نامہ لکھا اور کہا کہ "میں تمہارے اعتماد کی خاطر تنہا آؤں گا اور تم لشکر سمیت باہر آنا، تاکہ میں تمہیں دیکھوں۔"

اس وعدے پر دونوں نے متفق ہو کر وقت مقرر کیا۔ دوسرے دن جب آسمان کے سورج نے مشرق کے اُفق سے اپنا جلوہ دکھایا اور دنیا نے سُرمئی چادر اپنے سر سے اُتاری تو دہرسینہ ہاتھی پر سوار ہو کر اروڑ کے غربی دروازے پر آیا۔ قلعہ دار نے داہر کے پاس معتبر آدمی بھیج کر اطلاع دی کہ دہرسینہ قلعے کے دروازے پر آگیا ہے (اس بارے میں اب) کیا حکم ہے؟ [64] داہر نے کہا کہ "دروازہ کھول کر اسے تنہا اندر لاؤ۔" (پھر) دہرسینہ کو اندر لے جایا گیا۔ داہر نے بدھیمن وزیر کو بلا کر کہا کہ "دہرسینہ قلعے میں آگیا ہے اور اب چونکہ وہ (آگیا) ہے تو مجھے اس کی پیشوائی کے لئے ضرور اس کی طرف جانا چاہئے اور اگر وہ باہر چلنے کے لئے (مجھے) حکم دے گا تب بھی میں حکم عدولی نہ کروں گا۔ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" وزیر نے کہا کہ آپ کو اس کے قول پر اعتماد زیب نہیں دیتا۔ اس کے لشکر کی زبانی جو کچھ سننے میں آیا ہے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ) وہ دھوکہ دینے کی فکر کر رہا ہے۔ اول تو اس کو قلعے میں لانا مصلحت کے خلاف تھا، مگر اب جب کہ وہ آگیا ہے اور وہ تنہا ہے تو میں اس کے قتل کرنے میں مصلحت نہیں سمجھتا جب تک آپ کے درمیان قابل اعتماد و اطمینان عہد نامہ نہ ہو جائے اس وقت تک اسے قید رکھئے۔ دوسری صورت میں یہ سلطنت آپ کی مرضی کے مطابق (نہ) چلے گی۔ میری یہ نصیحت ذہن نشین کر لیجئے کیونکہ آپ کی رائے درست نہیں ہے۔"

دہرسینہ کا ہاتھی پر بیٹھ کر اروڑ کے قلعے میں آنا

آخر کار داہر نے وزیر کا یہ مشورہ (نہ مانا) اور دہرسینہ ہاتھی پر سوار ہو کر اس کے محل کے

دروازے تک آ گیا۔ داہر پا پیادہ اس کے استقبال کے لئے دوڑا اور خدمت بجا لا کر کہنے لگا کہ "محل میں اندر آؤ۔" دہرسینہ نے جواب دیا کہ "میں نہ اُتروں گا" بلکہ "تم ہی ہاتھی پر سوار ہو جاؤ۔ تاکہ باہر چلیں اور کچھ دیر بیٹھ کر ایک دوسرے سے دکھ سکھ کی باتیں کریں تاکہ عوام و خواص کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے درمیان صلح ہو گئی ہے اور اب کوئی اختلاف یا تنازعہ باقی نہیں ہے۔ (یہ اس لئے اور بھی ضروری ہے کہ پھر) کوئی بھی دشمن اور چغل خور ہمارے درمیان نہ آ سکے، یہ بات ساری دنیا میں مشہور ہو جائے اور (اس طرح) ہمارے دشمن سرنگوں اور شرمندہ ہوں اور دوستوں کی مسرتوں میں اضافہ ہو۔ اس ملاقات اور گفت و شنید کے بعد تم بخیر و عافیت اپنی جگہ واپس آ جانا۔" [65]

داہر نے (تو) اس کا یہ حکم بسر و چشم قبول کیا (لیکن) دوسری طرف وزیر بدھیمن کف افسوس ملتا ہوا اس مکر کے نتیجے کے متعلق فکرمند ہو گیا۔

(پھر) دہرسینہ نے فیلبان کو حکم دیا کہ ہاتھی آگے بڑھا تاکہ داہر سوار ہو (چنانچہ فیلبان نے تعمیل کی اور) داہر ہاتھی پر اس کے برابر بیٹھ گیا۔ (فیلبان) نے ہاتھی کو ہنکایا اور دونوں روانہ ہو گئے۔ وزیر بدھیمن گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پہلو میں چل رہا تھا۔ (یہاں تک کہ وہ) آخر کار دروازہ کے قریب آ پہنچے۔ یہاں پہنچ کر داہر پشیمان اور خوف زدہ ہوا اور وزیر بدھیمن کی طرف منھ اٹھا کر بولا کہ "(اب) میرے لئے تمہاری کیا رائے ہے؟ کیونکہ باہر جانا مجھے بہتر نظر نہیں آتا۔" وزیر نے جواب دیا کہ "رائے کو تو آپ نے سرائے ہی میں چھوڑ دیا[1] یعنی گدھا تو قسطنطنیہ میں گنوایا ہے اور قنوج میں ڈھونڈ رہے ہو۔" (داہر نے پھر کہا کہ) آخر کچھ تو بتاؤ کہ (اس وقت) میرے لئے کیا تدبیر ہے؟ کیونکہ میرا جانے کو دل نہیں چاہتا۔ وزیر نے کہا کہ "اس کے سوا دوسری کوئی تدبیر نہیں ہے کہ جب ہاتھی دروازے کے قریب پہنچے تو دروازے کے سردرے[2] کو پکڑ کر آپ اس وقت تک لٹکتے رہیں کہ جس وقت تک ہاتھی باہر نکل جائے۔ پھر ہم دروازہ بند کر کے آپ کو نیچے اُتار لیں گے۔" داہر کو یہ مشورہ پسند آیا۔ (چنانچہ) جب دروازے پر پہنچا اور ہاتھی کا اگلا دھڑ دروازے کے باہر ہوا تو وہ سردرے میں چمٹ کر ہاتھی کی پشت سے جدا ہو گیا۔ ہاتھی کے باہر نکلتے ہی بدھیمن نے قلعہ کا دروازہ بند کرا دیا اور آہستہ آہستہ داہر کو نیچے اُتار لیا۔ (باہر نکل کر) جب دہرسینہ نے پشت کی طرف دیکھا اور داہر کو نہ پایا اور قلعے کے دروازے کو

---

1. یعنی مشورہ کو تو گھر سے نکل کر ہی ٹھکرا دیا ہے۔
2. اصل متن یہ ہے "دست در پیشانی در زن" ہمارے خیال میں پیشانی سے یہاں مراد دروازے کی بالائی چوکھٹ یا سردرا ہے۔ (مترجم)

بند پایا تو اُسے بڑا دکھ ہوا (اور اس صدمے سے) نڈھال ہو کر وہ اپنی چھاؤنی میں آیا۔ ہاتھی سے اُترتے ہی [66] (اس پر) گرمی کا اثر ہوا اور دوسرے دن اس کے جسم پر چھالے نکل آئے اور آخر وہ چوتھے دن وفات پا گیا اور اپنی جان ملک الموت کے سپرد کی۔ (اس حادثے سے) اس کا لشکر فکرمند اور پریشان ہو گیا۔

داہر کو دہر سینھ کی موت کی خبر ملنا

داہر کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اپنے بھائی کی تجہیز و تکفین کے لئے اس نے باہر جانا چاہا (لیکن اس پر) وزیر بدھیمن نے کہا کہ "راجہ سلامت رہے! آپ کو عجلت نہ کرنی چاہئے (کیونکہ اکثر) راجہ اس قسم کا مکر کرتے ہیں اور خود کو مُردہ ظاہر کرتے ہیں۔ (ہوسکتا ہے کہ) جب آپ اُس کے کریا کرم کے لئے جائیں تو وہ دغا کرے اور آپ مصیبت میں گرفتار ہو جائیں (اس لئے) آپ کو توقف کرنا چاہئے (کیونکہ) اس وقت افسوس اور پشیمانی سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (لوگ) مثال دیتے ہیں کہ لومڑی جب دوڑ دھوپ سے عاجز ہو جاتی ہے تو وہ مُردہ بن کر پڑی رہتی ہے پھر جب مُردہ خور پرندے چاروں طرف سے آکر اس کے ارد گرد اکٹھے ہوتے ہیں تب وہ (اچانک) جست کر کے انہیں پکڑ کر کھا جاتی ہے۔ چنانچہ بادشاہ کو دشمن کی جانب سے بے فکر نہ ہونا چاہئے (اور پہلے) کسی معتمد کو بھیج کر (صحیح) حال معلوم کرنا چاہئے تاکہ یہ راز عیاں ہو جائے۔"

(اس مشورے کے مطابق ایک جاسوس دہر سینہ کے لشکر گاہ کی طرف بھیجا گیا) اس جاسوس نے (دور سے دہر سینہ کے) امیروں اور سرداروں کو سوگوار اور عزاداری کے رسموں میں مشغول دیکھا۔ (اس نے) آگے بڑھ کر ان سے پوچھا کہ "مجھے راجہ داہر نے دہر سینہ کا حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا ہے (مگر) میں تمہیں سوگوار دیکھتا ہوں (بتاؤ) کیا معاملہ ہے۔" (یہ سُن کر) ان معزز آدمیوں میں سے دو افراد اٹھے اور اسے دہر سینہ (کی لاش) کے پاس لے گئے (جہاں اس کی موت کی تصدیق ہونے پر وہ تعزیت بجا لایا۔ پھر اس خبر کی مزید تصدیق کے لئے ان لوگوں نے اس قاصد کو دہر سینہ کی انگشتری دے کر فوراً واپس کیا۔

قاصد نے جب یہ خبر داہر کو پہنچائی اور دہر سینہ کی انگشتری اس کے حوالے کی تو وہ بغیر کسی خدشے اور تاخیر کے اپنے سارے امیروں اور سرداروں کے ساتھ فوراً باہر آیا اور دریائے مہران کو عبور کر کے لشکر گاہ میں جا پہنچا اور پھر بھائی کے خیمے میں داخل ہو کر (اس کی میت) دیکھتے ہی اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور سر سے پگڑی پھینک کر نوحہ و ماتم شروع کر دیا۔

دہرسینھ کی لاش کو جلانا

پھر داہر نے صندل کی لکڑیاں فراہم کرنے کا حکم دیا اور دہرسینہ کی لاش کو جلا کر کریا کرم کی رسومات ادا کیں۔ پھر دوسرے دن بھائی کے خزانے پر قبضہ کر کے اس کے لشکر اور ملازموں کو اپنا مطیع و فرمان بردار بنایا اور ایک ماہ تک اروڑ میں قیام کرنے کے بعد اس کی بیوی کو جو کہ لوہانہ کے حاکم اگھم [1] کی بیٹی تھی، اپنے نکاح میں لایا۔ اس کے بعد برہمن آباد کے قلعے میں جا کر کچھ عرصہ وہاں رہا۔ راجہ دہرسینہ کی عمر تیس سال تھی۔ [2]

داہر کا برہمن آباد کے قلعے کی طرف جانا

داہر برہمن آباد کے قلعے میں ایک سال تک رہا، اس عرصے میں قرب و جوار کے سب لوگوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اس نے ڈہرسینہ کے بیٹے چچ کو بلا کر اس سے بیعت لی اور خودسیوستان کے قلعے کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے پھر راوڑ کے قلعے میں آیا۔ اس قلعے کی بنیاد اس کے باپ چچ نے رکھی تھی اور اس کے تیار ہونے سے پہلے وفات پا گیا تھا۔ داہر نے وہاں ٹھہر کر اس کی تعمیر مکمل کرائی۔ [3] (ہر سال) وہ گرمی کے چار ماہ [68] راوڑ میں ٹھہرتا تھا کیونکہ وہ خوشگوار جگہ تھی۔ اس کی ہوا موافق اور پانی میٹھا تھا۔ پھر سردی کے چار ماہ برہمن آباد میں گذارتا تھا اور بہار کے چار ماہ اروڑ میں رہتا تھا۔ اس طرح آٹھ سال گذر گئے اور اس کی مملکت اور بادشاہت اس عروج پر جا پہنچی کہ اس کی سلطنت کی شہرت دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئی اور اس کی حکومت کے خیمے کی طنابیں سندھ اور ہندوستان کے ممالک میں استحکام پذیر ہوئیں اور آس پاس کے شہنشاہوں (کو عموماً) اور رمل کے راجہ کو (خصوصاً) اس کی دولت و حشمت (مال و قلیل) کا حال معلوم ہوا۔

---

1. اصل عبارت "دختر اگھم لوہانہ" میں ترکیب اضافت شامل ہے، چنانچہ "اگھم لوہانہ" یا "لوہانہ کا اگھم" کے دو معنی ہو سکتے ہیں یعنی ایک "لوہانہ کا بیٹا اگھم" اور دوسرا "لوہانہ کا حاکم اگھم" اس سے پہلے ص (70-71) پر بیان کردہ حقیقت اور جزئی تسلسل کے لحاظ سے ہم نے ثانی الذکر معنی کو ترجیح دی ہے۔ (ن-ب)
2. فارسی ایڈیشن کی عبارت یہ ہے کہ "ملک دہرسینہ سی سال بود" جس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ "دہرسینہ کی بادشاہت تیس سال تھی" لیکن چونکہ یہ صحیح نہ ہوگا اس لئے ہم نے یہ ترجمہ نسخہ (پ) کی عبارت کے مطابق کیا ہے جو یوں ہے کہ "عمر دہرسینہ سی سال بود" اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ (ن-ب)
3. مصنف پہلے صفحہ 88 میں کہہ چکا ہے کہ راوڑ کے قلعے کو دہرسینہ نے مکمل کرایا۔ مگر یہاں کہتا ہے کہ دہرسینہ کی وفات کے بعد اسی قلعہ کو داہر نے پورا کرایا۔ ممکن ہے کہ داہر نے اس قلعے کی عمارت میں کوئی جدت یا ترمیم کی ہو یا کسی ایسے حصے کو مکمل کرایا ہو کہ جسے دہرسینہ نے غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہو۔ (مترجم)

رمل کے بادشاہ کا داہر سے جنگ کرنے کے لئے آنا

رمل کا بادشاہ ایک بڑا لشکر جرار اور مست ہاتھی وسوار اور بہادر پیادے ساتھ لے کر (داہر سے) جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا اور بدھیہ کے جانب سے اروڑ[1] کے نواح میں آ پہنچا اور اس کے بہت سے علاقے اپنے قبضے میں لا کر وہاں سے دریا پار کر کے اروڑ پر حملہ آور ہوا۔ جب رمل کے بادشاہ (کے آنے) کی اطلاع داہر کو ملی تو اس نے وزیر بدھیمن کو بلا کر کہا کہ "زبردست دشمن ہمارے ملک کی سرحدوں میں در آیا ہے (بتاؤ کہ اب کیا کیا جائے؟)" بدھیمن وزیر نے عرض کیا "راجہ سلامت رہے! اگر قوت اور دبدبے کے ساتھ جنگ میں آپ اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو لڑائی کی تیاری کر کے اس کا مقابلہ کیجئے اور اپنے نام و ننگ کی خاطر تلوار سے دشمن کو دفع کیجئے (تاکہ) آپ کا ملک بدستور آپ کے قبضے میں رہے۔ ورنہ (دوسری صورت میں) صلح اور اطاعت کے ساتھ اس کی بیعت کرنی چاہئے اور اگر مال دینا پڑے تو راجہ خزینے اور دفینے [69] ایسے ہی وقت کے لئے جمع کر کے دفن کرتے ہیں، چنانچہ مال کی مدد سے لشکر تیار کر کے دشمن کا مقابلہ کیجئے اور ملک کی خاطر نام اور نیکی پر جان قربان کر دیجئے دوسری صورت میں مال (دے کر) دشمن کو دفع کیجئے۔ کیونکہ مال کی وجہ سے مرد کا ہر دنیاوی کاروبار سرسبز رہتا ہے اور ہر دشمن کو اس کے ذریعے دفع کیا جا سکتا ہے اور آخرت کا سامان بھی اس کی مدد سے درست کیا جا سکتا ہے۔" داہر نے کہا کہ میرے نزدیک دوسرے کی خدمت میں ذلت کے ساتھ سر جھکانے سے موت زیادہ پیاری ہے اور یہ ذلت میں برداشت نہ کر سکوں گا۔

عرب محمد علافی کا رمل کے بادشاہ سے جنگ کرنے کے لئے جانا

بنی سام میں سے ایک علافی عرب مرد جس نے عبدالرحمٰن بن اشعث کو جنگ سے بھاگ جانے کی وجہ سے قتل کیا تھا اور (انتقام کے خوف سے) فرار ہو کر داہر سے آ ملا تھا اور پانچ سو عربوں کے ساتھ اس کی اطاعت قبول کی تھی (وہ اس وقت "اروڑ" میں موجود تھا)۔ بدھیمن وزیر نے (داہر سے) کہا کہ جنگ کا طریقہ جیسا کہ عرب جانتے ہیں کوئی نہیں جانتا، اس لئے علافی کو بلا کر اس سے مشورہ کیجئے تاکہ وہ رہبری کرے۔" داہر ہاتھی پر چڑھ کر اس کے پاس گیا اور جا کر کہا "اے عرب کے سردار! میں تجھ سے جو رعایتیں کرتا ہوں اور تجھے پیار کرتا ہوں تو اس لئے کہ ایسے وقت میں تو ہماری مدد کرے۔ اس وقت ایک زبردست دشمن (ہمارے

---

1. فارسی ایڈیشن میں اس جگہ "راور" یعنی "راوڑ" دیا گیا ہے جو کہ آگے کے تسلسل کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ (ن-ب)

مقابلے پر آیا ہے اس موقع پر) تیری عقل صحیح کیا کہتی ہے مجھے بتا اور تو جو کچھ جانتا یا کرسکتا ہے وہ بھی بیان کر۔" علافی نے کہا کہ "راجہ کو اس معاملے میں تسلی رکھنی چاہئے اور کسی اندیشہ [70] کو اپنے دل میں جگہ نہ دینی چاہئے۔" کیونکہ میری موزوں تدبیر اس کے لئے کافی ہے۔ اپنے لشکر کے قلب کے خاص اور منتخب سوار میرے حوالے کیجئے۔ تاکہ میں ایک مرتبہ اُن کے چاروں طرف چکر لگا کر اُن کی ہوشیاری، ہمت (اور طریق جنگ) کا جائزہ لوں اور (اس طرف) تین میل کے فاصلے پر آپ خندق کھود کر (فوج سمیت) مستعد رہئے۔ داہر کو یہ تجویز پسند آئی اور وہ وہاں ٹھہر گیا۔ علافی نے دشمنوں کے چاروں طرف چکر لگا کر معلوم کیا کہ رات کے وقت وہ بالکل بے پرواہ رہتے ہیں، کوئی خوف محسوس نہیں کرتے اور نہ کسی پہرہ چوکی کا انتظام رکھتے ہیں۔ (چنانچہ اس حال سے باخبر ہو کر) علافی نے پانچ سو عرب اور ہندوستانی بہادر ساتھ لے کر ان پر شب خون مارا اور چاروں طرف سے نعرے لگاتے ہوئے رمل کے لشکر پر ٹوٹ پڑے، جس کی وجہ سے ان میں وحشت اور سراسیمگی پھیل گئی اور وہ (آپس ہی میں) ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ (چنانچہ) قتل ہو جانے والوں کے علاوہ ان میں اسی ہزار جنگجو سپاہی اور پچاس ہاتھی گرفتار ہوئے۔ گھوڑے اور ہتھیار تو اس کثرت سے ہاتھ آئے کہ اُن کا شمار ہی مشکل تھا۔ جب دن ہوا تو (داہر نے) قیدیوں کو بلا کر قتل کرنے کا ارادہ کیا (لیکن اس پر) وزیر نے کہا کہ "خدا نے آپ کو فتح عطا کی ہے۔ اس کا احسان تسلیم کیجئے اور شکر بجا لائیے۔ جب بادشاہوں اور بزرگوں کو فتح حاصل ہو تو یہ لازم ہے کہ دشمنوں کی طرف کے جو امیر اور سردار ان کے ہاتھوں گرفتار ہوں، انہیں معافی عطا کریں۔ بہترین تدبیر آپ کے لئے یہ ہے کہ آپ قیدیوں کی جان بخشی فرما کر انہیں آزاد کریں۔ (وزیر کے) اس مشورے پر راجہ داہر نے قیدیوں کو آزاد کر دیا اور اس کے مشورے کو مبارک سمجھ کر کہا: "ایک نیک صلاح دینے والے وزیر اور مبارک مشیر! جو مانگنا ہو مجھ سے طلب کر۔" وزیر نے عرض کیا "میری کوئی اولاد نہیں [71] ہے کہ جس سے میرا نام دنیا میں زندہ رہے (چنانچہ) آپ حکم دیں کہ آپ کے دارالضرب میں چاندی کے جو سکے ڈھالے جاتے ہیں اور بادشاہ کے نام کا شرف حاصل کرتے ہیں، ان کے دونوں جانب بندے کا نام (بھی) منقوش کیا جائے۔ تاکہ راجہ کے چاندی کے سکوں کے طفیل بندے کا نام باقی رہے اور ہندوسندھ کی حکومت کے قائم رہنے تک اس کی یاد نہ مٹ سکے۔" راجہ داہر کے حکم سے جیسا کہ وزیر نے عرض کیا تھا، سکے تیار کئے گئے۔

اس طرح راجہ داہر کے قدم مضبوط ہوئے اور اس نے اتنی قوت اور شوکت حاصل کی کہ (آخر میں) دارالخلافہ (اسلامیہ) کا مال لوٹ کر تمرد اور سرکشی دکھائی۔

خلفاء راشدین سے ولید کے عہد تک کی تاریخ

ان خبروں کے راویوں اور ان روایتوں کے جاننے والوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ہند اور سندھ کے شہروں میں لشکرِ اسلام کی پہلی جنگ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے پندرہ سال بعد امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ (حضرت عمرؓ نے) پہلے عثمان بن ابی العاص ثقفی کو بحرین بھیجا۔ وہ لشکر لے کر عمان روانہ ہوئے اور مغیرہ بن ابی العاص کی سرداری میں دریا کی راہ سے بحری بیڑہ بحرین بھیجا تاکہ وہ اس راستے سے دیبل روانہ ہوں۔ اُس وقت سندھ کا راجہ چچ بن سیلائج تھا اور اس کی حکومت کو 35 سال گذر چکے تھے۔ دیبل کے باشندے تاجر تھے [72] راجہ چچ بن سیلائج کی جانب سے سامہ بن دیوائج وہاں کا حاکم تھا۔ جب (اسلامی) لشکر دیبل پہنچا تو اس نے قلعے سے باہر نکل کر جنگ کی۔ ثقفین میں سے ایک آدمی بیان کرتا ہے کہ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تب مغیرہ بن ابی العاص تلوار کھینچ کر اور بسم اللہ وفی سبیل اللہ (اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں) کہتے ہوئے (جنگ کرتے) شہید ہوگئے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم تو جنگ کر رہے تھے تمہیں یہ خبر کیسے معلوم ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ ہاتھوں سے جنگ کر رہا تھا اور دل اور کانوں سے یہ حال سن رہا تھا۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کی خلافت (کے زمانے) میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ عراق پر مقرر ہوئے تھے، جنہوں نے ربیع بن زیاد حارثیؓ کو اپنے آدمیوں کے ساتھ مکران اور کرمان میں مقرر کیا تھا۔ انہیں دنوں دارالخلافہ سے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا گیا کہ ہند، کرمان اور عراق کے حالات سے باخبر کرو۔ (چنانچہ) جب (انہیں) ابوالعاص کے بیٹے (مغیرہ بن ابی العاص) کا حال معلوم ہوا (اور یہ بھی معلوم ہوا کہ) ہند اور سندھ میں ایک ایسے راجہ کا ظہور ہوا ہے کہ جو سرکشی اور لاپرواہی کرتا ہے اور دل میں نافرمانی کے بیج بوئے ہوئے ہے۔ تو ابو موسیٰ اشعری نے یہ حال امیر المومنین عمرؓ کے پاس لکھ بھیجا۔ (آپ نے☆ انہیں ہند سے جنگ کرنے کے لئے سختی سے منع کیا۔

اسی وقت (حضرت) عمر بن الخطابؓ کی شہادت کا واقعہ عمل میں آیا اور خلافت امیر المومنین عثمان بن عفانؓ کو ملی، جنہوں نے ہند اور سندھ میں جنگ کرنے کے لئے لشکر بھیجنا چاہا۔ (اس وقت) لشکر قندابیل اور مکران میں تھا [73] اور اس کے سردار عبداللہ بن عامر (بن کریز) بن ربیعہ تھے۔ (حضرت عثمان پہلے) سندھ کے شہروں کا (کچھ) حال معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے (حکم دیا) کہ کوئی صالح پاک دامن اور عقلمند آدمی مقرر کرو کہ جو سندھ اور ہند کا

سارا حال صحیح اور تجربے میں آیا ہوا معلوم کرے اور وضاحت کے ساتھ آ کر بیان کرے۔ اس پر عبداللہ بن عامر، حکیم بن جبلہ عبدی کو بھیجا گیا۔

روایت: عبداللہ بن عمر بن عبدالقیس سے روایت کرتے ہیں کہ حکیم سخن گو اور نظم و شعر کے فن میں کامل تھا۔ چنانچہ جیسا کہ اس نے ایک مرد جاہلی علی بن طفیل عنوی کی مدح میں کہا ہے۔

شعر

وَاَهْلَكَـنِي لَكُمْ فِي كُلِّ يَومٍ
تَعَـوُّجُكُـمْ عَلَيَّ وَاسْتَقِيْمُ

رِقَـابٌ كَـالْمَـوَاجِنِ خَاظِيَاتٌ
وَاسْتَـاهُ عَلَى الْاَكْـوَارِ كُومٌ

"زندگی میں مجھے ہر دن نے برباد کیا ہے۔ میں تمہارے خم (ٹیڑھے پن) کی طرح سیدھا ہوں۔ تمہاری گردنیں گھن کی طرح موٹی ہیں اور تمہارے کولھے پالان پر ایک بوجھ کی طرح دھرے رہتے ہیں۔"

(اس کے علاوہ) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بصرہ میں آمد کے وقت ان کی تعریف میں یہ اشعار کہے:

لَيْسَ الـرزية بـالـديـنـار نفقده
ان الـرزية فـقـد الـعلم والحكم [74]

وان اشـرف مـن اودى الـزمـان بـه
اهـل الـعـفـاف واهـل الجود والكريم

(روپیہ پیسہ (دولت) کا گنوانا مصیبت نہیں ہے۔ (بلکہ) اگر علم و حکمت ضائع ہو جائے تو مصیبت ہے۔ مرنے والوں میں وہی افضل ہے (کہ) جو صاحب احسان و عفت ہو۔)

اس روایت کے راویوں اور اس داستان کے مصنفوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ امیر المؤمنین عثمان بن عفانؓ نے عبداللہ بن عامر کو لکھا کہ حکیم بن جبلہ کو سندھ اور ہند کی طرف بھیج کر (ان) ممالک کے حالات معلوم کرو۔ چنانچہ عبداللہ نے (حسب الحکم) اسے مامور کیا (اور جب وہ) حالات سمجھنے کے بعد عبداللہ بن عامر کے پاس واپس آیا اور اس ملک کے باشندوں کی جنگ، لشکر کشی اور سزاؤں کے حالات اسے تفصیل سے بتائے تو عبداللہ نے اسے امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس روانہ کیا۔ جب وہ (وہاں) حاضر خدمت ہوا تو امیر نے اس سے پوچھا کہ "اے حکیم! ہندوستان دیکھ آئے؟ (اور) حالات معلوم کر آئے؟" اس نے

جواب دیا: "نعم یا امیر المؤمنین" (ہاں اے امیر المومنین)۔ فرمایا: "بیان کرو۔" اس نے کہا: "ماء ھا وشل وثمرھا دقل و ارضھا جبل واھلھا بطل ان قل الجیش بھا ضاعوا وان کثروا جاعوا۔" یعنی وہاں کا پانی میلا پھل کسیلے اور کھٹے ہیں، زمین پتھریلی ہے، مٹی شوریدہ ہے اور باشندے بہادر ہیں۔ اگر تھوڑا لشکر جائے گا تو جلد تباہ ہوگا۔ اگر زیادہ جائے گا تو بھوکوں مر جائے گا۔" پھر امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ "وہ (لوگ) قول وقرار میں کیسے ہیں، وفادار ہیں یا بے وفا؟" حکیم نے جواب دیا کہ "خائن اور غدار ہیں۔" اس پر (امیر المؤمنین نے) عبداللہ کو سندھ پر لشکر کشی سے منع کر دیا اور کسی کو بھی نہ بھیجا۔

امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت

امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب کو سنہ 38 ہجری کے آخر میں خلافت ملی۔ مفسران زمانہ و مشاطگان تفسیر کا بیان ہے کہ جب خلافت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو ملی تو اہل شہر میں آپس میں نا اتفاقی اور مخاصمت ہوگئی۔ عامر ابن الحارث بن عبدالقیس نے روایت کی ہے کہ جب اطراف کے لوگ مخالف ہوگئے تو (حضرت علی نے) ثاغر بن ذعر[1] کو لشکر کا سردار بنا کر اور فوج کے خاص بڑے جرنیلوں کی ایک جماعت کو اس کا ماتحت کر کے ہندوستان کی سرحد پر مقرر فرمایا اور وہ سن ہجری کے آخر میں بھرج اور کوہ پایہ کے راستے سے روانہ ہوئے۔ (وہ) جہاں بھی پہنچتے تھے فتح مند اور کامیاب ہوتے تھے اور مال غنیمت اور غلام کثرت سے ہاتھ آتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ کوہ کیکانان کے قریب جا پہنچے اور وہاں کے لوگ (ان سے) جنگ کرنے کے لئے مستعد ہوگئے۔

ان کی جنگ کے حالات

بدلی نے بیان کیا ہے کہ اس لشکر میں حارث بن مرہ نامی ایک بہادر سردار تھا، جس کے لشکر میں ایک ہزار مسلح بہادر تھے اور تین دلیر اور ہتھیار بند غلام تھے۔ اس نے ان غلاموں میں سے ایک کو اپنا سلاح بردار مقرر کیا اور باقی دو کو لشکر کا محافظ بنا کر ہر ایک کو پانچ سو جوانوں کا سردار بنایا۔ (اس اہتمام سے) جب وہ مکران میں وارد ہوا تو یہ خبر کیکانان میں پھیل گئی اور کوہ پایہ اور کیکانان کے لوگ (مقابلے کے لئے) اکٹھے ہوگئے۔ (وہ) سن 42 ہجری میں کیکانان پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے مستعد ہو کر جنگ شروع کی۔ اہل کیکانان تقریباً بیس ہزار پیادے تھے، جن سے لشکر اسلام کی جنگ ہوئی۔ جب کافروں نے کوئی چارہ نہ دیکھا تو راستہ گھیر کر بیٹھ گئے۔ لشکر (اسلام)

1. اصل عبارت "ثاغر بن دعر" ہے۔ یہ اصلاح عربی اعلان کے پیش نظر کی گئی ہے۔ (ن-ب)

جب (میدان) جہاد سے واپس ہو کر کیکانان کے درہ کے قریب اُترا تو انہوں نے راستہ روکنا چاہا (یہ حال دیکھ کر) لشکر عرب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، جس پر پہاڑ کے دائیں بائیں سے بھی نعرۂ تکبیر کی صدا گونج اٹھی "اللہ اکبر"۔ یہ سن کر کیکانان کے کافروں کے دلوں میں ہراس پیدا ہو گیا، ان میں سے اکثر نے ہار مان کر اسلام قبول کر لیا اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس وقت سے لے کر آج تک ایام جنگ کی موسم میں اس پہاڑ سے تکبیر کی صدا بلند ہوا کرتی ہے۔ (ابھی) یہی فتح ہوئی کہ [77] امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی (چنانچہ لشکر اسلام) وہاں سے واپس ہوا۔ جب یہ لشکر مکران پہنچا تو معلوم ہوا کہ معاویہ بن ابوسفیان خلیفہ ہوئے ہیں۔

معاویہ بن ابوسفیان کی خلافت

معاویہ بن ابوسفیان کی خلافت (سنہ) چالیس[1] (ہجری) کے مہینوں میں قائم ہوئی۔ تاریخ کے مصنفوں نے مہلب سے اس طرح روایت کی ہے جس کو اس نے ہذلی سے سنا تھا اور ہذلی نے قاسم سے نقل کیا جس کا بیان تھا کہ میں نے نصر بن سفیان سے سنا ہے کہ جب معاویہ خلافت پر مستقیم ہوئے تو انہوں نے عبداللہ بن سوار (العبدی) کو چار ہزار سواروں کے ساتھ ولایت سندھ پر مامور کیا اور اس ملک کی حکومت اس کے حوالے کی اور مزید کہا کہ "سندھ میں ایک پہاڑ ہے جسے کیکانان کہتے ہیں، وہاں کے گھوڑے قدآور اور موزوں شکل و شباہت کے ہیں۔ تم سے پہلے وہاں کی غنیمتیں (اموال غنیمت یہاں) پہنچ چکے ہیں۔ وہاں کے لوگ غدار ہیں اور اسی پہاڑ کی پناہ کے سبب چشمک اور سرکشی کرتے رہتے ہیں۔" (پھر) عمر بن عبداللہ بن عمر کو ارمائیل کی فتح کے لئے روانہ کیا اور عبداللہ بن عامر کو بصرہ (کے محاذ) پر مامور کیا تاکہ قیس بن ہیثم السلمی[2] کے پاس جا کر اُس کے ساتھ عمان، اُردنبل اور جرم کی لڑائیوں میں شامل ہو۔[3] اور اپنے ساتھ ایک ہزار منتخب بہادر لے جائے۔

---

1. اصل متن میں "اربع و اربعین" (چوالیس) ہے جو سہو ہے۔ کیونکہ امیر معاویہ نے 40ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد شہر ایلیا میں خلافت کی بیعت لی تھی۔ اس لئے یہاں اربعین ہوگا۔ دیکھئے تاریخ طبری 40ھ کے ذیل میں۔ (ن-ب)
2. اصل میں "قیس بن ہاشم السلمی" ہے۔ لیکن "ہاشم" صحیح نہیں بلکہ "ہیثم" صحیح ہے۔ دیکھئے یعقوبی ج2 ص193، دیوان فرزدق طبع یورپ ص119، طبع مصر ص761 اور ص776، تاریخ ابن خلدون بقیہ جز ثانی ص33-34، نقائض جریر و فرزدق ص723، ص726 اور ص238، بخاری، تاریخ کبیر ج4 ص145۔ (ن-ب)
3. اصل فارسی ایڈیشن کی عبارت ہے "وبا او بخزو عمان و اردنبل و جرم و کنند" ظاہراً اس عبارت میں خلل ہے۔ (پ) (ن) (ب) (س) میں "جرم کنند" ہے یعنی ان دونوں لفظوں کے درمیان واو عطف نہیں ہے۔ یہاں غالباً کوئی دوسرا لفظ رہ گیا ہے اور ہمارے خیال میں وہ موزوں لفظ "شرکت" ہی ہے۔ اس لحاظ سے صحیح عبارت یوں ہوگی: "با او بخزو عمان و اردنبل و جرم شرکت کنند" چنانچہ ترجمہ بھی اسی لحاظ سے کیا گیا ہے۔ (ن-ب)

روایت: ابوالحسن نے ہذلی سے روایت کی کہ اس نے مسلمہ[1] بن محارب بن زیاد سے سنا ہے کہ جب امیر معاویہ نے عبداللہ بن سوار کو چار ہزار سوار دے کر بھیجا۔ (راستے میں) اس کے لشکر میں کوئی شخص آگ نہ جلاتا تھا کیونکہ پکا ہوا سفری کھانا ان کے ساتھ تھا۔ [78] آخر ایک رات لشکر میں آگ کی روشنی دکھائی دی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک حاملہ عورت کو بچہ ہوا تھا اسے آگ کی ضرورت تھی (جس کی وجہ سے) عبداللہ نے اسے اجازت دی۔ اس عورت نے بڑی خوشیاں منائیں اور تین دن تک لشکر کو کھانا کھلایا۔ پھر جب ملک کیکانان پہنچے تو دشمنوں نے غلبہ کیا لیکن لشکر اسلام نے انہیں شکست دے کر بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ اہل کیکانان نے اکٹھے ہوکر پہاڑ کے راستوں کو جا گھیرا اور چھاپہ مار جنگ شروع ہوگئی۔ عبداللہ بن سوار ہتھیار بند اور خاص آدمیوں کا ایک گروہ ساتھ لے کر جم گئے اور للکار کر (انہوں نے) کہا کہ "اے مہاجروں اور انصاروں کے فرزندو! کافروں سے منہ نہ موڑو تاکہ تمہارے ایمان میں خلل نہ آئے، آؤ اور درجۂ شہادت پر فائز ہو۔" (یہ سن کر) اسلام کا (پراگندہ) لشکر عبداللہ کے جھنڈے کے چاروں طرف اکٹھا ہوگیا۔ (پھر) بنی عبدالقیس میں سے ایک بہادر نے باہر نکل کر اپنا مقابل طلب کیا۔ دشمنوں کا ایک سردار آکر اس کے مدمقابل ہوا۔ یاسر بن سوار بھی بنی عبدالقیس (کے آدمی) کے ساتھ چلا اور حملہ کرکے سردار کو ڈھیر کردیا۔ (یہ دیکھ کر) اہل کیکانان کا سارا لشکر نکل آیا اور آخرکار اسلامی لشکر نے شکست کھائی۔ سارا پہاڑ مقتول سپاہ کی لاشوں سے پٹ گیا اور مسلمان وہاں سے مکران لوٹ آئے۔

روایت: ابوالحسن نے روایت کی کہ میں نے حاتم بن قتیبہ الباہلی[2] سے سنا، اس نے بیان کیا کہ میں ان دنوں (اس) لشکر میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ابن سوار نے ایک جوان سے مقابلہ کیا اور اس کے ساتھیوں نے حملے کرکے کتنے ہی دشمن قتل کیے اور مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے شہید ہوا۔ میں مقتولوں کی تلاشی لے رہا تھا [79] مجھے مہروں سمیت سو انگوٹھیاں ملیں، عبداللہ بن عبدالرحمٰن العبدی نے کہا کہ میں نے ان کی جنگ کے شعر سنے ہیں، جو کہ امیر معاویہ کے سامنے کہے گئے تھے:

شعر

من کابن سوار ان حاشت مراجله
فی الحرب لا او قدت نارلها بعده

کانت مراجله للرزق ضامنه
فانهن بنات الحرب والجوده

1 اصل عبارت میں "مسلم" ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ مسلمہ بن محارب مشہور راوی ہے۔ دیکھئے بلاذری، انساب الاشراف ج4 ص73 اور 8، نقائض جریر وفرزدق ص726، 730 اور 734 جاحظ البیان ج2 ص902 اور بخاری، تاریخ کبیر ج4 ص379 اور 287۔ (ن-ب)

2 اصل لفظ "الہلی" ہے جو کہ درحقیقت "الباہلی" کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ (ن-ب)

"ابن سوار کا کوئی ثانی نہیں (کہ) اگر اسے جوش آجائے (تو پھر) اس کے بعد رزمگاہ میں جنگ کی کوئی آگ نہ بھڑکے۔ بیشک اس کی دیگیں رزق کی ضامن تھیں جیسے کہ وہ جنگ اور احسان کی بیٹیاں تھیں۔"

اور اعور شنی نے یہ اشعار کہے:

ابلغ ربیعة اعلاها واسفلها
انا وجدنا ابن سوار کسوار

لا یسمن الخیل الا ریث یمهلها
وما سواه فتردی طول اعمار

"تو ربیعہ کے اعلیٰ و ادنیٰ سرجا کے کہہ دے کہ ابن سوار بے شک شہسوار ہے وہ گھوڑوں کو مہمیز نہیں کرتا مگر صرف تھوڑے سے وقت۔ ورنہ وہ انہیں ساری عمر دوڑاتا رہے۔"

سرحد ہند پر سنان بن سلمہ بن المحبق الھذلی کا تقرر

اس تاریخ کی تشریح کرنے والوں نے ہذلی اور عیسیٰ بن موسیٰ سے سنا جس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ "عبداللہ بن سوار نے شہید ہونے کے وقت (اپنی جگہ) سنان [80] بن سلمہ کو (سردار لشکر) مقرر کیا تھا۔ اس کے بعد امیر معاویہ نے زیاد کو لکھا کہ کوئی ایسا آدمی کہ جو ہند کی سرحد کے لئے موزوں ہو، دیکھ کر وہاں کا گورنر مقرر کرے۔ یہ حکم پہنچتے ہی زیاد (نے اسے لکھ بھیجا کہ "میرے پاس دو آدمی ہیں جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں) احنف بن قیس اور سنان بن سلمہ الھذلی۔ اس کے جواب میں امیر معاویہ نے اسے لکھا کہ احنف کو اس کے دو دنوں میں سے کس دن کا انعام دوں؟ ام المومنین (سے بیوفائی کا یا صفین کے دن ہمارے خلاف کوششیں کرنے کا؟ اس لئے سنان کو روانہ کر۔ اس پر زیاد نے جواب دیا کہ احنف شرف عقل اور رہبری کے اس درجہ پر پہنچ چکا ہے جہاں نہ حکومت اسے فائدہ پہنچا سکتی ہے اور نہ برطرفی کوئی نقصان[1] پھر (سنان) مکران جا کر دو سال وہاں رہا اور دو سال اور ایک ماہ کے بعد برطرف کیا گیا۔

1. بریکیٹ میں دی ہوئی عبارتیں ابن قتیبہ کی کتاب "عیون الاخبار" (ج1 ص227) کے مطابق درست کی گئی ہیں فتحنامہ کی عبارت اس جگہ پر اس طرح ہے جو کہ ظاہر ہے کہ ناقص ہے: زیاد احنف بن قیس را افزمود کہ ہم او پسندہ است و ام موحنان است۔ (ن-ب)

سرحد ہند پر راشد بن عمرو الجدیدی کا تقرر

ابوالحسن نے ہذلی سے سنا اور اس نے اسود سے روایت کی ہے کہ "زیاد نے جب (سنان) ابن سلمہ کو معزول کیا تو (اس جگہ) راشد بن عمرو کو ملک ہند (کی سرحد) کا گورنر بنا کر بھیجا۔"

راشد ایک شریف اور بلند ہمت شخص تھا۔ امیر معاویہ نے اسے بلا کر (اپنے پاس) تخت پر بٹھایا اور بڑی دیر تک (وہ) آپس میں مشورے کرتے رہے۔ پھر (معاویہ نے فوج کے) خاص سرداروں سے کہا کہ "راشد ایک شریف آدمی اور سردار ہے اسے راضی رکھنا اور اس کی اطاعت کرنا، جنگ میں اس کی مدد کرنا اور اسے اکیلا نہ چھوڑنا۔"

راشد مکران پہنچتے ہی عرب کے بزرگوں اور سربراہوں کو ساتھ لے کر سنان کے پاس گیا اور اسے صائب الرائے اور کامل پا کر کہنے لگا کہ "خدا کی قسم سنان عظیم انسان ہے اور وہ سرداری اور سپہ سالاری کے لائق اور بہادر ہے۔ (پھر) دونوں ساتھ بیٹھے۔ اسے امیر معاویہ نے جاتے وقت (ہدایت) کی تھی وہ ہمیشہ سندھ اور ہند کی خبریں دیتا رہے۔ (راشد نے) رازدارانہ بات چیت کے وقت اس سے سندھ کی خبریں معلوم کر کے فوج کشی کا عزم مصمم کیا۔

روایت: عبدالرحمٰن بن عبد ربہ[1] السلیطی سے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ میں نے عبدالرزاق بن سلمہ سے سنا کہ جب راشد بن عمرو ملک سندھ میں پہنچا [81] یعنی کوہ پایہ کا خراج وصول کر کے کیکانان گیا اور وہاں جا کر اگلا پچھلا خراج وصول کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اموال غنیمت اور نافرمان غلام کہ جو لٹ گئے تھے ان پر قبضہ کیا اور ایک سال (وہاں رہنے) کے بعد واپس ہو کر سیستان کی راہ سے ہوتا ہوا کوہ منذر[2] اور بہرج کے قریب جا پہنچا تب اس پہاڑ کے باشندوں نے لشکر اکٹھا کیا اور تقریباً پچاس ہزار آدمیوں نے جمع ہو کر اس کا راستہ روک لیا (چنانچہ) صبح سے لے کر ظہر کی نماز تک جنگ ہوتی رہی اور آخر راشد شہید ہو گیا۔

---

1. فارسی ایڈیشن میں اس جگہ پر "عبداللہ" ہے مگر (پ) اور (ر) کی عبارت "عبد ربہ" ہے جو کہ صحیح ہے کیونکہ فارسی ایڈیشن میں اسی نام کا اعادہ ص ۲۳۳ پر نسخہ (پ) کے مطابق "عبد ربہ" تحریر ہے اور پہلی جگہ پر بھی نسخہ (ر) اور (م) کی عبارت "عبد ربہ" ہے۔ (ن-ب)
2. فارسی ایڈیشن میں "کوہ منذر" کی عبارت اختیار کی گئی ہے۔ (پ) (ن) (ک) کی عبارت "کوہ منذر" ہے جو کہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ غالباً اس پہاڑ کا یہ نام عرب کے ایک دوسرے گورنر "منذر بن جارود" کے نام پر مشہور ہوا ہے۔ (ن-ب)

(راشد کے شہید ہو جانے کے) [1] بعد ملک پھر سنان بن سلمہ کے حوالے ہوا اور سنان بن سلمہ دوبارہ (گورنر کی حیثیت سے) مستحکم ہوا۔ [1]

ولایت سنان بن سلمہ

یسار القرشی سے اس طرح روایت کی ہے کہ جب راشد بن عمرو شہید ہوئے تب ابن زیاد نے سنان بن سلمہ کو گورنر بنایا اور (اس پر) فخر کیا، کیونکہ وہ پیغمبر ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوا تھا اور جب اس کے باپ کو (اس کی ولادت کی) خوشخبری ملی تھی تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا کہ "یـا سلمه البشرٰ بابنکَ" (اے سلمہ! اپنے بیٹے پر خوش ہو) جس پر اس نے عرض کیا کہ "اگر میں خود کو اور اس کو راہِ خدا میں قربان کروں تو (یقیناً) ایسے ہزار بیٹوں سے بہتر ہوگا کہ جو خدا کی راہ میں قربان نہ ہوں۔" اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام سنان رکھا۔

جب وہ (گورنر) مقرر ہوا تو ایک آراستہ لشکر ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ (راستے میں) اس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ "تیرا باپ تیری مردانگی پر ناز کرتا تھا، آج تیرا دن ہے۔ بہت سی ولایتیں تیرے قبضے میں آئیں گی اور ان کی اصلاح ہوگی۔" [82] پھر (سنان) وہاں سے روانہ ہوا اور کچھ ممالک اپنے قبضے میں لا کر کیکانان پہنچا۔ پھر وہ جدھر کا بھی رخ کرتا، وہاں اچھی نظیر قائم کرتا اور (اس طرح) وہ آخر بدھیہ تک جا پہنچا، جہاں دھوکہ دے کر اسے شہید کر دیا گیا اور جس پر ابن خلاص البکری نے یہ شعر کہے:

ابلغ سنان ابن منصور واخوته
اعنی هدایت [2] کرما غیر اغمار

انا عتبنا علیکم فی امارتکم
والدهر ذا قلل فی الناس دوار

یعطی الجزیل وینشر غیر مستشر
ولا یزیدک شرا [2] بعد اقتار

---

1. فارسی ایڈیشن کی عبارت "باز ولایت بہ سنان بن سلمہ دیگر بار مستحکم شد" ہے جو کہ شاید نسخہ (ب) کے مطابق ہے (ن) (ر) (م) میں "باز ولایت بہ سنان بن سلمہ دادند، سنان بن سلمہ دیگر بار مستحکم شد" ہے اور یہ عبارت زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ ترجمہ اسی عبارت کے مطابق کیا گیا ہے۔ (ن-ب)

2-2. فارسی ایڈیشن میں "هدایت" کی بجائے "عقلیلة" "ولا یزیدک شرا" کے بجائے "ولا یزید لک فرق" اور "بلاغت فتفهم" کی بجائے "بلاغت فتفهم" کے تحفظ اختیار کئے گئے ہیں۔ لیکن یہاں جو الفاظ دیے گئے ہیں وہ علامہ عبدالعزیز آکسی سابق پروفیسر عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے فاضل ایڈیٹر (ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم) کو لکھ کر بھیجے تھے۔ دیکھئے فارسی ایڈیشن ص 261 (ن-ب)

لم ینزل القوم اذا جئت فناتھم
کابن المعلی ولا مثل ابن سوار

ولا ابن مرۃ اذا اودی الزمان بہ
کم فلل الدھر من ناب واظفار

(سنان بن منصور اور اس کے بھائیوں سے کہا، کہ جو بزرگ (بڑے) کریم اور تجربہ کار ہیں، تمہاری امارت میں ہم تم پر رنجیدہ ہوئے، زمانہ بڑا بے رحم اور مکار ہے (کہ) جو دولت کی پرواہ نہیں کرتا اُسے دولت دیتا ہے۔ (البتہ) وہ فقیر سے کبھی بے وفا نہیں ہوتا۔ جب قوم ذلیل ہوتی ہے تو کوئی پناہ نہیں دیتا۔ جیسی کہ ابن معلیٰ نے دی اور جیسی ابن سوار نے دی۔ یا جیسی ابن مرہ نے دی تھی مگر تباہ ہوا تھا۔ زمانے نے کتنے ہی شیر دل مرد بے کار کردیئے۔)

ولایت مُنذر بن جارود بن بُشر

پھر (یہ) ملک مُنذر بن جارود بن بُشر کے سپرد ہوا۔ جب خلیفہ کے حکم سے منذر خلعت گورنری پہن کر 61ھ میں جنگ پر روانہ ہوا تو اُس کا جامہ ایک اُبھری ہوئی لکڑی سے الجھ کر پھٹ گیا (اس پر) عبیداللہ بن زیاد [83] نے غمگین ہوکر کہا کہ منذر کی فال اچھی نہیں ہوئی۔ جب وہ اسے وداع کرکے واپس آیا تو روکر کہنے لگا کہ منذر اس سفر سے واپس نہ آئے گا اور ہلاک ہوجائے گا۔ (ایک دن) ابن زیاد سے عبدالعزیز نے کہا کہ "مال ضائع ہورہا ہے اور تم کسی کو مقرر نہیں کرتے؟" اس نے کہا کہ "منذر کو بھیجا ہے جس سے جنگ اور شجاعت میں کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اگر قسمت نے یاوری کی تو مقصد میں کامیابی حاصل کرکے واپس آئے گا۔"

مُنذر کی حکمرانی[1]

مُنذر جب وہاں سے روانہ ہوکر دشمنوں کے ملک میں پہنچا تو (اچانک دریائے) پورالی کے قریب بیمار ہوا اور جان خدا کے حوالے کی۔ اس کا بیٹا حکم بن منذر کرمان میں تھا اس کے پاس (علالت کے دوران میں اس نے اپنی بیماری کا حال) لکھ بھیجا تھا۔ اس کے بعد (مُنذر کے) بھائی نے عبدالعزیز سے اس ملک کی (گورنری) کا مطالبہ کیا اور (عبدالعزیز نے جاکر حجاج سے بات کی) حجاج دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اذان کی آواز آئی۔ حجاج نے عبدالعزیز کی طرف منھ کرکے کہا کہ "اگر اذان کی آواز میرے کانوں میں نہ پڑتی تو اس کے (یعنی مُنذر کے) بھائی

1. نسخہ (ن) میں یہ عبارت نہیں ہے۔

کو اس خطا کی وجہ سے سزا دیتا۔ ہمارے رؤسا اور اُمرا میں سے ایک بزرگ نے خدائے تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان فدا کی ہے اور اس کی جگہ اس کا بیٹا موجود ہے مگر تو (اس کے بھائی کے لئے) گورنری طلب کرتا ہے؟"

ولایت حکم بن منذر

بیان کرتے ہیں کہ جب حکم آیا اور عبداللہ کو (اس المیہ کی) خبر دی گئی تو وہ رونے لگا اور بے حد غمگین ہوا۔ پھر اس کے (منذر کے) بیٹے (حکم) کو بلا کر تین لاکھ درہم اسے بخشش میں دیئے۔ اس کے بعد چھ مہینے تک ہند کی گورنری اس کے حوالے رہی۔ پھر جب حکم نے جو کہ ایک بلند ہمت اور بہادر شخص تھا (باقاعدہ گورنری کی) خلعت زیب تن کی تو عبداللہ بن الاعور الحرمازی[1] نے اُٹھ کر یہ اشعار پڑھے:

یا حکم بن المنذر بن الجارود
انت الجواد والجواد محمود

سرادق المجد علیک ممدود
نبت فی الجود فی اصل الجود

[اے حکم بن منذر بن جارود تو بیشک سخی اور سخی محمود ہے۔ تیرے چاروں طرف بزرگیوں کا حصار رہتا ہے۔ تو سخا میں پیدا ہوا اور تیری بنیاد جود ہے۔]

خلافت عبدالملک بن مروان

تاریخ کے راویوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب عبدالملک بن مروان کی باری آئی تو اس نے عراق، ہند اور سندھ حجاج بن یوسف کے سپرد کیا اور حجاج نے سعید بن اسلم کلابی کو مکران روانہ کیا۔ اس کے وہاں پہنچنے پر (ایک شخص) سفہوی بن لام الحمامی، ازد (قبیلہ کا) وہاں آیا۔ سعید نے اس سے تقاضہ کیا کہ "میں جہاں بھی منزل انداز ہوں، تو میرے ساتھ رہ اور میرا مددگار ہو۔" اس نے جواب دیا کہ "میرے پاس فوج نہیں ہے۔" اس پر وہ بولا کہ "میں دفتر خلافت کی طرف سے حکم دیتا ہوں۔" اس نے کہا "خدا کی قسم میں تیری ماتحتی اختیار نہ کروں گا کہ مجھے شرم آتی ہے۔" (اس پر غضبناک ہوکر) سعید نے اسے قتل کر ڈالا اور اس کی کھال کھنچوا کر اس کا سر حجاج کے پاس بھیج دیا اور خود جا کر مکران میں مقیم ہوا اور مالیہ وصول کرنے

1. اصل لفظ سارے نسخوں میں "الحواری" ہے۔ تحقیق کے لئے دیکھئے آخر میں حاشیہ ص84- (ن-ب)

کے لئے قابل اعتماد آدمی مقرر کر کے صلح اور نرمی کے ساتھ ہندوستان کا بہت سا محصول وصول کیا۔ آخر ایک دن جب کہ وہ خراج لے کر آ رہا تھا۔ مرج[1] (کے مقام) پر علافیوں سے مقابلہ پیش آیا۔

علافی اور ان کی بغاوت کا حال

قتیبہ بن اشعث سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن کلیب بن خلف [85] المغنی، عبداللہ بن عبدالرحیم العلافی اور محمد بن معاویہ العلافی نے آپس میں بیٹھ کر مشورہ کیا کہ سفہوی بن لام ہمارے ملک عمان کا باشندہ تھا اور اس کا ہم سے رشتہ بھی ہوتا ہے۔ (آخر) سعید کو ہمارے قرابت داروں کے قتل کرنے کا کیا حق ہے؟

چنانچہ جب وہ (سعید) خراج لئے ہوئے مرج[2] میں ہو کر گذر رہا تھا (یہ لوگ اس کے) سامنے آئے۔ (پہلے تو) باتیں کرنی شروع کیں مگر آخر کار نوبت جنگ تک پہنچی اور علافیوں نے غلبہ حاصل کر کے سعید کو قتل کر ڈالا اور خود مکران میں (حاکم) بن بیٹھے۔ جس پر فرزدق نے یہ شعر کہے:

سقی اللہ قبرا یا سعید تضمنت
زواجہ اکفانا علیک ثیابھا

وحفرۃ بیت انت فیھا موسد
وقد سد من دون العوائد بابھا

لقد ضمنت ارض بمکران سیدا
کریما اذا الانواء خف سحابھا

شدیدا علی الادنین منک اذا احتوی
علیک من الترب الھیام حجابھا

لتبک سعدا مرضع ام خمسۃ
یتامی ومن صرف القراح شرابھا

---

1. سارے نسخوں میں یہ مقام "مرج" لکھا گیا ہے۔ مرج کے معنی ہیں گھاس کا میدان۔ مگر اس خطہ میں ایسی جگہ کا نام عربی تاریخوں یا جغرافیہ کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ یہ لفظ غالباً "بھرج" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ فارسی ایڈیشن کے فاضل ایڈیٹر کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ لفظ اصل میں "بھرج" ہے اور بھرج کرمان و مکران کی سرحد پر ایک شہر تھا جس کا ذکر اس سے پیشتر ص 99 پر آ چکا ہے۔ (ن-ب)
2. غالباً بھرج، دیکھئے حاشیہ ص 112 (ن-ب)

اذا ذکرت عینی سعیدا تحدرت
علیٰ عبرات یستھل انسکابھا[1]

[86]

[سعید! کاش خدا تیری قبر کو روشن رکھے (کہ) جس کے شکم میں تیرے کفن کا لباس سمایا۔ وہ کوٹھی سلامت رہے کہ جس میں تو محوِ آرام ہے، حالانکہ آمد و رفت کے لئے اس کے دروازے بند ہیں۔ مکران کی زمین میں وہ سردار آباد ہوا ہے (کہ) جب بارش نہ ہوتی تھی تو اس کا کرم برستا تھا۔ تیرے غم میں تیرے سارے قرابت دار گرفتار ہوئے، کہ جب تیرے اوپر باریک مٹی کے پردے پڑ گئے۔ سعید کو وہ ماں رو رہی ہے جس کے پانچ بچے ہیں، ان یتیموں کے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں رہا۔ آنکھوں کو جب سعید یاد آتا ہے، تب ان سے اس طرح آنسو بہتے ہیں جیسے نالے بہہ رہے ہوں۔]

پھر حجاج نے سعید کے ساتھیوں سے غضبناک ہو کر اُن سے پوچھا کہ تمہارا امیر کہاں ہے؟ مگر چونکہ انہوں نے اقرار نہیں کیا اس لئے (حجاج نے) ان میں سے بعضوں کو تلوار کا لقمہ بنایا یہاں تک کہ (انہوں نے) اقرار کیا کہ علافیوں نے بے وفائی کر کے اسے قتل کر ڈالا ہے۔ حجاج نے (مشتعل ہو کر) بنی کلاب کے ایک آدمی کو حکم دیا (چنانچہ اس نے وہاں پہنچ کر) سلیمان علافی کو قتل کیا اور اس کا سر سعید کے پس ماندوں کے گھر بھیج کر انہیں تشفی دی اور اس کے عزیزوں کو نوازا۔ لیکن پھر بھی حجاج بن اسلم، بشر بن زیاد، محمد بن عبدالرحمٰن، اسماعیل بن اسلم، سعید کے آزاد کئے ہوئے غلام اور اس کے ملازم نعرے لگاتے اور آہ و فغان کرتے رہے (جس سے متاثر

---

1. جملہ نسخوں میں اصل صرف چار شعر دیے گئے ہیں اور قاری نسخوں میں ان کی عبارت اس طرح ہے:

سقی اللہ قبرا من سعید فاصبحت
نواحیہ ارھی علیک ترابھا

لقد ضمنت ارض بمکران سیدا
کریما جوادا لا یواکف سحابھا

شدیدا علی الاذنین منک احسنوا
علیک من الثوب المھام حجابھا(؟)

اذا ذکرت عینی سعیدا تجددت
لھا عبرات یستھل انسکابھا

ہماری دی ہوئی عبارت علامہ عبدالعزیز المیمنی، سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی کی ہوئی تصحیح کے مطابق ہے۔ دیکھئے فارسی ایڈیشن ص 261 فرزدق کے یہ اشعار اس کے دیوان (طبع بیروت، طبع صاوی قاہرہ ص 102 اور طبع میونخ 1900 رقم 3 و رقم 500) میں موجود ہیں۔ مندرجہ بالا اشعار میں سے دو شعر (نمبر 2 اور نمبر 4) دیوان دیکھ کر درج کئے گئے ہیں۔ فتح نامہ کے تمام نسخوں میں یہ اشعار گم ہیں۔

ہو کر) صعصعہ بن مجریہ[1] کلابی نے یہ اشعار کہے:

اعاذل کیف لی بھموم نفسی
بذکری تابعا فیھا سعیدا

واخوانا لہ سلفوا جمیعا
غطارفة من الادنین صیدا

اذا ما الدھر حل فلم یکونوا
بما قد حل من امر شھودا

بقندابیل حیث تری المنایا
وقد لاقت بھم کرما وجودا

ولا تشمت بنا سرقا[2] ستلقی
من الاجال مطرقة حدیدا [87]

[اے عاذل! بتا کہ میں غموں کو کیا کروں، کہ جنہوں نے سعید کی یاد میں مجھے بے کار کردیا ہے۔ اور اس کے بھائی بھی جو کہ فوت ہوگئے [اور] اقارب بھی کہ جو سب سردار تھے۔ زمانے کی طرف سے اگر کوئی مصیبت آئی تو وہ اسے دیکھ کر خاموش نہ رہے۔ اس قندابیل میں کہ جو موت کا گھر ہے۔ سخیوں کے وہ سردار جاکے موت سے بغل گیر ہوگئے۔ اے آہن! [ہم پر] لوگوں کو نہ ہنسانا کہ خبردار تجھے بھی اجل کے ہتھوڑے برداشت کرنے پڑیں گے۔]

ولایت مُجّاعة بن سعر بن یزید بن حذیفہ (التمیمی)

اس تاریخ کے سنوارنے والے روایت کرتے ہیں کہ بشر بن عیسیٰ صاحب الخلاط[3] نے ابو فرقد[4] بن مغیرہ اور عمرو بن محمد التمیمی سے بیان کیا کہ جب حجاج نے مجاعہ بن سعر کو مکران[5] کی طرف بھیجا، [کیونکہ] سنہ پچاسی [ہجری] میں ہند اور قندابیل کے ممالک حجاج کے ذمے کئے گئے تھے، تو علافی، مجاعہ کے پہنچنے سے پہلے ہی بھاگ گئے۔ مجاعہ نے انہیں بہت تلاش کیا مگر وہ سندھ

---

1. فارسی ایڈیشن کا تلفظ "مجریہ" ہے مگر استاد علامہ عبدالعزیز المیمنی کی رائے میں "مجریہ" عربوں کا نام نہیں ہوتا بلکہ "محریہ" ہوتا ہے اس لحاظ سے یہ تلفظ اختیار کیا گیا۔
2. فارسی ایڈیشن میں تلفظ "سوقا" ہے، کی ہوئی تصحیح علامہ المیمنی کی جانب سے ہے۔ (ن-ب)
3. فارسی ایڈیشن میں "صاحب الخلاط" ہے الخلاط کی جگہ الخلاط کی تصحیح علامہ عبدالعزیز المیمنی کی جانب سے ہے۔ (ن-ب)
4. فارسی ایڈیشن میں "برقد" ہے، یہ تصحیح استاد المیمنی کی ہے۔ (ن-ب)
5. تمام نسخوں میں اس مقام پر "خراسان" ہے مگر یہ غلط ہے جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوتا ہے۔ (ن-ب)

کے راجا داہر بن چچ کے پاس چلے گئے [اور اس کے ہاتھ نہ آئے]۔ مجاعہ ایک سال مکران میں اقامت پذیر رہا اور [وہیں] انتقال کر گیا۔

محمد بن ہارون بن ذراع النمری کا تقرر

جب سنہ چھیاسی [ہجری] آیا [اور] خلافت ولید بن عبدالملک بن مروان کو ملی۔ تو اس نے ملک [ہند] محمد بن ہارون کے حوالے کیا۔ تاریخ کے مصنف اس طرح روایت کرتے ہیں کہ جب مجاعہ کی عمر پوری ہوئی تو حجاج بن یوسف نے محمد بن ہارون[1] کو ہندوستان کی طرف مقرر کیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق حکومت چلانے کی پوری آزادی دے کر دیوانی مال وصول کرنے کی تاکید کی اور کہا کہ "علافیوں کو تلاش کرنا اور کسی بھی طرح انہیں قبضہ میں کر کے سعید کا انتقام لینا۔" چنانچہ محمد نے سنہ چھیاسی کی ابتدا میں ایک علافی کو گرفتار کیا اور خلیفہ کے فرمان کے مطابق اسے قتل کر کے اس کا سر حجاج کے پاس بھیج دیا اور اس کے متعلق حجاج کی خدمت میں ایک خط بھی لکھا [88] جس میں ذکر کیا کہ ایک علافی کو تلوار کا لقمہ بنایا گیا، اگر عمر نے وفا اور بخت نے یاوری کی تو دوسروں کو بھی گرفتار کیا جائے گا۔ محمد بن ہارون نے پانچ سال وہاں رہ کر خشکی اور تری کے علاقے فتح کئے۔

ان تحفوں کا ذکر جو سراندیپ سے خلیفۂ وقت کے لئے بھیجے گئے تھے

کہتے ہیں کہ سراندیپ کے راجا نے جزیرہ یواقیت[2] سے کشتیوں کے ذریعہ حجاج کے پاس [بہت سے] ہدیے اور تحفے بھیجے [ساتھ ہی ساتھ] انواع واقسام کے موتی و جواہر، حبشی غلام اور کنیزیں اور دیگر بے مثل اشیاء کے نادر تحائف دارالخلافہ کو بھی روانہ کئے۔ کچھ مسلمان عورتیں بھی کعبہ [شریف] کی زیارت اور دارالخلافہ کو دیکھنے کی غرض سے ان کے ساتھ ہو لیں۔

جب [یہ بحری بیڑا] ملک قازرون [کے قریب] پہنچا تو ہوا [سخت] مخالف ہوگئی [جس کی وجہ سے] جہازوں کا رخ پھیر کر وہ دیبل کے کنارے جا لگے [لیکن یہاں] قزاقوں کے ایک گروہ نے کہ جسے تکامرہ[3] کہتے تھے اور [وہ] دیبل کے باشندے تھے، ان آٹھوں جہازوں کو

---

1. تحفۃ الکرام کی روایت کے مطابق یہ شخص بلوچوں اور جتوں کا مورث اعلیٰ ہے۔ دیکھئے تحفۃ الکرام ص28، ج3 (مترجم)
2. لفظی معنی کے لحاظ سے "یاقوتوں کا جزیرہ"
3. (ن) (ب) میں "تکامرہ" (م) میں "تکامرہ" اور (س) میں "بکامرہ" ہے۔

گرفتار کر کے اس میں لدے ہوئے سامان پر قبضہ کرلیا اور مردوں اور عورتوں کو گرفتار کر کے سارا سامان اور جواہرات (وغیرہ) سب لوٹ لئے۔ سراندیپ کے بادشاہ کے آدمیوں اور عورتوں نے بیتیرا کہا کہ یہ مال وہ لوگ خلیفۂ وقت کے لئے لے جا رہے ہیں، مگر انہوں نے توجہ نہ کی اور سب کو بند کر کے کہا کہ "اگر کوئی تمہاری دادرسی کرنے والا ہے [تو اس کے توسل سے] خود کو پھر سے خرید لو۔" اس پر ایک عورت نے چیخ کر [89] کہا کہ: "یا حجاج! یا حجاج! اغثنی اغثنی" [اے حجاج! اے حجاج! میری مدد کو پہنچ، میری مدد کو پہنچ] یہ عورت قبیلۂ بنی عزیز[1] میں سے تھی۔ حجاج نے یہ بات سن کر کہا "لبیک لبیک"۔ واسط اسعدی نے بیان کیا کہ "جب دیبل فتح ہوا تو میں نے اس عورت کو دیکھا، اس کا رنگ سفید اور قد لمبا تھا۔"

دیبل کے تاجر [جب دارالخلافہ میں] آئے [تو ان کے ساتھ] وہ لوگ [بھی آئے] کہ جو اس بیڑے سے بچ نکلے تھے [چنانچہ] انہوں نے آ کر حجاج کو اس حال کی خبر دی کہ "مسلمان عورتیں دیبل میں قید ہیں اور یا حجاج! یا حجاج! اغثنی اغثنی کہہ کر فریاد کر رہی ہیں۔" یہ بات سن کر حجاج نے کہا "لبیک لبیک" [حاضر ہوں، حاضر ہوں]۔ یہ بھی روایت ہے کہ حجاج کو جب مسلمان عورتوں کی خبر ملی کہ [وہ پکار رہی ہیں کہ] "اے حجاج ہماری مدد کر۔" تو اس نے کہا کہ [ان عورتوں] نے گویا مجھے نیند سے بیدار کیا ہے کہ ظالموں اور بے رحموں کے خلاف ہماری فریادرسی کر، ہم قید میں پڑے ہیں۔"

حجاج کا داہر کے پاس قاصد بھیجنا

پھر حجاج نے داہر بن چچ کی طرف ایک قاصد روانہ کیا اور محمد بن ہارون کو [بھی] خط لکھا کہ کوئی قابل اعتماد آدمی اس قاصد کے ساتھ داہر بن چچ کے پاس بھیج دے کہ جا کر اس سے کہے کہ مسلمان عورتوں کو چھوڑ دے اور دارالخلافہ کے تحفے واپس کر دے اور عورتوں کی حالت بھی دریافت کرے۔ پھر ایک خط داہر کے پاس بھی لکھا، جس پر اپنے دست مبارک سے دستخط کر کے قاصد کے حوالے کیا۔ اس میں [90] سخت تاکید کے ساتھ تہدید و وعید درج کیں۔ جب یہ خط داہر بن چچ کو ملا تو خط پڑھ کر اور جو پیغامات بھیجے گئے تھے، وہ سن کر اس نے جواب دیا کہ "یہ لوگ قزاق ہیں، ان سے زیادہ کوئی طاقتور نہیں ہے، اور وہ ہماری اطاعت بھی نہیں کرتے۔" [حالانکہ] میدوں کا دیبل بھی داہر بن چچ کی بادشاہت کے حدود میں تھا۔

1. نسخۂ (ب) میں "بنی عزیز ہے۔"

حجاج کا دارالخلافہ سے اجازت طلب کرنا

جب یہ خبر حجاج کو ملی تو اس نے [خلیفہ] ولید بن عبدالملک کی خدمت میں اطلاع بھیجی اور اس سے سندھ و ہند کے جہاد کی اجازت طلب کی۔ [خلیفہ نے] حجاج کو اجازت نہ دی۔ پھر اس نے دوبارہ لکھا۔ آخر اجازت مل گئی۔ پھر حجاج نے عبیداللہ بن نبہان السلمی کو مکران پر مقرر کیا۔ [اور] بدیل [ابن طہفہ البجلی] کو حکم دیا کہ "محمد بن ہارون کے پاس جا اور مکران پہنچ کر اسے [دارالحکومت] کے لشکر بھیجنے کی خبر سنا تاکہ وہ [بھی] تین ہزار آدمی تیرے ساتھ روانہ کرے۔" بدیل تین سو جنگ جو جوانوں کے ساتھ روانہ ہوا اور اس کے ساتھ عبیداللہ بھی[1] عمان کا سمندر [بحر عرب] پار کر کے دیبل[2] کے قلعے کے پاس آ پہنچا۔ [طہفہ کے ہاتھوں] جب محمد بن ہارون کو حجاج کا خط ملا تو اس نے [بھی] ایک جماعت اس کے ساتھ روانہ کی اور وہ [بھی] دیبل پہنچی۔ دیبل کے باشندوں نے داہر کے پاس اروڑ آدمی بھیجا کہ اسے بدیل کے دیبل پہنچنے کی اطلاع دے۔ [قاصد] جیسینہ[3] بن داہر کو بھی جو کہ نیرون میں تھا یہ خبر سناتا ہوا داہر کے پاس گیا۔ [91]

جیسینھ بن داہر کا نیرون سے پہنچنا

داہر نے جیسینہ کو چار ہزار سوار اور اونٹ و ہاتھی دے کر جلد [دیبل] روانہ کیا، یہاں تک کہ وہ آ کر بدیل کے مقابل ہوا۔ [اس عرصہ میں] بدیل، دیبل کے بہادروں کو شکست دے چکا تھا۔ جیسینہ چار ہاتھی اور دیگر ساز و سامان سے آراستہ لشکر ساتھ لایا اور آ کر جنگ میں شریک ہو گیا۔

صبح سے شام تک طرفین میں نہایت [زور شور سے] جنگ جاری رہی۔ دوران جنگ میں سواروں کے غلبے اور ہاتھیوں [کی چنگھاڑ] سے بدیل کا گھوڑا بھڑکنے لگا۔ بدیل نے عمامے سے گھوڑے کی آنکھیں باندھ کر حملہ جاری رکھا یہاں تک کہ اس کافروں کو جہنم واصل کر کے خود شہید

---

1. اصل متن میں اس مقام پر "بادی" ہے یعنی "اس کے ساتھ" تاریخی تسلسل کے لحاظ سے یہ عبارت یہاں بے موقع ہے اور سارے مضمون کو غلط بنا رہی ہے۔ بلاذری کے لکھنے کے مطابق عبیداللہ بن نبہان بدیل بن طہفہ سے پہلے دیبل میں جنگ کرتا ہوا شہید ہو گیا تھا۔ اس کے بعد حجاج نے بدیل بن طہفہ کو دیبل روانہ کیا۔ دیکھئے بلاذری ص 435-36 (ن-ب)
2. سارے نسخوں میں یہاں "نیرون" ہے جو کہ غلط ہے۔ دیبل ہی صحیح ہے۔ دیکھئے بلاذری ص 545 (ن-ب)
3. جملہ نسخوں میں اس نام کا تلفظ "جیسیہ" ہے جو کہ معنی کے لحاظ سے "جیسینہ" ہوگا۔ درحقیقت یہ لفظ "جیسینہ" (یعنی فتحمند شیر ہے) اس سے پہلے اسی طرح "جیسینہ" کا نام آ چکا ہے اور اسی لحاظ سے پوری کتاب میں اس نام کا تلفظ "جیسینہ" قائم رکھا گیا ہے۔ (ن-ب)

ہو گیا۔ پھر جیسینھ نے [دیبل میں] ایک ٹھاکر کو مقرر کیا اور ستر ہاتھی اس کی نگرانی میں دے کر دیہہ بھری اسے جاگیر میں دیا۔

بدیل کے شہید ہونے کی خبر

روایت کی ہے کہ جب حجاج کو بدیل کے شہید ہونے کی خبر ملی تو غمگین ہو کر اس نے کہا کہ "اے مؤذن!" جب بھی نماز کے لئے اذان دو تو دعا میں مجھے بدیل کا نام یاد دلاتے رہو تاکہ میں اُس کا انتقام لوں۔

پھر اس لشکر کا ایک آدمی [92] آیا اور حجاج کے سامنے جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے بدیل کی بہادری اور اس مردانگی کا ذکر کیا کہ جو اس نے اس جنگ میں دکھائی تھی۔ یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا اور لشکر اسلام نے شکست کھائی۔ [اس نے کہا کہ] میں [اس جنگ میں] حاضر تھا اور اُس کی ہمت و مردانگی دیکھ رہا تھا۔" جب وہ یہ تمام واقعہ بیان کر چکا تو حجاج نے کہا کہ "اگر تو بہادر ہوتا تو تو بھی بدیل کے ساتھ قتل ہو جاتا۔" [یہ کہہ کر] حجاج نے اسے سزا دینے کا حکم دیا۔

(بدیل کا شہید ہونا) عبدالرحمٰن بن عبد ربہ [1] سے روایت منسوب کرتے ہیں کہ جب بدیل قتل ہو گیا تو نیرون کوٹ [2] کے لوگ ڈرے کہ عرب کا لشکر ضرور اس ظلم کا بدلہ لینے کے لئے آئے گا اور ہم [چونکہ] اُن کے راستے میں ہیں، اس وجہ سے وہ اول ہم پر غصہ اتاریں گے اور ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے اس وقت نیرون کا حاکم سندر نامی ایک شمنی تھا [اس نے] ڈاہر کو بغیر اطلاع دیئے اپنے معتبر آدمی حجاج کی خدمت میں بھیج کر امان نامہ طلب کیا اور خود پر خراج مقرر کیا [اور وعدہ کیا کہ] وہ خراج وقت پر ادا کرتا رہے گا۔ امیر حجاج نے انہیں پروانۂ امن لکھ دیا اور پختہ وعدوں سے تشفی دی اور کہا کہ "ایسا طریقہ اختیار کرو کہ ہمارے قیدی رہا ہوں، ورنہ چین کی حد تک کافروں کو نہ چھوڑوں گا اور اسلام کی تلوار سے [انہیں] ذلیل و خوار کروں گا۔

ادھر عامر بن عبداللہ نے [حجاج کے پاس] پیغام بھیجا کہ ملک ہند میرے حوالے فرما۔ "حجاج نے جواب دیا کہ تو طمع رکھتا ہے۔" لیکن نجومیوں نے حساب کر کے یہ فیصلہ کیا ہے اور میں نے خود قرعہ ڈال کر دیکھا ہے کہ ملک ہند امیر عماد الدین محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں فتح ہوگا۔ [93]

---

1. فارسی ایڈیشن میں "عبداللہ" ہے نسخہ (ن) میں صاف طور پر "عبد ربہ" ہے اور (ب) (ر) (م) کی عبارتوں سے بھی یہی ظاہر ہے کہ اصل لفظ "عبد ربہ" ہے یہ راوی وہی "عبدالرحمٰن بن عبد ربہ السلیطی" ہے جس کا ذکر پہلے بھی ص 107 پر آچکا ہے۔ (ن۔ ب)

2. اصل عبارت "حصن نیرون" ہے۔

عماد الدین محمد بن قاسم [بن محمد بن حکم] بن ابی عقیل ثقفی کا تقرر

خبروں میں تصرف کرنے والے اور روایتوں کی تفسیر کرنے والے یوں کہتے ہیں کہ جب دارالخلافہ کی جانب سے ملک سندھ حجاج بن یوسف ثقفی کے حوالے ہوا تو اس نے محمد بن قاسم کو، جو کہ اس کے چچا [کے بیٹے] کا بیٹا اور نواسہ بھی تھا اور حجاج کی بیٹی اس کے گھر میں تھی، ہند کا گورنر مقرر کیا۔ اس کی عمر سترہ سال تھی۔ اس امارت کی مبارکبادی میں حمزہ بن بیض الحنفی نے یہ اشعار کہے:

ان الشجاعة والسماحة والنهى
لمحمد بن القاسم بن محمد

قاد الجيوش لسبع عشرة حجة
يا قرب ذالك سوددا من مولد

[محمد بن قاسم کے ساتھ بے شک خاص سخاوت، عقل اور رعیت پروری ہے۔ سترہ برس کی عمر میں [وہ] سپہ سالار ہوا۔ ولادت سے سروری کس قدر قریب ہے۔]

ابوالحسن مدائنی نے بشر بن خالد سے روایت کی ہے کہ بدیل کے قتل ہوجانے کے بعد حجاج نے خلیفہ وقت ولید کے پاس ایک خط بھیجا جس میں ہندوستان کے فتح کرنے کی اجازت طلب کی۔ خلیفہ نے لکھا کہ وہ قوم جاہل اور ملک بہت دور ہے۔ لشکر اور اسلحہ جات جنگ وغیرہ کی تیاری اور بندوبست پر بھی بڑی رقمیں خرچ ہوں گی اور [بیت المال پر] بڑا بوجھ پڑے گا جو کہ بڑی خراب بات ہے [چنانچہ اس معاملے میں] توقف کرنا چاہئے۔ کیونکہ جب بھی لشکر جاتا ہے، مسلمان ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اس کے لئے کوئی تدبیر سوچنی چاہئے۔ [94]

حجاج کا خط

پھر حجاج نے دوسری مرتبہ خط لکھ کر واضح کیا کہ اے امیر المومنین! کتنی مدت گذر گئی ہے کہ مسلمان قیدی کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہیں اور اسلام کا لشکر ایک مرتبہ شکست کھا چکا ہے جس کا بدلہ لینا اور مسلمانوں کو آزاد کرانا ضروری ہے۔ اور خط میں جو ارشاد فرمایا ہے کہ [وہ] ولایت دور ہے اور لشکر کی تیاری اور انتظام پر بے فائدہ رقم خرچ ہوگی [اس کے لئے عرض ہے] کہ ہمارے پاس اسباب اور ہتھیار وغیرہ سب کچھ [پہلے ہی سے] موجود ہیں زیادہ فرق نہ پڑے گا اور اگر کوئی خرچ، بار یا تکلیف ہوئی بھی تو [اس کے لئے] میں ذمہ دار ہوتا ہوں کہ دارالخلافہ کے خزانے سے اس لشکر پر جتنی رقم خرچ ہوگی تو اس سے دوگنی، سہ گنی رقم خزانے میں، کہ خدائے

تعالیٰ اسے بھرپور رکھے، داخل کرائی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

دارالخلافہ میں خط کا پہنچنا اور لشکر کے لئے ہندستان کے سفر کرنے کی اجازت ملنا

جب اس خط نے خلیفہ کے مطالعہ کا شرف حاصل کیا تو اجازت کا فرمان جاری ہوگیا۔

حجاج کی دوسری عرضداشت:

اس پر حجاج نے پھر دوبارہ عرضداشت بھیجی کہ "جس صورت میں اجازت کے فرمان سے مشرف ہوا ہوں تو اب [مہربانی فرما کر] شام کے سرداروں میں سے چھ ہزار کو حکم فرمایئے کہ جنگ کے ہتھیاروں اور دوسرے سارے ساز و سامان کے ساتھ اس لشکر کی طرف روانہ ہوں۔ [یہ لوگ ایسے نامور ہوں] کہ جنگ کے وقت ان میں سے ہر ایک کا نام مجھے معلوم رہے۔ اور وہ میری موافقت کریں اور لڑائی سے منہ نہ موڑیں۔ [95]

حجاج کا شام کی جانب خطوط لکھنا

ابوالحسن [مدائنی] نے اسحاق بن ایوب سے روایت کی اور کہا کہ حجاج کی تحریر پر شام کے امیروں کے فرزندوں میں سے ایسے چھ ہزار جوان کہ جن کے ماں باپ زندہ تھے اور پوری تیاری کرسکتے تھے اور [وہ] نامور بہادر کہ جو اپنے ننگ و نام کی خاطر [میدان جنگ] میں جم کر محمد بن قاسم سے وفاداری دکھا سکتے تھے، آ کر حاضر ہوئے۔

روایت: ابوالحسن سے روایت ہے کہ چھ ہزار مشہور اور نامور دلیر [حجاج کے پاس] حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک آدمی نے حجاج کے سامنے آ کر کہا کہ میرے پاس سامان نہیں ہے۔ حجاج نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ "میرے سامنے سے چلا جا ورنہ قتل کر ڈالوں گا۔" اس پر وہ شامی حجاج کے سامنے سے اٹھ کر بھاگا۔ راستے میں اسے کچھ سوار آتے ہوئے ملے، جنہوں نے پوچھا کہ اتنی تیزی کے ساتھ کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میرے پاس پورا سامان نہیں تھا [جس کی وجہ سے] حجاج نے مجھے دھمکی دی ہے کہ سزا دوں گا۔ [لوگ] اسے واپس لے آئے اور فرصت کے وقت خوش اسلوبی سے [اسے حجاج کے سامنے] پیش کیا اور عرض کیا کہ جس وقت اسے حکم پہنچا تو [مکمل سامان نہ ہونے کی وجہ سے اسے] تاخیر کی مجال نہ تھی اور [جس حال میں وہ تھا] خدمت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے [اسی حال میں] حاضر ہوگیا۔

جمعہ کے دن حجاج کا خطبہ دینا

پھر حجاج نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور کہا: "ان الایام ذات دول والحرب سجال" (زمانہ بدلنے والا اور دو دھاری تلوار ہے) "یوم لنا و یوم علینا" (کسی دن ہمارے موافق ہے تو کسی دن ہمارے خلاف ہے) تو جس دن ہمارے موافق ہو اس دن [مخالف] لشکر کو قید کرنا چاہئے اور جس دن ہمارے خلاف ہو اس دن تحمل کرنا چاہئے تاکہ ہم پر جو نعمت ہے اس میں اضافہ ہو اور جو حادثہ پیش آیا ہو وہ دفع ہو جائے۔ [96] ہم خداوند عزوجل وقیم و کریم و بے ہمتا کے احسان مند ہیں، اس کی تعریف ہماری زبانوں پر جاری ہے اور [ہم] اس کے کرم اور نعمت کے امیدوار ہیں کہ اپنی کامل نعمت ہمیشہ جاری رکھے اور کوئی بھی دروازہ ہم پر بند نہ کرے اور ہمیں اس کے شکر کا ثواب عنایت کرے۔ بدیل کے فراق میں دُکھ کی آواز ہر گھڑی میرے دل کے کانوں میں پہنچ رہی ہے اور میں لبیک لبیک کہہ رہا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر عراق اور [دوسرا] جو بھی [ملک] میرے قبضے میں ہے اس کا سارا مال اس کام پر خرچ ہو جائے تب بھی جب تک یہ داغ نہ مٹاؤں گا اور بدلہ نہ لوں گا تب تک میرے غضب کی آگ کی بھٹی سرد نہ ہوگی۔

محمد بن قاسم کو ہند اور سندھ کی طرف روانہ کرنا

پھر حجاج نے محمد کو سوار کر کے صدقات دیئے اور لشکر کو کثیر مال [و اسباب] سے منظم کر کے ہند اور سندھ کے جہاد کے لئے نامزد کیا اور یہ شعر پڑھے:

دعا الحجاج فارسہ بدیل
وقد سال العدو علی بدیل

وشمر ذیلہ الحجاج لما
دعاہ ان یشمرہ بدیل

فدیت المال للغارات حثوا
بلا عد یعد ولا بکیل

[بدیل سوار نے حجاج کو پکارا، جب دشمنوں نے بدیل کو گھیرا، حجاج نے اس کی آواز پر ہتھیار اٹھائے، اور مدد کے لئے باگ موڑی، جنگ کے لئے میں نے مٹھیاں بھر بھر کے مال لٹایا، نہ میں نے شمار کیا ہے اور نہ تولا ہے۔]

اس کے بعد حجاج نے [محمد بن قاسم سے] کہا کہ "شیراز کی جانب سے گذر کر آہستہ

بستہ منزلیں طے کرتے ہوئے روانہ ہو تاکہ سارا لشکر تم سے آ ملے۔ [97]

لشکر کا شیراز پہنچنا

پھر محمد بن قاسم بخت طالع کے ساتھ شیراز میں جا کر منزل انداز اور قیام پذیر ہوا۔ یہاں تک کہ عراقی اور شامی سب کے سب پہنچ گئے۔ [اس طرف حجاج نے] قلعے کی جنگ کا ضروری سامان مثلاً منجنیقیں، کدال، تیر اور چلچلو[1] [ریشمی زرہیں] وغیرہ کشتیوں میں رکھ کر اور ابن مغیرہ اور خریم کو کشتیوں کا نگران مقرر کر کے انہیں تاکید کی کہ اگر ان کشتیوں کو کچھ نقصان پہنچا تو اس کے لئے وہی ذمہ دار ہوں گے اور معاملہ سزا تک پہنچے گا۔

حجاج کا خط محمد بن قاسم کو ملنا

پھر حجاج نے محمد بن قاسم کو ایک خط لکھا جس میں اُسے بتایا کہ میں نے خریم اور ابن مغیرہ کو روانہ کیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ دیبل کے آس پاس آ کر تم سے ملیں۔ اس لئے تمہیں [اس] بیڑے کے پہنچنے تک انتظار کرنا چاہئے۔ اللہ کی حفظ و امان میں روانہ ہو۔ فِـیْ حِفْظِ اللّٰہِ وَعَوْنِہٖ.

(روایت) اسحاق بن ایوب اور ہلواث[2] کلبی نے روایت کی ہے کہ حجاج نے سارے لشکر کی ضروریات پوری طرح فراہم کردی تھیں بلکہ کوشش کر کے ضرورت سے زیادہ ہتھیار اور سامان ساتھ کیا تھا۔

اونٹوں کی کمک دینا

پھر [حجاج نے] کہا کہ "تمہاری تیاری مکمل ہو چکی۔ اب ہر چار سواروں کے پیچھے ایک اونٹ لو۔ میں تمہیں بار بردار سانڈنیاں دیتا ہوں تاکہ تم محتاج نہ ہو اور اونٹوں پر زیادہ بار نہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، صبر سے مزین رہو اور جب دشمن کے ملک میں پہنچو [98] تو کشادہ میدان میں منزل کرنا تاکہ کھلے رہو اور جنگ کے وقت چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ جانا اور مختلف اور الگ الگ سمتوں سے آنا، کیونکہ ہاتھیوں کی جنگ اہم ہے۔ اور جب وہ حملہ کریں تو ایک جگہ ٹھہر

1. یہاں اصل لفظ "خفتان" ہے۔ یہ ایک ریشم کا جنگی لباس ہوتا ہے جسے تہ در تہ سیا جاتا ہے۔ اگلے زمانے میں سندھ میں اسے "چلچلو" (چہل تہہ) یعنی چالیس تہوں والا لباس کہتے تھے۔ (مترجم)

2. اصل میں "طوان کلبی" ہے۔ عربوں میں زیادہ تر "طوان" نام نہیں ہوتا ہے۔ صحیح "ہلواث کلبی" ہے جو تاریخ طبری (یورپ ایڈیشن جلد 2 ص 1275) میں بھی فتوحات سندھ کے سلسلے کا راوی ہے۔ (ن۔ب)

کر تیر برساتا اور برگستوان [1] سامنے کر کے (ان کی) شکلیں پھاڑنے والے جانوروں اور ہاتھیوں جیسی دکھاتا۔" [پھر] اس نے درزیوں اور زرہ داروں کو حکم دیا جنھوں نے برگستوانوں کے سر شیر اور ہاتھیوں جیسے بنائے اور بھجوا دیے۔ حجاج کے خطوط، چھ ہزار سواروں، چھ ہزار اونٹوں اور تین ہزار بار بردار بختی اونٹوں سمیت شیراز پہنچے۔ محمد بن قاسم نے یہ خطوط پڑھے۔ اس وقت ہجرت کو 92 سال گذر چکے تھے۔ [2]

محمد بن قاسم کا مکران پہنچنا

خبروں کے مصنفوں اور تاریخ کے مؤلفوں نے عبدالرحمٰن بن عبدربہ [3] سے اس طرح روایت کی ہے اور اس نے عبدالملک بن قیس سے روایت کی، جس نے بیان کیا کہ: محمد بن قاسم نے جب مکران پہنچ کر محمد [بن] ہارون سے ملاقات کی اُس وقت میں اس کے ساتھ تھا۔ محمد [بن] ہارون اس کے ہمرکاب پیدل چلنے لگا تھا [مگر] محمد بن قاسم نے محمد [بن] ہارون کو سوار کیا اور پھر دونوں منزل گاہ تک آئے۔ وہاں پہنچ کر اس نے بہت سے تحفے، ہدیے اور مہمانی کا سامان پیش کیا اور کہا کہ محمد بن قاسم نے اسی نرمی اور تواضع سے نام پیدا کیا ہے اور اسی تیاری، سامان، عقل، استقلال، ہنر اور دانائی سے سندھ اور ہند کے ممالک کو فتح کرے گا۔

محمد بن ہارون کا محمد بن قاسم کے ساتھ روانہ ہونا

ابن منذر بحری حکایت کرتا ہے کہ محمد بن قاسم وہاں سے ارمابئل کی جانب روانہ ہوا اور محمد [بن] ہارون نے بھی اُس کے ساتھ [چلنے کا] مصمم ارادہ کیا۔ وہ حالانکہ [99] بیمار تھا، مگر پھر بھی اس نے محمد بن قاسم کی [سفر میں] رفاقت کی۔ راستے میں [سفر کی] سختی کی وجہ سے اس کی بیماری میں اضافہ ہوگیا اور اسے متواتر [دورے] پڑنے لگے۔ [آخرکار] جب ارمابئل کی منزل پر پہنچا تو اس کی عمر پوری ہوئی اور اس نے جان آفرین حق تعالیٰ کے سپرد کی۔ [چنانچہ] اسے وہیں دفن کیا گیا۔

---

1. برگستوان ایک قسم کی زرہ ہوتی ہے جو کہ جنگ کے وقت گھوڑوں کو پہناتے ہیں جس کی وجہ سے وہ دشمنوں سے محفوظ رہتے ہیں۔
2. غالباً مراد یہ ہے کہ "گذرنے والے تھے"۔ درحقیقت اس وقت 92 ہجری کا نصف سال بھی مشکل سے گذرا تھا جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ محمد بن قاسم 93 ہجری کے محرم کے مہینے میں دیبل پہنچا تھا۔ (ن-ب)
3. فارسی ایڈیشن میں "عبداللہ" ہے۔ نسخہ (ب) کے تلفظ کے مطابق "عبدربہ" ہی ہونا چاہیے تھا۔ اس لفظ کی صحیح کے لئے دیکھئے حاشیہ میں [81] اور میں [93] (ن-ب)

لشکر کا ارمابیل سے آگے بڑھنا

اس کے بعد پھر محمد بن قاسم لشکر لے کر دیبل کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت جیسینہ بن ذاہر نیرون میں تھا، اس نے اپنے باپ کے پاس لکھا کہ محمد بن قاسم عربستان سے لشکر لے کر دیبل کے حدود میں آ پہنچا ہے [مجھے اجازت دے] کہ میں اس سے جا کر جنگ کروں۔ ڈاہر نے علافیوں کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ علافیوں نے ڈاہر سے کہا کہ "محمد بن قاسم حجاج کے چچا کا لڑکا ہے، بہادر لشکر اس کے ساتھ ہے [جس میں سب] نامور بہادر، شریف زادے اور جنگجو سورما ہیں [جو] منتخب گھوڑوں اور مکمل ہتھیاروں کے ساتھ تجھ سے جنگ کرنے کے لئے متوجہ ہوئے ہیں۔ خبردار! ان سے مقابلہ نہ کرنا کیونکہ اس وقت شام سے ایک آدمی آیا ہے جس نے خبر دی ہے کہ عرب کے لشکر کا ایک ایک سوار ڈاہر سے انتقام لینے کے لئے آیا ہے۔" [چنانچہ] ڈاہر نے اپنے بیٹے کو ان کے ساتھ لڑنے سے منع کر دیا۔

ارمابیل کی منزل پر محمد بن قاسم کو حجاج بن یوسف کا خط پہنچنا

جب محمد بن قاسم نے ارمابیل فتح کیا تو اسے وہاں حجاج کا خط ملا، جس میں اشارہ تھا کہ جب دیبل کی حد میں منزل کرو تو منزل پر ہوشیار رہنا اور جب قیام [کرو] تو [اپنے چاروں طرف] خندق کھود لینا تاکہ تمہاری حفاظت اور پناہ رہے اور زیادہ تر بیدار رہنا۔ اور تم میں سے جو کوئی آدمی قرآن خواں (حافظ) ہو وہ ہمیشہ قرآن کی تلاوت میں مشغول رہے اور دوسرے دعا میں مشغول رہیں۔ ہر طرح سے ہوشیار رہنا۔ تحمل کو اپنا شعار بنانا، خدائے عزوجل کا ذکر زبان پر جاری رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مدد طلب کرتے رہنا، تاکہ خدائے تعالیٰ تمہیں فتح مند کرے، زیادہ تر لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ[1] (عظیم اور بزرگ اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا دوسری کوئی بھی پناہ اور قوت نہیں ہے) کے وظیفے کو اپنی مدد کے لئے کام میں لانا اور جب دیبل میں پہنچنا تو بارہ گز چوڑی چھ گز گہری اور چھ گز اونچی خندق کھودنا، جب دشمن سے مقابلہ کرنا تو خاموش رہنا، چاہے دشمن نعرے لگائیں اور بے ہودہ بکواس کریں اور چاہے وہ تیار ہو جائیں، مگر جب تک میں حکم نہ دوں جنگ نہ چھیڑنا۔ میرے خطوط سے حالات معلوم کرنا اور جو رائے میں دوں اسے بہتر سمجھ کر اس پر عمل کرنا۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمہاری مشکل حل ہو جائے گی۔

---

1. یہ آیت اصل کتاب میں پوری نہیں صرف "ولا قوۃ الا باللہ" ہے۔

لشکر عرب کی تیاری اور حجاج کا خط پہنچنا

پھر جب [محمد بن قاسم] ارمابیل سے آگے روانہ ہوا تو اس نے [محمد بن] مصعب[1] بن عبدالرحمٰن کو لشکر کے مقدمہ پر مقرر کیا، جہم بن زحر الجعفی کو ساقہ پر، عطیہ بن سعد العوفی کو میمنہ پر اور موسیٰ بن سنان [101] بن سلمہ الھذلی کو میسرہ پر نامزد کیا۔ اس کے بعد باقی ہوشیار، تلوار کے دھنی اور خاص آدمی قلب میں اپنے گرد و پیش کر کے آگے بڑھا اور آخر جمعہ کے دن 93ھ کے محرم کے مہینے میں [دیبل آ پہنچا] [بحری] بیڑا اور ہتھیار بھی اسی دن خریم بن عمرو اور ابن مغیرہ کی [زیر نگرانی] اسے وصول ہوئے۔ انہوں نے حجاج کا خط اسے دے کر خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ ان خطوط میں تحریر تھا کہ "تمہاری خدمت میں خاص آدمی مقرر کئے گئے ہیں، ایک عبدالرحمٰن بن سُلیم[2] الکلبی جس کی شجاعت کئی بار آزمائی جا چکی ہے اور کوئی بھی دشمن جنگ میں اس سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دوسرا سفیان بن الابرد ہے جو کہ دانائی میں یگانہ اور عقل میں امین اور پاکدامن ہے [تیسرا] قطن بن مدرک الکلابی ہے جس نے مشکلات میں ہماری مدد کی ہے اور قابل عزت راست گو ہے اور جس امر میں اسے مامور کیا جائے گا، فرماں برداری کی شرط بجا لائے گا۔ ملامت سے پاک ہے اور حجاج کا ہمیشہ مددگار رہا ہے۔ [چوتھا شخص] جراح بن عبداللہ ہے کہ جو تجربہ کار لوگوں میں سے اور جنگ آزمودہ ہے اور اہل فضیلت میں ترجیح رکھتا ہے اور پانچواں مجاشع بن نوبہ ازدی ہے یہ سب میرے معتمد مشیر ہیں اور میں ان سے زیادہ کوئی امین اور پاک دامن نہیں رکھتا۔ مجھے امید ہے کہ وہ تم سے مخالفت اور دشمن سے ساز باز نہ کریں گے۔ اس ساری جماعت میں جن کا تذکرہ خط کے شروع میں ہوا ہے، مجھے کوئی بھی خریم بن عمرو سے زیادہ عزیز نہیں ہے، کیونکہ وہ مرد دلیر اور شیر دل ہے، جنگ کے وقت بہادر [رہتا ہے] اور متکبر نہیں ہوتا وہ منتخب آدمیوں میں سے ہے اور قابل احترام ہے، اور اپنے آباء و اجداد سے لے کر مخلص اور صادق ہے اور جب خریم تمہارے ہمراہ ہے تو پھر مجھے کوئی خوف نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی عادتوں اور پسندیدہ اخلاق سے آراستہ ہے اور کسی بھی مخلوق کو تمہارے مخالف نہ ہونے دے گا۔ اسے اپنے سے جدا نہ کرنا اور اس خط کے پڑھنے کے بعد جب تک کہ اس وقت تک کے سارے حالات تفصیل و تشریح کے ساتھ [ہمارے پاس] نہ لکھو اس وقت تک کھانا پینا حرام سمجھنا۔"

1 اصل متن میں "صاحب" ہے لیکن صحیح "مصعب" ہے یہی نام فتحنامہ میں 130، 135، 143 اور 148 صفحات پر آیا ہے اور ان جملہ صفحات پر "مصعب بن عبدالرحمٰن" تحریر ہے، لیکن صحیح پورا نام محمد بن مصعب بن عبدالرحمٰن ہے، جیسا کہ فتوح البلدان ص 438 پر بلاذری کی روایت ہے کہ بعث محمد بن القاسم، محمد بن مصعب بن عبدالرحمٰن الثقفی الی سدوسان (ن-ب)

2 فارسی متن میں "مسلم" ہے جو کہ صحیح نہیں ہے، دیکھئے حاشیہ (1) ص 105 (ن-ب)

حجاج، امیر محمد بن قاسم سے بڑی محبت کرتا تھا اور اس کی محبت کے جوش میں وہ [دن میں] کئی مرتبہ صدقات کیا کرتا تھا اور دعائیں مانگا کرتا تھا۔ بکر بن وائل اور عدیل بن فرخ[1] محمد کے دوستوں میں سے تھے، انہوں نے اُس کے جانے کے بعد سانڈنیاں قربان کیں اور ان کی قیمتوں میں اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے زیورات دیئے تاکہ کوئی شبہ نہ رہے اور عدیل نے یہ اشعار کہے:

سلبت بناتی حلیهن فلم ادع
سوارا ولا طوقا و قرطا مذهبا

وما غرنی الاذان حتی کانما
تعطل بالبیض[2] الا رانب اربا

من الدر والیاقوت من کل حرة
تری سمطها فوق الخمار منقبا

دعون امیر المومنین فلم یجب
دعاء فلم یسمعن اما ولا ابا

[میں نے اپنی بیٹیوں کے زیورات چھین لئے یہاں تک کہ ان کے کنگن، کنٹھمالے اور سونے کی بالیاں بھی نہ چھوڑیں۔ مجھے کانوں کے [گوشواروں] نے بھی نہ بہکایا، جیسے گوریوں کو گہنا زیور پہننا منع ہے۔ اور ہر لڑی میں پروئے ہوئے موتی اور یاقوت لے لئے، جو ان کی لڑیوں میں مڑھے ہوئے سر میں دوپٹے کے نیچے تھے۔ انہوں نے امیر المؤمنین سے فریاد کی، لیکن جب اُس نے نہ سنی تو پھر انہوں نے اپنے ماں باپ سے فغاں کی۔]

دور اندیش حکیموں اور خیر اندیش بزرگوں نے ابوالحسن سے روایت کی جس نے کہا کہ میں نے بنی تمیم کے آزاد کردہ غلام ابو محمد سے سنا کہ "محمد بن قاسم دیبل کے نواح میں آ کر منزل انداز ہوا اور [لشکر نے] خندقیں کھود کر علم لہرایا اور نقارے بجائے۔ جو جیش جس مقام پر مامور کیا گیا تھا وہ وہیں جمارہا اور منجنیقیں باہر نکال کر سیدھی کی گئیں [103]۔ ایک منجنیق خاص امیر المؤمنین کی تھی

1 اصل متن میں "فرح" ہے مگر صحیح "فرخ" ہے۔ دیکھئے آخر میں تشریحات حاشیہ میں [103] (ن ب)
2 فارسی ایڈیشن میں "بالبیض" اور "مستغنی" دیا گیا ہے۔ تصحیح علامہ استاذ عبدالعزیز المیمنی کی طرف سے ہے۔ مترجم نے ان جملہ اشعار میں پیچیدگیاں سمجھ کر ان کا ترجمہ مناسب نہیں سمجھا اور یہ ترجمہ میں نے اپنی ناقص عقل کے مطابق کیا ہے۔ (ن ب)

جس کا نام "عروسک" تھا [یہ اتنی بڑی تھی کہ] جب پانچ سو آدمی اس کے لنگر کو کھینچتے تھے تب اس میں سے پتھر چھوٹتا تھا۔

دیبل کے وسط میں ایک بلند و بالا بت خانہ تھا۔ اس کے اوپر ایک گنبد تھا جس پر ریشم کا سبز پرچم آویزاں تھا۔ بت خانے کی بلندی چالیس گز تھی اور اس کا گنبد بھی چالیس گز اونچا تھا۔ اس پرچم کی شکل اس طرح تھی کہ اس میں چار بیرقیں تھیں[1]، جن کے کھلنے پر ہر بیرق الگ الگ سمت میں پھیل جاتی تھی اور اس کے پھریرے برجوں کے آویزے کی طرح دکھائی دیتے تھے۔

جب اہل قلعہ نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو بت خانہ کا پرچم کھول کر وہ جنگ کے لئے مستعد ہو گئے۔ لیکن ہمیں [جنگ کی] اجازت نہ تھی۔

اس طرح سات دن گذر گئے ہر روز خط آتا تھا اور انتظار کرنے کا حکم ہوتا تھا۔ آخر آٹھویں دن اجازت کا پروانہ آیا۔ محمد بن قاسم نے لشکر درست کر کے حملہ کیا جس کی وجہ سے قلعہ والوں نے قلعہ کے اندر جا کر پناہ لی۔ اچانک ایک برہمن قلعہ کے اندر سے نکل کر آیا اور امان طلب کر کے کہنے لگا کہ "امیر عادل سلامت رہے! ہمارے نجوم کی کتابوں میں اس طرح حکم ہے کہ ملک سندھ لشکر اسلام کے ہاتھوں فتح ہوگا اور کافر شکست کھائیں گے۔ لیکن اس بت خانے کا پرچم [ایک] طلسم ہے اور جب تک یہ برقرار ہے، یہ قلعہ ہاتھ آنا امکان سے باہر ہے۔ اس لئے اس بت خانے کی چوٹی مسمار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، تاکہ اس کا جھنڈا پارہ پارہ ہو جائے اور فتح حاصل ہو۔ [104]

جعونہ[2] کا منجنیق سے بت خانہ کے جھنڈے کو گرانا

پھر محمد بن قاسم نے جعونہ السلمی منجنیقی کو بلا کر کہا کہ "[کیا تو] بت خانے کا یہ پرچم اور بیرقیں منجنیق کے پتھر سے گرا سکتا ہے؟ اگر گرائے گا تو تجھے دس ہزار درہم انعام دوں گا۔" جعونہ نے کہا "یہ دارالخلافہ کی خاص منجنیق [ہے] جسے 'عروسک' کہتے ہیں، اگر اسے دو گز کاٹ دیا جائے (یعنی چھوٹا کیا جائے) تو میں تین پتھروں سے جھنڈا اور بیرقیں گرا کر بت خانے کی چوٹی مسمار کر دوں گا۔" محمد بن قاسم نے کہا کہ "اگر تو پتھر سے بت خانے کی چوٹی اور جھنڈے کو گرا دے گا تو میں تجھے دس ہزار درہم انعام دوں گا، لیکن اگر تو منجنیق بھی برباد کر دے اور بت

1 اصل عبارت "چہار زبانہ" ہے۔
2 اصل متن میں اس جگہ پر اور آگے "جعوبہ" ہے جو نام کہ عربوں میں غیر معروف ہے یہ تصحیح علامہ استاذ عبدالعزیز المیمنی کی طرف سے ہے جس کے مطابق ہر جگہ "جعونہ" لکھا گیا ہے۔ (ن-ب)

خانے بھی نہ ٹوٹے تو پھر کیا شرط ہے؟" جعونہ نے کہا کہ "اگر [نشانہ] خطا کر جائے تو پھر جعونہ کے ہاتھ کاٹ دیجئے۔"

محمد بن قاسم نے ملک الامراء حجاج بن یوسف کے پاس خط لکھا، جس میں جعونہ کی شرط درج کی۔ نویں دن کرمان سے جواب آیا اور فرمان میں بھی وہی شرط درج کی گئی تھی [اور مزید] لکھا تھا کہ "جب جنگ کے لئے آگے بڑھو تو مناسب یہ ہے کہ سورج کی طرف پشت رکھو، تاکہ دشمن کو اچھی طرح دیکھ سکو اور جنگ شروع کرنے کے پہلے ہی دن اللہ تعالیٰ سے امداد و اعانت طلب کرنا۔ سندھ کا جو بھی آدمی امان طلب کرے اسے امان دینا، مگر دیبل کے کسی آدمی کو کسی صورت سے پناہ نہ دینا۔

پھر قلعہ کے کاہنوں میں سے ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ "ہم جب بھی اپنی کتابوں سے نتیجہ نکالتے تھے تو ہمیشہ [یہی] ظاہر ہوتا تھا کہ ہند کے بادشاہ کے حکمران [ی مدت] پوری ہو چکی ہے اور مسلمانوں کا دور آنے والا ہے [چنانچہ] مسلمان قیدیوں کو اسلامی لشکر کے آنے کی تسلی دی جاتی رہی۔ اب اگر امیر [105] میرے اہل و عیال کو پناہ دیں اور ایسا پروانہ لکھ دیں تو میں ابھی واپس جا کر انھیں تسلی دوں۔ محمد بن قاسم نے اسے امان دے کر واپس بھیجا تاکہ وہ اپنے قبیلین کو [مسلمان] قیدیوں کے قرب و جوار میں لاکر اکٹھا کردے۔ پھر اس برہمن نے قلعہ میں جا کر قیدیوں کو رہائی کا مژدہ سنایا [اور بتایا] کہ محمد بن قاسم حجاج کا عم زادہ [1] [آیا] ہے اور اس کے [ہاتھوں] قلعہ فتح ہوگا اور تمہیں آزادی نصیب ہوگی۔

عماد الدین محمد بن قاسم کا جعونہ منجنیقی کو اپنے پاس بلانا

دوسرے دن، کہ جو دیبل میں قیام کا نواں دن تھا، جوں ہی سورج مشرق سے ابھرا، محمد بن قاسم نے جعونہ کو بلوایا اور اس نے جہاں سے کہا منجنیق کو وہاں سے کٹوایا۔ پھر فوج کو تیار کر کے قلعہ کے چاروں طرف چکر لگا کر تیر برسائے اور پانچ سو رسہ کھینچنے والے آدمی بھی [منجنیق کے پاس] لا کھڑے ہوئے۔ جعونہ نے پہلا پتھر پھینکا اور مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پہلے ہی وار میں بیرق پھٹ گئی اور لکڑی کے سرے سے الگ ہوگئی۔ پھر اس نے دوسرا پتھر سیدھا جا کر دعوے کے ساتھ بت خانے کی چوٹی پر مارا اور چوٹی ٹوٹ گئی۔ جب چوٹی کا گنبد ٹوٹ گیا اور طلسمات منتشر ہوگئے تو اہل دیبل حیران ہوگئے۔ [اس طرف] خداوند عزوجل کے حکم سے قلعہ بھی فرش پر آرہا۔

---

1 اصل متن میں "ابن عم حجاج" ہے۔

محمد بن قاسم نے فوج کو ہوشیار کیا۔ پہلے تو اس نے جہم بن زحر الجعفی کو مشرق کی جانب مقرر کیا، عطاء بن مالک القیسی [1] کو مغرب کی طرف کھڑا کیا، نباتہ [2] بن حنظلہ کلابی کو شمال کی دیوار کی طرف سے جنگ کرنے کا حکم دیا، عون بن کلیب [3] دمشقی کو جنوبی برج کی طرف کھڑا کیا اور ذکوان بن علوان البکری [4] خریم اور ابن مغیرہ کو قلب میں رکھ کر بصرہ کے ایک ہزار جنگجو مرد اپنے زیر کمان رکھے۔ پھر جنگ کا نقارہ بجایا۔ سب سے پہلے جو شخص قلعہ پر چڑھا وہ کوفہ کا صعدی بن خزیمہ [5] تھا اور اس کے بعد [دوسرا شخص] بصرہ کا عجل بن عبدالملک بن قیس الدمی [العبدی؟] [6] جب لشکر اسلام قلعہ کے اوپر چڑھ گیا تب اہلِ دیبل نے دروازہ کھول کر امان طلب کی اس پر محمد بن قاسم نے فرمایا کہ "مجھے امان کا حکم نہیں ہے۔" پھر ہتھیار بندوں کا قتل عام تین دن تک جاری رہا۔

جاهین بن برساید راوت نے راتوں رات قلعہ کی دیوار پھاندی۔ [ادھر] داہر بن چچ کے بھیجے ہوئے گھوڑے اور اونٹ [موجود] تھے۔ [7] باہر آتے ہی وہ سوار ہو کر راہی ہوا۔ [حتیٰ کہ] دریائے مہران کے اس مقام پر پہنچا کہ جسے "کارحتی" کہتے ہیں [اور جو] مہران کے مشرق میں ہے [7] اور وہاں سے داہر کے پاس اطلاع دینے کے لئے [فیل سوار] روانہ کیا۔ ڈاہر نے پوچھا کہ "جاہین بدھ کہاں پہنچا ہے؟" اس آدمی (فیل سوار) نے جواب دیا کہ "کارحتی" یعنی "کھاری مٹی" کے قریب۔ [اس پر] داہر نے کہا کہ "تیرے سر میں خاک!

---

1 اصل متن میں "العشی" ہے جو صحیح نظر نہیں آتا۔ غالباً یہ لفظ "القیسی" یا "العیشی" کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو قابل غور ہے۔ (ن-ب)

2 فارسی ایڈیشن میں "بانہ" ہے۔ لیکن اس کا صحیح تلفظ "نباتہ" ہے۔

3 یہ نام فارسی ایڈیشن کے مطابق ہے، مگر مشکوک ہے۔ مختلف نسخوں میں مختلف بگڑے ہوئے تلفظ ہیں، مثلاً کلیت، حبیب، تیب اور قلیت (ن-ب)

4 فارسی ایڈیشن میں یہ نام "ذکوان بن علوان بکوی" مندرج ہے جو کہ درست نہیں ہے کیونکہ "علوان" نام عربوں میں غیر معروف ہے۔ (ن) اور (ر) نسخ کا تلفظ "ذکوان بن عذوان بن بکری" ہے جو کہ زیادہ صحیح ہے۔ نسخہ (پ) میں آخری لفظ واضح طور پر "البکری" ہے۔ انہیں عبارتوں کی بنا پر نام درست کیا گیا ہے۔

5 یہ نام بہت مشکوک ہے۔ دیکھئے آخر میں توضیحات حاشیہ ص107

6 فارسی ایڈیشن کے متن میں "الدمی" تلفظ اختیار کیا گیا ہے۔ یہ نسبت فتح نامہ میں تین بار آئی ہے۔ یعنی ص[107] پر اور پھر [123] اور ص [218] یعنی ص [107] پر اور پھر ص [123] اور ص [218] پر۔ فارسی ایڈیشن کے ص123 پر "الدیتی" اور ص218 پر "الدمی" تحریر ہے لیکن آخر میں دی ہوئی توضیحات میں ایڈیٹر کی رائے میں یہ لفظ "شاید الدمی یا الدمق صحیح" ہے۔ (دیکھئے فارسی ایڈیشن ص262)۔ یہ لفظ بے حد مشکوک ہے، جس کی صحیح شکل نظر آتی ہے۔ مختلف نسخوں کے تلفظ پر غور کرنے سے اس لفظ کی شکل اس طرح قائم ہوتی ہے "الدمی" جو کہ متن میں رکھی گئی ہے۔ اس مقام پر مختلف نسخوں کے تلفظ یوں ہیں: (ن) (پ) (ج) "الدیقی" (پ) "الدیقی" (ر) "الدیقی" (س) "الاقی"۔ "العبدی" کے لئے دیکھئے آخر میں توضیحات حاشیہ ص128[107] (ن-ب)

7-7 اصل عبارت یوں ہے: "چوں بیرون آمد وسوار شدہ بود و بیرفت، بلب مہران رسید بموضع کہ آنرا کارحتی گویند از جانب شرقی مہران"۔ مزید دیکھئے توضیحات حاشیہ ص[107] (ن-ب)

بادشاہوں کے حضور میں برے نام نہ لینے چاہئیں کیونکہ اس سے بری فال لیتے ہیں یہ کیوں نہیں کہا کہ "ندمتی" یعنی گل سیمیں (چاندی جیسی مٹی) کے قریب پہنچا ہے۔

[اس طرف دیبل میں] محمد بن قاسم بت خانے میں آیا۔ کچھ لوگوں نے اس میں آ کر پناہ لی تھی اور دروازے بند کر کے خود کو جلا دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ [107] دروازے پر اب جو بھی آدمی ملے اس نے انہیں باہر نکال کر قتل کیا اور سات سو خوبصورت کنیزوں (دیوداسیوں) کو جو کہ بت کی خدمت میں رہا کرتی تھیں، جڑاؤ زیوروں اور زریں لباسوں سمیت گرفتار کیا۔ اس کے بعد چار ہزار آدمیوں نے اور کچھ کہتے ہیں کہ چار سو آدمیوں نے اندر آ کر اُن کے زیورات اُتارے۔

جس برہمن کو محمد بن قاسم نے امان دی تھی اُس کا آنا

اسکے بعد محمد بن قاسم نے اس شخص کو حاضر کرنے کا حکم دیا کہ جسے اس نے امان دی تھی۔

جب وہ حاضر ہوا تو اس کو نشان دہی پر اس نے ان قیدی مسلمان عورتوں اور مردوں کو جو کہ سراندیپ کی کشتیوں سے گرفتار کیے گئے تھے یا بدیل کے لشکر میں سے قید ہوئے تھے، ان سب کو باہر نکال کر آزاد کیا۔ پھر جو لشکر دیبل کے قلعہ میں داخل ہو چکا تھا، اسے وہیں مامور کر کے وہ جماعت [بھی] اس کے ساتھ مقرر کر دی، تاکہ طویل قید و بند میں رہنے کی وجہ سے انہیں جو تکلیف پہنچی ہے اس کے ازالے میں انہیں کچھ عرصہ آرام ملے اور بے وفا زمانے کے ہاتھوں کچھ عرصہ آسودہ رہیں [ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی] کہ انہیں چاہئے کہ قلعہ کی حفاظت کرنے میں انتہائی کوشش کرتے رہیں۔

قبلہ نامی جیلر کو حاضر کرنا

[داہر کی جانب سے] دیبل کے قیدیوں پر ایک شخص قبلہ[1] بن مہتراج نامی مامور تھا۔ وہ بڑا دانا اور قابل تھا۔ سراندیپ کے قیدی اور بدیل کا لشکر اسی کی نگرانی میں تھا۔ [محمد بن قاسم نے اسے] بلا کر سزا دینے کے لئے حکم دیا۔ [اس پر] اس نے کہا کہ "اے امیر! اسلامی قیدیوں سے [108] دریافت کیجئے کہ میں ان کے آرام اور [مصائب کی] تخفیف کے لئے کوشاں رہا ہوں۔ جب حضور کے سامنے یہ حقیقت روشن ہو جائے تو پھر مجھے قتل کیے جانے سے معاف فرمائیں۔"

1. نسخہ (ب) میں "قتلہ" ہے۔

محمد بن قاسم کا ترجمان سے پوچھنا

محمد بن قاسم نے ترجمان سے دریافت کر کے کہا کہ اس سے دریافت کر کہ "قیدیوں سے تم نے کیا مہربانی کی ہے؟" اس نے کہا کہ "[خود] قیدیوں سے پوچھیے، تا کہ خود انہیں کی زبانی امیر کو اس حال کی کیفیت اور میری صداقت کا اندازہ ہو۔"

قیدیوں سے حال دریافت کرنا

محمد بن قاسم نے قیدیوں کو بلا کر اُن سے دریافت کیا کہ "یہ قبلہ جیلر تمہارے ساتھ کیا ہمدردی اور رعایت کرتا تھا؟" سب نے متفقہ طور پر کہا کہ "ہم اس کے شکر گذار ہیں۔ اس نے ہماری ہمدردی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یہ ہمیشہ ہمیں لشکر اسلام کے پہنچنے کی خبر سے قوی دل کرتا تھا اور دیبل کے فتح ہونے کی امید دلاتا تھا۔" محمد بن قاسم نے اسے اسلام پیش کر کے مشرف بہ اسلام کیا اور اس نے شہادت کا اقرار کیا۔[1] [اور] اسے اس ثواب کے حوالے کیا کہ جسے دیبل پر مقرر فرمایا تھا۔ اس لئے کہ ملک کی مصلحتوں اور آمدنی و خرچ کے کتاب کی دیکھ بھال میں اس کی حاضری قابل اعتماد سمجھی جائے۔ اور حُمید بن وداع النجدی کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے اس ملک کی امارت کے چھوٹے بڑے حقوق اسے عطا کئے۔ [109]

دیبل کے اموالِ غنیمت، غلاموں اور نقد میں سے پانچواں حصہ وصول کرنا

تاریخ نویسوں نے حکم بن عروہ سے اس طرح روایت کی ہے کہ اس نے اپنے باپ اور دادا سے روایت کی کہ جس برہمن نے امان طلب کی تھی اس کا نام سودیو[2] تھا، میرے دادا نے بیان کیا اور میں نے اس سے سنا کہ جب دیبل فتح ہوا اور مسلمان قیدی آزاد ہوئے اور غلام باہر نکالے گئے تو محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ غنیمت کا پانچواں حصہ خزانے میں داخل کیا جائے، جس کی وجہ سے دیبل کا پورا پانچواں حصہ حجاج کے خزانہ کے حوالے ہوا باقی ارمابیل[3] کی فتح کی غنیمت [پوری] حقداری کے مدنظر، سوار کو دو حصے اور اونٹ اور پیادہ کو ایک حصہ کے حساب سے [تقسیم

---

1. یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدت اور رسول کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔ (مترجم)
2. (ب) (ن) (ب) (غ) میں "سوودیو" ہے۔
3. (ن) (ب) (س) میں "ارمن بیلہ" ہے۔

کی] باقی بچی ہوئی نقدی اور غنیمتیں اور غلام جمع رکھے گئے۔ [غنیمت میں] دیبل کے راجہ کی دو بیٹیاں بھی تھیں جو کہ حجاج کی خدمت میں بھیج دی گئیں۔

دیبل کے لٹنے کی خبر راجہ داہر کو پہنچنا

[اس] حکایت کے راوی نے قلم سے نقل کیا ہے کہ جب دیبل کے فتح کی خبر راجہ داہر ابن [چچ کو پہنچی کہ دیبل پر لشکر اسلام کا قبضہ ہوگیا ہے اور دیبل کا حاکم [1] بھاگ کر جیسینہ کے پاس نیرون کوٹ چلا گیا ہے اور پھر جب [اس خبر دینے والے نے] شامیوں اور عربوں کی بہادری اور دلیری کی خبریں اسے وضاحت کے ساتھ بتائیں تو داہر نے جیسینہ کے پاس نیرون کوٹ لکھا کہ یہ خط پڑھتے ہی وہ دریائے مہران پار کرکے برہمن آباد قدیم میں پہنچے اور نیرون کوٹ میں شمنی کو مقرر کرکے اسے قلعہ کی حفاظت کی سخت تاکید کرے۔ [110]

محمد بن قاسم کا ارمابیل [2] میں منزل کرنا

پھر محمد بن قاسم نے دیبل سے [چل کر] ارمابیل کی جنگ کا قصد کیا، کیونکہ اسے اسی راستہ سے نیرون کوٹ جانا تھا۔ جب وہ منزل پر پہنچا تو اسے راجہ داہر کا خط ملا، اس نے لکھا تھا [3]

راجہ داہر کا خط

بسم اللہ العظیم ذی الوحدانیۃ و رب سیلاتج (وحدت والے عظیم اور سیلاتج کے رب کے نام سے شروع) یہ خط ہے سندھ کے بادشاہ، ہندوستان کے راجہ، بر و بحر کے حاکم داہر بن چچ کی طرف سے مغرور اور فریب زدہ محمد بن قاسم کی طرف کہ جو قتل عام اور جنگ کا اتنا شوقین اور بے رحم ہے کہ [خود] اپنے لشکر پر بھی رحم نہیں کرتا اور سب کو بربادی کے غار کی طرف دھکیل دیا ہے۔ اس سے پہلے ایک دوسرے شخص کے سر میں بھی ایسا ہی غرور پیدا ہوا تھا اور سیاست کا تیر لے کر آیا تھا اور الحکم بن ابی العاص [4] بھی اس کی بیعت میں تھا اور دماغ میں یہ سودا تھا کہ میں ہند اور سندھ کو فتح کرکے اپنے قبضے میں لاؤں۔ ہمارے دو ایک ادنیٰ درجے کے ٹھاکر [صرف] شکار کرنے کے انداز سے دیبل گئے اور وہاں اسے قتل کردیا اور اس کا سارا

1. اصل فارسی متن میں "رائے دیبل" ہے (پ) (م) (س) (ک) میں "ملک دیبل" ہے۔
2. (ن) (ب) (س) "ارمن بیلہ" (پ) میں "ارمائیل" اور (ک) میں "ارمابیلہ" ہے۔
3. یہ سارا عنوان اور بیان غیر مستند ہے جس کے لئے، دیکھئے توضیحات حاشیہ میں [111] (ن-ب)
4. اس جگہ پر جملہ نسخوں میں "ابوالعاص بن الحکم" ہے۔ اس تصحیح کے لئے، دیکھئے توضیحات حاشیہ میں [111] (ن-ب)

لشکر بھاگ گیا۔ اب بالکل وہی سودا محمد بن قاسم کے سر میں سما گیا ہے اور آخرکار وہ خود کو [111] اور اپنے لشکر کو اسی خود سری کے خیال میں ختم کرے گا۔ اگر اس نے دیبل فتح کیا ہے تو وہ نہ مضبوط قلعہ ہے اور نہ وہاں کسی طاقتور لشکر سے مقابلہ کیا ہے۔ اس نے ایک ایسی جگہ فتح کی ہے کہ جہاں صرف تاجر اور کارخانہ دار رہتے ہیں۔ اگر وہاں کوئی مشہور و معروف آدمی ہوتا تو تمہارا کوئی نشان نہ باقی چھوڑتا۔ اگر میں راجہ جیسینہ بن داہر کو۔ جو کہ روئے زمین کے بادشاہوں پر قہر کرنے والا، جابرانِ زمانہ سے انتقام لینے والا، راجوں اور کشمیر کے راجہ کا ہمسر و ثانی اور علم، نوبت اور تاج کا مالک ہے اور جس کے آستانۂ دولت پر ہندوستان کے راجہ سر رکھے ہوئے ہیں اور تمام ہند و سندھ اس کے حکم کے تابع ہیں توران و مکران کے ممالک کے لئے جس کا فرمان گلوں کا ہار ہے، جو سو مست ہاتھیوں کا مالک اور سفید ہاتھی کا سوار ہے، جس کے مقابلہ میں نہ کوئی گھوڑا آسکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے سامنے ٹھہر سکتا ہے۔ اگر میں اس کو اجازت دے دیتا تو تمہیں ایسا سبق دیتا کہ پھر قیامت تک کسی لشکر کو اس کے حدود کے نزدیک آنے کی مجال نہ ہوتی۔ [اس لئے] خود کو غرور کے خواب میں مبتلا نہ کر ورنہ تیرا حشر بھی وہی ہوگا کہ جو بدیل کا ہوا۔ تم میں جنگ میں ہمارا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں اور نہ ہماری طاقت سے سلامت واپس جا سکتے ہو۔

پس داہر کا یہ خط جب محمد بن قاسم کے پاس پہنچا، اس نے منشی کو اس کا ترجمہ کر کے پڑھ کر سنانے کا حکم دیا اور مضمون سے واقف ہو کر جواب لکھوایا۔ [112]

محمد بن قاسم کا خط راجہ داہر کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ محمد بن قاسم ثقفی کی طرف سے کہ جو سرکشوں اور مغروروں سے مسلمانوں کا انتقام لینے والا ہے، کافر، جاہل، منکر اور ضدی داہر بن چچ برہمن غدار کے نام ہے کہ جو بے وفا زمانہ کے رد و بدل اور ظالم وقت کے غرور پر مغرور ہوا ہے۔

اس کے بعد اسے معلوم ہو کہ انتہائی جہالت اور حماقت سے تو نے جو کچھ بھی لکھا اور اپنی رکیک رائے پر [جس طرح] مغرور اور مفتون ہوا، وہ پہنچا اور تو نے جو بیان کیا ہے اس کے مضمون سے واقفیت حاصل ہوئی اور طاقت، حشمت، ہتھیار، بندوبست، ہاتھی اور سوار اور لشکر کے متعلق تو نے جو کچھ بھی لکھا ہے، وہ ہر ایک بات معلوم ہوئی اور سمجھی گئی۔ ہماری ساری قوت اور امداد [کا مدار] خدائے پاک کے کرم اور انتظام اور بندوبست بادشاہ کے فضل پر ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ

إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ [1] فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا [2] ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ [3] إِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ [4] وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ [5] وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ [6] كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ.

[ازبردست اور عظیم اللہ کے سوا دوسری کوئی بھی طاقت اور امداد نہیں۔ وہ تیرے لئے منصوبے تیار کررہے ہیں مگر انہیں مہلت نہ دی جائے گی۔ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا ہے جو کہ میرا اور تیرا رب ہے۔ انہوں نے منصوبے بنائے اس طرف اللہ (پاک) نے بھی تجویز طے کی اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر منصوبے بنانے والا ہے۔ بری تجویز بنانے والے ہی کو گھیرتی ہے۔ کتنی ہی قلیل جماعتیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے بڑی جماعتوں پر غالب ہوجاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے] اے عاجز! سوار، ہاتھی اور لشکر پر کیا ناز کرتا ہے؟ ہاتھی تو ایک ذلیل، ساری چیزوں سے عاجز ترین اور ساری تجویزوں اور مکاریوں سے کمترین چیز ہے جو کہ مچھر جیسے ایک ضعیف کیڑے کو بھی اپنے [جسم] سے نہیں بھگا سکتا اور تو جن گھوڑوں اور سواروں کو دیکھ کر ششدر ہوگیا ہے وہ اللہ کے سپاہی ہیں (قولہ تعالیٰ) فَإِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ [7] وَخَيْلُ اللهِ وَفُرْسَانُهَا هُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ [بے شک اللہ کا لشکر ہی غالب ہونے والا ہے اور اللہ کے گھوڑے اور ان کے سوار ہی فتحیاب ہیں] [113] تیری بد افعالی، بری عادتوں اور تکبر کی وجہ سے ہی ہمیں لشکرکشی کا خیال پیدا ہوا۔ کیونکہ تو نے سراندیپ کی کشتیاں روک کر مسلمانوں کو قید کیا، حالانکہ دنیا کے سارے ملکوں میں دارالخلافہ کا [جہاں کہ] نبوت کا نائب ہے، حکم جاری ہے اور سب فرمان بجا لاتے ہیں صرف تو ہی سرکشی اور شوخی اختیار کئے ہوئے ہے اور بیت المال کے خزانہ کا وہ مال (خراج) جو کہ تجھ سے پہلے کے حاکم اور گذرے ہوئے بادشاہ خود پر لازم اور واجب سمجھ کر ادا کرتے رہے ہیں [وہ بھی] تو نے روک لیا ہے، اور جب تو نے اپنے آپ کو ان ناپسندیدہ حرکات سے ملوث کرکے خدمت سے انکار کیا اور ایسی بری باتوں کو جائز سمجھا تب دارالخلافہ کا فرمان [کہ جو خدا کرے] ہمیشہ جاری رہے، اس جانب پہنچا کہ میں ان کرتوتوں کا بدلہ لینے کے لئے تجھ سے جنگ کے لئے رخ کروں۔ [تو] جس جگہ بھی میرا مقابلہ کرے گا، وہاں خدائے تعالیٰ کی مدد سے جو

---

1. فارسی متن میں "فکیدوا" ہے (ن) میں "فیکیدوا" ہے جو کہ صحیح ہے۔ اس عربی عبارت میں مختلف آیتیں ملا کر موزوں مضمون پیدا کیا گیا ہے۔ شروع والے جملہ میں آیت صرف "لا قوۃ الا باللہ" (کہف: ع5) ہے۔ اس کے بعد 1. آیت یوسف: ع1 2. آیت کا حصہ الانعام: ع1 3. آیت ھود: ع5 4. آیت آل عمران ع5 5. آیت فاطر ع5 6. آیت البقرۃ: ع33 ہے۔
(بشکریہ محترم و حنفی احمد میاں اختر مرحوم جونا گڑھی۔ ن۔ب)

7. آیت قرآن المائدۃ: ع8 - یہ آیت فارسی متن میں "فان" سے شروع ہوتی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے کیونکہ "الا ان حزب اللہ ہم المفلحون" (المجادلۃ: ع3) ایک جدا آیت ہے۔ (ن۔ب)

ظالموں کو مغلوب کرنے والا ہے، تجھے مغلوب اور ذلیل کروں گا اور تیرا سر عراق بھیجوں گا یا اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کروں گا۔ اور یہ جہاد اللہ تعالیٰ کے حکم "جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ"[1] (کافروں اور منافقوں سے جہاد کر) کے مطابق میں نے خود پر واجب سمجھ کر خدائے پاک کی رضامندی کے لئے قبول کیا ہے اور اس کے احسان عام کا امیدوار ہوں کہ ہمیں فتح اور کامیابی عطا کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وکتبہ فی ثلث وتسعین (93ھ میں تحریر کیا گیا)۔

دیبل فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم کا نیرون کی طرف جانا

حدیث کے راویوں اور تاریخ کے بیان کرنے والوں نے نباتہ بن حنظلہ کلابی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ دیبل فتح کرنے اور بے اندازہ غنیمتیں حاصل کرنے کے بعد، محمد بن قاسم کے حکم فرمانے پر منجنیقیں کشتیوں پر رکھ کر لشکر نیرون کے قلعہ کی جانب روانہ ہوا۔ کشتی اس آب رواں پر کہ جسے ساکرے کا نالہ[2] کہتے ہیں لے جائی گئی اور خود محمد بن قاسم سیسم[3] کی راہ سے گیا جب محمد بن قاسم سیسم کی منزل کے قریب پہنچا تو وہاں اسے حجاج کی جانب سے اپنے اس خط کا جواب موصول ہوا کہ جو اس نے دیبل کی فتح کے متعلق اس کو لکھا تھا۔

محمد بن قاسم کو حجاج کا خط پہنچنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حجاج بن یوسف کی طرف سے محمد بن قاسم کی جانب جاننا چاہئے کہ ہمارے دل کے ارادے اور ہمت کا یہی تقاضا ہے کہ تمہیں ہر حال میں کامیابی حاصل ہو اور انشاء اللہ تعالیٰ تم کامیاب اور فتح مند ہو گے اور اللہ عزوجل کے احسان سے دشمن دنیا کی سزا اور عاقبت کے عذاب میں ہمیشہ گرفتار اور مغلوب رہیں گے اور ہرگز یہ بدگمانی نہ کرنا کہ دشمن کے یہ ہاتھی، گھوڑے اور سامان واسباب تمہارے آڑے آئیں گے۔ تمہیں دوستوں کے ساتھ اچھی طرح وقت گذارنا اور ہر ایک کی عزت و احترام کا خیال رکھنا چاہئے اور ہر ایک کو تسلی دیتے رہنا چاہئے کیونکہ یہ ساری ولایت تمہاری ملکیت میں آئے گی۔ جو بھی قلعہ فتح ہو اس میں سے لشکر کی ضروریات کی جو بھی

---

1. سورۃ التوبۃ: ع10
2. فارسی متن کی اصل عبارت "نالہ ساکرہ" ہے۔ مختلف نسخوں کا تلفظ اس طرح ہے (ن) (ب) "نالہ ساکرہ" (پ) "ساکرہ" (م) (ر) "وھند ساکرہ" (س) "وھند ساگرہ" اور (ک) "ہند ساکرہ"
3. فارسی ایڈیشن میں "سیسم" دیا گیا ہے مگر اس صفحہ کے دونوں مقامات پر ہم نے معتبر نسخوں مثلاً (پ) (م) (ر) (ن) کی متفقہ عبارت "سیسم" ہی کو صحیح سمجھ کر ترجیح دی ہے۔ (ن-ب)

جو ہاتھ آئے وہ [لشکر] پر خرچ اور تیاری میں صرف کرنا۔ کھانے پینے کی ضروری چیزوں سے جتنا ممکن ہو سکے [کسی کو] روک ٹوک نہ کرنا ارزانی اور فراوانی کے لئے سعی بلیغ کرنا [115] تاکہ لشکر میں غلہ سستا رہے۔ دیبل میں جو کچھ بچایا گیا ہے اسے قلعہ میں ذخیرہ کر کے رکھنے کے بجائے لوگوں پر صرف کرنا بہتر ہے، کیونکہ ملک فتح ہونے اور قلعوں کے قبضہ میں آنے کے بعد رعایا کے آرام اور باشندوں کی دلجوئی کی کوشش کرنی چاہیئے اور اگر کسان، صنعتکار، دستکار اور تاجر آسودہ ہوں گے تو ملک سرسبز اور آباد رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کتبہ فی العشرین من رجب سنۃ ثلاث وتسعین [یعنی بیسویں رجب 93ھ میں لکھا گیا۔][1]

دیبل کی خبر اور نیرون والوں کا حجاج بن یوسف سے پروانہ لینا

ابواللیث التمیمی سے اس طرح منسوب کرتے ہیں کہ اس نے جعونہ[2] بن عقبہ سُلمی سے روایت کی کہ جب محمد، دیبل فتح کر کے نیرون کی جانب روانہ ہوا اس وقت ہم اس کے ساتھ تھے۔ انہوں (اہل نیرون) نے لشکر عرب کی شکست اور بدیل کے شہید ہونے کے وقت حجاج سے عہد کر کے اپنے اوپر خراج مقرر کرالیا تھا۔ محمد بن قاسم دیبل سے نیرون کوٹ[3] کی جانب کوچ کر کے، کہ جو پچیس فرسنگ پر ہے، چھ دن سفر کرنے کے بعد ساتویں دن اس کے سامنے (نیرون کوٹ کے باہر) جا پہنچا۔ اور برودی[4] کے میدان میں ایک سبزہ زار ہے جسے بلہار (یا دلہار یادی) کہتے ہیں (وہاں آ کر منزل انداز ہوا)[4]۔ وہاں ابھی مہران کا پانی نہیں آیا تھا جس کی وجہ سے لشکر تشنگی سے فریاد کرنے لگا۔ محمد بن قاسم نے دو رکعت نماز ادا کر کے جیسے ہی عرض کیا کہ "یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ وَیَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنِیْ بِحَقِّ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (اے پریشانیوں کے رہنما! اے فریادیوں کے مددگار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے واسطے سے میری مدد کر) ویسے ہی [ایک بار] اللہ پاک کے حکم سے رحمت کا مینھ برسنے لگا۔ اس شہر کے آس پاس جو بھی تالاب یا حوض تھے وہ سب بھر گئے۔ اہل نیرون نے قلعہ کے دروازے بند

1 - 1. یہ اضافہ (ن) اور (ب) میں سے ہے۔ (ن-ب)
2. اصل متن میں "جعونہ" ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ دیکھئے اس سے پہلے کا حاشیہ (2) ص 126
3. اصل متن میں "حصار نیرون" ہے۔
4-4. فارسی متن کی اصل عبارت یوں ہے "مرغزاریست کہ آن را بلہار گویند، بزمین برودی" اس جگہ پر اور دوبارہ ص 117 پر "برودی" لفظ آیا ہے۔ اس جگہ پر (م) کا تلفظ "بروزی" اور (ن) کا "برودی" ہے۔ ص 117 پر (ب) میں "برودی" اور (م) (ن) (ک) میں "بروزی" ہے۔ ان تلفظوں کے مطابق یہ لفظ "برودی" یا "بروزی" ہو سکتا ہے۔ مگر قدیم نسخہ (ب) کا تلفظ "برودی" ہے ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ سندھ میں اکثر دیہات اور گاؤں کے نام آخر میں "ری" یا "ڑی" کا لفظ ہوتا ہے مثلاً: گھری، کوڑی، ہوسڑی اور ہتڑی وغیرہ۔ (ن-ب)

کر لئے۔ ان کا سردار اور حاکم شمنی[1] داہر کے پاس گیا ہوا تھا۔ محمد بن قاسم گھاس کی کمی کی وجہ سے فوج کے لئے فکرمند ہو گیا۔ پانچ چھ دن کے بعد شمنی واپس آیا اور دو سردار حجاج کے پروانہ کے ساتھ بھیج کر ان کے ساتھ رسد اور گھاس بھی ہمراہ کیا اور پیغام بھیجا کہ "میں اور [میرا] یہ سارا لشکر اور رعیت [سب] دارالخلافہ کا ہے اور امیر حجاج کے فرمان کے مطابق ہم یہاں ٹھہرے [ہوئے ہیں] اور اسی کی تقویت، دلداری اور تربیت پر قائم ہیں۔ چونکہ میں [یہاں] موجود نہ تھا اس وجہ سے رعایا نے متردد ہو کر دروازے بند کر لئے تھے۔" شمنی نے [آتے ہی] قلعہ کے دروازے کھلوا دیئے اور [لوگ] لشکر سے خرید و فروخت کرنے لگے۔ بروری[2] کی منزل سے محمد بن قاسم نے حجاج کو اُس کا شکریہ لکھ کر اہل نیرون کی وفاداری اور فرمان برداری کی خبر دی۔ حجاج نے اس خط کے جواب میں انہیں تشفی دینے کی بڑی تلقین فرمائی اور لکھا کہ ان کے آرام کا ہر طرح خیال رکھو اور انہیں ہماری مہربانیوں کا امیدوار بناؤ۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ جہاں بھی تمہارا قدم پہنچے گا [وہاں] فتح اور کامیابی ہوگی۔ جو بھی تم سے امان طلب کرے اسے امان دینا اور جو بھی بزرگ اور خاص آدمی تم سے ملنے آئیں انہیں قیمتی خلعتوں سے سرفراز کر کے اپنے احسان کا زیر بار کرو اور ہر ایک کی اہلیت کے مطابق ان کو انعام و اکرام دینا، واجب سمجھو اور عقل کو اپنا رہبر بناؤ تاکہ ملک کے امیر اور مشہور و معروف لوگ تمہارے قول اور فعل پر پورا اعتماد رکھیں۔

محمد بن قاسم کا اپنے معتمدوں کو نیرون بھیجنا

پھر محمد بن قاسم نے اپنے خاص اور معتمد لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو نیرون کے قلعہ میں بھیجا اور کہا کہ "ہم پر تمہارے قلعہ کے دروازے بند کرنے کا بڑا بُرا اثر ہوا، لیکن جب ہم نے تمہاری غیر حاضری کا عذر سنا تو ہمارا غصہ سرد ہو گیا اور تمہارے ساتھ مہربانی اور عزت [افزائی] کا خیال کیا گیا۔ اس لئے مقدمۃ الدولہ بھنڈر کو شمنی[3] کو اطمینان اور سکونِ خاطر کے ساتھ حاضر ہونا چاہئے۔ اس کے حق میں مہربانی اور تربیت کا کوئی دقیقہ اٹھا کر نہ رکھا جائے گا۔

1 جسے داہر نے دھل کی فتح کی خبر سن کر نیرون کا حاکم مقرر کرنے کا حکم دیا تھا۔ دیکھئے ص 109 (ن-ب)
2 فارسی متن میں "بروری" ہے یہاں دیئے گئے تلفظ کے لئے دیکھئے حاشیہ (4) ص 135 (ن-ب)
3 اس مقام پر سارے نسخوں میں "بھندر کن کنی" ہے مگر ص [131] پر یہی نام سارے نسخوں کے مطابق "سمنی بھندر کو" ہے۔ ہم نے حالی الذکر عبارت کو ترجیح دی ہے۔ (ن-ب)

شمنی کا زادراہ اور تحفوں سمیت محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہونا

دوسرے دن جب صبح صادق تاریکی کے پردے سے اطلسی لباس پہن کر نمودار ہوئی تب شمنی بھی بے انداز تحفوں اور بے شمار نذرانوں کے ساتھ محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور رضامندی کا خلعت پہنا اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور محمد بن قاسم کی دعوت کی، یہاں تک کہ لشکر کو فراخی کے ساتھ غلہ ملنے لگا۔

محمد [بن قاسم] نے قلعہ پر ایک گورنر مقرر کیا اور بدھ کے بت خانے کی جگہ ایک مسجد تعمیر کرا کر مؤذن، اور امام مقرر کر کے نماز قائم کی۔ پھر چند دن کے بعد سیوستان کا ارادہ کیا۔ وہ قلعہ مہران کے مغربی کنارے پہاڑ پر ہے۔ محمد بن قاسم کو امید پیدا ہوئی کہ سارا ملک لشکر اسلام کے ہاتھوں فتح ہو جائے گا۔ اور سیوستان کا اندیشہ رفع کرنے کے بعد واپسی کے وقت داہر کی جانب [جانے کے لئے] دریا کو پار کرنے کا مشورہ کیا جائے گا۔ خداوند کریم عربوں کی امیدوں کو کامیاب اور فتح مندی کے امکانات میسر کرے۔

سیوستان اور اُس کے نواح کے فتح کرنے اور قلعہ حاصل کرنے کی خبر

محمد بن قاسم نے نیرون کا کاروبار درست کر کے اور تیار ہو کر شمنی کے ساتھ سیوستان کا رخ کیا اور منزلیں طے کرتا ہوا اس مقام پر جا پہنچا کہ جسے "موج" کہتے ہیں اور جو نیرون سے تیس فرسنگ کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہاں ایک شمنی [پروہت] رہتا تھا جو کہ رعایا کا سربراہ تھا اور قلعہ کا بادشاہ داہر بن چچ کا چچا زاد بھائی بجھرائے[1] بن چندر نامی تھا۔ سارے شمنیوں (پروہتوں)[2] نے مل کر بجھرائے کے پاس پیغام بھیجا کہ "ہم زاہد[3] لوگ ہیں ہمارا دین امن پسندی پرستش اور عافیت [پسندی ہے]۔ [118] ہمارے طریقے میں جنگ اور قتل جائز نہیں ہے اور ہم خون ریزی کے حق میں نہیں ہیں، تو بلند قلعہ میں بیٹھا ہے اور ہم ڈرتے ہیں کہ جب یہ [مسلمان] لوگ آئیں گے تو ہمیں تیرا تابعدار سمجھ کر لوٹیں گے اور ہماری جانیں اور مال چھین

1. اصل متن میں اس جگہ اور آئندہ ہر جگہ "بجھرا" ہے۔ ترجمہ میں ہر جگہ "بجھرائے" لکھا گیا ہے۔
2. اصل لفظ "سمنیان" ہے۔
3. اصل لفظ "ناسک" ہے۔

لیں گے، ہمیں [یہ بھی] معلوم ہوا ہے کہ انہیں دارالخلافہ اور امیر حجاج کا حکم ہے کہ جو بھی آدمی امان طلب کرے اسے امان دی جائے۔ اگر [تم بھی ہم سے] متفق ہو جاؤ گے اور مصلحت قبول کر کے ہماری نصیحت مانو گے تو ہم درمیان میں واسطہ بن کر تمہارے اور اپنے لئے پناہ طلب کریں گے اور ایک دوسرے سے پختہ عہد نامے اور مستحکم اقرار کریں گے۔

بجھرائے نے ان کی رائے پسند نہ کی، اور ان کے کہنے کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ پھر محمد بن قاسم نے ایک جاسوس بھیجا تاکہ وہ ان کا مزاج معلوم کرے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے موافق ہیں یا منافق۔ اس نے دیکھا کہ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو کر کچھ سپاہی باہر نکل آئے ہیں۔ [اس پر] محمد بن قاسم آ کر ریگستان والے دروازہ کی طرف اترا کہ لڑائی کے لئے دوسری کوئی [موزوں] جگہ نہیں تھی۔ کیونکہ برسات کا پانی ہر طرف پھیل گیا تھا اور شمال سے [1] دریائے سندھ کا پانی "ارل" میں چڑھ آیا تھا۔[1]

لشکر کی [اہلِ] سیوستان سے جنگ

پھر محمد بن قاسم نے منجنیقیں استادہ کرنے اور جنگ شروع کرنے کا حکم دیا۔ شمنیوں نے اسے (بجھرائے کو) بہت روکا کہ اس لشکر سے نمٹنا تیرے بس سے باہر ہے تو ان کا مقابلہ نہ کر سکے گا اور تیری خودسری کی وجہ سے [سب کی] جان اور مال برباد نہ ہونا چاہئے۔" [آخر] جب اس نے رعایا کی نصیحت نہ مانی تو [مجبور ہو کر] شمنیوں نے محمد بن قاسم کے پاس پیغام بھیجا کہ "ساری رعایا" [119] جیسے کہ کسان، دستکار، تاجر اور عام آدمی بجھرائے سے منحرف ہو کر الگ ہو گئے ہیں اور اس کی بیعت نہیں کی ہے۔ بجھرائے کے پاس اتنا ساز و سامان اور انتظام بھی نہیں ہے کہ وہ تم سے مقابلہ کرے اور جنگ میں تم سے پنجہ لڑا سکے۔" یہ پیغام پا کر لشکر اسلام کا دل بڑھا اور محمد بن قاسم نے دن رات مسلسل جنگ جاری رکھی۔ تقریباً ایک ہفتہ کی مدت کے اندر اہلِ قلعہ جنگ سے دلکش ہو گئے۔ بجھرائے نے جب دیکھا کہ قلعہ والے [جنگ سے] تنگ آچکے ہیں تو [رات کے وقت] جب دنیا تارکول جیسی سیاہی کے پردے میں چھپ گئی تھی، شمالی دروازہ سے دریا پار کر کے، چھپ کر بھاگ گیا، یہاں تک کہ بدھیہ [2] کی حد میں داخل ہو گیا۔ اس

1-1 فارسی ایڈیشن میں یہ عبارت اس طرح ہے "جوئے سند و راول رواں شد" (پ) (ر) (ن) (ب) (س) میں "راول" کی جگہ پر "دراول" ہے۔ گمان غالب ہے کہ "دراول" میں کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے "ر" کو "د" بنا دیا گیا ہے۔ صحیح تلفظ "درارل" ہونا چاہئے یعنی "ارل میں"۔ یہی قرین قیاس ہے کہ آج بھی دریائے سندھ کا پانی "ارل" یا "اڑل" میں چڑھ آتا ہے۔ (ن-ب)

2 اصل لفظ "بودھیہ" ہے۔

وقت بدھیہ کا راجا کاکا بن کوتل [1] نامی شمنی بھکو تھا۔ اس کا قلعہ سیسم شہر کنبھ کے کنارے پر واقع تھا۔ بدھیہ کے باشندے اور وہاں کے سربراہ اس کے استقبال کو آئے اور اسے قلعہ کے سامنے اُتارا۔

سیوستان کا ہاتھ آنا اور بجھرائے کا چلا جانا

جب بجھرائے بھاگ گیا اور شمنیوں نے اطاعت قبول کی، اُس وقت محمد بن قاسم سیوستان کے قلعہ کے اندر آیا اور اطمینان حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے عامل اور نائب وہاں کا نظم ونسق چلانے پر مقرر کئے۔ نواحی علاقہ ان کے حوالے کیا۔ اس کے بعد شمنیوں کے علاوہ کہ جن کے ساتھ پختہ عہد نامہ کیا تھا، [دوسروں کے پاس] جہاں بھی سونا چاندی دیکھا، اپنے قبضہ میں کیا اور سارا چاندی [سونا]، زیور اور نقد ضبط کر کے لشکر کا حق لشکر کو دے کر باقی پانچواں حصہ حجاج کے خزانچی کے حوالے کیا اور حجاج کے پاس فتح کا حال لکھا اور رائے زادوں [3] کو نامزد کیا۔ غنیمت اور غلام بھیج دیئے اور خود وہیں ٹھہرا۔ [120]

پھر دو تین دن کے بعد جب [سرکاری] پانچویں حصے اور لشکر کے حصوں [کی تقسیم] سے فارغ ہو گیا تب سیسم کے قلعہ کی طرف رخ کیا۔ بدھیہ کا لشکر اور سیوستان کا بادشاہ بھی جنگ کے لئے تیار ہو گیا۔ محمد بن قاسم اس جماعت کے سوا، کہ جسے سیوستان کے گورنر کے ساتھ مقرر کیا تھا، سارا لشکر ساتھ لے کر [نہر] کنبھ کے کنارے بندھان [4] نامی ایک منزل پر آ کر ٹھہرا۔ آس پاس کے باشندے سب کافر تھے، اسلامی لشکر دیکھ کر انہوں نے آپس میں منصوبہ بنایا کہ شبخون مار کر اسے منتشر کر دیں۔

[مضافات کے] منکھیوں کا کاکہ بن کوتل [5] کے پاس آنا

ایہ مشورہ کر کے [بدھ [6] کے سربراہ کاکہ [بن] کوتل کے پاس آئے۔ [7] کہ جو بدھیہ کے راناؤں کی اولاد میں سے تھا اور جس کا مورث اعلیٰ آ کر گنگا کے اس گھاٹ سے (کہ جسے اوندھار کہتے ہیں) آیا تھا۔ [7] اور اس سے مشورہ کیا کہ ہم نے اس لشکر عرب پر شبخون مارنے کا فیصلہ کیا ہے۔

---

1. فارسی متن میں ''کوتک'' لفظ اختیار کیا گیا ہے جو کہ شاید (پ) کے مطابق ہے۔ مگر (ر) (م) (ن) کا لفظ اس جگہ اور آگے ''کوتل'' ہے اور ہم نے یہی مناسب سمجھا ہے۔ ''کوتل'' سنسکرت کے لفظ غالباً ''کتوہل'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ ''کتوہل'' سنسکرت میں آدمیوں کے نام کے طور پر بھی آتا ہے اور لفظی معنی ہیں ''عجیب، نامور یا دلچسپ''۔ (ن-ب)
2. اصل عبارت ''برلب آب کنبہ'' ہے۔ 3. اصل لفظ ''راوتان'' ہے جس کا ترجمہ ''رائے زادوں'' کیا گیا ہے۔ (ن-ب)
4. (ر) (م) میں ''نیلھان'' (س) میں ''بدھان'' ہے۔
5. فارسی متن میں ''کوتک'' ہے۔ دیئے ہوئے لفظ کے لئے دیکھئے حاشیہ [120] (ن-ب) 6. (ر) میں ''بدھیہ'' ہے۔
7-7. اصل متن میں یہ بڑی الجھی ہوئی اور ناقص عبارت ہے۔ ترجمہ فارسی متن کی عبارت کے مطابق دیا گیا ہے جو اس طرح ہے کہ ''راناگان بودھیہ از نسل اوائد، و اصل ایشان اگر از گدارہ گنگ کہ اوندھار گویند آمدہ بود''۔ (ن) (ب) (م) اور (ع) کا لفظ ''راناگان'' کے بجائے ''رازکان'' ہے۔ ''اگر از'' (ر) اور (م) کے مطابق ہے مگر (پ) اور (ک) (م) میں ''آگرادہ'' (ن) (ب) میں ''اگرازدہ'' ہے اور (س) میں ''اگرازدہ'' ہے۔ (ن-ب)

کاکہ کا جواب: کاکہ نے کہا کہ "اگر تم سے ہو سکے تو [ایسا کرنا] بہتر ہوگا مگر بدھ والوں اور راہبوں نے نجوم کی کتابوں سے ہمیں بتایا ہے کہ یہ خطہ لشکر اسلام کے ہاتھوں فتح ہوگا۔" یہ کہہ کر [بھیمن[1] نامی ایک شخص کو ان پر سردار مقرر کر کے، چنوں[2] کو ان کی فوج میں شامل کیا [اور مزید] ایک ہزار تلوار کے دھنی اور دلاور مرد اس کی ماتحتی میں دیئے۔

پھر جب دن کا رومی لشکر رات کے حبشی لشکر کے حملہ سے شکست کھا کر فرار ہو گیا تو[3] [121] تو وہ سب تلواریں ڈھالیں، نیزے، برچھیاں اور کٹاریاں لے کر شبخون مارنے کے لئے روانہ ہوئے [لیکن] عربوں کے لشکر کے قریب پہنچ کر راستہ بھول گئے اور ساری رات، شام سے صبح تک بھٹکتے رہے۔ وہ چار حصوں میں تقسیم ہو کر صحرا میں چکر کھاتے رہے، مگر نہ [فوج کا] مقدمہ، ساقہ سے ملا اور نہ میمنہ نے میسرہ کو دیکھا [آخر ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد] پھر جب انہوں نے سامنے نظر اٹھائی تو خود کو سیسم کے قلعہ کے سامنے پایا۔

[چنانچہ] جب رات کا ترمئی پردہ ستاروں کے بادشاہ [سورج] کی منور کرنوں سے چاک ہوا[4] تب قلعہ میں آئے اور [آ کے] کاکہ [بن] کوتل[5] کو سارا حال بتایا کہ ہمارا یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہوا۔ کاکہ نے جواب دیا کہ "تم جانتے ہو کہ میں بہادری، مردانگی، ہمت اور دانائی میں مشہور و نامور ہوں اور تمہارے پاس رہ کر کتنی ہی مشکلیں حل کی ہیں۔ لیکن بدھ مذہب والوں کی کتابوں اور نجوم کے حساب سے یہی حکم صادر ہوا ہے کہ ہندوستان لشکر اسلام کے ہاتھوں فتح ہوگا، اس لئے اب میرا ارادہ اُن کا استقبال کرنے کا ہے۔"

کاکہ [بن] کوتل کا نباتہ بن حنظلہ کے ساتھ محمد بن قاسم کی خدمت میں جانا اور بیعت کرنا

پھر کاکہ نے اپنے خاص اور معتمد آدمیوں کے ہمراہ لشکر عرب کا رخ کیا۔ [ابھی] کچھ

1. (پ) میں "بھیمن" (ر) میں "بھمس یا بھمن" (ن) (ب) (ح) میں "بھمیں" ہے۔ ہمارا تلفظ فاری ایڈیشن کے مطابق ہے جس کا مدار نسخہ (ک) پر ہے۔ (ن-ب)
2. اس مقام پر اور پھر ص [121] پر فارسی ایڈیشن میں "جنان" کا تلفظ اختیار کیا گیا ہے، لیکن ان دونوں مقامات پر نسخہ (ن) اور (ب) کا تلفظ صاف طور پر "چنان" ہے۔ (ں) کا تلفظ "جنان" اور ص 120 پر (م) کا تلفظ بھی "جنان" ہے، ان سے بھی "چنان" کا گمان ہوتا ہے۔ تحفۃ الکرام (ج 3 ص 15) میں بتایا گیا ہے کہ یہ کاکہ ذات کا "چنہ" تھا۔ اسی لحاظ سے ہم نے "جنان" کے تلفظ "چنان" کو ترجیح دی ہے۔ (ن-ب)
3. یعنی دن گذرا اور رات ہوئی۔ (مترجم)
4. یعنی رات گذری اور دن ہوا۔ (مترجم)
5. فارسی متن میں "کوتک" ہے۔ یہاں دیئے ہوئے تلفظ کے لئے دیکھئے حاشیہ ص [120] (ن-ب)

اس دور چلا تھا کہ نباتہ بن حنظلہ ملا، جسے محمد بن قاسم نے نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا، وہ اسے محمد بن قاسم کے پاس لے آیا۔ جب کاکہ نے خدمت کی سعادت حاصل کی تو محمد بن قاسم اس سے عزت کے ساتھ پیش آیا اور اس پر کمال مہربانی کی۔ کاکہ نے اسے جتوں[1] کے شبخون کا منصوبہ اور اُن کی دغا بازیوں کا حال سنایا کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے انہیں بھٹکایا کہ وہ ساری رات پریشانی اور شرمندگی میں چکر کاٹتے رہے۔ یہ باتیں بیان کرکے اس نے کہا کہ ہمارے نجومیوں اور معتبر لوگوں نے علم نجوم سے نتائج اخذ کرکے یہ حکم صادر کیا ہے کہ [122] یہ ملک اسلامی لشکر کے قبضہ میں آئے گا۔ اس کے بعد جب ہم نے (شبخون کی ناکامی) کا یہ معجزہ بھی دیکھا تو ہمیں یقین ہوگیا کہ یہی حکم الٰہی ہے اور کوئی بھی تم سے فریب اور دغا بازی سے مقابلہ نہ کرسکے گا۔ اب اگر تم ثابت قدم رہے اور استقلال سے کام لیا تو اپنے دشمن پر فتح حاصل کرو گے۔ میں نے تمہاری اطاعت قبول کی ہے تمہیں نصیحت کرتا رہوں گا اور جتنا بھی مجھ سے ممکن ہوسکا تمہاری مدد کرتا رہوں گا اور دشمنوں اور بدخواہوں کی بیخ کنی کرنے اور انہیں مغلوب کرنے میں تمہاری رہبری کروں گا۔"

محمد بن قاسم نے جب اس کی یہ گفتگو سنی اور حالات سے باخبر ہوا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور سجدۂ شکر بجا لایا اور کاکہ کو اس کی جان اور ماننے والوں اور اس کے خاندان کی طرف سے مطمئن کیا اور مسند فراغ و امن سے پیٹھ لگا کر اس نے کاکہ سے کہا کہ "اے ہند کے امیر! تمہاری خلعت کیا ہوتی ہے؟" کاکہ نے عرض کیا کہ ہماری نشست کرسی ہے اور جامہ ہندی ریشم و حریر ہے۔[2] کہ جو دستار کی طرح سر پر ہم باندھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں اور شمنی[3] اجاموں (نوابوں) کی یہی رسم ہے۔ کاکہ نے جب یہ خلعت پہنی تو سارے ٹھکیوں اور آس پاس کے سرداروں نے اس کی بیعت کی طرف رغبت کی۔ جب لوگوں نے اس کی اطاعت قبول کی انہیں محمد بن قاسم نے لشکر عرب کے خوف سے امان دی اور جس گروہ نے خودسری اور سرکشی اختیار کی ان کی طرف اسلامی لشکر کی رہبری کی۔ محمد بن قاسم نے عبدالملک بن قیس الدی[4] کو اپنا نائب مقرر کیا، تاکہ ہر متمرد اور سرکش کو مقہور کرے۔ کاکہ نے مخالفوں پر حملہ کرکے کثیر نقد، کپڑا، مویشی، غلام اور غلہ غنیمت میں حاصل کیا، جس کی وجہ سے لشکر میں گوشت اور چارے کی فراوانی ہوگئی۔

1. فارسی متن میں "جتان" یعنی جتوں ہے۔ کی ہوئی تصحیح کی لئے دیکھئے حاشیہ ص [121] (ن-ب)
2. اصل عبارت "جامہ ہندوی ابریشم و حریر" ہے۔
3. اصل متن میں "شمنی" ہے۔
4. یہ لفظ مبہم ہے۔ دیکھئے حاشیہ (2) صفحہ 107 (ن-ب)

پھر محمد بن قاسم وہاں سے منزل برخاست کرکے سیسم کے قلعہ پر آیا۔ دو دن کی جنگ کے بعد خدائے تعالیٰ نے اسے فتح اور کافروں کو شکست دی۔ داہر کا چچا زاد بھائی بجھرائے بن چندر بن سیلائج، راوت اور ٹھاکر جوکہ اُس کے فرمانبردار تھے [123] بدھیہ سے آگے بھاگ گئے۔ بلکہ بجتوں نے تو اپنی پیاری جانیں اسی نافرمانی میں گنوائیں اور کچھ سالوج اور قندابیل[1] کے بیچ کے قلعہ بھطلور[2] کی طرف چلے گئے اور وہاں جاکر امان نامہ کی استدعا کی، کیونکہ وہ داہر کے مخالف تھے اور چونکہ [اس نے] ان کے کچھ آدمیوں کو قتل کیا تھا، اس لئے اُس کی اطاعت سے پھر گئے تھے۔ انہوں نے قاصد کو درمیان میں لاکر خود پر ایک ہزار درہم تول چاندی[3] [خراج] مقرر کرکے اپنے ضامن سیوستان کی طرف بھیجے۔

حجاج بن یوسف کا دریا پار کرکے داہر سے جنگ کرنے کا حکم پہنچنا

محمد بن قاسم نے خراج مقرر کرکے ان کی بہبودی کے لئے نیا پروانہ جاری کیا اور [اس کے بعد] آل جارود میں سے دو قابل اعتماد اشخاص عبد [الملک بن] القیس[4] اور حمید بن وداع النجدی کو مامور کرکے یہ کام ان کے سپرد کیا۔ جب سیسم کے بندوبست سے فارغ ہوا تو حجاج کا حکم پہنچا کہ "دوسرے سب مقامات چھوڑ کر نیرون میں واپس آجاؤ اور مہران عبور کرنے کی تدبیر پر غور کرکے داہر سے جنگ کے لئے رخ کرو اور خدائے عزوجل سے مدد طلب کرو کہ تمہیں فتح اور کامیابی بخشے۔ اس قلعہ کے فتح ہونے پر [چھوٹے بڑے] قلعے اور سارا قرب و جوار تمہارے قبضہ میں آجائے گا اور کوئی بھی تمہیں روکنے والا نہ ہوگا۔" جب محمد بن قاسم نے یہ حکم پڑھا اور اس کے مضمون سے واقف ہوا تو وہ [فوراً] نیرون کوٹ واپس آگیا اور آکر خط لکھا۔

لشکر عرب کا نیرون کوٹ واپس آنا

پھر [محمد بن قاسم لشکر کے ساتھ] منزلیں طے کرتا ہوا آکر [نیرون کے] قلعہ کے قریب

---

1. (ن) (ب) (ج) میں "قندبیل" (پ) (ک) میں "قندعابیل" اور (ر) (م) میں قندھار ہے۔
2. (ب) میں "بھطلور" اور (ک) میں "بھطور" ہے۔
3. اصل عبارت "یکھزار درم سنگ نقرہ" ہے۔
4. سارے نسخوں میں یہ نام "عبدالقیس" ہے مگر اسلام کے بعد ایک مسلمان کا یہ نام ہونا غیر ممکن ہے۔ البتہ "عبدالقیس" ایک قبیلہ کے نام کی حیثیت سے مشہور تھا۔ مگر اس جگہ پر یہ ایک آدمی کا نام ہے کہ جو آل جارود (جارود کی اولاد) کے قبیلہ سے تھا اس وجہ سے اس نام میں غلطی ہے اور اس شخص کا صحیح نام غالباً عبد (الملک بن) القیس ہے جس کا ذکر پہلے ص[103] اور ص[123] پر آچکا ہے جو کہ محمد بن قاسم کے لشکر میں موجود تھا۔ (ن-ب)

اترا جو کہ نیرون پہاڑی[1] پر ہے [124] اس کے قریب ایک تالاب ہے جس کا پانی عاشقوں کی آنکھوں سے زیادہ صاف اور جس کی چراگاہ باغ ارم سے زیادہ خوشگوار ہے۔ اسی تالاب کے کنارے وہ منزل انداز ہوا اور حجاج بن یوسف کو یہ خط لکھا۔

محمد بن قاسم کا خط کے ذریعہ سے حجاج بن یوسف کو حالات سے آگاہ کرنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بڑے امیر، زبردست عالم، دین کے تاج اور ہند و عجم کی پناہ حجاج بن یوسف کی شاندار بارگاہ میں اس خدمت گار محمد بن قاسم کی طرف سے!

بندگی اور خدمت گذاری کے بعد، عرض ہے کہ یہ مخلص سارے امیرانِ عرب، لشکر، ملازموں اور اہل اسلام کی فوج کی ساری جماعتوں کے ساتھ بخیریت اور سلامت ہے۔ کاروبار کی استقامت اور دائمی خوشی و آرام حاصل ہے۔ [آپ کی] رائے انور پر روشن ہو کہ بیابانوں اور خطرناک منزلوں کو طے کرنے کے بعد ہم دریا کے کنارے کہ[2] جسے مہران کہتے ہیں، آ پہنچے ہیں۔ اور بغرور[3] کے قلعہ کے مقابل بدھیہ کی طرف جو علاقہ کہ مہران کے کنارے پر ہے، فتح ہو چکا ہے۔ [4]یہ قلعہ مملکت اروڑ کی حدود میں [ہے] جو کہ راجہ داہر کی ملکیت ہے۔ [5]سرکش لوگوں کو مطیع بنالیا گیا ہے اور باقیوں کو [جنہوں نے اطاعت قبول نہیں کی] حملہ کر کے بھگا دیا گیا ہے۔ [پھر] چونکہ امیر حجاج کا [وہ] حکم پہنچا کہ جس میں واپس ہونے کا اشارہ ہے، اس لئے نیرون پہاڑی والے قلعہ میں واپس آنا پڑا۔ یہ قلعہ دارالخلافہ سے زیادہ نزدیک ہے۔ امید کہ

---

1. اصل میں "کوہ نیرون" ہے۔
2. اصل عبارت "برلب سیحون" ہے۔ ہم نے سیحون کے لغوی معنی لئے ہیں جو کہ (ساح، سیحا اور سیحانا) مصدر سے نکلے ہیں، جس کے معنی ہیں "پانی کا زمین پر بہاؤ"۔ (ن۔ب)
3. فارسی ایڈیشن میں اس جگہ پر "راور" ہے مگر ایڈیٹر نے حاشیہ میں ظاہر کیا ہے کہ یہ اس کا اپنا گمانی تلفظ ہے (دیکھئے فارسی ایڈیشن ص125 حاشیہ 9) مختلف نسخوں کی عبارتیں اس طرح ہیں: (ر) (م) "بغرور" (ن) "اغرور" (ب) (ج) (س) (ک) "اغرور" اور (پ) "مرور"۔ ہم نے "بغرور" کے تلفظ کو ترجیح دی ہے جس کے لئے دیکھئے حاشیہ ص143 [125](ن۔ب)

4-5. فارسی متن کی عبارت اس طرح ہے: "و آن حصار راور (ک) در تملیک داہر رائے بود" اس عبارت میں "حصار راور" کی عبارت صرف نسخہ (پ) کے مطابق ہے، دوسرے سارے نسخوں (م) (ر) (ن) (ب) (س) (ک) میں "در الور" ہے اور اسی وجہ سے زیادہ معتبر سمجھنا چاہئے۔ اس تلفظ کے مطابق اصل عبارت اس طرح ہوگی۔ "و آن حصار، در الور، تملیک داہر رائے بود۔" یہ عبارت تاریخی سیاق و سباق اور جغرافیائی اعتبار سے بالکل صحیح ہے اور ترجمہ بھی اسی لحاظ سے کیا گیا ہے۔ (ن۔ب)

اللہ تعالیٰ کی مدد، بادشاہ کی اعانت اور امیر معظم کے بخت [کی یاوری] سے کافروں کے سارے مضبوط قلعے فتح ہو جائیں گے۔ [125] اور شہر و خزانے ہاتھ آئیں گے۔ فی الحال سیوستان اور سیسم کے قلعے قبضہ میں آ چکے ہیں۔ داہر کا چچا زاد بھائی اور اس کے بہادر اور خاص ساتھی [باہر] نکال دیے گئے، باقی سارے کافر مغلوب ہوئے ہیں۔ کافروں کی عبادت گاہوں کی جگہ مسجدیں تعمیر کرائی گئی ہیں اور ازان، نماز، خطبوں اور منبروں کی بنیاد رکھی گئی ہے، تاکہ لوگ وقت پر خدا کا فرض ادا کرتے رہیں اور صبح اور شام خدائے تعالیٰ کا ذکر اور تکبیر بجا لاتے رہیں، جس طرح قرآن کی نص ناطق ہے کہ [قولہ تعالیٰ] اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ – الآیۃ[1] اور بتوں کے وہ نشانات، اللہ کی تائید اور "اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ"[2] [اگر خدائے تعالیٰ تمہاری تائید کرے گا تو کوئی بھی تم پر غالب نہ ہوگا] کی تصدیق کے مطابق صاف کئے جائیں۔ پجاریوں، شیطانوں اور ان کی جماعتوں کو مغلوب اور ذلیل و خوار کر کے جہنم اور سخت عذاب کے حوالے کیا جائے۔ [اس وقت] ہم ایک ایسے قلعہ کی پناہ میں اقامت گزیں ہیں کہ جو سکندر رومی کی تعمیر پر بھی فخر کرتا ہے۔ لیکن ہمارا بھروسہ اور پناہ اللہ عزوجل پر ہے۔ آپ کی رائے عالی کہ ہمیشہ عالی رہے کے مطابق یہ خط پیش کر کے جواب کا منتظر ہوں کہ جیسا فرمان ناطق اور مطلق جاری ہو، اُس کے لئے خود کو تیار کروں اور توفیق الٰہی سے جو ارشاد ہوگا، اُس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ امیر کریم کو یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ داہر کے گورنروں میں سے ایک گورنر مہران کے مشرق کی طرف اس[3] وادی میں جو کہ کشہا (کچھ) کے سمندر کا جزیرہ ہے[3] قلعہ "بیٹ"[4] کا والی ہے اور جسے بسامی [ابن] راسل[5] کہتے ہیں۔ اس کا بیٹا، داہر کے مقربانِ خاص میں سے ہے۔ ہند اور سندھ کے بہت سے بادشاہ اُس کے مطیع ہیں اور ان کے درمیان پختہ عہد نامے ہیں [126] اور وہ اس کی رائے سے باہر نہ جائیں گے۔ دیبل کے جو لوگ ہم سے مل گئے ہیں ان سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہمارا خیر خواہ ہے [اور سندھ کا] ہر امیر اور سردار اُس کی بیعت کی طرف راغب ہے۔ اُس نے

---

1. ترجمہ: سورج ڈھلنے سے رات کی تاریکی پھیلنے تک نماز قائم کرو اور فجر کے قرآن پڑھنے کا پابند رہو۔ (سورۃ بنی اسرائیل رکوع 8)

2. آل عمران: رکوع 8)

3-3. اصل عبارت ہے "در موجے کہ جزیرہ بحر کشہا است" فاضل ایڈیٹر نے "کشہا" کا تلفظ اختیار کیا ہے جو کہ (ن) کا تلفظ ہے۔ مگر (پ) میں "کہا" ہے اور (ر) (م) کا تلفظ "کشہا" ہے۔ ہم نے (ر) (م) کے تلفظ کی بنیاد پر "کشہا" کو ترجیح دی ہے۔ جس کے لئے دیکھئے آخر میں حاشیہ ص 144 [126] (ن-ب)

4. اصل متن میں "بیت" ہے۔

5. اصل میں "بساسی بن راسل" ہے۔ نسخہ (پ) میں "بیتای راسل" ہے۔ دیکھئے آخر میں حاشیہ ص 144 [126] (ن-ب)

ہم سے امید رکھ کر التجا کی ہے کہ ہم اس سے عہد نامہ مستحکم کریں۔ اگر خدائے تعالیٰ نے یہ تدبیر پوری کی اور [وہ سب] صداقت کے ساتھ ہمارے زیر فرمان آ گئے تو دریائے مہران کو پار کرنے کی تدبیر ہمارے لئے آسان اور سہل ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے [سب کچھ] درست اور مبارک ہوگا۔

محمد بن قاسم کے پاس حجاج کا خط پہنچنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے فرزند، کریم الدین، محمد بن قاسم، خدائے تعالیٰ اس کی عزت برقرار رکھے، انواع و اقسام کے تکلفات اور طرح طرح کی تعظیمات سے آراستہ خط پہنچا اور جو حالات اس میں تحریر تھے سب معلوم ہوئے۔ اے بیٹا! آخر ہے کیا؟ تجھے کیا ہو گیا ہے جو اپنی تدبیر، عقل اور سمجھ کام میں نہیں لاتا؟ اے کاش! تو جنگ میں مشرق کے سارے بادشاہوں کو مغلوب کرے اور کافروں کے شہروں کو برباد کرے! تو اس مہم پر غالب ہونے سے کیوں عاجز ہے؟ اور دشمن کے شر کا ازالہ کر کے ان پر کیوں مسلط نہیں ہوتا؟ امید ہے کہ اُن کے منصوبے ناکام ہوں گے۔ وہ لشکر اسلام کے مدافعت کی تجویز مرتب کر رہا ہے، تو دل مضبوط کر اور جس قدر مال خرچ کر سکے، کر اور اُس کے مخالفوں کے حق میں بخششوں اور انعامات کی بارش کر، [127] جو بھی کوئی جاگیر یا ملک طلب کرے تو اسے نا امید نہ کر بلکہ اس کی عرض قبول کر کے اپنے فرمانوں اور امن ناموں سے تسلی دے۔ کیونکہ سلطنت حاصل کرنے کے چار طریقے ہیں: پہلا صلح، ہمدردی، چشم پوشی اور رشتہ داری، دوسرا دولت خرچ کرنا اور انعام دینا، تیسرا دشمنوں کی مخالفت کو صحیح طور پر سمجھنا اور مخالفوں کا مزاج معلوم کرنا اور چوتھا رعب، ہیبت، دلیری، قوت اور دبدبہ۔

[ہر طرح سے] ان دشمنوں کو دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ [چھوٹے] بادشاہ جو کچھ بھی عرض کریں [انہیں] موثق اقرار ناموں سے تسلی دے۔ جب وہ تیری خدمت میں حاضر ہو کر خود پر خراج مقرر کریں تو پھر جو بھی نقد یا سامان خزانہ میں پہنچائیں اسے قبول کرتے رہو اور سب کو تسلی دیتے رہو۔ اگر کسی کو قاصد بنا کر بھیجنا چاہو تو پھر ضروری ہے کہ اس کی عقل، مذہب، دور اندیشی اور امانت پر تمہیں اعتماد ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے جانے کہنے کی وجہ سے اسلام کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ خود کو دشمنوں کے اچانک حملے، حیلوں، آفت، دھوکے اور مکر سے محفوظ رکھنا۔ ضروری کاموں کی تکمیل میں دور اندیشی اور ہوشیاری کے شرائط بجا لانا اور داہر سے خبردار

رہتا۔ اگر کوئی بھی [اپنا] معتقد یا معتقد [کہیں] روانہ کرو[1] تو اسے وصیت کرتا کہ وہ اس کے [دشمن کے] میل جول اور ہمنشینی سے [کہیں] بدل نہ جائے۔ اور اسے خیر خواہی کی شرط وضاحت سے بتاتا کہ اگر پیغام پہنچانے کے لئے راجہ کے سامنے جائے تو سارے سرداروں اور محفل کے بزرگوں کے سامنے بے خوفی سے پیغام دے۔ اُس کا جواب اچھی طرح سننا چاہئے اور کوئی بھی نرمی اور چشم پوشی نہ کرنی چاہئے۔ قاصدوں کی ہمت دلکش وعدوں سے بڑھانا چاہئے۔ اور [انہیں بتانا چاہئے] کہ تم سارے اسلامی لشکر کے امام اور پیشوا ہو اور سب کی امیدیں تمہاری گفتگو سے وابستہ ہیں، اس لئے تمہیں چاہئے کہ پیغام پوری طرح ادا کرو۔ مسلمانوں کا قاصد پاک مذہب [والا] ہونا چاہئے۔ [128] تاکہ سخن کو شکوہ کے ساتھ بغیر کمی بیشی کے ادا کرے۔ اور ان کو توحید پر ایمان لانے کی دعوت دے [اور انہیں بتائے] کہ جو اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرکے اطاعت کرے گا اسے مال، شہر، زمین اور کھیت عطا کئے جائیں گے اور جو اسلام کے سامنے سر نہ جھکائے تو اسے کوئی دھمکی دے تاکہ وہ فرمان بردار رہے اور اگر [اس کے باوجود] اطاعت سے سرکشی کرے تو پھر اسے [صاف] کہہ دے کہ جس صورت میں تم نے اطاعت سے منہ موڑا ہے، اس صورت میں جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ لیکن اسے داہر [کو] دریائے مہران عبور کرنے کا اختیار نہ دینا [بلکہ] کہنا کہ "اگر تم تیار ہو تو پھر [تمہارے لئے] کوئی رکاوٹ نہیں ہے، لیکن چونکہ ہم اتنا بڑا سفر طے کرکے آئے ہیں اس لئے ہمیں ہی مہران پار کرنا اور بغیر روک ٹوک کے مقابلے میں آنا ہے تاکہ طرفین کے درمیان شک وشبہ کی مجال اور یہ خار خار نہ رہے۔ جس جگہ بھی دشمن کا مقابلہ کرو، وہ جگہ کشادہ میدان ہونی چاہئے تاکہ مرد مرد کو اور سوار سوار کو برابر جولان دے سکے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جب جنگ شروع کرنا تو اللہ پاک کے کرم پر بھروسہ رکھنا اور اس کی رسی کو مضبوط پکڑنا [اور دیکھنا] کہ قضا اور تقدیر، پردۂ غیب سے کیا ظاہر کرتی ہے اور وہاں کس فریق کی بادشاہی ختم ہونے کا حکم جاری ہوتا ہے اور اگر وہ پیغام بھیجیں اور کہیں کہ آپ مہران سے تم گذرتے ہو یا ہم گذریں؟ تو انہیں اختیار نہ دینا بلکہ کہنا کہ میں پار کرکے آتا ہوں تاکہ تیرا رعب اور ہیبت دشمن کے دل پر اثر کرے اور [وہ] کہیں کہ اگر لشکرِ اسلام میں قوت اور طاقت نہ ہوتی تو یوں ہمارے سامنے نہ آتا۔

اس کے علاوہ یہ کہ لشکر عرب کی جو جماعت تیری اطاعت میں ہے، امید ہے کہ [اس

---

1. اصل متن میں اس مقام پر "بفرستد" ہے جو کہ واحد غائب کا صیغہ ہے اور اس کی ضمیر داہر کی طرف رجوع ہوتی ہے، لیکن ایسا کرنے سے سارے جملے کے معنی میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں "بفرستد" لفظ "بفرستی" کی بگڑی ہوئی صورت غلطی ہے اور ہم نے اسی کا خیال رکھتے ہوئے ترجمہ کیا ہے۔ (مترجم)

کے لوگ [پیٹھ نہ دکھائیں گے اور جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔ بلکہ جی جان کی بازی لگائیں گے۔ خدائے تعالیٰ پر توکل کر کے شوق سے جنگ کریں گے اور ثابت قدم رہیں گے۔ ان کی نیت لڑائی میں اور تیری اطاعت میں سچی رہے گی تا کہ [وہ] خدائے عزوجل کی رضامندی حاصل کر سکیں۔ [129] دریا عبور کرنے کے لئے ایسی جگہ اختیار کرنا جہاں تم مضبوطی کے ساتھ قدم جما سکو اور سیدھی سادی گذرگاہوں [سے بھی] سمجھ بوجھ کر گذرنا اور دور اندیشی اور باخبری کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ گذرتے وقت لشکر کو ہوشیار رکھنا اور [اس کا] میمنہ، میسرہ، قلب، مقدمہ اور ساقہ سیدھا رکھنا، پیادوں اور اکیلوں کو پہلے بھیجنا اور کسی بھی برگستوانی[1] کو درمیان میں نہ رکھنا۔"

حجاج کا یہ خط پہنچا تو محمد بن قاسم نے عزم مصمم کیا اور دریا پار کرنے کی تدبیر کرنے لگا۔

محمد بن قاسم کے نیرون کوٹ پہنچنے کی داہر کو اطلاع ہونا[2]

ادھر راجہ داہر نے ہند کے داناؤں اور اپنے فلسفیوں اور نجومیوں سے کہا کہ "اس وقت خبر ملی ہے کہ محمد [بن] قاسم ظاہر ہوا ہے اور قلعہ نیرون کے نزدیک زبردست لشکر کے ساتھ جنگ کے لئے تیار کھڑا ہے۔ [چنانچہ بیان کرو کہ] تاریخ و نجوم کی کتابوں میں تمہیں کیا معلوم ہوتا ہے؟ اور وقت کے ستارے اور سال کی تقویم سے کیا [نتیجہ] نکلتا ہے؟" نجومیوں نے تعریف و توصیف اور ستائش و ثنا کے بعد عرض کیا کہ "راجہ سلامت رہے! تاریخ کی قدیم کتابوں اور حکیم جاماسپ کے نجوم سے یہ معلوم ہوا ہے کہ 92ھ میں نیرون کا قلعہ لشکر اسلام کے قبضے میں آئے گا اور 93ھ میں سارا ہندوستان اور یہ قلعے جو کہ سکندر کی تعمیر سے بھی زیادہ مضبوط ہیں، مسلمانوں کی ملکیت ہوں گے اور یہ فتوحات محمد بن قاسم کے ہاتھوں ہوں گی۔ یہ پیشگوئی [ضرور] پوری ہوگی۔"

پھر راجہ داہر نے [130] بھنڈر کوشنی[3] کو کہ نیرون کا قلعہ اس کی نگرانی میں تھا روانہ کیا اور کہا کہ "تجھے نیرون کوٹ پہنچ کر ہمیں ان کے حالات سے مطلع کرنا چاہئے۔" اس اشارہ پر شنی نیرون کوٹ جا پہنچا اور پانچ سردار اور حجاج کا پروانہ ساتھ لے کر محمد بن قاسم کے پاس حاضر ہوا۔ نباتہ ابن [ا]حنظلہ ان کے درمیان [واسطہ] ہوا۔ جب اس نے پروانہ اور نذرانہ پیش کیا تو محمد بن قاسم نے

---

1. معنی کے لئے دیکھئے حاشیہ ص [99]
2. اس باب کے مضمون سے یہ گمان ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کے نیرون آنے کی اطلاع ہی داہر کو جب ہوئی ہے کہ جب وہ سیوستان اور بدھیہ کے علاقوں سے ہو کر نیرون کوٹ واپس آیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے بلکہ مصنف نے یہاں اور اس کے بعد نئے عنوان کے تحت وہی ساری حقیقتیں دہرائی ہیں جو اس سے پیشتر ص [116] سے [118] تک آچکی ہیں۔ دوبارہ لکھنے کا سبب صرف یہ ہے کہ مصنف داہر اور محمد بن قاسم کی جنگ کی یہاں سے تمہید باندھنا چاہتا ہے۔ (ن-ب)
3. اصل متن میں "شنی بھنڈرکو" ہے۔

فرمایا کہ "اس پروانے کی تعمیل [تو خیر] کرنی ہی ہے۔ لیکن تو نے لشکر کے پہنچنے پر جو دروازے بند کئے تھے اس کا ہم پر کافی [برا] اثر ہوا ہے۔

جب تم اطاعت گذار تھے تو پھر قلعے کے دروازے بند کرنا اور لشکر کو روکنا اچھا کام نہ تھا کہ اسی وجہ سے لشکر میں غلے کی قلت ہوگئی تھی۔" اس پر شمنی معذرت کرنے لگا کہ "چونکہ ہمارے کاروبار کی مصلحتیں راجہ داہر سے متعلق ہیں اور میں یہاں حاضر نہ تھا اس وجہ سے آپ کے پہنچنے پر رعایا متردد ہوئی اور ڈری کہ مبادا واپسی پر اہل قلعہ کو کوئی نقصان پہنچائیں۔ [مگر] اب جبکہ میں خدمت میں حاضر ہوا ہوں تو فرمانبرداری اور خلوص کی رسم ادا کرتا رہوں گا اور جو بھی آپ کی مرضی ہوگی اس کے مطابق عمل کروں گا۔"

محمد بن قاسم کا نیرون کے شمنی کو خلعت پہنانا

پھر محمد بن قاسم نے خلعت پہنا کر [اس کی] عزت افزائی کی اور بڑی مہربانیوں سے پیش آنے کے بعد اسے واپس کیا۔ شمنی نے واپس جا کر قلعے کے دروازے کھولے اور تحفے اور نذرانے بھیجے اور سپاہی خرید و فروخت کے لئے قلعے میں گئے۔ دوسرے دن جب ستاروں کے بادشاہ کا پرچم مقعب لاجوردی پر برآمد ہوا[1] تو محمد بن قاسم گھوڑے پر سوار ہو کر اور اپنے خاص اور برگزیدہ آدمیوں کے ساتھ قلعے میں آیا اور بتکدے کی جگہ پر مسجد تعمیر کرا کر اس میں دو رکعت نفلیں ادا کیں۔ (اس کے بعد) قبیلۂ ذہل اور اہل بصرہ میں سے ایک شخص کو وہاں اپنا [131] نائب مقرر کیا۔[2]

پھر وہاں سے کوچ کیا اور دریائے مہران پار کرنے کے لئے شمنی کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ [اسی اثنا میں] شمنی راسل رنی[3] کے بزرگوں اور بھٹیوں کے کچھ سربراہوں نے حاضر ہو کر امان طلب کی انہیں جیسا کہ حجاج نے حکم جاری کیا تھا جواب دے کر اور اقرار مستحکم کر کے اشبہار کے قلعے کی طرف روانہ ہوا اور محرم 93ھ[4] میں اس قلعے کے نواح میں جا کر فروکش ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ایک مضبوط قلعہ ہے، قلعہ والوں نے جنگ کے لئے تیار ہو کر اس کے [چاروں طرف] خندق کھودی تھی اور قلعے کے مغرب میں رہنے والے جتوں اور دیہاتیوں کو بھی قلعہ میں لے آئے

1. یعنی سورج طلوع ہوا۔ (مترجم)
2. اس مقام تک، اس عنوان اور اس سے پیوستہ عنوان کے تحت کم و بیش وہی بیان دیا گیا ہے جو اس سے پہلے ص [110-157] پر آچکا ہے۔ اس کے بعد نیا بیان شروع ہوتا ہے۔ (ن-ب)
3. نسخہ (ب) میں "راسل رنی"، (ر) (م) میں "راسد رمن" اور (س) میں "راسل رنی" ہے۔
4. مصنف پہلے ص [102] پر بیان کر آیا ہے کہ محمد بن قاسم محرم 93ھ میں دیبل پہنچا (دیکھیے ص 124) لیکن اس مہینہ اور سال میں دیبل، نیرون کوٹ اور سیوستان وغیرہ کے قلعے فتح کر کے اشبہار کے قلعہ پر حملہ آور ہونا ناممکن ہے اس لئے یہاں محرم 94ھ کے بجائے صرف 93ھ یا کوئی اور مہینہ ہونا چاہیے۔ (ن-ب)

تھے۔ محمد بن قاسم نے جنگ شروع کی۔ محل وقوع سے [فائدہ اٹھاتے ہوئے] انہوں نے ایک ہفتہ مقابلہ کیا، مگر پھر امان طلب کر کے اطاعت قبول کی اور اپنی گردنوں میں بندگی کا طوق ڈالا۔ محمد بن قاسم نے حجاج کے پروانے کے مطابق انہیں امان دی، چنانچہ جو لوگ متابعت میں آ ئے انہوں نے خراج قبول کر کے قلعے کے دروازے کھول دیئے۔ محمد بن قاسم اپنے امینوں کے ساتھ اندر گیا اور چابیاں اپنے صادق معتمدوں اور مخلص معتقدوں کے حوالے کیں۔ اس کی بعد اس قلعے پر ایک ایماندار آدمی [نائب] مقرر کر کے اس کی فتح کے متعلق حجاج کے پاس [خط] تحریر کیا۔ [جس میں یہ بھی لکھا] کہ ان بہادر جٹوں کو امان دی گئی ہے۔ [ساتھ ہی ساتھ] اسے [اس جنگ کے] قتل اور خونریزی کی [بھی] اطلاع دی۔ اس قلعے میں کافی عرصہ ٹھہر کر اور [اپنا] نائب مقرر کر کے خود مہران کے مغربی کنارے پر راوڑ کی حدود میں آ کر منزل انداز ہوا۔ [132]

مہران کی ساحلی منزل پر محمد بن قاسم کا جنگ کرنا

چنانچہ جب محمد بن قاسم ساحلِ مہران پر آ کر اُترا[1] تو بیٹ کے حاکم جاسین نے اس سے جنگ کی۔[1]

روایت: [2] تاریخ کے مصنفوں نے اس طرح روایت کی ہے کہ جب داہر کو محمد بن قاسم کے راوڑ اور جیور کی حدود میں پہنچنے کی خبر ملی اور اُس سے پوچھا کہ "عرب کہاں پہنچے ہیں" اور اسے بتایا گیا کہ جیور کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں، تو اُس نے کہا کہ "عربوں کا خاصہ غلبہ ہوا ہے اور مقدر یقیناً ان کے ساتھ ہے۔" [ادھر] پھر محمد بن قاسم نے موکو ابن وسایو[3] کے پاس قاصد بھیجا کہ "قصبِ وجودۃ کا علاقہ[4] تجھے بطور جاگیر دیا جاتا ہے، اس پر تیرا قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے۔"

1- [ا] فارسی ایڈیشن کی عبارت اس طرح ہے "پس چوں محمد قاسم بر معبر مہران نزول کرد، جاہین، ملک بیت جنگ پیوست۔" یہ جملہ نامکمل ہے۔ نسخہ (ر) میں اس جملے کا آخری حصہ یوں ہے: "با وے جاہین، ملک بیت جنگ پیوست" یہ ٹکڑا ایک تو جملے کے لحاظ سے مکمل ہے۔ دوسرے آگے آنے والے حقائق کے مطابق ہے جیسا کہ ص 128 پر بیان کیا گیا ہے کہ داہر نے جاہین ہی کو محمد بن قاسم سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا "و (داہر) جاہین را فرمود کہ بر لب مہران بموضعی کہ آب را جائے عبرہ بود برابر حصار بیت بایست" (داہر نے جاہین کو قلعہ بیت کے سامنے جدھر گھاٹ تھا ادھر مہران کے کنارے پر استادہ ہونے کا حکم دیا)

2- یہ روایت معترضہ ہے کہ جس میں محمد بن قاسم اور جاہین کے مقابلے سے پہلے کے حالات بیان کئے گئے ہیں، اس لحاظ سے اسے ایک دوسرے مضمون کا عنوان سمجھنا چاہئے۔ (ن-ب)

3- فارسی متن میں "موکو بن بسایہ" ہے (ر) اور (م) میں "بسایہ" کی جگہ پر ہر مقام پر "بہایہ" ہے۔ (ن-ب)

4- یہاں فارسی متن کی عبارت "ولایت قصہ و سودۃ" (یعنی کچھ اور سوڈھ کی ولایت) ہے جو کہ ایڈیٹر کی اپنی گمانی عبارت ہے۔ (ر) (م) (ن) (ب) (س) اور (ک) میں "ولایت قصب وجودۃ" اور (پ) میں بھی "ولایت قصبہ وجودۃ" تحریر ہے۔ چنانچہ ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ مزید دیکھئے حاشیہ ص 149 [133] (ن-ب)

موکو ابن وسایو کے معاہدے کی خبر داہر کو ہونا

پھر کسی آدمی نے داہر کو جا کر خبر دی کہ موکو [ابن] وسایو نے محمد بن قاسم کی بیعت کی ہے اور قاصد بھیج کر [ایک دوسرے سے] عہدنامے کئے ہیں۔ اُس نے قاصد کے ذریعے محمد بن قاسم کو جواب بھیجا ہے کہ "آپ نے جو فرمایا وہ صحیح معلوم ہوا اور ہم پر جو عنایت کی ہے اس کے لئے احسانمند ہیں۔ آپ نے جو وعدے فرمائے ہیں ہم دل و جان سے ان کے شائق ہیں اور دل آپ کی فرمان برداری کی طرف بے حد مائل ہے۔ آپ کی خوشی سارے کاموں پر مقدم رکھیں گے اور [اگر] کسی بہانے سے کوئی حادثہ پیش آیا تو پھر حکم کا تابع رہنا لازمی سمجھیں گے۔ لیکن جن بادشاہوں کے نمک کا حق [ہم جیسے] خدمتگاروں کی گردن پر لازم ہے ان سے عہد شکنی اور بیوفائی کرنا [133] ایسا گناہ اور خیانت ہے کہ جو دور اندیشی اور امانت سے بعید ہے اور جب تک اس کی طاقت سے ایسا کوئی خوف پیدا نہ ہو کہ جو نفس اور جان کے لئے خطرہ بن جائے تب تک، امانت اور دور اندیشی سے کنارہ کش ہو جانا ناپسندیدہ طریقہ ہے۔

ملک موکو [ابن] وسایو کی درخواست: مزید یہ کہ ملکِ سندھ ہمارا وطن اور ہمارے آباء و اجداد کا ورثہ اور حاصل کیا ہوا ہے۔ راجہ داہر سے ہماری قرابت ہے اور وہ ہندوستان کے راجاؤں کا راجہ ہے۔ وہ جتنے بھی بلند درجے پر فائز ہوگا تو اس سے ہم کو بھی [اتنا ہی] بڑا نصیب اور مکمل حصہ ملے گا [اس سے] بہرحال، رنج یا راحت میں موافقت کی شرطیں بجالانا ہم پر لازم اور ثابت ہیں۔ [ہم اس کے] دُکھ سُکھ میں شریک اور ملک میں حصے دار ہیں۔ لیکن [اب] عقل کے طریقے سے ایسا معلوم ہوتا ہے اور حکمت کے دلیلوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکومت ہمارے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے حوالے ہوگی۔

موکو [بن] وسایو کا [محمد بن قاسم سے] عہدنامہ کرنا

سندھ کے حکیموں اور ہندوستان کے فلسفیوں نے کہ جو اس ملک کے باشندے ہیں، اصطرلاب اور نجوم کے ذریعہ قدیم کتب سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس سلطنت کو لشکر اسلام فتح کر کے اپنے قبضے میں لائے گا۔ جس شخص کا بخت یاوری کرتا ہے اور کامیابی ہمرکاب ہوتی ہے اور وہ دور اندیش اور باہمت ہوتا ہے تو جو واقعہ پیش آتا ہے اس سے تجربہ حاصل کرتا اور زیادہ ہوشیار ہو جاتا ہے تاکہ نجات کا راستہ اس سے پوشیدہ نہ رہے اور ایسا نہ ہو کہ

جب موقع اور وقت نکل جائے تو اسے تکلیف پہنچے۔ آپ نے جس صورت میں مجھے پیشکش کی ہے اور مجھ سے یہ رعایت کرنا واجب سمجھا ہے کہ "[وہ علاقہ تمہاری] امانت ہے۔" تو اگر میں جواب باصواب نہ دوں گا تو مخالفت ہوگی اور اگر میں اپنی خوشی سے بغیر جنگ و جدل کئے خدمت میں آ کر حاضر ہوں گا تو دشمنوں کی ملامت اور خاندان کی بدنامی [134] کا باعث ہوگا۔ [اب تجویز یہ ہے] کہ [1] اس وقت میں ساکرے کے رانا سے بیٹی کی شادی کرانے کے بہانے جا رہا ہوں [1] امیر محمد بن قاسم کہ اس کا مرتبہ [ہمیشہ] بلند و قایم رہے، ہزار سواروں کو حکم دے کہ فلاں راستے پر آ کر وہ مجھے گرفتار کر کے خدمت میں حاضر کریں، تاکہ مجھے بھی بہانہ مل جائے اور لوگوں کی زبانوں پر بھی یہ شکایت نہ ہو کہ اس نے بے وفائی کی [اس طرح] داہر کو بھی بدگمانی نہ ہوگی کیونکہ [اسے معلوم ہوگا کہ] مجھے بے بس کر کے زبردستی لے گئے ہیں۔"

موکو [ابن] وسایو کے کہنے پر نباتہ بن حنظلہ کو بھیجنا

چنانچہ محمد بن قاسم کو اس کے قول پر پورا اعتماد ہوا اور اس کی بات پر بھروسہ کر کے اس نے نباتہ بن حنظلہ کو ایک ہزار مسلح اور منتخب سواروں کے ساتھ موکو [ابن] وسایو کے طے کردہ مقام پر بھیج دیا اور خود بھی اس کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ [اس طرف] موکو بھی سو نفر سوار ہمراہ لے کر نکلا اور اس [طے شدہ] مقام پر آ پہنچا۔

نباتہ بن حنظلہ کا جانا اور موکو [بن] وسایو کو ٹھاکروں سمیت گرفتار کرنا

پھر نباتہ بن حنظلہ نے اپنے سواروں اور ترجمان کے ساتھ آ کر [اس کا] راستہ روکا اور موکو [ابن] وسایو بیس نامور ٹھاکروں اور اپنے گروہ سمیت گرفتار ہوا۔ جب اسے محمد بن قاسم کے سامنے لایا گیا تو امیر اس کے ساتھ عزت اور تعظیم سے پیش آیا اور ملک بیٹ اس کے حوالے کیا اور اس کی درخواست پر ٹھاکروں کو دستخط کر کے پروانے عطا کئے۔ مزید ایک لاکھ درم انعام کے طور پر بخشش دیگر سبز طاؤسی تاج، کرسی اور خلعت عطا کی اور اس کے سارے ٹھاکروں کو خلعتوں، آراستہ گھوڑوں اور بہت سے انعامات سے سرفراز کیا۔

1-1 فارسی ایڈیشن کی عبارت یہ ہے "اکنون بہ بہانہ تزویج دختر رانہ ساکرا رفتہ می شود۔" "رانہ ساکرا" کے مقام پر مختلف نسخوں کی عبارتیں یوں ہیں: (پ) "رانہ ساکراہ" (ر) "راہ و ساکراہ" (م) "راؤ ساکر" (ن)، (ب)، (س)، "دختر رانہ ساکرا" اور (ک) "دختر رانہ ساکران"۔

تاریخ کے مصنف اور جہاں پیا سیاح اس طرح روایت کرتے ہیں کہ [محمد بن قاسم نے] امیری کا پہلا تاج سوکو دیا تھا اور اس کی درخواست پر قصبہ [وجورتہ][1] کی اراضی بھی بطور ملکیت پروانہ لکھ کر اسے اور اسکے فرزندوں کو تفویض کی اور بیٹ کا سارا علاقہ، مضافات اور آبادی سمیت حوالے کر کے عہدنامہ پختہ کیا اور اسے کشتیاں فراہم کرنے کی وصیت کی۔

محمد بن قاسم کا شامی قاصد اور مولائی اسلام[2] کو بھیجنا

پھر محمد بن قاسم ساحل مہران پر منزل انداز ہوا۔ [اور اُس نے] بزرگانِ شام میں سے ایک بزرگ اور مولائی دیبلی کو جو کہ محمد بن قاسم کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا تھا، [داہر کے پاس] بھیجا تا کہ جو کچھ شامی کہے وہ داہر [بن] چچ کو اور جو داہر جواب دے وہ اسے سمجھائے اور جب وہ پیغام دینا شروع کرے تو دربار میں خاص آدمیوں کی مجلس میں ادا کرے اور جواب صاف لفظوں میں طلب کرے، جیسا کہ حجاج کے فرمان کی ابتدا میں تحریر ہے۔

شامی قاصد کا داہر کے پاس جانا

جب شامی قاصد اور مولائی دیبلی داہر کے پاس پہنچے، تب مولائی دیبلی نے سر جھکا کر [شرطِ] خدمت ادا نہ کی۔ داہر انہیں پہچانتا تھا، چنانچہ اس نے اُن سے کہا کہ "تم نے قانون کے مطابق خدمت کی شرط کس لئے پوری نہیں کی؟ شاید تجھے منع کیا گیا ہے؟" مولائی نے جواب دیا کہ "جب میں تمہارے طریقے پر تھا، اس وقت بندگی کی شرط بجا لانا مجھ پر واجب تھا، لیکن اب جبکہ میں اسلام کے شرف سے مشرف ہو چکا ہوں اور میرا تعلق بادشاہِ اسلام سے قائم ہو چکا ہے تو مجھ پر کافر کے آگے سر جھکانا واجب نہیں۔"

داہر کا دھمکانا

(یہ سن کر) داہر نے کہا کہ "اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کرا دیتا۔" مولائی دیبلی نے فرمایا کہ "اگر تو مجھے قتل کرا بھی دے تو اس سے عربوں کو کوئی نقصان نہ ہوگا اور [میرے]

---

1. فارسی ایڈیشن میں "زمین قصہ" (یعنی اراضی کچھ) ہے۔ مگر (پ) اور (ر) کی عبارت صاف طور پر "زمین قصبہ" ہے۔ اس کچھ کے لئے دیکھئے آخر میں تشریحات و توضیحات، حاشیہ ص149 [133]
2. اصل عبارت "مولانا اسلامی" ہے جو کہ غلط ہے۔ اس وقت "مولانا" کا خطاب اور "اسلام" کا نام ناپید تھا۔ صحیح لفظ "مولائی اسلام" سمجھنا چاہیے، کیونکہ اس کے نیچے "مولائی دیبلی" اور پھر آئندہ عنوانوں کے نیچے صاف طور پر "مولائی اسلام دیبلی" آیا ہے۔ (ن-ب)

خون کا [انتقام] لینے کے لئے بدلہ لینے والے موجود ہیں جو تجھ تک پہنچ کر ہی دم لیں گے۔"

شامی کا پیغام ادا کرنا

پھر شامی نے زبان کھولی کہ "ہم امیر کی جانب سے تمہارے پاس قاصد ہو کر آئے ہیں اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ پیغام تمہارے حاکموں اور راناؤں کے سامنے پہنچائیں۔" داہر نے جواب دیا "کہو، کیونکہ قاصد اپنے مخدوم کا پیغام پہنچانے والا اور فرمان ادا کرنے والا ہوتا ہے۔" اس نے کہا "امیر محمد بن قاسم نے اس طرح فرمایا ہے کہ تو مختار ہے، اگر [دریا] پار کر کے آئے تو راستہ کھلا ہے کوئی بھی رکاوٹ نہ ہوگی ورنہ [دوسری صورت میں] راستہ کھلا رکھو تا کہ لشکرِ عرب دریا عبور کر کے تمہارے مقابلے کے لئے آئے۔"

داہر کا وزیر سیاکر سے مشورہ کرنا

پھر داہر نے وزیر سیاکر سے پوچھا کہ "اس بارے میں تیری کیا رائے ہے؟" وزیر سیاکر نے کہا "میں نے ہمیشہ جن باتوں میں رائے دینا مناسب سمجھا ہے [137] ان میں راجہ کی خیر خواہی اور نصیحت کو پیش نظر رکھا ہے اور راجہ کو ان کا نتیجہ معلوم ہے۔ [پہلے] میں نے جو رائے نصیحت کے طور پر گھاٹ پار کر کے [دشمن کی] فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے دی تھی، اس پر [راجہ نے] نہ تو کوئی توجہ دی اور نہ قبول فرمائی۔ مگر اب جبکہ حالات نازک ہو گئے ہیں اور اس سے جنگ کرنے کے لئے مجبور [ہونا پڑا] ہے تو خیر اسے ہی اس طرف پار کر کے آنے دو تا کہ دونوں لشکر مقابل ہوں۔ اس طرف کا ملک آپ کے قبضے میں ہے اور شہر اور خزانے آپ کے تصرف میں ہیں۔ اناج، ہتھیار، سامان اور اسبابِ جنگ موجود ہیں۔ [دوسری طرف] اس کی مدد [کی راہ] کٹ جائے گی۔ چونکہ مہران کا پانی ان کے پیچھے ہوگا، اس لئے انہیں کوئی کمک نہ پہنچ سکے گی اور وہ قیدیوں کی طرح آپ کے ہاتھوں عاجز ہو جائیں گے اور اُن پر حیلوں کے دروازے بند رہیں گے، جس کی وجہ سے [ان کا] سارا سامان، گھوڑے، لشکر اور نوکر چاکر سب آپ کے ہاتھ آ جائیں گے۔"

[پھر داہر نے] ایک علافی کو بلا کر جو کہ [پہلے] لشکرِ شام میں تھا اور سندھ میں لشکرِ عرب کے آنے سے بہت پہلے کسی خطا پر وہاں سے بھاگ کر داہر کے پاس آ گیا تھا اور اس سے وابستہ ہو گیا تھا، اس سے اس تجویز کے متعلق مشورہ کیا اور کہا کہ "اے محمد! وزیر سیاکر نے یہ تقریر کی ہے، تجھے یہ [مشورہ] موزوں نظر آتا ہے یا نہیں؟" محمد علافی نے کہا کہ:

لا تقیمن بدار لا انتفاع بہا
فالارض واسعۃ والرزق مبسوط

[جس گھر میں نفع نہ ہو تو وہاں قیام نہ کر۔ دنیا میں زمین بڑی وسیع اور رزق بہت وافر ہے۔]

''اس کی یہ رائے کہ اُن کے لشکر کو اس طرف پار کر کے آنے دیا جائے، مناسب نہیں ہے۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں، کیونکہ وہ زبردست لشکر رکھتا ہے۔ جنگجو سوار نامور [138] بہادر اپنے نام و ناموس کی خاطر ڈٹ جائیں گے اور خدائے تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا نفس اور زندگی اس کی راہ میں قربان کریں گے۔ چونکہ انہیں خدائے عزوجل کے کرم کی امید ہوگی اور [یہ یقین ہوگا کہ] اس جہاد اور شہادت کی وجہ سے انہیں دنیائے خلد میں جگہ ملے گی، اس لئے وہ اس وقت تک قتل نہ ہوں گے کہ جب تک ہمارے دوگنے آدمیوں کو قتل نہ کر ڈالیں گے۔ جب وہ جنگ کی طرف رُخ کریں گے تو پھر اس وقت تک اُن کا پلٹنا اور منہ موڑنا مشکل ہے کہ جب تک سب کے سب تلواروں کا لقمہ نہ بن جائیں۔ اس طرف آ کر اور ملک کے دامن میں ہاتھ مار کر اگر وہ بادشاہت کے حصے دار ہو گئے تو ان سے بڑا فتنہ پیدا ہوگا اور ان کی قوت اور دبدبے میں روز بروز اضافہ ہوگا۔ کیونکہ آپ کی بیشتر فوج اور رعایا اُن کی لوٹ مار سے امان طلب کرے گی اور [لوگ] اپنی جان بچانے کے لئے ان کے طرفدار ہو جائیں گے اور انہیں جائے پناہ سمجھنے لگیں گے۔ اس لئے [یہی بہتر ہے کہ] انہیں مغربی کنارے پر روک دیا جائے۔ ہمارے اور ان کے درمیان مہران [حائل] ہے۔ ان کے اس طرف آ جانے میں آپ کو اپنے لئے کوئی مصلحت نہ سمجھنی چاہئے۔ کشتیوں کے ملاحوں اور جنگل کے جتوں کو ہدایت کیجئے کہ گھاس، اناج، لکڑیوں اور بیلوں وغیرہ کا جو کہ [دشمن کی] فوج کے لئے ضروری ہیں، راستہ روکیں اور [ان چیزوں کو] ان تک نہ پہنچنے دیں، جو بھی [مجاہد] لشکر سے بچھڑ جائے اسے تکلیف پہنچائیں تاکہ تنگ ہو کر کچھ بھوک سے نابود ہوں اور کچھ بے سر و سامانی سے [عاجز ہو کر] بھاگ جائیں اور گھوڑے گھاس کے بغیر اور سوار غذا کے بغیر پریشان ہو کر منتشر ہو جائیں اور آپ کے ملک میں کوئی مداخلت نہ کر سکیں۔ اس طرح جب ان کا لشکر پریشان اور منتشر ہو جائے گا تو پھر آپ کے ملک میں کوئی بھی لوٹ مار نہ کر سکے گا اور آپ آسودہ رہیں گے۔'' [139]

علافی کا داہر کو نصیحت کرنا

روایت: اس حکایت کے راوی نے بیان کیا ہے کہ ''اس مجلس میں جتنے لوگ استادہ تھے، میں

بھی ان میں سے ایک تھا اور مجھے بیٹھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ علافی نے جو کچھ بیان کیا اور نصیحت کے طور پر داہر کو جو مشورے دیئے وہ میں نے [اچھی طرح] سنے اور سمجھے۔"

پھر داہر نے [علافی سے] کہا کہ "تمہارا جو بھی مشورہ ہوتا ہے وہ بجز نصیحت اور خیر خواہی کے کچھ اور نہیں ہوتا لیکن میری رائے کا تقاضا ہے کہ اسے [اس پار آنے کا] اختیار دوں تا کہ وہ مجھے عاجز سمجھ کر یہ خیال نہ کرے کہ کمزور ہو گیا ہوں۔"

راجہ داہر کا پیغام

پھر شاہی قاصد کو یہ کہہ کر واپس کیا کہ "جا کر اپنے امیر سے کہو کہ [دریا] پار کرنے میں پس تجھے آزاد چھوڑا جاتا ہے۔ ہم تجھ سے جنگ کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ تو [اس پار] آجا ورنہ ہم [اُدھر] آئے جاتے ہیں۔"

محمد بن قاسم کے قاصدوں کا داہر کے پاس سے واپس آنا

پھر قاصد، محمد بن قاسم کی خدمت میں واپس آئے اور راجہ داہر نے جو پیغام دیا تھا وہ ظاہر کیا۔ محمد بن قاسم نے کہا کہ درگاہ ذوالجلال بے زوال کے طفیل میں، میں مہران کو پار کرنا اختیار کروں گا۔ پھر خدائے عزوجل کو یاد کرکے اور اس سے مدد طلب کرکے راہی منزل ہوا۔ آخر امیر سارے لشکر سمیت مہران کے مغربی کنارے پر راوڑ کے قلعے کے سامنے اتر کر خیمہ زن ہوا اور موکو [ابن] وسایو کو بلا کر قابل اعتماد آدمیوں کو اس کے ساتھ کیا [اور کہا] کہ "وہ دریا پار کرنے کا کوئی [موزوں] مقام تلاش کریں [140] اور کشتیاں بھی فراہم کریں تا کہ ہم اس پار جا پہنچیں۔" [لیکن پھر کہنے لگا] کہ ممکن ہے کہ یہ آب مہران عبور کرنے میں دشوار گذار [ثابت] ہو اور ہم گذر نہ سکیں۔ [دوسری جانب سے] دشمن کا بھی خوف ہے کہ جو دریا کے کنارے پر سامنے تیار کھڑا ہے۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک حجاج کے پاس سے خط کا جواب نہ آجائے اس وقت تک لشکر کو اس پار نہ لے جایا جائے۔

چنانچہ دو تین دن ٹھہر کر اس نے ایک مفصل خط لکھا، جس کا عزت و تعظیم کے ساتھ جواب وصول ہوا۔

محمد بن قاسم ثقفی کو حجاج بن یوسف کا خط ملنا

حجاج بن یوسف کی جانب سے یہ مکرم و معظم خط امیر جلیل عماد الدین محمد بن قاسم کی

طرف: بعد سلاموں کے واضح ہو کہ تم نے مہران پار کرنے اور راجہ داہر بن چچ سے جنگ کرنے کی بابت تحریر کیا تھا۔ بے شک تائید الٰہی سے مجھے امید ہے کہ تم فتح مند اور کامیاب ہوگے اور تمہارا دشمن داہر ذلیل ہوگا۔ جس وقت وہ مقابل ہوں گے تو خدائے تعالیٰ کی امداد پر بھروسہ ہے کہ آسمان کی گردش سے تمہیں کوئی بھی نقصان نہ پہنچے گا۔ کیونکہ نماز کے پانچوں وقتوں اور خلوت یا جلوت کا ایسا کوئی بھی وقت نہیں گذرتا کہ جس میں غائبانہ دعا کی امداد نہ کی جاتی ہو کہ خدائے تعالیٰ تمہیں کافروں پر فتح نصیب کرے اور وہ دشمن ذلیل اور خراب و خوار ہوں ازل میں جو حکم مقدر ہو چکا ہوتا ہے، پردۂ مراد سے بھی وہی ظاہر ہوتا ہے اور جو موزوں اور مطلوب ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ میں اللہ پاک کی درگاہ میں عجز اور فغاں کے ساتھ ہمیشہ یہ عرض کرتا رہتا ہوں کہ "اے خداوند! تو ایسا بادشاہ ہے کہ تیرے سوا دوسرا کوئی بھی خدا نہیں ہے، لشکرِ اسلام کو [اس کی حیثیت] سے زیادہ قوت دے اور کامیابی عطا کر۔" اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ تم مقصد حاصل کر کے ہم سے [141] آملو گے۔ یہ ضروری ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو دریا عبور کرو اور تائید الٰہی کی التجا کرتے رہو اور اس کی رحمت کو اپنی پناہ جانتے رہو تاکہ وہ، اپنی عقلوں پر غرور کرنے والے صلاحکاروں سے [تمہیں] محفوظ رکھے۔ ایک دوسرے کے مد مقابل ہونے کے وقت رضائے الٰہی پر اعتماد رکھتے ہوئے اپنی پوری شجاعت اور ہمت کا مظاہرہ کرنا کیونکہ فتح اور تائید [الٰہی] تمہارے ہمرکاب اور قوت تمہارے ساتھ اور مددگار ہے اور فرشتوں کی امداد اور مسلمانوں کی تلوار تمہاری طرف سے ان [مخالفوں] پر مسلط ہے۔ خدائے عزوجل ان کی خبیث ذات کو مسلمانوں اور فرشتوں کی تلواروں اور نیزوں کی خوراک بنائے گا۔ غضب الٰہی [کا دروازہ] ان کے لئے کھلا ہوا ہے، جس کی وجہ سے پورے انتقام اور عبرتناک انجام کے سزاوار ہوں گے۔

جس وقت دریائے مہران کو عبور کرنا چاہو تو اس وقت گھاٹ کے کنارے کو اچھی طرح دیکھ لینا اور دریا پار کرنے کا مکمل انتظام رکھنا۔ [پہلے] اس ملک کے ان باشندوں کو جو کہ کشتیوں پر ہوں، پختہ اقراروں سے اپنا مطیع اور مخلص بنالینا اور انہیں اچھی طرح پہچان لینا، پھر [دریا] پار کرنا۔ چونکہ پانی تمہاری پشت پر ہوگا، اس لئے اس طرف سے دشمن کا کوئی خوف نہ ہوگا، تمہیں کوئی بھی دکھ نہ پہنچے گا، اس کے بعد جب تم ان کے گاؤں اور شہروں اور قلعوں میں داخل ہوگے تو کوئی بھی شخص تم سے مقابلہ اور جنگ نہ کر سکے گا اور تمہارے مقابلے میں وہ کبھی بھی اپنی پیاری جان ہلاکت میں نہ ڈالیں گے۔ وہ جس قلعے کی بھی پناہ لے کر اسے اپنا سہارا بنائیں گے، اس پر جس وقت تمہاری نظر پڑے گی، اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے [اس کے دروازے] کھل جائیں گے اور ان کے دلوں پر تمہاری تلواروں کی ہیبت کا ایسا رعب اور خوف غالب ہو جائے گا کہ کوئی بھی ہتھیار ان کے کام نہ

آئے گا اور [یہ رعب] تمہیں فتح یاب اور کامیاب کرے گا۔ [142] جب وہ بھاگیں تو [فوراً] اسباب اور خزانے پر قبضہ کرنا لیکن خود کو ان کے دھوکے اور فریب سے بچانا۔ پھر ہر ایک کو اسلام کی طرف بلانا اور جو اسلام کی عزت سے مشرف ہو اس کی تربیت کرنا۔ مطلب یہ کہ دین کا کوئی بھی دشمن وہاں باقی نہ بچے۔ ان کا خون تمہاری تلواروں کے لئے مباح ہے۔ یہ دعا کہ جو میرا وظیفہ ہے ہروقت پڑھتے رہنا۔ وہ مقبول دعا یہ ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم انا نسئلک ذالک بانک انت اللہ الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لک ما فی السموات وما فی الارض من ذا الذی یشفع عندک الا باذنک تعلم ما بین ایدینا وما خلفنا ولا یحیط بشیء من علمک الا بما شئت وسع کرسیک السموات والارض ولا یؤدک حفظھا وانت العلی العظیم وبانک انت الاحد الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد بوجھک الکریم رب الوجوہ وخالق الوجوہ وقاھر الوجوہ والقادر علی الوجوہ لک الخیر والکرم والکلمات التامات فارزقنا مع ذالک شکرا لنعمتک ومعرفۃ لحقک وعملا برضوانک والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ.

وکتبہ حُمران[1] فی سنہ ثلث وتسعین [143]

(اے ہمارے اللہ! ہم تجھ سے یہ اس وجہ سے طلب کرتے ہیں کہ تو ہمیشہ زندہ اور ہمیشہ قائم (رہنے والا) اللہ ہے جس پر کوئی غفلت یا نیند طاری نہیں ہوتی۔ آسمان اور زمین پر جو کچھ بھی ہے وہ سب تیرا ہے۔ ایسا کون ہے کہ جو تیری اجازت کے بغیر تیرے پاس سفارش کرے؟ جو بھی ہمارے آگے یا پیچھے ہے وہ تو جانتا ہے اور تیری مرضی کے بغیر ہم تیرے علم میں سے کسی چیز کو بھی سمجھ نہیں سکتے۔ تیری حکومت آسمانوں اور زمینوں میں پھیلی ہوئی ہے، اور اس کی حفاظت تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی اور تو غالب اور عظیم ہے۔ اور اس وجہ سے [طلب کرتے ہیں] کہ تو واحد اور بے نیاز ہے، جس نے نہ کسی کو جنا ہے اور نہ کسی سے تولد ہوا ہے اور نہ جس کا کوئی ثانی ہے۔ [ہم تجھ سے طلب کرتے ہیں] تیری مقدس ذات کے طفیل، جو ساری ذاتوں کا رب اور ساری ذاتوں پر غالب، ساری ذاتوں کا خالق اور ہر ذات پر قادر ہے۔ بھلائی، احسان اور مکمل کلمے تیرے بس میں ہیں [ان کے ساتھ] ہمیں اپنی نعمت کا شکر، اپنے حق کی معرفت اور اپنی رضامندی پر عمل [کرنے کی توفیق] عطا کر۔ تجھے خدائے پاک کی رحمت، سلامتی اور برکت حاصل ہو۔ نوشتہ حُمران 93ھ۔

1. فارسی ایڈیشن میں یہ نام "حمران" تحریر ہے۔ قدیم نسخہ (پ) کی عبارت صاف طور پر "حمران" ہے جو کہ صحیح ہے۔ دیکھئے آخر میں حاشیہ ص 157 [144] (ن-ب)

حجاج کا خط پڑھ کر محمد بن قاسم کا ساتھیوں کو خطاب کرنا

پھر محمد بن قاسم نے یہ خط پڑھ کر ساتھیوں میں تقریر کی اور پھر دریا پار کر کے داہر سے جنگ کرنے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں [یہ] دوسرا خط ملا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط درگاہِ عالی سے محمد بن قاسم کی طرف ہے۔ دعا کے بعد معلوم ہو کہ تمہارے دشمنوں کے سر میں غرور ہے، تم خوف نہ کرو، کیونکہ فتح تمہاری ہوگی اور اگر صلح کی راہ پر آئے اور پختہ اقرار کر کے صلح کرے اور خراج دارالخلافہ کے خزانے میں پہنچائے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اور تم نے جو مہران عبور کرنے اور داہر سے جنگ کرنے کی بابت اجازت طلب کی ہے، [اس سلسلہ میں حکم دیا جاتا ہے کہ ایسے مقام سے [دریا] پار کیا جائے کہ جہاں دلدل یا کیچڑ نہ ہو اور لشکر کو تکلیف نہ پہنچے۔ بلکہ اوپر سے نیچے بارہ میل تک کی دریا کی لمبائی اور چوڑائی کا نقشہ کاغذ پر بنا کر اور گھاٹ اور کناروں کی نشان دہی کر کے [میرے پاس بھیج دو] پھر جو مقام میں پسند کروں وہاں سے پار کرو تاکہ سپاہیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

محمد بن قاسم نے [ابن] وساپو کو بلا کر کہا کہ دریا پار کرنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔

مہران کے کنارے پر داہر کا سامنے آنا

دانایانِ ہند نے کہ جنہوں نے اس داستان کی تصویر کشی کی ہے، اس طرح روایت کی ہے کہ [ادھر] جب حجاج کا حکم محمد بن قاسم کو پہنچا اور اسے [مہران] پار کرنے کی اجازت مل گئی تو [اس کے بارے میں] ایک برہمن سے روایت ہے جس نے مرداس بن بدبہ تمیمی سے سنا [144] جس نے بیان کیا کہ "میں راوڑ میں داہر کی فوج میں تھا۔ جب داہر کو خبر ملی کہ محمد بن قاسم جیور کے سامنے اپنے سارے لشکر کے ساتھ منزل انداز ہوا ہے تو اس نے ہاتھی پر پاکھی باندھنے کا حکم دیا اور پھر اس پر سوار ہو کر کنارے کی طرف روانہ ہوا اور اسلامی لشکر کے سامنے جا پہنچا۔ دریائے مہران درمیان میں تھا۔ [اس وقت] محمد بن قاسم اپنے لشکر کو تیار کر رہا تھا۔

شامی کا شہید ہونا

اس وقت ایک شامی نے، کہ جو تیر اندازی میں ماہر اور چابک دست تھا، چاہا کہ گھوڑے کو پانی میں ڈال کر تیر برسائے، لیکن اس کا گھوڑا پانی سے بھڑک رہا تھا اور نیچے نہ اترتا تھا۔ اس

پر راجہ داہر نے اپنی کمان طلب کی۔ اس کی کمان بڑی اور مضبوط تھی جس کا اس کے سوا دوسرا کوئی چلہ نہ چڑھا سکتا تھا۔ چلہ چڑھا کر اُس نے تیر جوڑا اور جتنا کھینچ سکتا تھا، اتنا کھینچ کر اور شست لے کر تیر چھوڑ دیا۔ تیر اس سوار کے تالو پر لگا اور سر سے گذرتا ہوا ناف میں آ کر پیوست ہو گیا اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔

[اس کے بعد] داہر واپس ہو گیا اور جاہین کو حکم دیا کہ "قلعہ بیٹ کے سامنے جو گھاٹ ہے اس پر پہرہ رکھے تاکہ [عرب] نہ گذر سکیں، اور دیکھتا رہے تاکہ وہ ایسی جگہ سے پار کریں کہ جہاں دلدل اور پانی گہرا ہو۔ اس کے علاوہ تو کشتیاں بھی تیار رکھ تاکہ پار کرتے وقت مزاحمت کر کے انہیں نقصان پہنچا سکے۔ اس اشارے پر [عربوں] کا منصوبہ ناکام بنانے کے لئے جاہین مہران کے کنارے پر ڈٹ گیا۔

اسی اثناء میں اسلامی لشکر کے کچھ سوار جو سیوستان میں متعین تھے پہنچے [اور انہوں نے بتایا] کہ چندر رام ہالہ نے کہ جو سیوستان کا حاکم تھا کچھ ٹھاکروں اور افسروں کو [145] ورغلا کر قلعے پر قبضہ کر لیا ہے اور عرب کے سپاہیوں کو باہر نکال دیا ہے۔ یہ خبر محمد بن قاسم کو سنائی گئی۔

[محمد بن] [1] مصعب کا سیوستان جانا

[یہ خبر سن کر محمد بن قاسم نے]، ایک ہزار سوار اور دو ہزار پیادوں کے ساتھ [محمد بن] مصعب کو اس طرف کے لئے مقرر کیا۔ جب وہ سیوستان پہنچا تو چندر رام نے باہر نکل کر جنگ کی لیکن اسلامی لشکر کے حملے سے شکست کھا کر اس کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ چندر رام نے چاہا کہ قلعے میں جائے مگر اہل قلعہ نے دروازے بند کر لئے اور اسے اندر نہ آنے دیا اور آخر وہ بجھم کی طرف چلا گیا [محمد بن] مصعب دوسرے دن شہر میں آیا۔ [اہل قلعہ نے] پروہتوں، تاجروں، دستکاروں اور معززین کو درمیان میں لا کر عذر پیش کیا کہ ہماری جانب سے کوئی قصور سرزد نہیں ہوا، ایک چور اچانک آ کر خود قلعہ دار بن بیٹھا۔ اُن کی بے گناہی معلوم ہونے پر [محمد بن] مصعب نے اُن کے ساتھ صلح کی اور انہوں نے دروازے کھول کر قلعہ ان کے حوالے کیا۔ اس فتح اور کامیابی کی خبر سن کر محمد بن قاسم بہت خوش ہوا اور (محمد بن مصعب نے) اہل سیوستان کو امان دینے کی بابت جو اطلاع دی تھی اس پر اس نے کہا کہ "مصلحت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کو معافی نہ دیتا۔ [بہرحال] اب تجھے قابل اعتماد امین مقرر کر کے دن رات قلعے کی حفاظت کی کوشش کرنی چاہئے اور ٹھٹیوں اور تاجروں سے مناسب ضمانتیں لے کر سیوستان سے چار ہزار مردانِ جنگ کو

1. اصل متن میں "مصعب" ہے مگر صحیح "محمد بن مصعب" ہے۔ دیکھئے حاشیہ (1) ص 124 (ن-ب)

اپنے ساتھ لانے چاہئیں۔ پھر [محمد بن] مصعب بن عبدالرحمن نے اس اشارے کے مطابق افسر اور امین مقرر کر کے چار ہزار مسلح سپاہی اپنے ساتھ لئے اور آ کر امیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی دن موکو [ابن] وسایو بھی قلعہ بیٹ کے قریب آ کر محمد بن قاسم سے ملا۔ [146]

جیسینہ بن داہر کا محمد بن قاسم کے مقابلے کے لئے قلعۂ بیٹ میں آنا

پھر جب داہر کو موکو [ابن] وسایو کی محمد بن قاسم کے ہاتھوں بیعت کرنے کی مصدقہ خبر ملی تو اس نے اپنے بیٹے جیسینہ کو لشکرِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے قلعۂ بیٹ روانہ کیا تا کہ وہ پانی سے نہ گذر سکیں۔ جیسینہ پورے اسباب اور آلاتِ حرب سے لیس ہو کر دریائے کونک[1] کی راہ سے کنارے پر جا پہنچا۔ [اُس طرف] محمد بن قاسم جھیم اور کرہل[2] کے علاقوں میں [داہر کی] فوج کے سامنے آ کر اُترا۔ اسے تقریباً پچاس دن وہاں رہنا پڑا۔ آخر غلہ اور چارہ ختم ہونے لگا اور غلے کی کمیابی کی وجہ سے لشکر متردد اور پریشان ہو گیا اور خلافِ [مزاج] چاروں کو چرنے کی وجہ سے گھوڑوں میں بیماری پھیلنے لگی۔ جو بھی گھوڑا بیمار ہو جاتا تھا [عرب] اسے ذبح کر کے کھا جاتے تھے۔ [دوسری طرف] دشمن ہر قسم کے منصوبے بنا رہے تھے۔ [جب] یہ خبر داہر کو پہنچی تو وہ بہت خوش ہوا اور محمد بن قاسم کے پاس قاصد بھیج کر نصیحت کی کہ [خوامخواہ] بات کے پیچھے نہ پڑے۔

محمد بن قاسم ثقفی کے پاس رائے داہر کا پیغام

"پس معلوم ہو کہ [کسی] کام کی انتہا کے پیچھے پڑنا بدبختی اور ذلالت ہے۔ تو نے اپنے اور ہمارے لئے تنگی پیدا کی ہے۔ اگر صلح کر کے واپس چلا جائے تو تیرے پاس رسد بھیجوں تا کہ تیرے ساتھی بھوک اور بے سروسامانی میں مبتلا ہو کر تباہ نہ ہوں۔ تو [خود ہی غور کر] کہ تیرے پاس ایسا کون سا مرد ہے جو ہمارے سامنے ہو کر جنگ کرے گا۔ ورنہ [دوسری صورت میں] جنگ کے لئے ہتھیار سنبھال۔"

محمد بن قاسم نے جواب دیا کہ "میں ان امیروں میں سے نہیں کہ جو اتنی [ذرا] سی بات سے [گھبرا کر] واپس چلے جائیں۔ تو نے اتنے سال جو سرکشی اور بے اتفاقی کی ہے، وہ سارا مال [147] اگر تو دارالخلافہ کے خزانے میں جمع کرائے گا تب تو میرے اور تیرے درمیان صلح ہو گی

1. یہ املا نسخہ (پ) کے مطابق ہے۔ (پ) میں "کونک" (ر) اور (م) میں "کوتلہ" اور (س) میں "کوکنک" ہے۔
2. نسخہ (پ) میں "کوبہ" اور (ن)، (ب) اور (ح) میں "کوہل" ہے۔

ورنہ خدائے تعالیٰ کی مدد سے تیرا سر میں عراق لے جاؤں گا۔"

پھر محمد بن قاسم نے حجاج کے پاس یہ حالات لکھ کر اسے گھوڑوں کے مرنے، گھاس کی تنگی اور کشتیوں کے دستیاب نہ ہونے کی اطلاع دی۔ [اس طرف] حجاج نے طیار نامی ایک شخص کو لشکر کی خبر لینے کے لئے روانہ کیا [اور اس سے کہا] کہ "محمد بن قاسم سے خفیہ طور پر خبریں دریافت کر کے مجھے مطلع کرنا۔" طیار روانہ ہو کر مکران پہنچا، اُس نے ایک شخص کو [سامنے سے] آتا دیکھ کر اس سے پوچھا کہ "کہاں سے آرہے ہو؟" اس نے کہا کہ "محمد بن قاسم کے لشکر سے۔" طیار نے کہا کہ لشکر کے حالات بتاؤ۔ اُس نے غلہ اور چارے کی کمیابی کے سبب لشکر کی تکلیف اور بد حالی اور گھوڑوں میں بیماری پھیلنے اور اُن کے مرنے کی ساری خبریں وضاحت کے ساتھ سنائیں [اور بتایا] کہ ان وجوہ سے عرب کا لشکر پریشان ہو گیا ہے۔

طیار کا واپس جانا

طیار اس راوی قاصد کو اپنے ساتھ لے گیا اور جا کر یہ خبر حجاج کو پہنچائی۔ [یہ خبر سُن کر] حجاج بن یوسف متفکر ہوا اور تاسف کرتا ہوا اپنی مجلس میں واپس آیا اور عالموں، بزرگوں، صالحوں، محققوں، مستحقوں اور خاص آدمیوں سے دعا کی التجا کی۔ [پھر] وہاں سے واپس آ کر طیار سے کہا کہ اس سندھ کے قاصد کو حاضر کر، تاکہ اس نے جو کچھ دیکھا اور سمجھا ہے بیان کرے۔ طیار نے حجاج کی فرصت کے موقع پر اس قاصد کو پیش کیا۔ حجاج نے اس سے پوچھا "کہاں سے آیا ہے؟" قاصد نے جواب دیا کہ "سندھ سے۔" حجاج نے پوچھا کہ "محمد بن قاسم کے حالات کی [تجھے] کیا خبر ہے؟" اس نے جواب دیا "سب سلامت اور اچھے حال میں ہیں البتہ گھوڑوں میں جذام کا مرض پیدا ہو گیا تھا اور اسی مرض میں بہت سے گھوڑے مر گئے۔ اب غلہ سستا ہو گیا ہے اور باقی ماندہ گھوڑوں میں کوئی بیماری نہیں ہے۔ میں اس واقعہ کے بعد چلا ہوں۔ [148] اس ملک کے تاجر غلہ فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں اور قلعۂ بیٹ کا حاکم موکو [ابن] وسایو اس سلسلے میں مردانہ وار ساتھ دے رہا ہے۔" اس پر حجاج نے کہا "مگر میرے معتمد اور قاصد نے تو کچھ اور ہی طرح بیان کیا ہے۔" قاصد نے جواب دیا کہ "اس نے یہ بات مجھ سے سن کر بیان کی ہے، لیکن پوری نہیں سنی تھی۔" حجاج نے کہا "[تو] یہ بات تو نے پوری کیوں نہیں کہی تھی؟" اس نے کہا: "اس وجہ سے کہ [میں نہیں چاہتا تھا] کہ یہ کمزوری ہر ایک کی زبان پر آئے اور ہر دوست اور دشمن اس مصیبت سے واقف ہوں۔" پھر حجاج نے اس آدمی کو خط دے کر دارالخلافہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں جا کر جو کچھ دیکھا ہے، مفصل بیان کرے۔

حجاج کا خط کے ساتھ محمد بن قاسم کے پاس دو ہزار گھوڑے بھیجنا

[دوسری طرف] ان حقائق سے باخبر ہوتے ہی حجاج نے اپنے خاص دو ہزار گھوڑے روانہ کئے اور لکھا: "یہ خط حجاج بن یوسف کی طرف سے محمد بن قاسم کے نام۔ خط اور قاصد کی زبانی حالات معلوم ہوئے کہ کچھ گھوڑے مر گئے ہیں اور باقی ماندہ سلامت ہیں۔ اس وجہ سے دوسرے دو ہزار گھوڑے بھیجے جاتے ہیں، تاکہ قابلِ اعتماد بہادروں، فوج کے مستحق سرداروں اور تمہارے لئے پشت پناہ ہوسکیں۔ یہ ایسے لوگوں کے حوالے کئے جائیں کہ جو سواری کے مستحق ہوں اور اپنی سواری کو چاہے وہ برائی کیوں نہ ہو، خاص اپنی ہی سمجھیں۔ لشکر کو ہمیشہ منظم اور آراستہ رکھنا، تاکہ قوت اور دبدبے سے دشمن کے لشکر کو دفع کرسکو۔ لیکن کافروں کے دفعیہ کے سلسلے میں یہ نصیحت یاد رکھنا کہ کسی کی تمنا اس کی مرضی کے مطابق پوری نہیں ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى. فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى (سورۃ النجم: رکوع ۱) (کیا انسان جو کچھ چاہتا ہے اسے میسر ہے؟ بلکہ آخرت اور دنیا اللہ کی ہے)۔ یہ فیصلہ میں نے کوئی اپنی طرف سے نہیں کیا ہے بلکہ مجھے خدائے تعالیٰ [149] نے اس پر مائل کیا ہے۔ کیونکہ [میں سمجھتا ہوں کہ] ان کافروں کا) وقت پورا ہوچکا ہے اور دولت نے ان سے منہ پھیر لیا ہے اور طریقت، شریعت اور حقیقت نے غلبہ حاصل کیا ہے اور دین کی عزت کا پرچم بلند ہوچکا ہے۔ کافروں کو [یہ بات] چاہے ناپسند ہو پھر بھی تمہیں کسی بھی طرح کشتیاں حاصل کرکے ان کا پل بنانا چاہئے تاکہ آسانی سے اس پر گذر جاؤ خواہ کافروں کو کتنا ہی برا کیوں نہ لگے اور ان کو بھی حقیقت معلوم ہو۔" والسلام

محمد بن قاسم کا حجاج کا خط پڑھنا

جب محمد بن قاسم نے خط پڑھا اور [اسے] گھوڑے [بھی] ملے تو اس خط کے جواب میں اس نے جو حالات لکھے، اس کے ضمن میں ترشی کا بھی مطالبہ کیا۔ [اس نے لکھا کہ] خلاف مزاج غذاؤں اور بے وقت کھانے پینے کی وجہ سے، رطوبت اور طبیعت میں خرابی پیدا ہوئی ہے۔ اس وجہ سے جیسے بھی ہوسکے خاص شراب خانے سے کچھ سرکہ عنایت کیا جائے، کہ لشکر کو اس کی سخت ضرورت ہے۔

حجاج بن یوسف کا سرکہ بھیجنا

چنانچہ حجاج کے حکم سے دھنکی ہوئی روئی کو سرکے میں بھگو کر خشک کیا گیا۔ [روئی نے]

کئی مرتبہ سرکہ جذب کیا۔ پھر اس روئی کی گٹھڑیاں باندھ کر لشکر گاہ میں لے آئے اور [حجاج نے] یہ لکھا کہ "محمد بن قاسم نے پیغمبر ﷺ کے حکم نعم الادام الخل (سرکہ بہترین سالن ہے) کے مطابق سرکہ طلب کیا ہے جو کہ دھنکی ہوئی روئی میں جذب کیا گیا ہے۔ جب یہ پہنچے تو اسے پانی میں تر کیا جائے تو اس میں سے سرکہ نکل آئے گا۔" [150]

مہران کے مغربی کنارے پر حجاج کا خط پہنچنا

اس داستان کے مصنف خواجہ امام ابراہیم نے روایت کی ہے کہ جب محمد بن قاسم کو بہت عرصے تک مہران کے مغربی کنارے پر ٹھہرنا پڑا تو حجاج نے ایک خط لکھا جس میں نیابت (گورنری) کا پروانہ شامل کر کے اسے آزادی کے ساتھ حکومت کرنے کا اختیار دیا۔ [مزید] لکھا کہ "تمہاری روش مجھے ناپسند ہے اور تمہاری حکومت [کے اس طریقے] سے میں حیرت میں ہوں کہ تم امان دینے کے بڑے شائق ہو۔ امتحان اور آزمائش کے بعد جس دشمن سے بھی عداوت یا مخالفت ظاہر ہو اسے امان نہ دینی چاہئے کہ رذیل و شریف ایک سے سلوک کے مستحق نہیں۔ ایسا کرنے سے کم عقلی ثابت ہوگی اور دشمن اسے کمزوری پر محمول کرے گا۔ مجھے قسم ہے اپنے سر اور جان کی کہ اللہ عزوجل نے تمہیں نصیحت کی ہے اور قابلِ فکر عقل دی ہے۔ [لیکن تم اس سے کام نہیں لیتے] اور تمہاری ساری توجہ [صرف] اس پر صرف ہو رہی ہے کہ سب کو امان دی جائے۔ [یہ بات] اپنے ان ساتھیوں کو بھی سنانا جو تمہارے مشیر اور ہمراہ ہیں۔ تم [صرف] امان دینے میں مصروف ہو اور ادھر کتنا وقت گذر چکا ہے کہ تم دشمن کے سامنے [بیکار] پڑے ہوئے ہو اور اگر یوں ہی بے دھڑک امان دیتے رہے اور جنگ میں دھوکے کا خیال ہی [دل سے] نکال دیا تو پھر جنگ کے اخراجات [پورے کرنے] کے لئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے گا اور یہ طویل کم عقلی ختم کر دی جائے گی۔[1] جب [داہر کو] تمہاری کمزوری اور نادانی کی خبر ہوگی تب وہ مغرور ہو جائے گا اور [دوسری طرف] لوگوں کو خیال ہوگا کہ تم صلح کی کوشش کر رہے ہو، جسے وہ تمہاری سستی اور خامی تصور کریں گے اور کوئی بھی مطلب حاصل [151] نہ ہوگا۔ تمہیں حکومت اور سیاست کے

---

1. یہاں اصل متن کی عبارت میں بڑا خلل ہے۔ ترجمہ اندازے سے کیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں حجاج کی طرف سے محمد بن قاسم کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر تم اپنی رحمدلی اور ہر ایک کو امان دینے کی روش سے (جسے حجاج بے وقوفی اور کم عقلی سمجھتا ہے) باز نہ آؤ گے تو ہم جنگ کو جاری رکھنے کے لئے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کریں گے اور تمہیں موقوف کر کے یہ کم عقلی ہمیشہ کیلئے ختم کر دیں گے۔ متن کی اصل عبارت یہ ہے: "دیگر اگر امان بے گمان خواہند و عذر از میان بردارند از حرب و اخراجات را وجوہی رائج گردد و این بدرائی مطول کوتاہ شود" ہمارے خیال میں "چدرائی" لفظ کاتب کی تصحیف ہے یہ لفظ دراصل "بدرائی" (بے وقوفی، کم عقلی) کے معنی میں ہے، کیونکہ فارسی لغت میں لفظ "بدرائی" کے کوئی معنی نہیں۔ (مترجم)

طریقے ہاتھ سے نہ جانے دینے چاہئیں اور تلوار اور عقل [دونوں] کو دھیان میں رکھنا چاہئے، تمہیں عزم مصمم کر کے لشکر کو بہادری اور دور اندیشی کے لئے حوصلہ دلانا چاہئے۔ راست گو اور ثابت العقل رہو، غفلت نہ کرو اور خدائے تعالیٰ کے ذکر میں دل، جان اور زبان کو مشغول رکھو۔

اس وقت جبکہ [ہمیں] مہران کے بہاؤ سے واقفیت حاصل ہو چکی ہے تو [ہماری رائے ہے کہ] تمہیں مہران کو بیٹ سے عبور کرنا چاہئے، کیونکہ مہران کا پانی وہاں تنگ ہے اور کنارہ بھی عبور کرنے کے لئے زیادہ آسان ہے۔ [دوسرے یہ کہ] چونکہ بیٹ دوآبے میں ہے اس وجہ سے سہولت سے عبور کرسکو گے اور عافیت اور حفاظت میں رہو گے، پل کشتیوں کا بنانا اور جنگ میں اللہ کی مدد اور خدائے قادر وجلیل کی فتح کو اپنے ہمرکاب سمجھنا۔ جب تم طاقت اور دبدبے سے کام کرنے لگو گے تو پھر [دشمن کی] فوج اور رعایا اپنی جان بچانے اور ذریعۂ معاش حاصل کرنے کی خاطر تمہاری بیعت کرے گی اور مطیع ہو کر خود کو تمہارے دربار سے وابستہ کرے گی۔

محمد بن قاسم کے دریائے مہران پار کرنے کی خبر

تاریخ کے مصنفین اور اس داستان کے آراستہ کرنے والوں نے روایت کی ہے کہ جب حجاج کا خط محمد بن قاسم کو ملا تو فرمان کے حکم کے مطابق وہ فوراً وہاں سے کوچ کر کے جہم کے علاقے میں ساکرے کے مقام پر جا پہنچا اور دریا کو پار کرنے کے لئے کشتیاں حاصل کرنے اور تختے تیار کرنے کا حکم دیا۔

[ادھر] راجہ داہر خود کو غافل [اور بے فکر] ظاہر کرنے کے لئے دن رات عیش و عشرت اور سیر و شکار میں مشغول رہتا تھا تاکہ [عرب] سمجھیں [152] کہ اسے ہماری طرف سے کوئی فکر نہیں ہے۔ ایک دن بھنڈو ریشمی[1] نے داہر کے پاس آ کر کہا کہ "اے بادشاہ! عرب کا لشکر آپ کے دروازے پر آ پہنچا ہے، مگر آپ کو سارے دن سیر و شکار میں مشغول اور شطرنج و چوسر میں گرفتار دیکھتا ہوں۔"

داہر نے کہا "[تو] تیری کیا تجویز ہے؟ اور تو کیا مناسب خیال کرتا ہے؟" شمنی نے جواب دیا: "میرے ذہن میں تین تدبیریں آتی ہیں۔ ان میں سے کسی ایک پر عمل کیجئے۔ [ایک تو یہ کہ] اگر آپ اتفاق کریں تو فرزندوں اور متعلقین کو ہندوستان بھیج کر خود تنہا اس سے جنگ میں مقابلہ کیجئے۔ کیونکہ پھر برگستوان، مست ہاتھی، بہادر مرد اور جنگ جو سورما ساتھ لے کر آپ جس

1. یہ نام یہاں فارسی ایڈیشن کی عبارت کے مطابق "بھنڈو ریشمی" دیا گیا ہے۔ نسخہ (ن) میں "بھنڈو ریر" ہے اور آخر کا لفظ "شمنی" نہیں ہے۔ (پ) میں "بھنڈ"، (م) میں "بھنڈر کو"، (ر) میں "بھنڈر کو" اور (ک) میں "بھنڈرو رذیر" ہے۔ (ن-ب)

جگہ بھی جائیں گے، اس سے اس جگہ جا کر جنگ کر سکیں گے۔ [دشمن کے] سارے راستے بند کر دیجئے تاکہ انہیں غلہ اور گھاس نہ پہنچ سکے۔ [دوسرے یہ کہ] اگر آپ پسند کریں تو اپنی حفاظت کے لئے اپنی تمام مطیع فوجوں کو اکٹھا کر کے ان کا مقدمہ اور ساقہ ترتیب دیجئے تاکہ دشمن کے لشکر سے آپ کا بچاؤ ہو سکے [بلکہ] یہاں سے کوچ کر کے قصہ[1] کی طرف چلا جائے، تاکہ وہ ریگستان آپ کے لئے قلعہ اور پناہ رہے اور وہاں کے لوگ آپ کی مدد کریں۔ وہاں جا کر ان سے کہئے کہ میں "تمہارے اور عرب کے لشکر کے درمیان میں دیوار ہوں۔ اگر مجھے لوٹا گیا تو پھر تم بھی برباد ہو جاؤ گے۔ اس لئے آ کر میری اطاعت کرو اور جنگ میں میرے مددگار رہو۔" [تیسرے یہ] کہ اولاد اور فرمان برداروں کو ساتھ لے کر جسوم رائے[2] کے ملک میں جائیے، وہ بادشاہ آپ کا قدر دان ہے اور ہر طرح آپ کے کام آئے گا۔ [اگر آپ] اس سے امداد طلب کریں تو کمک لے کر پھر اپنے ملک میں واپس آ کر دشمن سے بدلہ لے سکیں گے اور عرب کا لشکر اس ملک سے کوئی نفع حاصل نہ کر سکے گا۔ [کیونکہ] جب تک راجہ کی زندگی ہے تب تک کوئی بھی دشمن آپ کی قوت سے [بچ کر] چمن سے نہ بیٹھ سکے گا۔ [ان تجویزوں پر عمل نہ کرنے کی صورت میں] اگر آپ کو قتل کر ڈالا تو [153] پھر ہندوستان کے بادشاہوں میں سے کوئی بھی بادشاہ اس [دشمن] کو دفع نہ کر سکے گا اور وہ اس ملک میں قدم جما لے گا اور سارا ملک آپ کے تصرف سے نکل کر علحدہ ہو جائے گا۔

داہر کا وزیر کو جواب دینا

داہر نے کہا کہ "اے ہوشیار وزیر! تو جو بہتر سمجھتا ہے وہ عین مصلحت ہو سکتا ہے، لیکن اس وقت متعلقین کو ہندوستان بھیج دینا مجھے [قرین مصلحت] نظر نہیں آتا، کیونکہ رعایا متردد ہوگی اور ٹھاکر اور امیر دل شکستہ ہو کر جنگ نہ کریں گے اور منتشر ہو جائیں گے اور مجھے اس بات پر شرم بھی آتی ہے کہ کسی دوسرے سے التجا کروں یا کسی کے دروازے پر جا کر انتظار کروں کہ اندر آنے کا حکم ہے؟ یہ عار میں ہرگز برداشت نہ کر سکوں گا۔" وزیر نے کہا کہ "[پھر] آپ کی کیا تجویز ہے؟ بندے کو آگاہ کیجئے تاکہ خیر خواہی اور اصلاح کے طور پر ہم خیال خدمتگاروں کو بتائی جائے۔"

---

1. نوری ایڈیشن میں "قصہ" (یعنی بدھ) کو متن میں اختیار کیا گیا ہے۔ یہ وہی نام ہے کہ جس کا ذکر ص 144 پر آ چکا ہے۔ اس نام پر مختلف نسخوں کی عبارتیں اس طرح ہیں۔ (م) "قصبہ"، (پ) "قصبہ"، (ن) "قصب"، (ب) (س) "قصب"۔ ہمارے اختیار کردہ متن کے لئے دیکھئے حاشیہ (4) ص 149 [133]۔ (ن ب)

2. نسخہ (ر) میں "جیسم رائے" ہے۔

راجہ داہر کا وزیر سے مشورہ

راجہ داہر نے کہا کہ "میری رائے کا تقاضہ ہے کہ اس کا مقابلہ کروں اور [پوری] قوت اور شدت سے جنگ کروں۔ اگر میں ان پر غالب ہوا تو پھر وہ سب ذلیل ہوں گے اور میری بادشاہت مستحکم ہوگی اور اگر ننگ و ناموس کے لئے قتل ہوگیا تب بھی یہ بات عرب اور ہندوستان کی کتابوں میں لکھی جائے گی کہ راجہ نے اپنے ملک کی خاطر دشمن کے مقابلے میں اپنی پیاری جان فدا کردی۔" سٹنی نے جواب دیا کہ "میری ساری نصیحت کا دارومدار [اسی پر] ہے کہ راجہ کی ذات باقی اور یہ بادشاہت قائم رہے۔ ورنہ دوسری صورت میں ہم بندوں کے لئے [سب کچھ] آسان ہے [ہمارے لئے تو] ستو کی ایک مٹھی، پانی کا ایک گھونٹ اور کپڑے کی ایک چندی ہی کافی ہے۔ کاش راجہ کی رائے افضل رہے!" [154]

اسلامی لشکر کے ساتھ محمد بن قاسم کے مشرقی کنارے کی طرف پار کرکے آنے کی خبر

جب محمد بن قاسم نے [دریا] عبور کرنے کا مصمم ارادہ کیا تو فکر کرنے لگا کہ ایسا نہ ہو کہ راجہ داہر لشکر لے کر مہران کے کنارے پر آکر ہمارا راستہ روکے اور مزاحمت کرے اس لئے اس کے حالات معلوم کرنا ضروری ہیں۔

سلیمان کا جنگ پر جانا

پھر محمد بن قاسم نے سلیمان بن نبھان قشیری کو حکم دیا کہ "تمہیں اپنی فوج لے کر راوڑ کے قلعے کے سامنے جنگ کرنے کے لئے جانا چاہئے تاکہ داہر کا بیٹا گوپی[1] اپنے باپ کی مدد کو نہ آسکے۔ سلیمان چھ سو سپاہی ساتھ لے کر جنگ کے لئے روانہ ہوا۔ اس کے بعد عطیہ ثعلبی[2] کو

---

1. اس نام کے اصل تلفظ اس طرح ہیں: (ر)، (م)، (ن)، (ب)، (س) میں "قوقی" اور (پ) میں "فوقی" ہے۔ فارسی ایڈیشن میں "قوفی" کا تلفظ اختیار کیا گیا ہے جو ہمارے خیال میں نہ صرف قرین قیاس ہے بلکہ صحیح ہے۔ علم اللغت کے مطابق معرب اور دخیل لفظوں کی صورت خطی کے لحاظ "قوفی" صاف طور پر "گوپی" معلوم ہوتا ہے۔ ترجمہ میں اسی لئے ہم نے اسے ترجیح دی ہے۔ (بشکریہ جناب احمد میاں اختر صاحب)
2. فارسی ایڈیشن میں "عطیہ ثعلبی" ہے (ر) کا تلفظ "تغلی" ہے جو کہ خود نسخہ (م) کی عبارت ہے۔ ان عبارتوں کے پیش نظر لفظ "تغلبی" صحیح معلوم ہوتا ہے اور "ثعلبی" اس کی تصحیف ہے اس کے علاوہ انساب میں بھی "ثعلبی" کی نسبت عام نہیں ہے۔ (ن-ب)

پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ اجھم کے راستے پر مقرر کیا تاکہ کندراہ[1] والے علاقہ پر پہرہ رکھے [دوسری طرف] قلعہ نیرون کے سردار شمنی میگھ حنیہ[2] کو فرمایا کہ راستے میں اناج اور گھاس موجود رکھے، مبادا لشکر کو اُن کی احتیاج ہو۔ اور [محمد بن] مصعب بن عبدالرحمٰن[3] کو لشکر کے مقدمہ پر مقرر کیا تاکہ آگے جا کر راستوں کی حفاظت کرے۔ نباتہ بن حنظلہ کلابی کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ قلب میں رکھا۔ [اسی اثناء میں] ذکوان بن علوان البکری پندرہ سو سواروں، بیٹ کے حاکم موکو [ابن] وسایو، بھٹی ٹھاکروں، اور [مہران کے] مغربی کنارے والے مطیع جتوں کو ساتھ لے کر خدمت میں حاضر ہوا اور بیٹ کے علاقے[4] میں ساکرے کے سربراہ بھی مستعد ہو گئے۔

محمد بن قاسم کا دریا پار کرنے کے لئے مقام تلاش کرنا

جب محمد بن قاسم کو اطلاع ملی کہ لشکر کا مقدمہ جہم کے گھاٹ کے قریب پہنچ گیا ہے۔ [جہم بن زحر جعفی[5] مقدمہ کے ساتھ جا کر دیکھ آیا ہے کہ کس مقام پر پاٹ تنگ اور کنارا موزوں ہے، تب اُس نے بیٹ کے سامنے کھڑے ہو کر مہران کا معائنہ کر کے حکم دیا جس کے مطابق پل بنانے کے لئے کشتیاں فراہم کر کے انہیں پتھروں اور ریت سے بھر کر اور میخیں گاڑ کر مستحکم کیا گیا۔

داہر کو موکو [ابن] وسایو کے کشتیاں مہیا کرنے کی خبر ملنا

پھر جب داہر کو خبر ملی کہ موکو ابن وسایو نے کشتیاں لا کر محمد بن قاسم کے حوالے کی ہیں اور وہ دریا پار کرنے کے لئے گھاٹ پر آئے ہیں تو داہر نے جے سینہ کو بیٹ کے قلعے کی حفاظت کے لئے روانہ کیا اور کہا کہ "وسایو ابن سربند پر اعتماد نہ کرنا، ممکن ہے اس نے بھی بیٹے کے ساتھ [محمد بن قاسم کی] بیعت کر لی ہو۔ جے سینہ قلعہ بیٹ میں آیا۔ موکو کا بھائی راسل [اپنے] بھائی کا مخالف تھا اس نے داہر کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ "راجہ ہمیشہ سلامت رہے! راجہ تحمند ہو! بندے کی فرمانبرداری اور وفاداری کے بارے میں [آپ کو] اچھی طرح معلوم ہے کہ [کس طرح] بندگی کی

1. یہ لفظ داری ایڈیشن کے مطابق ہے نسخہ (ن) میں بھی یہی لفظ ہے۔ (ب) اور (ک) میں "کندراہ" (ر) اور (م) میں "کندابھہ" ہے۔
2. مختلف نسخوں کی اصل عبارت یہ ہیں: (ب) "مقدبۃ" (ر) "مقدمعیہ" (م)، (س) "مقدوتیہ"، (ن) "مقدیۃ"، (ک) "مقدیقۃ"۔ صرف نسخہ (ب) کے متن کی شکل محمدہ ہے اور اسی کے مطابق اصل نام "مقدین" یا "ماتون" ہو سکتا ہے، مگر دوسرے سارے نسخوں کے عکسوں میں اس نام کی ابتدا میں "مق" ہے اور اسی لحاظ سے (ب) کا املا بھی "مقدبۃ" یا "مقدیۃ" کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ دوسری شکل (م)، (س) کی قرات ہے جس میں "ؤ" زائد ہے اور تیسری شکل (ن) کی قرات ہے جس کے آخری حصے میں "ت" ہے اور یہ لفظ "مقدتیہ" بھی ہو سکتا ہے۔ (م) اور (س) کی قرات میں بھی اگر "ن" کی جگہ "ت" پڑھا جائے تو یہ لفظ "مقدوتیہ" ہو سکتا ہے۔ اس لحاظ سے "مقدوتیہ" "مقدوتیہ" اور "مقدتیہ" کے الفاظ ہو سکتے ہیں جو کہ "میگھ حنیہ"، "میگھ وتیہ" اور "میگھ تیہ" جیسے اصلی ناموں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور چونکہ سندھ میں وتی اور وتیہ اور وتھو وغیرہ عام ہیں، اس لئے ہم نے متن میں "میگھ حنیہ" کو ترجیح دی ہے۔
3. اصل متن میں "مصعب بن عبدالرحمٰن" ہے۔ اس کی تصحیح کے لئے دیکھئے حاشیہ نمبر 124 (ن ب)
4. علاقہ بیٹ کے مقام پر اصل عبارت "جزیرۂ بیت" ہے۔ (ن ب)
5. اصل متن میں "زر الجعفی" ہے، لیکن درحقیقت محمد بن قاسم کے لشکر میں "زر" نہیں بلکہ اس کا بیٹا جہم بن زحر الجعفی شامل تھا۔ دیکھئے حاشیہ نمبر [101] اور [106] (ن ب)

شرطیں بجا لانے میں دور اندیشی اور احتیاط قائم رکھتا آیا ہوں، اگر بندے کو حکم ہو تو قلعۂ بیٹ کی حفاظت کے لئے جاؤں میں عرب کے لشکر کو کبھی دریا پار نہ کرنے دوں گا۔" [156]

راسل کو حکومت دینا

چنانچہ راجہ داہر نے بیٹ کی حکمرانی راسل کے حوالے کر کے بیٹ کے سرداروں اور سربراہوں کو اس کی ماتحتی میں دیا اور جیسینہ بن داہر وہاں سے واپس آ گیا [جس پر] داہر کے [مطیع] دیہاتیوں نے خیال کیا کہ لشکر اسلام فتح یاب ہو کر قلعہ بیٹ میں اترا ہے۔

داہر کے گمان کے خلاف بغاوت کی خبر آنا

ابوالحسن مدائنی سے روایت ہے کہ وسایو اور اس کا بیٹا راسل ہمیشہ سے موکو [ابن] وسایو کے خلاف تھے اور ان کی مخالفت ظاہر تھی۔ چنانچہ موکو [ابن] وسایو نے داہر سے نافرمانی کر کے محمد بن قاسم کی بیعت کی تھی اور راسل اسی مخالفت کی وجہ سے موکو اور محمد بن قاسم کے مقابلے پر آیا تھا۔ ادھر جب موکو کو یہ عقل آئی تھی اسی وقت سے اس نے داہر کی اطاعت میں سر نہ جھکایا تھا اور اسلام کا خیر خواہ ہو کر صداقت اور اعتقاد کے ساتھ داہر کے لشکر کے خلاف تجویزیں اور تدبیریں کرتا رہا اور ان کی شکست کے لئے کوشش کرتا رہا۔

جس جماعت نے یہ حال دیکھا تھا، اس سے اس طرح روایت کی گئی ہے کہ جب محمد بن قاسم کشتیاں فراہم کر کے انہیں ایک دوسرے سے جوڑنے لگا تو راسل نے ملک کے سرداروں اور نامور لوگوں کے ساتھ مل کر اسے پل بنانے اور مہران کو پار کرنے سے روکنے کے لئے اس پر حملہ کیا۔ اس پر محمد بن قاسم نے مہران کے پاٹ کے اندازے کے مطابق ساری کشتیوں کو مغربی کنارے پر ایک دوسرے سے جوڑنے کا حکم دیا۔ پھر تو جنگجو بہادر ہتھیاروں سے لیس ہو کر کشتیوں میں آ بیٹھے اور کنارے کی اس جگہ سے، جو کہ ان کے قبضے میں آ چکی تھی [157] شروع والی کشتی چھوڑ دی۔ یہ سرے والی کشتی [نشیبی دھارے کی وجہ سے] مشرقی کنارے پر جا لگی۔ اسلامی لشکر نے تیر برسا کر کافروں کو کنارے سے دور کیا اور فوراً میخیں گاڑ کر پل استادہ کیا۔ [پھر تو] سواروں اور پیادوں نے یلغار کر دی اور ٹولیوں ٹولیوں میں ہو کر[1] مشرقی کنارے کی طرف پار ہو کر صف بستہ ہو گئے اور کافر بھاگ گئے۔ لشکر عرب نے غالب ہو کر انہیں جہم [کی حدود] سے باہر بھگا دیا۔ کافروں میں جو باہمت اور اچھے گھوڑے پر سوار تھے انہوں نے گھوڑوں کو مہمیز کیا اور ساری رات

---

1. یہ عبارت نسخۂ (ر) سے بڑھائی گئی ہے۔ اصل میں پورا فقرہ اس طرح ہے: "واز آب مہران بخاریق ی گذشتند" (ن۔ ب)

چلتے رہے۔ آخر جب رات کے تاریک پردے سے صبح صادق ظاہر ہوئی تو داہر کی لشکرگاہ میں پہنچے۔ داہر خواب گاہ میں محو خواب تھا اور دربانوں کو اس کے بیدار کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ آخرکار اس کے خاص آدمیوں میں سے ایک اس کی خلوت گاہ میں گیا اور اسے جگا کر لشکر اسلام کے پہنچنے اور کافروں کے شکست کھا کر بھاگنے کے حالات تفصیل سے سنائے۔ داہر بستر راحت سے جست لگا کر اٹھا۔

داہر کا نیند سے بیدار ہونا اور دربان کو اپنے لوگوں کے فرار اور اسلام کی فتح کی خبر لانے پر سزا دینا

اور کہنے لگا: "تو نے بری خبر دی ہے۔" [یہ کہہ کر] اسے قریب بلا کر غصے میں اس کی پیٹھ پر ایک مکہ رسید کیا۔ داہر کا ہاتھ وزنی تھا، جس کی وجہ سے وہ آدمی اسی مکے سے مرگیا۔

(روایت): تاریخ کے مصنفوں نے اس طرح روایت کی ہے کہ جب محمد بن قاسم دریا کو پار کر گیا تو اس نے اعلان کیا کہ "اے لشکرِ اسلام! اب مہران کا پانی تمہاری پشت پر ہے [158] اور کافروں کا لشکر تم سے مقابلے کے لئے آئے گا۔ جس کے دل میں واپس جانے کا خیال ہو وہ یہیں سے واپس چلا جائے۔ کیونکہ [جس وقت] دشمن سامنے آئے گا اور جنگ شروع ہوگی، اگر اس وقت کسی شخص نے منہ موڑا تو لشکر دل شکستہ ہوکر فرار اختیار کرے گا، جس کی وجہ سے دشمن ہم پر غالب ہوجائے گا [اور یہ ہمارے لئے] بڑا ننگ ہوگا۔ بھاگنے والا حرام موت مرے گا اور پھر آخرت کے عذاب میں گرفتار [ہوگا]۔ [اس اعلان کے بعد] تین آدمیوں کے علاوہ کوئی بھی واپس نہ گیا۔ [ان میں سے] ایک نے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے جس کا میرے سوا کوئی کفیل نہیں ہے۔ دوسرے نے کہا کہ میری ایک ماں ہے جس کا کوئی بھی قریبی عزیز نہیں ہے کہ اس کی تیمارداری کرے یا [مرنے کے بعد] اسے دفن کرے اور تیسرے نے کہا کہ مجھ پر بہت زیادہ قرض ہے اور ایسا کوئی بھی شخص زندہ نہیں ہے کہ جو [یہ بوجھ] میری گردن سے اُتارے۔ امیر محمد بن قاسم نے انہیں اجازت دے دی، باقی سب متفق ہوکر ڈٹ گئے۔

دریا عبور کرنے کے لئے پُل بنانا[1]

پھر جب پُل تیار ہوگیا تو فوج گذرنے لگی اور بنی حنظلہ کے ایک شخص تراب نامی

1. اس عنوان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پل دوبارہ بنایا گیا، بلکہ پُل باندھنے اور لشکر کے گذرنے کے بارے میں کچھ واقعات بیان کئے گئے ہیں اور غالباً اسی وجہ سے یہ عنوان اور اس کے بعد کا دوسرا عنوان دوبارہ تحریر کیا گیا ہے۔ (ن-ب)

کے سوا کہ جو گذرتے وقت پل سے گر کر ڈوب گیا تھا، دوسرے کسی شخص کو بھی کوئی تکلیف نہ پہنچی۔

لشکرِ عرب کا گذرنا

اس کے بعد لشکر اسلام [آگے] روانہ ہوا اور جا کر قلعہ بیٹ کے قریب پہنچا۔ سارے سوار لوہے [کی زرہوں] میں غرق ہو کر نکلے تھے۔ [محمد بن قاسم نے] چاروں طرف طلایہ دستے مقرر کر کے لشکر کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور اس کے اندر سامان اور اسباب رکھوا کر [159] وہ قلعہ بیٹ سے راوڑ کی جانب روانہ ہوا اور آخر جا کر اس مقام پر پہنچا کہ جسے جیپور[1] کہتے تھے۔ راوڑ اور جیور کے درمیان میں ایک خلیج تھی، داہر نے اس آبنائے کے گھاٹ پر حفاظت کی غرض سے کچھ مسلح سپاہی اور خاص آدمی متعین کر دیے تھے تاکہ نگرانی کرتے رہیں۔

داہر کو پار ہونے کی خبر ملنا

محمد بن قاسم نے خیال کیا کہ شاید ان کا لشکر دھوکہ دے رہا ہے اور وہ [موقع پا کر] ہمارے سامنے ہوں گے۔ چنانچہ اس نے محرز بن ثابت قیسی[2] کو دو ہزار سواروں کے ساتھ اور محمد بن زیاد العبدی کو ایک ہزار سوار دے کر دریا کے پار بھیج دیا جو جا کر ان کے سامنے جم گئے۔

داہر کا محمد علافی کو بلانا

پھر داہر کے حکم سے محمد بن حارث علافی کو بلایا گیا۔ علافی آیا اور داہر نے [اس سے] کہا "تجھ پر ہماری مہربانیاں خاص ایسے ہی وقت کے لئے تھیں۔ جاسوسی کا عہدہ ہمیشہ تیرے

1. فارسی ایڈیشن کے متن میں "جیپور" کا تلفظ اختیار کیا گیا ہے جو کہ نسخہ (س) جیسے غیر معتبر نسخہ کی عبارت ہے۔ معتبر نسخوں میں سے (ر) (ن) (ب) کی متفقہ عبارت "جیور" ہے۔ (پ) کا تلفظ "جیور" ہے کہ جو "جیور" کے مماثل ہے۔ یہ نام پہلے بھی ص[123] پر آ چکا ہے اور وہاں سارے نسخوں میں "جیور" ہے اس کے بعد پھر یہی نام ص[164] پر آیا ہے: جہاں اس کے لفظی معنی "موضع قفر" بتائے گئے ہیں۔ فاضل ایڈیٹر (ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے) آخر میں ص[123] کا حاشیہ لکھتے ہوئے لفظ "جیور" کی اس معنی سے اس طرح تحقیق دی ہے: جے = قفر + ور (مشتق از ورد) = محیط ہے۔ یعنی موضع محیط بہ قفر (دیکھئے فارسی ایڈیشن ص263) صفحہ [167] پر بھی (پ) اور (ر) جیسے قدیمی نسخوں کی عبارت "جیور" ہے اس وجہ سے اس صفحہ پر اور پھر ص[167] پر بھی ہم نے "جیور" اختیار کیا ہے۔ (ن-ب)
2. سارے نسخوں میں اس مقام پر لفظ "قیسی" ہے لیکن ص[171] پر "الدمشقی" ہے۔

حوالے رہا ہے، اس وقت خاص طور پر [یہ کام] تیرے سپرد کیا جاتا ہے۔ چونکہ عرب کے لشکر کے طور طریق سے تو زیادہ واقف ہے، اس لئے اس لشکر کی جاسوسی بھی تیرے حوالے کرنا زیادہ مناسب ہوگی۔" اس پر علافی نے جواب دیا: "اے راجہ! آپ کی خیر خواہی ہم پر واجب ہے، کیونکہ آپ کی نعمتوں کا حق ہم پر لازم ہے۔ لیکن ہم مسلمان ہیں، لشکرِ اسلام کے مقابلے پر نہ جنگ کریں گے اور نہ تلوار اٹھائیں گے، کیونکہ اگر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے تو حرام موت مریں گے اور اگر انہیں قتل کیا تو ان کا خون ہماری گردن پر رہے گا اور اس کا بدلہ [160] جہنم کی آگ ہے۔ بے شک آپ کی نعمت اور نمک کا حق ہماری گردن پر ہے اور ایسا کوئی بھی آدمی دکھائی نہیں دیتا کہ جو آپ کا خیر خواہ ہو۔ مگر میں اس [عرب کے] لشکر کی قوت سے بے خوف نہیں رہ سکتا، میں اگرچہ آپ کی نعمت کا زیر بار ہوں [تاہم] مجھے [یہاں سے نکل جانے کی] اجازت دیجئے۔"[1]

محمد علافی کی درخواست اور داہر کا اس کو جواب دینا

ان بوڑوں کے مالی نے اس طرح ظاہر کیا ہے کہ علافی نے جب اپنا یہ حال اس کے سامنے پیش کیا تو داہر نے کہا "میں نے تو تجھے ایسے ہی دن کے لئے رکھا تھا، لیکن جس صورت میں کہ تو اس حادثہ میں میری مدد نہیں کر سکتا اور میرا حکم تجھے تکلیف دہ معلوم ہوتا ہے تو پھر [بہتر ہے کہ] ہماری خدمت اور صحبت سے نکل جا۔"

محمد علافی کا چلا جانا

اس کے بعد محمد علافی اس سے رخصت ہو کر بیلمان کی حکومت[2] کی طرف چلا گیا کہ [بیلمان] اس ملک کا والی تھا اور وہ ملک اس کے دادا بتابر (یا نیابر) بن بجز[3] کے نام سے مشہور تھا اور وہ داہر کے قتل ہونے تک وہیں مقیم رہا۔

---

1. علافی کے وہ اشعار "لاقیس بدار۔ الخ" جو کہ فارسی کے ص [138] میں دیئے گئے ہیں، شاید اس موقع پر کہے گئے تھے کیونکہ وہ اشعار اس موقع پر ہی مناسب ہو سکتے ہیں، اور پہلے جس مقام پر تحریر کئے گئے ہیں وہاں موزوں نظر نہیں آتے۔ (مترجم)
2. اصل متن کی عبارت "ممالک بیلمان" ہے۔ بیلمان راجہ کے نام کے طور پر آیا ہے۔ اس مقام پر نسخہ (پ) کا تلفظ "بیلمان" ہے۔ (ن۔ب)
3. فارسی ایڈیشن میں یہ نام "بتابر بن الحر" تحریر کیا گیا ہے جو کہ (پ)، (ن)، (ب) اور (م) نسخوں کے مطابق ہے۔ (د) کی عبارت "نیابر بن الحر" ہے لیکن ص [308] پر "عاطرس بن بجز بیلمان" کا نام آیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی "الحر" کی بجائے "بجز" صحیح ہے۔ (ن۔ب)

[محمد بن قاسم کا] محمد علافی کو امان دینا[1]

اس کے بعد محمد بن قاسم نے اسے امان دے کر ملک کی وزارت کا پروانہ لکھ دیا۔ وہ ہندوستان میں جا کر وہاں کے بادشاہوں کو اسلام سے مشرف ہونے یا جزیہ ادا کرنے کی ترغیب دیتا تھا اور انہیں اچھے وعدوں کا امیدوار بناتا تھا۔ چنانچہ وہ اس کی [محمد بن قاسم کی] اطاعت اور بیعت میں آ جاتے تھے۔ پھر وہ جیسا پروانہ طلب کرتے وہ اس کے لئے خدمت میں عرض کرتا جس کی وجہ سے وہ سب کے سب اس کے مطیع ہو گئے۔ سب سے پہلے طاطرس بن بجر جیلمان کیرج[2] کا راجہ سربند[3] کنبہ یا کشہ[4] کا مالک کوکو بن موکو[5] اور گیان بن تھاہر[6] مشرف بہ اسلام ہو کر خراج گذار ہوئے۔

پھر جب محمد بن قاسم ملتان کی طرف گیا اس وقت [محمد علافی نے] انتقال کیا۔

داہر کا علافی سے صلح کرنا

محمد [بن] حسن سے روایت کی گئی ہے جس نے بیان کیا کہ پہلے دن جب علافی نے معذرت طلب کی اور مسلمانوں سے جنگ کرنے سے احتراز کیا تو داہر نے اس سے کہا کہ "اگر تو عربوں سے جنگ کرنے سے معافی طلب کرتا ہے تو ہمارے ساتھ رہ کر جاسوسی کرتا رہ اور ان کی ترکیبوں کے دفع کرنے کے مشورے دیتا رہ۔" چنانچہ علافی داہر کے ساتھ جاسوسی کے لئے گیا تاکہ ان کا حال معلوم کرے، لیکن جب عربوں کے لشکر کے قریب پہنچا تو انہوں نے اسے طعنے

---

1. یہ عنوان یہاں صرف علافی کے سلسلے میں آیا ہے اور "پھر محمد بن قاسم۔ الخ" کے لفظ "پھر" سے مراد یہ ہے کہ "اس واقعہ کے بعد" یہ نہیں ہے کہ "اس کے فوراً بعد"۔ علافی اس واقعہ کے بعد بھی جیسیہ کے ساتھ رہا اور غالباً اس کے بعد محمد بن قاسم نے اسے امان دی اور پروانہ دیا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کے پاس اس کے ایلچی کی حیثیت سے جائے۔ چنانچہ وہ کشمیر کے راجہ کے پاس گیا۔ دیکھئے آئندہ ص212 (ن۔ب)
2. (ر)، (ن)، (ب)، (س) اور (ک) کی عبارت "کیرج" ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً "کیرج" ہی صحیح لفظ ہے، جس کا ذکر اس کے بعد فارسی نسخے کے ص[218] اور [228] پر آتا ہے۔ (پ) اور (م) کا تلفظ "کورج" ہے جو مناسب نظر نہیں آتا۔ (ن۔ب)
3. نسخۂ (پ) میں "سوبند" اور (ک) میں "سوبنہ" ہے۔
4. فارسی ایڈیشن میں لفظ "کبہ" ہے جو کہ غالباً (پ) کا تلفظ ہے مگر (ر)، (ن)، (پ) اور (س) میں لفظ "کنہ" ہے جس سے "کنہ" کا گمان پیدا ہوتا ہے۔ مزید توضیح کے لئے دیکھئے حاشیہ (2) ص139 [162]۔ (ن۔ب)
5. فارسی ایڈیشن میں یہ نام "کوکر بن موکر" ہے جو غالباً نسخۂ (م) کے مطابق ہے دوسرے نسخوں میں یہ پورا نام نہیں ہے۔ (پ) میں صرف "کر" اور (ن) میں "بن موکر" ہے۔ (ن۔ب)
6. فارسی ایڈیشن کا تلفظ "قبایض بن طاہر" ہے جو غالباً (ب) کے مطابق ہے۔ (ن) کا بھی یہی تلفظ ہے مگر (ر) اور (م) کا تلفظ "گیان بن طاہر" ہے اور ہم نے اسی بنیاد پر "گیان بن تھاہر" اخذ کیا ہے۔ (ن۔ب)

دیئے جس پر وہ بھاگ کر واپس آ گیا۔

محمد بن قاسم کا حجاج کے پاس خط بھیجنا

پھر محمد بن قاسم نے سارا حال خط میں لکھ کر حجاج کے پاس بھیجا اور اسے مطلع کیا کہ لشکر اسلام نے مہران کو عبور کر لیا ہے اور ہمارا ایک مرتبہ داہر کافر سے مقابلہ ہوا ہے جس میں کافروں نے شکست کھائی۔ والسلام [162]

حجاج کا خط محمد بن قاسم کو ملنا

پیارے فرزند عماد الدین محمد بن قاسم! تم نے جو کچھ لکھا ہے وہ معلوم ہوا۔ تم نے [دشمنوں کا] جو انداز بیان کیا ہے وہ سراسر فریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور توفیق الٰہی کے مطابق یہ کام موافق نظر آتا ہے، خدائے عزوجل کی بے مثال بارگاہ میں پنج وقتہ نماز ادا کرنا سارے ضروری کاموں سے مقدم رکھو۔ تکبیر، قیام، قرات، رکوع، سجود اور قعود کے وقت عجز و نیاز سے مدد طلب کرو اور زبان کو ذکرِ الٰہی سے تر رکھو تاکہ تمہارے سارے کام منظم رہیں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کی عنایت کے سوا کسی بھی شخص کو طاقت اور دبدبہ حاصل نہیں ہوتا۔ جب تم بادشاہِ عزوجل کے فضل و کرم پر پورا بھروسہ اور اعتقاد کرو گے تو تمہاری ساری امیدیں پوری ہوں گی اور فتح و نصرت تمہارے ہمراہ اور مددگار ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ" نوشتہ حران۔"

داہر کا مقدمہ کے طور پر جیسینھ کو جنگ پر بھیجنا

خبروں کے مصنفوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "جب محمد علافی طلایہ سے واپس ہوا تو داہر نے اپنے بیٹے جیسینھ کو کچھ فوج اور ہاتھی دے کر روانہ کیا۔ جیسینہ ہاتھی پر بیٹھ کر لشکرِ اسلام کے مقابلے کے لئے آیا اور جنگ شروع کی۔ طویل جنگ کے بعد، جس میں کافر قتل اور فرار ہوئے، جیسینہ کو اسلحہ برداروں اور محافظوں سمیت گھیر لیا گیا اور اس پر [چاروں طرف سے] یلغار ہوئی۔ جب عربوں نے جیسینہ پر حملہ کر کے اس کے لشکر کے بڑے حصے کو جہنم واصل کر دیا تب فیلبان نے جیسینہ کے دل کا حال معلوم کرنا چاہا کہ وہ اب بھی جنگ پر [163] آمادہ ہے یا اس مصیبت سے نکل جانا چاہتا ہے۔

فیلبان کا اشارہ: فیلبان نے ہاتھی سے کہا: "اے ہاتھی! مرنا چاہتا ہے کہ چھٹکارا؟ کیونکہ راجہ داہر تو جیسینہ کی زندگی چاہتا ہے، تیرا کیا خیال ہے؟ واپس ہو تو نجات ملے۔"

جیسینہ کا فیلبان کو جواب: جیسینہ نے کہا "ہم کیسے نجات حاصل کر سکتے ہیں؟ کیونکہ ہم دشمن کے سامنے اور نرغے میں ہیں اور جانے کا راستہ ہمارے لئے مشکل اور چاروں طرف سے بند ہے۔" فیلبان نے سمجھ لیا کہ جیسینہ کا جنگ سے فرار ہونے کا پختہ ارادہ ہے، وہ زندگی چاہتا ہے اور جنگ سے پشیمان ہے۔ چنانچہ اس نے ہاتھی کو ریل کر حملہ کیا، عرب سوار اور پیادے ہاتھی کے حملے کا مقابلہ نہ کر سکے اور منتشر ہو گئے، جس کی وجہ سے جیسینہ کے لئے بھاگنے کا راستہ خالی ہو گیا۔ اس نے منہ پھیر کر راہِ فرار اختیار کی اور آ کر باپ کے پاس پہنچا اور اس کا سارا لشکر قتل ہو گیا۔ راجہ داہر اسی آبنائے کے مشرقی ساحل پر خیمہ زن تھا، جیسینہ کو دیکھ کر اس نے شکر کیا، اپنے معبود کا سجدہ واجب جانا اور اپنے بیٹے کے سلامت واپس آ جانے پر [اس کی] حمد و ثنا کرنے لگا لڑکا سلامت لوٹ آیا۔

[محمد بن قاسم کے پاس] اسی دن حجاج کا خط پہنچا، جس میں حکم تھا کہ جہاں داہر ہے وہاں جا کر اس کا مقابلہ کرو، کیونکہ فتح تمہاری ہوگی اور کافر ذلیل و خوار ہو کر بھاگ جائیں گے۔

راجا داہر سے پہلے دن جنگ [اور راسل کا بیعت کرنا]

محمد بن ابی الحسن مدنی[1] سے روایت ہے کہ جب جیسینہ بن داہر شکست کھا کر واپس ہوا اور اس کا لشکر قتل ہو گیا، تب راسل [164] نے محمد بن قاسم کے پاس بیعت کرنے کے لئے قاصد بھیجا۔ وزیر نے اس سے کہا کہ "راجہ داہر کو تیری رفاقت پر پورا بھروسہ ہے اور اسے تجھ پر پورا اعتماد ہے اگر اس وقت تو اس کی مخالفت کرے گا تو یہ تیری اولاد کے لئے عار ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ عربوں کو فتح بھی ہوگی یا نہیں؟ تیرا بھائی موکو [پہلے ہی] داہر کے خلاف تھا، اسی وجہ سے وہ لشکرِ اسلام سے مل گیا، لیکن تجھے کسی بہانے کی مجال نہیں ہے۔"

[لیکن] راسل نے وزیر کی لاعلمی میں قاصد بھیج کر پیغام دیا کہ "یہ قول میری زبان سے ادا ہوا ہے اور محمد کی خدمت کا طعنہ بھی لگ چکا ہے، لیکن میں اپنی عزت بھی چاہتا ہوں تاکہ مخالفوں کے طعنوں سے محفوظ رہوں۔ [اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ [میں] کہوں گا کہ فلاں راستے سے راجہ داہر کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ تم اپنے سواروں کی ایک فوج روانہ کرو جو راستہ روک کر مجھے گرفتار کر لے، تاکہ میں ہدفِ طعن بھی نہ بنوں اور ہمارا مقصد بھی حاصل ہو جائے۔"

---

1. فارسی ایڈیشن میں "محمد بن ابی الحسن المدائنی" درج ہے۔ مگر (پ)، (ر)، (م)، (ن)، (ب)، (س) اور (ک) وغیرہ جملہ نسخوں کی متفقہ عبارت "مدنی" ہے، اسی وجہ سے ہم نے یہاں یہ لفظ اختیار کیا ہے۔ (ر) اور (م) میں یہ نام "محمد بن الحسن مدنی" ہے۔ مزید توضیح کے لئے دیکھئے حاشیہ میں [164]۔ (ن۔ب)

اسی وعدے کے مطابق راسل قلعہ بیٹ سے باہر نکلا اور اپنی جگہ پر دساپو کو مقرر کر کے ہدایت کی کہ "اگر عربوں کا لشکر آئے تو اس سے جنگ نہ کرنا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں راضی کرنے کی حد سے زیادہ کوشش کرنا، کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک لشکر عرب کے حوالے ہوگا۔" آخر راسل یہ ارادہ کر کے وہاں سے روانہ ہوا۔ اس طرف محمد بن قاسم نے پانچ سو شہسواروں کو متعین کر کے اس طے شدہ مقام کی طرف بھیج دیا۔ یہاں تک کہ راسل بھی وہاں جا پہنچا اور اپنے وعدے کے مطابق ٹھہر گیا۔ اس کے لشکر نے سمجھا کہ وہ جنگ کرنے کے لئے رکا ہے، چنانچہ انہوں نے جنگ شروع کر دی۔ [یہ واقعہ] کنبہ [1] کے قلعے سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر اس مقام پر [پیش آیا] جسے نہر نیلری [2] کہتے ہیں۔ راسل کو بھاگنے میں شرم محسوس ہو رہی تھی اور جنگ سے بھی احتراز کر رہا تھا، جس کی وجہ سے اس کا کافی لشکر قتل ہو گیا۔ [165] چونکہ محمد بن قاسم نے اس کے گرفتار کیے جانے کی ہدایت کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اسے قتل نہ کرنا، اسی وجہ سے عربوں نے اسے کوئی بھی زخم نہیں لگایا اور اسے اس کی باقی ماندہ فوج کے ساتھ گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے پاس لے آئے۔ محمد بن قاسم نے اسے بلا کر کہا "اے راسل! تو چاہتا ہے کہ میں تجھے تیرے بھائی موکو کے طفیل میں بخش دوں؟ میں نے اس سے پہلے بھی تجھ سے استدعا کی تھی [مگر تو نہ مانا] اور آخر ہم سے مقابلہ کرنے کا خیال کیا اور گرفتار ہو کر آیا۔ اب تو اس عار سے آزاد ہے کہ جس کا تجھے فکر تھا۔ اس لئے اب ہماری موافقت کرتا کہ تجھ پر بھی مہربانیاں کروں اور تو جو ولایت طلب کرے وہ تجھے عطا کروں۔" راسل خدمت بجا لایا اور رضامندی سے مشرف ہوا۔

راسل کا محمد بن قاسم سے معاہدہ کرنا

پھر پختہ اقرار کرنے اور شرط خدمت بجا لانے کے بعد راسل نے کہا "خدائے تعالیٰ کے حکم کو کوئی بھی روکنے یا دفع کرنے والا نہیں ہے جبکہ آپ نے مجھے اپنے احسان کا گرویدہ بنالیا ہے تو پھر اس کے بعد میں آپ ہی کی خدمت میں رہوں گا، آپ کی رضا سے باہر نہ جاؤں گا اور جو آپ کا حکم ہوگا اس کی اطاعت کروں گا۔" اس کے کچھ عرصے بعد راسل مر گیا اور ولایت کا سارا کاروبار موکو کی تحویل میں رہا۔

جب راسل اور موکو نے اتفاق رائے سے محمد بن قاسم کو وہاں سے کوچ کرنے کی ترغیب

---

1 (ب) میں "کھبہ"، (س) میں "کینہ" اور (ک) میں "کنھہ" ہے۔
2 فارسی متن میں "جوئے نیلری" ہے۔ (پ) میں "نیلری" (م) اور (س) میں "نھلری" اور (ر) میں "نھلوری" ہے۔

دی تو وہاں سے روانہ ہو کر وہ اس مقام پر جا ٹھہرے کہ جسے نارائی[1] کہتے ہیں۔ داہر قاجیجاق[2] میں مقیم تھا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ لشکر اسلام اور داہر کے درمیان ایک بڑی آبنائے[3] حائل ہے اور جسے عبور کرنا دشوار ہے۔ [لیکن] راسل نے زور دے کر کہا کہ "امیر عماد الدین سلامت رہے! [ہمیں] یہ آبنائے [ضرور] پار کرنی چاہیے۔" آخرکار راسل نے کشتیاں فراہم کر کے تمیں سپاہیوں کو اس آبنائے کے پار اتارا اور اس طرح سارا لشکر [166] عبور کر گیا۔

اب اس کے بعد درمیان میں صرف ایک کھاڑی رہ گئی۔ [اس موقع پر] راسل نے محمد بن قاسم سے کہا کہ آپ کو [یہاں سے] ایک منزل آگے جا کر جیور[4] میں ددھاواہ[5] پر جو کہ راوڑ کے مضافات میں سے ہے، خیمہ زن ہونا چاہیے تاکہ [حسب موقع][6] وہاں سے [داہر کے] آگے یا پیچھے جاسکیں اور جنگ میں [اس پر قابو پا کر] اسے شکست دے سکیں اور فتحمند ہو کر اس کے سارے ساز و سامان پر قبضہ کر سکیں۔" اس تجویز پر اعتماد اور اتفاق کر کے محمد بن قاسم جا کر جیور میں ددھاواہ نہر کے کنارے منزل انداز ہوا۔

محمد بن قاسم کا جیور کی منزل پر ٹھہرنا

پھر راجہ داہر کو خبر ملی کہ محمد بن قاسم عرب کے لشکر کے ساتھ آ کر جیور میں خیمہ زن ہوا ہے۔ وزیر سیاکر نے یہ خبر سنی تو کہنے لگا کہ ہائے! کتنا بُرا [شگون] ہے۔ اس مقام کو "جے ور" کہتے ہیں یعنی "فتح کی جگہ"[6] اور جب [عرب کا] لشکر اس مقام پر آ پہنچا ہے تو فتح اور کامیابی اس کے ساتھ ہوگی۔ راجہ داہر اس کی یہ بات سن کر برہم ہو گیا اور غیرت کی آگ اس کے دماغ میں بھڑک اٹھی اور اس نے غضبناک ہو کر کہا کہ وہ [جیور میں نہیں بلکہ] حد باری[7] میں اترا ہے کہ جہاں صرف ہڈیاں پہنچتی ہیں۔ [پھر] داہر نے وہاں سے کوچ کیا اور بھاگ کر اپنے آپ کو راوڑ کے قلعے میں پہنچایا۔

اس کے ہمراہی اور ساز و سامان بھی اس قلعے میں منتقل ہو گئے۔ [پھر وہ] ایسی جگہ پر

1. (ر) اور (م) میں "ہمرائی" اور (ک) میں "ہماراتی" ہے۔
2. (ر) اور (م) میں "قوجیجات" ہے۔
3. اصل عبارت "آ بگیری بزرگ" ہے۔
4. فارسی ایڈیشن میں "جیھور" ہے۔ کی ہوئی ترمیم کیلئے دیکھئے حاشیہ ص [160]
5. یہ لفظ فارسی ایڈیشن کے مطابق ہے جو کہ شاید نسخہ (م) سے اخذ کیا گیا ہے۔ (پ) میں "دھاواز" (ن) میں "ددھاواہ" (ب) میں "دھاواہ" اور (س) میں "دھاوہ" ہے۔ (ن-ب)
6. اصل عبارت "موضع ظفر" ہے۔
7. اصل عبارت "جہ باری" ہے۔

آ کر ٹھہرا جہاں سے عربوں کے اور اس کے لشکر کے درمیان صرف تین میل [کا فاصلہ] تھا۔ وہاں داہر نے ایک نجومی سے پوچھا کہ "آج مجھے جنگ کرنی چاہیے یا نہیں؟ زہرہ کس طرف ہے؟ دونوں لشکروں کے غالب اور مغلوب ہونے کے متعلق حساب لگا کر نتیجہ معلوم کرو کہ آخر کیا ہوگا۔"

نجومی کے فیصلے: نجومی نے نجوم سے نتیجہ نکالنے کے بعد [167] جواب دیا کہ "حساب کے مطابق غلبہ عربوں کے لشکر کا ہے، کیونکہ زہرہ ان کے پیچھے اور آپ کے سامنے ہے۔" نجومی کی یہ بات سن کر راجہ داہر کو غصہ آیا۔ نجومی نے کہا "راجہ کو غصہ نہ کرنا چاہیے۔ حکم دیجیے کہ زہرہ کی سونے کی تصویر بنائی جائے، تاکہ وہ آپ کے پیچھے رہے اور فتح آپ کو حاصل ہو۔" چنانچہ [زہرہ کی] شکل بنا کر اس کے فتراک میں آویزاں کر دی گئی۔ محمد بن قاسم [اور بھی] قریب آیا اور دونوں فوجوں کے درمیان [صرف] نصف فرسنگ کا فاصلہ رہ گیا۔

دوسرے دن جنگ کرنا

[راجا داہر] دوسرے دن وہاں سے بھی کوچ کر کے دو آوازوں کے فاصلے پر آ کر ٹھہرا۔ پھر جب عربوں کا لشکر بھی قریب آیا تب داہر نے اپنے راناؤں میں سے ایک ٹھاکر کو بلایا جسے "چندھا سردار"[1] کہہ کر پکارتے تھے، اور اس سے کہا کہ "تجھے محمد بن قاسم کے مقابلے پر جانا چاہیے۔" حکم کے اشارے پر چندھا سردار اپنا لشکر لے کر باہر نکلا اور لشکرِ اسلام کے سامنے جا کر جنگ شروع کی۔ صبح سویرے سے لے کر شام تک دلیر بہادروں اور نامور مردوں نے دونوں طرف سے زبردست مقابلہ کیا اور آخر تھک گئے تو واپس ہو گئے۔

راجا داہر کا تیسرے دن عربوں سے جنگ کرنا

دوسرے دن داہر نے جاہین کو [مقابلے کے لئے] حکم دیا کہ وہ بہادر مرد تھا، اس نے باہر نکل کر جنگ شروع کی، یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا۔ آخر جب [یہ حالت ہوئی کہ] جو بھی فوج [168] بھیجی جاتی وہ لشکرِ اسلام کی خونخوار تلواروں کی خوراک بن جاتی۔ تب سیاکر وزیر نے سامنے آ کر اور شرطِ خدمت بجا لا کر عرض کیا "اے راجہ! آپ جس روش سے جنگ کر رہے ہیں وہ غلط ہے۔ آپ سے کئی بار غلطیاں ہوئی ہیں، مگر اب بھی آپ نے اس تجربے سے فائدہ نہیں

---

1. اصل الفاظ "دہیر کور" ہے جس کے معنی ہے "اندھے دہیر" مگر پیچھے چل کر اسے "دہیر اعور" یعنی "کانا دہیر" کہا گیا ہے۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اندھا نہیں بلکہ "چندھا" تھا۔ "دہیر" کے عام معنی ہیں خشی یا تیکر بڑی مگر یہ راجہ وزیر یا مشیر کے برابر تھا۔ یہاں اس بیان کے سلسلے میں عام مفہوم کے پیش نظر اس لفظ کا ترجمہ "سردار" کیا ہے۔ (ن-ب)

اٹھایا۔ اگرچہ انسانی تدبیر خدائی تدبیر کے برابر نہیں ہو سکتی، تاہم وقت کے بادشاہوں کی اعلیٰ رائے کے مقابلے میں کوئی چھٹکارا پانے کا راستہ نکالئے۔ اول تو جب عربوں کا یہ لشکر مہران عبور کر رہا تھا اور ٹولیوں ٹولیوں میں ہو کر گذر رہا تھا اسی وقت آپ کو ان کا سامنا کرنا تھا، تاکہ انہیں دوسری جنگ سے خوف ہوتا۔ [لیکن] اب جبکہ وہ اکٹھے ہو کر مقابلے کے لئے آئے ہیں اور جس ٹھاکر کو بھی آپ بھیجتے ہیں وہ مارا جاتا ہے، تو یہ صورت اچھی نہیں ہے۔ [اب] آپ کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ ساری فوج، ملازموں، پیادوں اور سواروں کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہو کر ان پر حملہ کیجئے۔ اگر آپ کو فتح حاصل ہو تو آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا اور آپ کا دشمن دفع ہو جائے گا [ورنہ] دوسری صورت میں وہ غالب ہوں گے اور آپ بڑی بادشاہوں کے طنز سے محفوظ رہیں گے اور آپ کے بیٹوں اور پسماندگان کو کوئی بھی طعنہ نہ دے گا۔" داہر نے یہ بات قبول کی۔

چوتھے دن کی جنگ

دوسرے دن اس کے حکم سے نقارۂ جنگ بجا کر پرچم بلند کیا گیا اور تقریباً پانچ ہزار نامور سوار اور چالاک جنگجو جوان، شہزادے اور ساٹھ [169] مست ہاتھی اس کے ساتھ تھے، بعض کہتے ہیں کہ جنگجو ہاتھی ایک سو تھے، اور بیس ہزار زرہ پوش اور سپر انداز پیادے جنگ کے لئے اس کے آگے روانہ ہوئے [داہر نے] اپنے لئے ایک مست ہاتھی پر پالکی بندھوائی [اس پر] لوہے کا برگستوان ڈلوایا [اور پھر] زرہ پہن کر اور کمان کا چلہ چڑھا کر اس پر سوار ہوا۔ اس کے ساتھ پالکی پر دو کنیزیں تھیں، ایک اسے یکے بعد دیگرے تیر دیتی تھی اور دوسری پان پیش کرتی تھی۔

داہر کا محمد علافی کو اپنے بیٹے جیسینھ کے ساتھ بھیجنا

پھر [ایک طرف] خود لشکر لے کر چلا اور [دوسری طرف] اپنے بیٹے کو مقرر کر کے کہا "میں محمد علافی کو تیرے ساتھ بھیجتا ہوں۔ عربوں کی جنگ کو وہ بہتر طور پر سمجھتا ہے۔ وہ جس طرح بھی آگے بڑھنے یا پیچھے ہٹنے کا حکم دے تو اس کے حکم اور اشارے کا پابند رہنا۔" وہ دن نو رمضان سنہ ترانوے ہجری کا تھا۔

جب داہر [میدان جنگ میں] پہنچا، اس وقت محمد بن قاسم مسلمانوں کے دلوں کو تقویت اور جنگ کی ترغیب دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ "اے عربو! آج کوشش کا دن ہے۔ اسلام کی کامیابی کے لئے کوشش کرو، جدوجہد بجا لاؤ اور خدا پر بھروسہ اور سہارا رکھو تاکہ مشرکوں کو دفع کر سکو اور ان کا ملک اور ملکیت تمہارے ورثے میں آئے اور ملک و مال پر تمہارا قبضہ ہو۔ لیکن اگر تم

مضبوط نہ ہو گے اور پریشان اور دل شکستہ ہو گے اور عجز و ضعف کو اپنے قریب راہ دو گے تو پھر وہ [تم پر] غالب ہوں گے اور سب کو قتل کر ڈالیں گے میدان ان کے ہاتھ رہے گا تمہیں اپنا سامان دینا پڑے گا اور وہ تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اگر کافروں سے منہ موڑو گے تو پھر تمہاری جگہ جہنم ہوگی اور تمہارے بزرگوں کو داغ لگے گا۔

پھر اس نے محرز بن ثابت الدمشقی[1] اور اویس بن قیس کو چھ ہزار سواروں کے ساتھ مقدمہ پر مامور کر کے آبنائے کو پار کرنے کا حکم دیا۔ وہ اس کھاڑی کو عبور کر گئے کہ جو داہر اور لشکر اسلام کے درمیان تھی۔ پھر عطاء بن مالک القیسی اور ذکوان بن علوان البکری کو بھی لشکر کے مقدمہ کی مدد کرنے کی اجازت دی، [چنانچہ] یہ بھی گذر گئے۔ [اس پر] محمد علافی نے داہر سے کہا "اے ہند و سندھ کے راجہ! یہ دستے [اس وقت] آپ کے سامنے آئے ہیں یہی [اسلامی] لشکر کی جان اور بہادر شیر ہیں اور یہی [سب میں] چالاک جانباز، بہادر، کارگذار اور ہوشیار شہسوار ہیں۔ اگر [آپ کے سپاہی] ان جیوش کو دفع کر سکے تو پھر آپ کا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر [آپ] انہیں دفع نہ کر سکے تو یہ آپ کو شکست دے دیں گے [آگے جو] آپ کی رائے ہو افضل ہے۔"

داہر کا چوتھے دن عربوں کے لشکر سے جنگ کرنا

[علافی کی] یہ بات سن کر داہر نے پورے لشکر کے ساتھ یلغار کی۔ کچھ ہاتھی مقدمہ کے ساتھ روانہ کر کے قلب کو اپنے چاروں طرف جمایا۔ ہتھیار برداروں، پیادوں، تیر اندازوں، نیزے بازوں، نیمچے برداروں اور آہنی دستوں کو، جنہیں [فارسی میں] سیل بھی کہتے ہیں، آگے بڑھایا۔ [تیز دست] تیر اندازوں کو داہنے اور مسلح شہسواروں کو بائیں [استادہ کیا]۔ اس نظم و نسق کے ساتھ جنگ شروع کی تو [171] عبید بن عتاب نے، جو کہ اس دن محمد علافی سے منحرف ہو کر محمد بن قاسم کے پاس آیا تھا، خبر دی کہ محمد علافی نے داہر سے کہا ہے کہ عربی فوج کے یہ دستے جو کہ پانی سے گذر کر آئے ہیں اسلامی لشکر کے قائد اور ہوشیار سوار ہیں جس کی وجہ سے داہر نے اپنی فوج کو بڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس کے سارے ہتھیار بندوں اور شمشیر زنوں نے ان پر یلغار کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ [یہ سن کر] محمد بن قاسم نے منتخب لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، جس پر سارے جنگجو سواروں اور بہادروں نے [گھوڑوں کو] آگے مہمیز کیا اور محمد بن قاسم کے پاس صرف قلب لشکر اور کچھ خاص آدمی رہ گئے۔ پھر موکو [ابن] وسایو

---

1. یہاں سارے نسخوں کے مطابق "الدمشقی" یا "دمشقی" ہے۔ مگر اس سے پیشتر ص [137] پر جملہ نسخوں کے مطابق "قیسی" ہے۔ (ن-ب)

کو بھی اپنے لشکر میں رکھ کر [اس نے] میدانِ جنگ کی طرف رخ کیا۔ اب سارے پانی سے گذر جانے والوں نے جنگ شروع کر دی۔ محمد بن قاسم محرز بن ثابت کے ساتھ قلب لشکر میں جا ڈٹا اور جہم بن زحر الجعفی کو میمنہ پر، ذکوان بن علوان البکری کو میسرہ پر، عطاء بن مالک القیسی کو مقدمہ پر مامور کر کے نباتہ بن حنظلہ کو ساقہ پر مقرر کیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے کہا "اے عربو! اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آ جائے تو تمہارا امیر محرز بن ثابت ہے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو پھر تمہارا امیر سعید ہوگا۔"

جمعرات کے دن جنگ کرنا

پہلے محرز نے حملہ کیا اور ڈٹ کر جنگ کی، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ پھر سعید نے لشکر کو ہمت دلا کر جنگ چھیڑ دی۔ حسن بن محبۃ[1] البکری کا انگوٹھا جنگ کے دوران میں تلوار کے گھاؤ سے کٹ گیا۔ جب مست ہاتھی بڑھے، تب مسلمانوں نے ٹولیوں میں بٹ کر انہیں گھیر لیا اور تو ہاتھیوں کو [172] واپس پلٹا دیا۔ اسلامی لشکر نے حملہ کر کے کافروں کو وہاں تک بھگا دیا کہ جہاں ان کی صفیں تھیں۔ [پھر] دن ختم ہو گیا اور دونوں فوجیں واپس ہو گئیں۔

دسویں تاریخ ماہِ رمضان سنہ ترانوے ہجری

ان کنواریوں (حکایتوں) کی آرائش کرنے والوں نے اس طرح روایت کی ہے کہ دوسرے دن جب صبح نے مشرق کی جانب سے اپنا جہاں آرا اور دلکش جمال دنیا کو دکھایا تو وہ جمعرات کا دن تھا۔

اس وقت راجہ داہر اپنے بیٹے جیسینہ کو دس ہزار لوہے میں غرق (زرہ پوش) سواروں کے ساتھ کہ جن میں کچھ کے بال کھلے ہوئے اور تلواریں برہنہ تھیں اور کچھ کے بال بندھے ہوئے اور وہ تلواریں اور ڈھالیں لئے ہوئے تھے، قلب لشکر پر مامور کر کے باہر نکلا اور آ کر مسلمانوں کی صفوں کے سامنے استادہ ہوا۔ اس کے پیچھے چاروں طرف دوسرے ہاتھی [کھڑے تھے]۔ دائیں جانب جیسینہ، ابی بن ارجن[2] چھوٹے کوار کا دادا بڑا کوار دار داہر کا عم زاد جبین[3] اور بائیں جانب

1. فارسی ایڈیشن کا تلفظ "محبۃ" ہے۔ نسخہ (پ) میں "مخسیعہ" ہے۔ (ن۔ب)
2. (ر) اور (م) "ارجن" ہے مگر (پ)، (ن)، (ب)، (ع) اور (س) کا تلفظ "احسن" ہے جو کہ غالباً "حسن" کی غلط صورت نظر آتی ہے۔ (ن۔ب)
3. فارسی ایڈیشن میں "جبین" کا تلفظ اختیار کیا گیا ہے اور (ر) اور (ن) کا بھی یہی تلفظ ہے۔ (پ) میں "حسین" (جسین؟) اور (ک) میں "جیسی" ہے۔ (ن۔ب)

بشر بن ڈھول [1] گیھہ [2] ابن بشر، ڈھریسنہ بن داہر، کیرج کے حاکم کا بیٹا نتل یا (بیان) [3] ناکو [4]، جوڑ [5] اور مشبد (سامشید) [6] [استادہ تھے] اور سندھ کے سارے چیدہ آدمی جیسے کہ بجھاری [7]، اسرمیل [8]، تنج [9] اسیار [10] لقیا امار [11] اور مشرق کی طرف کے سارے جت اکٹھے کرکے [داہر

---

1. فارسی نسخہ میں غالباً (پ) کے مطابق "ہول" کا تلفظ اختیار کیا گیا ہے۔ (ن) کا بھی یہی تلفظ ہے۔ (ر) اور (م) کی عبارت "ہول" کی بجائے "دہول" ہے جو شاید سندھی کے قدیمی نام "ڈھول" کی عربی شکل ہے اور ہم نے اسی کو زیادہ قرین قیاس سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ (ن-ب)
2. فارسی ایڈیشن میں "نحیبہ بن بشر" ہے مگر "نحیبہ" ایک تو خالص عربی نام ہے دوسرے یہ تلفظ کسی بھی معتبر نسخہ میں نہیں دیا گیا اور غالباً ایڈیٹر کا اپنا قیاس کردہ ہے۔ (ر)، (م)، (ن) اور (ح) کی متفقہ عبارت "قیہ" ہے اور (پ) کی عبارت بھی "قبہ" ہے۔ جو کہ اصل میں غالباً لفظ "قیہ" ہے۔ معرب اور دخیل لفظوں کے لحاظ سے "قیہ" صاف طور پر "گیھہ" کی عربی صورت ہے، جس کی وجہ سے ترجمہ میں ہم نے "گیھہ" ہی کو منتخب کیا ہے۔ (ن-ب)
3. فارسی ایڈیشن کے مطابق "نتل صاحب کیرج کا ترجمہ ہوگا" "کیرج کا حاکم نتل" مگر اس سے پہلے کہیں بھی کیرج کے حاکم کا نام "نتل" نہیں دیا گیا۔ ص[162] پر کیرج کے حاکم کا نام "کوک (ن) سوک" دیا گیا ہے جو کہ داہر کا حامی تھا، اسی لحاظ سے قدیمی نسخوں (پ) اور (ر) کی عبارتیں زیادہ تر قرین قیاس ہیں۔ (پ) میں "بیان بن صاحب کیرج" اور (ر) میں "نتل بن صاحب کیرج" ہے۔ یعنی کیرج کے حاکم کا بیٹا نتل (یا) بیان۔ (ن-ب)
4. (ک) میں "ناہل" ہے مگر دوسرے سارے نسخوں میں "ناکہ" یا "ناکہ" ہے یہ نام سندھی تلفظ کے مطابق "ناکو" لکھا گیا ہے۔ (ن-ب)
5. جملہ نسخوں میں "جوذ" ہے۔ یہاں سندھی تلفظ کے مطابق "جوڑ" دیا گیا ہے۔ (ن-ب)
6. فارسی ایڈیشن میں یہ نام "مستحمل" لکھا گیا ہے، جس کے لئے ایڈیٹر کے قول کے مطابق کوئی بھی سند موجود نہیں۔ (دیکھئے فارسی ایڈیشن حاشیہ 14، ص 173)۔ مختلف نسخوں کی عبارتیں یہاں اس طرح ہیں: (پ)، (ک) "مشبد"، (ن)، (ح) "مشبد"، (م) "مستحمل"، (ر) "مستحیل" ہم نے (پ)، (ک)، (ن) اور (ح) کو ترجیح دی ہے۔ (ن) کی عبارت صاف طور پر "مشید" ہے۔ لفظ "بد" ہندوستان کے معرب ناموں کے آخر میں اکثر آیا ہے مثلاً "باربذ" اور "ارجبذ" وغیرہ۔ نسخہ (پ) کی عبارت بھی اصل میں، غالباً "مشبد" ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے یہاں اس نام کی دونوں صورتیں یعنی "مشبد" اور "مشید" دی ہیں۔ "بد" غالباً "بھٹ" کی عربی شکل ہے۔ (ن-ب)
7. فارسی ایڈیشن میں یہ عبارت غالباً نسخہ (م) کے مطابق ہے اور زیادہ قرین قیاس ہے۔ (پ) میں "تخاری"، (ر) میں "تھیاری"، (ن)، (پ)، (ح) میں "بخیاری" اور (س)، (ک) میں "بختیاری" ہے۔ یہ جملہ عبارتیں لفظ "بجھاری" کی بگڑی ہوئی صورتیں معلوم ہوتی ہیں۔ (ن-ب)
8. فارسی ایڈیشن میں "اسمیر اہل" کا تلفظ اختیار کیا گیا ہے جو شاید نسخہ (م) کے مطابق ہے۔ دوسرے نسخوں کی عبارتیں اس طرح ہیں: (پ) "اسرتیل" (ن)، (ب)، (ح) "اسرائیل"، (س)، (ک) "سرائیل" اور (ر) میں "اسرائیلا" ہے۔ چونکہ نام کی اصلیت کا پتہ نہیں معلوم ہوسکا، اس لئے ہم نے قدیمی نسخہ (پ) کی عبارت کو ترجیح دی ہے۔ (ن-ب)
9. (ن)، (ب)، (ح)، (س) اور (ک) کی متفقہ عبارت یہی ہے اور فارسی ایڈیشن میں بھی یہی عبارت ہے۔ (پ) میں "تنح" اور (ر)، (م) "تیج" کے تلفظ بعید از قیاس ہیں۔ (ن-ب)
10. فارسی ایڈیشن میں "اسیار" کا تلفظ اختیار کیا گیا ہے جو کہ غالباً (م) اور (ک) کے مطابق ہے۔ (ر) کی عبارت "اسیار" ہے اور ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (ن)، (ب)، (ح) میں "اسبار" اور (پ) میں "اسباب" ہے۔ (ن-ب)
11. فارسی ایڈیشن میں یہی عبارت اختیار کی گئی ہے جو کہ غالباً (م) کے مطابق ہے، (ر) کی بھی یہی عبارت ہے۔ (پ)، (ن) میں "لقیاابا" (ب)، (ح)، میں "سعیاابا" اور (ک) میں "لقیاابا" ہے۔ (ن-ب)

نے [اپنی پشت پر کھڑے کئے اور تلوار کے دھنی اور بے خوف بہادر قلب [لشکر] کے آگے رکھے۔ پھر جنگجو ہاتھیوں کو بھی میمنہ اور میسرہ میں متعین کر کے باقی دوسرے سوار اور ہاتھی جاہین کے حوالے کر کے اسے اسلامی لشکر کے مقابلے پر روانہ کیا۔

اسلامی لشکر کے میمنہ، میسرہ اور قلب کو ترتیب دینا

محمد بن قاسم بھی انہیں دیکھ کر باہر نکلا اور [نباتہ بن] حنظلہ کلابی[1] کو میمنہ پر اور ذکوان بن علوان البکری کو میسرہ پر مامور کر کے ابو صابر ہمدانی کو علمبردار مقرر کر کے ہاتھیوں کے سامنے استادہ کیا۔ اس کے بعد ہذیل بن سلیمان ازدی، زیاد بن حواری ازدی[2] اور دوسرے بہادر شہ سواروں پیچھے کر نیلہ، مسعود بن الشعریٰ الکلبی اور مخارق بن کعب الراسی کو[3] قلب کے سامنے کھڑا کیا۔ اب مقدمہ نے جنگ شروع کی اور ایک طرف سے اپنے ساتھیوں سمیت محمد بن زیاد العبدی اور بشر بن عطیہ اور دوسری طرف سے [محمد بن مصعب] بن عبدالرحمٰن الثقفی اور خریم بن عروہ مدنی، داہر کے مقابل ہوئے۔

جب سارے گھوڑے اور لشکر کے سپاہی اکٹھے ہوئے، تب محمد بن قاسم نے اپنے منتخب سواروں کے تین حصے کر کے ایک حصے کو قلب میں، ایک کو میمنہ میں اور ایک حصے کو میسرہ میں [شامل کر کے] باقی دوسروں کو لشکر کے پیچھے جمایا۔ نفط اندازوں[4] کو حکم دیا کہ اپنا سامان اور اپنی مشعلیں جلا کر آگ تیار کریں۔ [پھر] ان نو سو نفط اندازوں کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا اور تین سو آدمی قلب میں، تین سو میمنہ میں اور تین سو کو میسرہ [میں مقرر کیا]۔ سبھوں نے نفط کے تیر

---

1. اصل متن میں "حنظلہ کلابی" ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ دراصل محمد بن قاسم کے لشکر میں حنظلہ نہیں بلکہ اس کا بیٹا نباتہ بن حنظلہ کلابی شامل تھا، جس کا اس سے پہلے متعدد بار ذکر آ چکا ہے۔ (ن-ب)
2. فارسی ایڈیشن میں "زیاد بن جلیدی ازدی" درج کیا گیا ہے۔ (ن) اور (ر) میں "زیاد بن جلیدی و ازدی" ہے۔ "جلیدی" نام عربوں میں غیر معروف ہے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ "جلیدی" "الحواری" کی بگڑی ہوئی صورت نکلی ہو اسی وجہ سے اس نام کو "زیاد بن الحواری ازدی" پڑھنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ غالباً یہ شخص وہی "زیاد بن الحواری عتکی" ہے کہ جس کا ذکر ص 261/[187] پر آیا ہے اور چونکہ "العتکی" کی نسبت "بنو العتیک بن الازد" سے ہے اسی وجہ سے "عتکی" نسبت رکھنے والے شخص کو "ازدی" بھی کہا جا سکتا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے آگے چل کر ص 261 [187] کے نوٹ میں واضح کیا ہے کہ یہ شخص زیاد نہیں بلکہ اس کا بیٹا "الحواری بن زیاد" ہونا چاہئے۔ (ن-ب)
3. جملہ نسخوں کے مطابق اس مقام پر یہ نام "مخارق بن کعب" ہے۔ فارسی ایڈیشن میں بھی یہی نام اختیار کیا گیا ہے مگر صحیح نام غالباً "کعب بن مخارق الراسی یا الراسبی" ہے جس کا ذکر فارسی ایڈیشن کے آئندہ صفحات [188، 192، 193 اور 195] پر آیا ہے۔ (ن-ب)
4. نفط انداز کے معنی "steingass" نے اپنی انگریزی فارسی لغت میں "Maker of fire Works" لکھے ہیں۔ (مترجم)

کانوں پر چڑھ جائے۔ پھر جب فجر کی نماز پڑھ کر صفیں سیدھی کیں تب پانچ صفوں میں ہو کر پرچم ہاتھوں میں لے کر اور [174] گھوڑوں پر سوار ہو کر فرض ادا کیا۔ قبیلۂ عالیہ کے لوگ ایک صف میں، بنو تمیم دوسری صف میں، بکر [ابن] وائل [کے قبیلہ والے] تیسری صف میں، عبدالقیس والے اپنے قبیلہ سمیت چوتھی صف میں اور ازد [قبیلہ کے لوگ] پانچویں صف میں ہوئے۔ پانچوں قبیلوں نے صفیں باندھ کر محمد بن قاسم سے رجوع کیا کہ کیا حکم ہوتا ہے۔

محمد بن قاسم کا خطاب کرنا

پھر محمد بن قاسم نے کہا "اے عرب والو! کافروں کی اس فوج نے جنگ کے لئے ہماری طرف رخ کیا ہے۔ تم ہمت سے کام لینا، کیونکہ وہ اپنے اہل وعیال، مال واسباب اور گھر زمین کی خاطر خطرناک جنگ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اُن پر حملہ کرو۔ [ہم] قوت الٰہی کے سہارے سب کو خونخوار تلواروں کی خوراک بنا کر ذلیل وخوار کریں گے اور ان کے مال اور عیال پر قبضہ کر کے کافی غنیمتیں حاصل کریں گے۔ تمہیں ثابت قدم رہنا چاہئے، پریشان نہ ہونا، خاموشی کو اپنا زیور بنانا اور اپنی جگہ پر جم کر اس کی حفاظت کرنا۔ کوئی بھی آدمی قلب سے میمنہ اور میمنہ سے میسرہ کی طرف [جا کر] کسی کی مدد میں مصروف نہ ہو، ہر ایک اپنی جگہ اور مرکز پر ڈٹا رہے۔ کیونکہ خداوند عزوجل [ہمیشہ] متقیوں کی عاقبت بخیر کرتا ہے۔ ہر وقت زبان پر کلام مجید [کی تلاوت] جاری رکھنا اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کا ورد کرتے رہنا۔"

پھر ستوں کو بلا کر حکم دیا کہ "مشکیں پانی سے بھر کر ہر صف میں گشت کرتے رہیں اور پانی دیتے رہیں، تاکہ کوئی بھی آدمی پانی کی طلب میں اپنی جگہ سے [175] حرکت نہ کرے۔ اتنے میں قبیلۂ بکر بن وائل اور بنو تمیم کے لوگوں نے آ کر کہا کہ "کافروں کا لشکر بھی ایک بڑی بلا ہے۔ وہ اپنے ہتھیار اور سامان جنگ درست کر کے خوشیاں منا رہے ہیں اور مقابلہ کرنے اور توجہ دینے کے لئے عجلت ظاہر کر رہے ہیں۔"

محمد بن قاسم کی جنگجو جوانوں کو تاکید

محمد بن قاسم نے ان کی طرف منہ کر کے کہا کہ "اے بنی تمیم! اے عزیزو![1] دشمن تمہارے

1. فارسی ایڈیشن میں "اے بنی عزیز" دیا گیا ہے جو کہ شاید نسخہ (م) کی عبارت ہے، مگر اس وقت تک بنو عزیز قبیلہ غیر معلوم ہے۔ (ر) کی عبارت "اے بنی عزیز" (عزیزہ؟) ہے۔ مگر (پ) جیسے قدیم نسخہ اور (ن)، (ب) میں "اے عزیز" یعنی "اے عزیزو" ہے۔ چونکہ قبیلۂ بنو تمیم کے لوگ واقعی محمد بن قاسم کے عزیز تھے اور اس کی شادی بھی اسی قبیلہ میں ہوئی تھی، اس لئے ترجمہ میں ہم نے "اے عزیزو" کو ترجیح دی ہے۔ (ن-ب)

سامنے آکر ظاہر ہوا ہے اور جنگ کے لئے مستعد ہو کر آرہا ہے۔ تمہیں بھی پوری طاقت اور سختی سے جدوجہد کرنا چاہیے، تاکہ تمہارے کاروبار کا نظام درست رہے۔" پھر اس نے سب کو حوصلہ دیا اور سب [جنگ کے لئے] آمادہ اور مستعد ہو گئے' دلاوروں اور جنگجو پہلوانوں کی پانچ صفوں نے ہر طرف سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو للکارا اور پھر میدان جنگ کی طرف بڑھیں۔

محمد بن قاسم کا یاروں کو خطاب کرنا

خبروں کے مصنفوں نے فرقد سے اس طرح روایت کی ہے کہ محمد بن قاسم نے اس دن ساتھیوں سے خطاب کیا کہ "اے مسلمانو! استغفار زیادہ کرو۔ خداوند عزوجل نے امت محمدی ﷺ میں دو چیزیں بھیجی ہیں۔ ایک مصطفیٰ ﷺ پر صلوٰۃ، دوسری گناہوں سے استغفار۔ تمہیں دلوں کو مضبوط کرنا چاہیے تاکہ خدائے عزوجل تمہیں اس پر (دشمن پر) غالب کرے۔ [176]

روایتوں میں آیا ہے کہ جب محمد بن قاسم نے جنگ شروع کی تو [سلیمان بن] تیہان اور ابوفضہ قشیری (؟) [قبیلۂ] کندی کے آزاد کئے ہوئے غلام کو دو سو منتخب سوار دے کر لشکر کے مقدمہ پر مقرر کیا اور [وہ جاکر] داہر، اس کے ٹھاکروں اور جنگجو سورماؤں کے مقابل ہوئے اور کافروں کی ایک فوج سے جو کہ ان سے جنگ کرنے کے لئے باہر نکلی تھی، [جاکر] جنگ چھیڑی۔ آخر ان میں سے بہتوں کو دوزخ روانہ کیا اور باقی فرار ہو کر داہر سے جا ملے۔ پھر داہر نے ان کے مقابلے پر دوسری فوج بھیجی۔ ابوفضہ نے خدا کا نام لے کر حملہ کیا اور انہیں بھی ذلیل اور خوار کیا۔ [داہر نے] تیسری مرتبہ کچھ ٹھاکر بھیجے ابوفضہ نے استغفار پڑھ کر جنگ شروع کی اور انہیں بھی داہر کے لشکرگاہ تک مارتا کاٹتا چلا گیا۔

کچھ لوگوں کا امان طلب کرنے کے لئے آنا

خبروں کے راوی بیان کرتے ہیں کہ [جب] محمد بن قاسم صفوں کے سامنے آیا تو اچانک مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے آکر امان طلب کی۔ محمد بن قاسم نے انہیں امان دی [پھر انہوں نے کہا] "اے عادل امیر! ہم اپنے طریقے سے منحرف ہو کر اسلام کی باعزت پناہ میں آئے ہیں۔ اپنے منتخب سواروں کی ایک فوج ہمارے ساتھ کر تاکہ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم جا کر ان کی پشت پر حملہ کریں اور اس طرف سے بھی ان کا دل پریشان ہو۔ پھر جب وہ دونوں جانب متوجہ اور پریشان ہوں تو پھر اسلامی لشکر کو چاروں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دے۔ ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ تیری تلوار سے ان کافروں پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑے گی اور وہ برباد ہو جائیں گے۔

محمد بن قاسم کا ہمراہیوں کو منتخب کرنا

چنانچہ محمد بن قاسم نے بہادر سواروں کی ایک فوج منتخب کر کے مروان بن اشجم یمنی اور تمیم بن زید قینی [1] کو دو جھنڈے دے کر ان پر مامور کیا جو [دشمن کے] عقب میں جا پہنچے۔ مشرک اس حال سے بے خبر تھے کہ [اچانک] نعرۂ تکبیر بلند کر کے اسلامی لشکر نے حملہ کیا اور جہاد شروع کردیا۔ [یہ حال دیکھ کر] کچھ کافروں کے دل اپنے متعلقین کو یاد کرنے لگے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ داہر کے لشکر میں غلغلہ اور کہرام مچ گیا، جس کی وجہ سے [سب دشمن] پریشان ہو گئے اور ان پر خوف غالب آ گیا۔

لشکرِ عرب کا کافروں پر حملہ کرنا

پھر محمد بن قاسم نے للکار کر کہا "اے لشکرِ عرب! ہوشیار! کافر دو حصوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ تم حملہ کرو۔" لشکرِ اسلام اس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں جمع ہو گیا۔ محمد بن قاسم انہیں جوش دلانے کے لئے کہتا رہا "آج تمہاری کوششوں کا دن ہے۔" آخر کافروں کے کُشتوں کے پشتے لگ گئے۔ [یہ رنگ دیکھ کر] داہر ڈھال لے کر سفید ہاتھی پر جا بیٹھا، اور چار سو مرد لوہے اور ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے، گلے میں تلواریں لٹکائے، اور ہاتھوں میں [2] نیم نیزے اور لوہے کے دستے [2] جنہیں ہندو "سیل" کہتے ہیں، لے کر آگے بڑھے اور [اس شدت سے] جنگ کرنے لگے کہ ان کی ہاتھوں کی کھالیں اتر گئیں۔ داہر کے ہاتھ میں آئینے جیسی، تیز چھریوں کا ایک گول چکر تھا۔ جب بھی وہ ہاتھی [ریل کر] حملہ کرتا اور جو بھی اس کے نزدیک آتا وہ اس چکر کو کمند کی طرح پھینک کر اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا اور پیادے یا سوار کا سر گردن سے الگ کردیتا تھا۔ دو کنیزیں جو کہ اس کے ساتھ [178] عماری میں بیٹھی ہوئی تھیں، ان میں سے ایک اسے پان دیتی تھی اور دوسری تیر۔ اس طرح جنگ مسلسل جاری رہی اور شام کی نماز تک بہت سے مشرک قتل ہو گئے۔

شجاع حبشی کا قتل ہونا

حکایت کے راویوں نے رام سیہ برہمن سے اس طرح روایت کی ہے کہ مسلمانوں میں

---

1 یہاں اصل متن میں "قیسی" ہے۔ کی ہوئی تصحیح کے لئے دیکھئے حاشیہ ص [187] (ن۔ب)

2 اس جگہ پر متن میں "نیم نیزہ و دستہ آہن" ہے۔ یہاں "و" غلط ہے کیونکہ "دستہ آہن۔ الخ" "نیم نیزہ" کی شرح ہے۔ (ن۔ب)

ایک شخص تھا، جسے شجاع حبشی کہہ کر پکارتے تھے وہ ہمت اور شجاعت کی حد سے گذر گیا اور بڑے کارنامے دکھائے۔ [اس نے] محمد بن قاسم کے سامنے سخت قسم کھائی کہ "جب تک داہر کے سامنے ہو کر اس کے ہاتھی کو زخم نہ پہنچاؤں گا، تب تک کھانا پینا حرام سمجھوں گا اور جب تک میرے جسم میں جان رہے گی لڑتا رہوں گا ورنہ شہید ہو جاؤں گا۔"

داہر کا [شجاع] حبشی سے جنگ کرنا

جمعرات کا دن، رمضان کی دس تاریخ اور سنہ ترانوے ہجری تھا۔ داہر سفید ہاتھی پر چڑھ کر باہر نکلا۔ حبشی مشکی گھوڑے پر سوار تھا۔ [دونوں نے] آگے بڑھ کر جنگ شروع کی۔ داہر کو [لوگوں نے] بتایا کہ یہ تجھ سے مقابلہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ چنانچہ راجہ داہر اس کے سامنے ہوا اور اس پر ہاتھی ریلا۔ حبشی بھی گھوڑے کو ایڑ لگا کر ہاتھی کے سامنے لایا۔ لیکن اس کا گھوڑا ہاتھی سے بھڑک کر ہٹ رہا تھا [چنانچہ اس نے] فوراً سر سے عمامہ اتار کر گھوڑے کی آنکھیں باندھیں اور ہاتھی پر حملہ کر کے اس کی سونڈ کو زخمی کر دیا [ادھر] راجہ داہر نے بھی قینچی جیسا دوشاخہ تیر کمان سے جوڑ کر اپنی مخصوص حکمت اور ہوشیاری سے اس پر کھینچ مارا اور اس کا سر گردن سے اڑا دیا، صرف اس کا دھڑ گھوڑے پر رہ گیا۔ اس پر داہر نے کہا کہ "یہ وار کارگر ہوا۔ دیکھو کہ [میں نے] اس حبشی کو کیسے قتل کیا ہے۔" بہادروں نے آگے بڑھ کر [دیکھا تو صرف] اس کا دھڑ زین پر [179] رہ گیا تھا۔ اس پر [جوش میں آ کر] مشرکوں نے [سخت] حملہ کیا اور قدم جما کر جنگ کی [یہ دیکھ کر بھاگتے ہوئے لوگ بھی] اطراف سے پلٹ آئے، جس کی وجہ سے اسلامی لشکر متردد ہو گیا اور [ان کی] صفیں درہم برہم ہو گئیں۔ اس پر کافروں نے یہ سمجھا کہ اسلامی لشکر فرار ہو رہا ہے اور [واقعی عرب] دہشت زدہ اور حیران ہو گئے تھے۔ محمد بن قاسم تو اتنا مدہوش ہو گیا کہ ساقی غلام کو بولا "اطعمنی الماء" (یعنی مجھے پانی کھلا) لیکن پھر پانی پی کر اور دم لے کر اس نے منادی کرائی کہ "اے عربو! تمہارا امیر محمد بن قاسم میں [موجود] ہوں۔ کدھر بھاگتے ہو؟ ڈھالیں سنبھالو اور صبر کرو، کیونکہ کافر شکست کھا چکے ہیں، فتح ہماری ہے۔" اس پر سارا لشکر [اس کے گرد] آ کر جمع ہو گیا۔ موکو [بن] وسایو بھی سامنے آ کر اپنی ساری فوج سمیت پیادہ ہو گیا۔

محمد بن قاسم کا ساتھیوں کو پکارنا

پھر محمد بن قاسم نے پکارا کہ "خریم [بن] عمرو مدنی کہاں ہے؟ کلبی ذہلی، [محمد بن] مصعب بن عبدالرحمن اور نباتہ بن حنظلہ کلابی کہاں ہیں، دارس بن ایوب کہاں گیا؟ ابو فضہ، محمد بن

زیاد العبدی[1] اور تمیم بن زید قینی[2] کہاں ہیں؟ دوستو! قرابت دارو! اسلحہ بردارو! شمشیر زنو! بہرہ دارو اور نیزہ بازو! اسلام کا سہارا تم ہو۔ سارے لشکر کی ترتیب درست کر کے اپنی جگہوں پر قدم جماؤ، پریشان نہ ہو، بلکہ اپنی فوج کی ہمت افزائی کرو۔ [180]

محمد بن قاسم کا حملہ کرنا

پھر خدا کا نام لے کر محمد بن قاسم نے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ کافر بھی جم گئے اور خوفناک جنگ شروع ہوگئی۔ تلواروں کے ٹکرانے سے ہوا میں آگ کے شعلے اڑنے لگے، نیزے اور حربے ایک دوسرے پر برستے رہے۔ آخر ہتھیار ٹوٹ گئے اور [جوان] ایک دوسرے سے کشتی میں گتھ گئے۔ صبح صادق طلوع ہونے سے شام کے گذر جانے تک بہت سے کافر قتل ہوگئے۔ [صرف] راجہ داہر راجکماروں کے ایک ہزار سواروں کے ساتھ بچ رہا تھا کہ سورج زرد ہوگیا۔

راجا داہر کے قتل ہونے کی خبر

ان نغموں کے باغبانوں اور ان قیمتی ذخیروں کے مصنفوں نے راویوں سے اس طرح روایت کی ہے کہ راجہ داہر دسویں رمضان المبارک سنہ ترانوے ہجری کو جمعرات کے دن سورج غروب ہونے کے وقت قتل ہوا۔ ابوالحسن نے ابواللیث ہندی سے روایت کی، جس نے اپنے باپ سے سنی ہوئی بات بیان کی کہ جب اسلامی لشکر نے حملہ کیا اور بہت سے لوگ قتل ہوگئے، تب اچانک بائیں جانب شور اور غوغا بلند ہوا۔ داہر نے انہیں اپنے سپاہی سمجھ کر[3] نعرہ لگایا کہ "نسی من نسی من" یعنی "میں ادھر ہوں، میرے پاس آؤ!"[3]

عورتوں کا آواز دینا

پھر ادھر سے [عورتوں نے] آواز دی کہ "اے رائے! ہم تمہاری بیویاں ہیں اور

---

1. اصل متن میں "عبدی" ہے، مگر جیسا کہ پہلے فارسی متن کے [174] پر یہی نسبت "ال" کے ساتھ "العبدی" کی حیثیت سے آچکی ہے، اس لئے یہاں بھی ہم نے اسی صورت کو قائم رکھا ہے۔ (ن-ب)
2. فارسی ایڈیشن اور دوسرے سارے نسخوں میں یہ نسبت "قیسی" ظاہر کی گئی ہے۔ کی ہوئی ترمیم کے لئے دیکھئے حاشیہ ص[178] (ن-ب)
3-3. فارسی ایڈیشن کے متن میں یہاں یہ عبارت ہے "نعرہ بزد کہ سوی من آئید من اینجا ام" مگر (پ) اور (ن) کی عبارتوں میں داہر کے اصل لفظوں کا اضافہ شامل ہے۔ مثلاً (پ) نعرہ بزد نسی من نسی من یعنی من اینجا ام (ن) "نعرہ بزد کہ نسی من نسی من آئید من اینجا ام" ہم نے (ن) کے مطابق یہاں داہر کے اپنے الفاظ یعنی "نسی من نسی من" دیے ہیں۔ (ن-ب)

عربی لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قید ہو گئی ہیں۔" داہر نے للکارا "ابھی تو میں زندہ ہوں، تمہیں کس نے گرفتار کیا ہے؟" [یہ کہہ کر] داہر نے ہاتھی کو اسلامی لشکر پر ریلا۔ [اس طرف] محمد بن قاسم نے نفط اندازوں کو للکارا کہ "[ہاں] اب یہ وقت تمہارا ہے۔" [اس پر] ایک نشانہ باز نفط انداز نے شرط لگا کر نفط کا تیر راجہ داہر کے عماری پر مارا اور عماری میں آگ لگ گئی۔

داہر کا پیچھے پلٹنا

اس پر راجا داہر نے فیلبان کو کہا کہ "ہاتھی واپس کر، کیونکہ پیاس لگی ہے۔" اس طرف عماری کو بھی آگ لگ چکی تھی، اس لئے ہاتھی فیلبان کے قابو میں نہ آیا اور جا کر خود کو پانی میں ڈبو دیا۔ فیلبان نے بڑی کوشش کی مگر اس کا بس نہ چل سکا اور [ہاتھی] اسے اور داہر کو گہرے پانی میں لے گیا۔ کافروں میں سے کچھ اس کے ساتھ پانی میں داخل ہو گئے اور کچھ کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں عرب سوار بھی آ پہنچے جس سے کافر بھاگ گئے۔ پانی پی کر ہاتھی نے قلعے کی طرف واپس جانا چاہا۔ [ادھر] مسلمان تیر اندازوں نے چلّے چڑھائے اور بارش کی طرح تیر برسنے لگے۔ ایک عرب [تیر انداز] جس کا نشانہ بہت ٹھیک تھا، اس نے داہر کی دل پر تیر کھینچ مارا جس [کے لگنے] سے وہ ہاتھی کے اوپر عماری میں منہ کے بل گر پڑا۔ پانی سے نکل کر ہاتھی نے حملہ کیا اور باقی بچے ہوئے کافروں کو پیروں تلے روندنے لگا، جس کی وجہ سے وہ سب منتشر ہو گئے۔ داہر نے ہاتھی سے اتر کر ایک عرب کا مقابلہ کیا۔ بہادر عرب نے اس کے سر پر تلوار ماری اور اس کے سر کو شانوں تک دو ٹکڑے کر دیا۔ اس طرف اسلامی لشکر کافروں پر ٹوٹ پڑا [182] اور انہیں مارتا ہوا راوڑ کے قلعے تک جا پہنچا۔ اس طرف جو برہمن پانی میں جا چھپے تھے [انہوں نے جب دیکھا] کہ جہاں داہر کو قتل کیا گیا تھا وہاں کوئی نہیں ہے تو پانی سے باہر نکلے اور داہر [کی لاش] کو کیچڑ کے نیچے چھپا دیا۔ [اتنے میں] سفید ہاتھی نے کافروں کے لشکر کی طرف رخ کیا اور [وہ اس طرح بھاگے کہ] ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

کہتے ہیں کہ قابل بن ہاشم کو[1] راجا داہر اور کافروں کے قتل ہونے والے دن سولہ زخم آئے اور حملہ کرتے وقت وہ یہ [رجز] پڑھتا تھا:

---

1. یہ نام نسخہ (ب) کے مطابق ہے۔ فارسی ایڈیشن میں دوسرے نسخوں کے مطابق "قاتل بن ہاشم" کی عبارت اختیار کی گئی ہے۔ لیکن عربوں میں "قاتل" کے مقابلے پر "قابل" نام زیادہ قرین قیاس ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اصل میں صحیح عبارت شاید "قابل من بنی ہاشم" ہو۔ واللہ اعلم (ن۔ب)

الا فاصبحانی قبل وقعة داهر
وقبل منایا[1] قد غدون بواکر

وقبل غد یا لهف نفسی علی غد
اذا ما غدا صحبی ولست بباکر

[دوستو! داہر سے جنگ کرنے کے پیشتر مجھے جام بھر کر دو۔ پیالہ موت سے پہلے دو جو کہ آج منتظر نظر آ رہی ہے۔ کل بزم ہے میں سارے احباب موجود ہوں گے۔ لیکن بھائیو! کل میرا انتظار نہ کرنا۔]

کہتے ہیں کہ جب [داہر] قتل ہوگیا تو کافروں نے اس کے جسم سے ہتھیار اتارنے چاہے مگر نہ اتار سکے اور اسے وہیں خلیج میں دفن کر دیا۔

محمد بن قاسم کا منادی کرانا

پھر محمد بن قاسم نے نگاہ اٹھائی تو خُنیش بن اخی عامر بن عبدالقیس [دکھائی دیا جو کہ] اس کے سامنے کھڑا تھا۔ [اسے پکار کر] اس نے کہا "اے اخی عامر بن عبدالقیس کے بیٹے! عامرین کو[2] منادی [183] کر کے کہو کہ راجہ داہر غائب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی گوشہ سے نکل کر حملہ کرے [اس لئے] ہوشیار رہنا۔" خُنیش نے کہا کہ "امیر! میرا دل شہادت دیتا ہے کہ داہر قتل ہوگیا۔" محمد بن قاسم فکرمند رہا اور ہر ایک سے پوچھتا رہا کہ "داہر کی کوئی خبر ہے کہ وہ دکھائی نہیں دیتا۔ آخر ایک برہمن آیا اور امان طلب کر کے کہنے لگا کہ "اے امیر عادل! مجھے، میرے تابعداروں اور فرزندوں کو امان دے تو تجھے داہر [کی لاش] دکھاؤں کہ وہ قتل ہوگیا ہے۔" [اس پر] معتمد ساتھی گئے اور جا کر کیچڑ کے نیچے سے اسے (لاش کو) نکالا۔ اس وقت تک اس میں سے عطر اور مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ پھر اس کا سر کاٹ کر اور جسم سے ہتھیار الگ کر کے محمد بن قاسم کے پاس لائے۔ محمد بن قاسم نے کہا "کوئی ایسا آدمی ہے کہ جو اسے پہچانے؟" آخر اس کے حکم پر ان دونوں کنیزوں کو لایا گیا کہ جو پالکی میں اس کے ساتھ تھیں اور گرفتار ہوئیں تھیں، انہوں نے سر کی شناخت کی [جس پر] اس نے اس برہمن کے بزرگوں، تابعداروں اور متعلقین میں سے تین سو آدمیوں کو آزاد کیا۔ داہر کا سر دیکھ کر محمد بن قاسم نے خدائے تعالیٰ عزاسمہ کی تعریف کی اور شکرانہ

1. فارسی ایڈیشن میں "قبل المنایا" ہے مگر وزن کے لحاظ سے "قبل منایا" صحیح ہے۔ (ن-ب)
2. اصل عبارت "عامریان را" ہے مراد قبیلۂ بنو عامر سے ہے۔ (ر) اور (م) کی عبارت "یاران را" (یعنی یاروں کو) ہے۔ (ن-ب)

ادا کرنے کی خاطر دو رکعتیں نفل کی پڑھیں۔ جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوئے تھے ان سب کو خونخوار تلواروں کا لقمہ بنانے کا حکم دیا۔ البتہ دستکاروں اور تاجروں کے گروہ کو امان دے کر انہیں اپنے سابقہ مقامات پر رہنے دیا۔

روایت: عمرو بن مغیرہ کلابی سے روایت کرتے ہیں کہ [سندھ پر فوج کشی کے لئے] جب لشکر تیار کرکے حجاج کے سامنے صف بستہ کیا گیا تھا تو ہر صف میں جا کر ہر ایک کی ہمت افزائی کرتے ہوئے جب حجاج بن یوسف عمرو بن خالد کے قریب پہنچا تو اس سے کہا کہ "اے عمرو! محمد بن قاسم اور [اس کے] ساتھیوں کو گواہ کرکے بتا کہ تو کافروں سے کیا سلوک کرے گا؟ [پھر] کہا کہ "تجھ سے کوئی نیک کام بھی ہوگا یا نہیں؟"[1] [184] چنانچہ راوی کہتا ہے کہ (عمرو) جس دن داہر کے مقابل ہوا [اس دن] اس نے محمد بن قاسم کو گواہ کرکے [داہر کے] ہاتھی کو زخمی کیا اور داہر کا سر بھی اس نے دو ٹکڑے کیا۔ [اس کے بعد] جب وہ عراق واپس گیا اور داہر کا سر حجاج کی خدمت میں پیش کیا، اس وقت اس نے کہا "امیر عادل ہمیشہ قائم رہے! اس کی حکومت غالب رہے! [آپ نے] محمد بن قاسم کو مجھ پر گواہ کیا تھا؟" [حجاج نے] کہا "[ہاں] ظاہر کر کہ تو نے کیا کیا ہوگا؟" اس پر عمرو نے یہ اشعار کہے:

الخیل تشهد یوم داهر والقنا
ومحمد بن القاسم بن محمد

انی فرجت الجمع غیر معرد
حتی علوت عظیمهم بمهند

فترکته تحت العجاج مجدلا
متعفر الخدین غیر موسد

[محمد بن قاسم بن محمد اور گھوڑے اور نیزے بھی گواہ ہیں کہ داہر کی جنگ میں میں نے شجاعت دکھائی ہے۔ میں نے کافروں کو بے دھڑک منتشر کیا ہے۔ اور میں نے ہی راجہ کے سر کو قلم کیا ہے۔ میں نے ہی پچھاڑ کر اسے دھول میں گرایا تھا اور اس کے سر اور چہرے کو خاک آلود کیا تھا۔]

---

1. اس مقام پر اصل متن کی عبارت میں بڑا الجھاؤ ہے۔ اصل فارسی عبارت اس طرح ہے: "گفت اے عمرو! من محمد قاسم و یاران را گواه میکنم تا بکفار چه کار خواهی کرد؟" گفت: "از تو عمل درست آید یا نه؟" ہمارے خیال میں یہاں "گفت" سے پہلے "دیگر" کا لفظ بھی ہونا چاہئے تھا جو کہ شاید کاتب کی غلطی سے حذف ہو گیا ہے۔ "دیگر" کا لفظ نہ ہونے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے "گفت" کے بعد کی عبارت عمرو کا جواب ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور یہ فقرہ بھی حجاج ہی کا کہا ہوا ہے۔ (مترجم)

ابو محمد ہندی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو مسیر عابی[1] سے سنا جس نے اہلِ ہند سے روایت کی ہے کہ: جب داہر کے قتل کے بعد اس کی بیوی لاڈی[2] گرفتار ہوئی تو محمد بن قاسم نے ان [قیدیوں] میں سے لاڈی کو خریدنا چاہا اور اس بارے میں حجاج کو خط لکھ کر اس سے اجازت طلب کی۔ حجاج نے یہ معاملہ خلیفہ ولید کی خدمت میں پیش کر کے فرمان جاری کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ دارالخلافہ سے لاڈی کو خریدنے کی اجازت دی گئی جس کے بعد محمد بن قاسم نے اسے خرید کر اپنی بیوی بنایا۔[3] [185]

داہر کی بیوی لاڈی کا اپنے اسیر ہونے کا واقعہ بیان کرنا کہ وہ کیسے گرفتار ہوئی

کہتے ہیں کہ عقیل بن عمرو نے روایت کی ہے کہ جب لاڈی "ام ولد" ہوئی[4] تب محمد بن قاسم نے اس سے دریافت کیا کہ "تو داہر کے حامیوں کے ساتھ کس طرح گرفتار ہوئی؟ اور داہر سے کس طرح جدا ہوئی؟" لاڈی نے جواب دیا کہ "جب اسلامی لشکر راجہ داہر کے سامنے ہوا تب اس نے اپنی [ہر] بیوی پر سخت نگران مقرر کر کے ہدایت کی تھی کہ اگر اسلامی لشکر غالب ہو جائے اور کافروں کو شکست ہو تو ان سب کو قتل کر دینا مبادا مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوں۔ پھر وہ (نگران) چوبدار میری طرف دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ "تیرے بشرے سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تیرا دل عرب کے بادشاہ کی طرف مائل ہے اور تو ضرور اس کی رانی بنے گی۔" آخر جب لشکرِ اسلام نے حملہ کیا اور مشرک بھاگ گئے تب ہر ایک نگران نے اپنے ذمے کی ہوئی رانی کو قتل کیا۔ ایسا حال دیکھ کر [میں نے خود کو اونٹ کے نیچے گرایا اور [میدانِ] جنگ کے وسط میں جا پہنچی۔ میرا نگران میرے قتل کرنے کا خیال ترک کر کے بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمانوں نے آ کر مجھے گرفتار کر لیا اور پھر امیر محمد بن قاسم مجھے خرید کر اپنے نکاح میں لایا۔

1. (ب) میں "مستعر عابی" (ن) میں "اے شخص عابی"۔ (ب) میں "مسعی عابی" (ر) اور (م) میں "مستعر عالی" (س) میں "مستعر عالی" اور (ک) میں "مستعر عابی" ہے۔ دیا ہوا نام قادری ایڈیشن کے مطابق ہے اور محض قیاسی ہے۔ شاید "عابی"، "غسانی" کی تصحیف ہو۔ فلیتامل۔ (ن۔ب)
2. اس مقام پر اور آئندہ ہر جگہ پر یہ لفظ "لاڈی" ہے جسے اصل سندھی نام کی حیثیت سے ہم نے "لاڈی" لکھا ہے۔ (ن۔ب)
3. یہ روایت نہایت مشکوک اور ضعیف ہے۔ دیکھئے آخیر میں تشریحات حاشیہ ص 191 [185] (ن۔ب)
4. شرعی اصطلاح میں "ام ولد" اس کنیز کو کہتے ہیں کہ جس سے سردار کو کوئی اولاد پیدا ہو۔ یہاں "ام ولد" سے مراد یہ ہے کہ محمد بن قاسم کے نکاح میں آئی۔ (مترجم)

آسمانی فتح اور کافروں کے مغلوب ہونے کی خبر

سندھ کے مشائخ خبر دیتے ہیں کہ جب آسمانی مدد اور خدائی تائید نے عربوں کی موافقت کی اور کافر بھاگ گئے، تب محمد بن قاسم نے اس فتح کے حالات حجاج بن یوسف کے پاس لکھ بھیجے۔ [186]

محمد بن قاسم کا حجاج کے پاس داہر کے قتل ہونے اور حکومت پر قبضہ کرنے کا فتح نامہ لکھنا

عراق اور ہند کے امیر حجاج بن یوسف کے حضور میں محمد بن قاسم پیہم خدمات اور بہت بہت تسلیمات کے بعد عرض کرتا ہے کہ بادشاہ (اللہ) سبحانہٗ وتعالیٰ وتقدست اسمائہٗ (جو پاک اور سربلند ہے اور جس کا نام پاک ہے) نے اپنے فضلِ عمیم اور لطف کریم سے دونوں طرف کے بہادر جنگجو جوانوں اور دلیر پہلوانوں کے ایک دوسرے کو اپنی آبدار تلواروں سے تہ تیغ کرنے کے بعد لشکرِ اسلام کو فتح اور کامیابی عطا کی اور داہر اور اس کے لشکر کو جس میں کہ مست ہاتھی اور ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے سوار تھے، شکست خوردہ اور ذلیل کیا۔ ان کے ہاتھی، گھوڑے، سامان، کپڑے، غلام اور مویشی سب ہمارے قبضے میں آئے، جس کا پانچواں حصہ دارالخلافہ کے خزانے میں داخل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ جس طرح سے اس کام کی ابتدا ٹھیک ہوئی ہے اسی طرح ہند اور سندھ کے سارے ممالک ہمارے زیرِ اقتدار اور زیرِ حکومت آجائیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

داہر کا سر عراق بھیجنا

اس کے بعد [محمد بن قاسم نے] داہر کا سر صارم بن ابی صارم کے حوالے کرکے بنی قیس کے قبیلے میں سے ابوقیس کو اس کا رفیق مقرر کیا۔ [ان کے علاوہ] ذکوان بن علوان البکری یزید بن مجالد[1] ہمدانی، زیاد بن الحواری العتکی[2] اور کچھ دوسروں کو بھی ایک دوسرے کا ساتھی بنا کر روانہ کیا۔ [187]۔ [خط میں] ان کی مفصل توصیف کی اور لکھا کہ "یہ فتح ان کی قوت، دبدبے، تعاون

1. (ب) میں "مخالف" ہے اور دوسرے سارے نسخوں میں "مجالد" لفظ اختیار کیا گیا ہے اور فارسی ایڈیشن کا بھی یہی تلفظ ہے۔ مگر "مخالف" درحقیقت "مجالد" کی تصحیف ہے جس کی وجہ سے ہم نے متن میں "مجالد" ہی دیا ہے۔ بشکریہ: استاذ عبدالعزیز میمنی (ن-ب)
2. اصل متن میں "العبدی" ہے جو کہ غالباً صحیح نہیں ہے۔ دیکھئے آخر میں تشریحات حاشیہ ص192[187](ن-ب)

اور رفاقت سے ہوئی ہے۔" [اس کے علاوہ] ہند (یعنی سندھ) کے جن رئیسوں نے جنگ میں شوخی دکھائی تھی، ان کے سر بھی عراق بھیجے اور خط میں ان کا نام بنام حوالہ دیا۔

امیر حجاج کی کعب سے گفتگو

پھر جب داہر اور اس کے راناؤں کے سر اور اس کے حکمرانوں کے تاج اور علم جو کہ [محمد بن قاسم] نے تفصیل وار لکھے تھے، حجاج بن یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے لشکر کے میمنہ کا سردار کون ہے؟" کعب بن مخارق الراسبی نے کہا کہ "میں ہوں"۔ اس پر حجاج نے کہا کہ "محمد بن قاسم نے اپنے ساتھیوں کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کو جس طرح دیکھا، آزمایا یا پرکھا ہے وہ تحریر کیا ہے، لیکن تیرے بارے میں نہ تو کوئی ذکر ہے اور نہ تجھے یاد کیا ہے۔ [بتا کہ] تیری آزمائش کے بارے میں کیا ذکر ہے؟" کعب نے کہا کہ "جس وقت کافروں کا رعب، دبدبہ، خوف اور ہراس دلوں پر حاوی اور طاری ہو گیا تھا اس وقت میں امیر محمد بن قاسم کا ترکش لئے کھڑا تھا اور وہ میری گردن میں ہاتھ ڈالے ہوئے مجھ سے مشورہ کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ جس وقت تک داہر نے جان گنوائی میں [اس وقت] تک برابر لڑتا رہا۔" پھر حجاج نے پوچھا کہ "محمد بن قاسم دشمن سے جنگ کرتے وقت متردد اور متغیر حال ہوا تھا یا نہیں؟ اور فتح کے وقت خوشیاں منانے یا جنگ کی سختی اور دشمن کی مکاری کے موقع پر اس میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی تھی یا نہیں؟" کعب نے کہا کہ جب اس نے حملہ کیا اور سوار نے سوار سے اور پیادے نے پیادے سے باگیں اور نیزے ٹکرائے اور نیزوں کی نوکوں اور دھاروں سے آگ کی چنگاریاں ہوا میں اڑنے لگیں تھی، تب محمد بن قاسم نے کہا تھا کہ "اطعمنی الماء" (یعنی مجھے پانی کھلاؤ)۔ حجاج نے کہا یہ غلط نہیں ہے۔ [188] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی ہے کہ (قولہ تعالیٰ): إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي [1] (اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے۔ پھر جو اس میں سے پئے گا تو وہ میرے دوستوں میں سے نہیں ہے اور جو اس میں سے نہ پئے گا وہ وہ بے شک میرا دوست ہے۔)

خبر: پھر جب داہر کا سر حجاج کے سامنے رکھ کر اس کے تاج اور علم کو اوندھا کیا گیا اور قیدیوں

---

1. اس آیت کریمہ میں پانی پینے کے لئے "طعم" کا صیغہ آیا ہے۔ جو عام طور پر "کھانے" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور محمد بن قاسم پر بھی یہی اعتراض تھا کہ اس نے پریشانی کی حالت میں "اسقنی الماء" کی بجائے "اطعمنی الماء" کہا تھا۔ (مترجم) آیت سورۃ البقرۃ: رکوع 32 (ن-ب)

کو جوتوں کے پاس بٹھایا گیا تب بنی ثقیف کے ایک شخص نے کھڑے ہو کر راوڑ کی فتح اور داہر کے قتل کی خوشی میں یہ اشعار کہے:

فتحت بلاد السند بعد صعوبة
ومهابة لمحمد بن القاسم

ساس الامور سياسة لقفية
بشهامة منه ورائى حازم

اذن الامير له غداة وداله☆
كان الامير مؤدبا فى العالم

ماغاب عنه من الامور رزانة
فيه اليقين له عيان☆ العالم

فبرمحه نصر الاله محمد
وبسيفه قامت لساء ماتم☆

وبكيده سارت بهامة داهر☆
دهم البغال☆ الى اغرقماقم☆

المال يسبقهم☆ و كل خريدة
بيضاء آنسة كظبى ناعم

لا راس الا راس داهر☆ فوقه
عند الملوك بخطبه المقاقم

ونساله يدين نوحة حرة
وخيوله تكى بدمع ساجم

[صعوبتوں کے بعد سندھ کا ملک فتح ہوا۔ یہ سہرا محمد بن قاسم کے سر بندھا۔ اس نے ثقفی سیاست اور رعب وداب سے کام لیا۔ اور عقل و دور اندیشی سے سارے کام انجام دیئے۔ رخصت ہونے کے وقت امیر (حجاج) نے اسے نصیحت کی۔ بے شک امیر مودب اور رہنما ہے۔ اس نے کسی وقت بھی وقار کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس کا یقین ایسا ہے کہ جیسے برملا آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اس نے اپنے نیزے سے دین کی مدد کی اور اس کی تلوار سے [کافروں میں] ماتم کی

☆ فارسی ایڈیشن میں ان مقامات پر بالترتیب یہ الفاظ ہیں جو کہ صحیح نہیں ہیں: وداد، عیان، الماتم، داہراء، البغال، اغرقماقم۔ کی ہوئی تصحیح اعجاز علامہ عبدالعزیز میمنی کی طرف سے ہے۔ (ن۔ب)

صفیں بچھ گئیں۔ داہر کا سر اس کی عقلمندی سے خوبصورت اور سخی امیر کے سامنے پہنچایا جو کہ باوفا ہے۔ اس کے سامنے دولت کے ڈھیر تھے اور ایسی کنواریں نازنینیں تھیں کہ جو ہرنیوں کی طرح شوخ اور بڑی گداز اور نازک تھیں۔ اور داہر کا سر کہ جو سارے سروں سے ممتاز تھا اور بادشاہ جسے اپنا شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ اس کی عورتیں اس طرح روئیں کہ جس طرح پارسائیں روتی ہیں اور ان کے گھوڑے بھی زاروقطار روئے۔]

حجاج بن یوسف، محمد بن قاسم سے بڑی محبت کرتا تھا اور اس کی [189] محبت کی وجہ سے بیقرار رہا کرتا تھا۔ [ان اشعار کے سننے کے] بعد دل شاد ہو کر اس نے یہ شعر پڑھا:

ان المنایا لا یبالی حیفها

ما لم ینلن محمد بن القاسم

[اب مجھے موت کے مظالم سے کوئی خوف نہیں رہا کہ اس وقت تک کہ وہ محمد بن قاسم کے سر تک نہ پہنچ سکے۔]

پھر اس نے کہا کہ "محمد بن قاسم کے پاس ہر روز خط لکھ کر روانہ کرنا ہم پر واجب ہے تاکہ اس اشارے اور طریقے سے اس کا دل قوی اور مضبوط ہوتا رہے۔" [چنانچہ] وہ مسلسل خطوط لکھتا رہا اور وہ بھی حجاج کے احکامات پر عمل کرتا رہا۔

حجاج کا اپنی بیٹی محمد بن قاسم کو دینے کی حکایت

بنی تمیم کے ایک شخص نے یزید [بن] کنانہ سے روایت کی ہے، [جس نے بیان کیا] کہ میں نے اپنے باپ سے سنا [جس نے بیان کیا] کہ میں ایک دن حجاج کے پاس تھا کہ اس نے [محمد بن قاسم سے] کہا کہ "اے ابن عم! میں تجھے بڑے مرتبے پر پہنچانا چاہتا ہوں، اگر تو کوئی حاجت مجھ سے رکھتا ہے تو مانگ۔" محمد بن قاسم نے کہا کہ "مجھے بادشاہ بنا اور اپنی بیٹی مجھے دے۔" حجاج کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، وہ اس نے اس کے سر پر مار کر اس کا عمامہ گرا دیا اور دوسری مرتبہ کہا "جو کچھ مانگنا ہے وہ مانگ" اس نے دوبارہ وہی بات دہرائی۔ حجاج نے پھر وہی چھڑی دوبارہ محمد بن قاسم کے سر پر ماری۔ اور [اسی طرح] تیسری مرتبہ کہا "جو کچھ مانگنا ہے وہ مانگ اور جو کچھ دل میں ہے وہ کہہ۔" محمد بن قاسم نے پھر اس کی بیٹی کے لئے درخواست کی۔ حجاج نے کہا کہ "میں تجھے اپنی بیٹی اس شرط پر دوں گا کہ تو جب بڑا ہوگا اور بادشاہ بنے گا، تو لشکر کے ساتھ فارس یا ہند پر چڑھائی کرے گا اور وہاں کا مال حاصل کرے گا اور ان ملکوں کو فتح کر کے قبضے میں لائے گا۔" [190]

حجاج کا کوفہ کے جامع مسجد میں خطبہ دینا

اس فتح کے مفسروں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک گروہ جب نشان، علم، نقارہ اور داہر اور دوسرے ٹھاکروں کا سر لے کر آیا، تب حجاج کے حکم سے شہر کوفہ میں منادی کرائی گئی۔ اس کے بعد [حجاج نے] منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ عز اسمہ کی تعریف کی، پیغمبر علیہ السلام پر درود بھیجا، دولتِ محمدی کے خدمتگاروں کی بہت تعریف کی اور پھر کہا کہ "اہلِ شام و عرب کو [1] سندھ اور ہند کے علاقوں [1] کا فتح کرنا، کثیر مال، مہران کا میٹھا پانی اور بے انتہا نعمتیں کہ جو خدائے عزوجل نے انہیں عطا کی ہیں، مبارک ہوں!"

پھر انہیں فتحنامہ پڑھ کر سنایا اور خوشیاں منائیں اور جن لوگوں نے جنگ کے موقع پر شاندار کارنامے دکھائے تھے، انہیں اعلیٰ مرتبوں، قیمتی خلعتوں اور کثیر انعامات سے سرفراز کیا اور [پھر] انہیں رنگا رنگ کے مرصع پیراھن پہنا کر خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک بن مروان کے پاس روانہ کیا اور انہیں خاص آدمیوں کی فہرست میں [داخل] فرمایا۔ (ان میں سے) کچھ (اس کی) خدمت میں رہے اور کچھ کو واپس بھیج دیا۔

محمد بن قاسم کے فتحنامے کے جواب میں خط لکھنا

پھر حجاج نے محمد بن قاسم کے خط کا جواب دیا اور اس کی تعریف کرنے کے بعد اس میں لکھا کہ "تم نے ثقیف کے آزادہ کردہ غلام مصعب کی اتنی [191] تعریف کی ہے تو کیا ایک فاسق کی تعریف مناسب ہے؟ (باوجودیکہ) تمہارے لشکر میں اتنے بزرگ موجود ہیں جیسے کہ بنو سُلیم، بنو تمیم، خود تمہاری والدہ حبیبۃ العظمیٰ، تمہارا حقیقی بھائی صلب بن قاسم، تمہارے چچا اور والد بھی کچھ کم نہیں ہے، خود تم میں کوئی کمی یا تساہل دیکھنے میں نہیں آتا اور میں انہیں تمہارا بدل نہیں سمجھتا۔ کیا داہر کی فتح میں ایک منافق کی تعریف واجب تھی؟ جس جگہ پر عراقیوں اور شامیوں میں سے خریم بن عمرو، وارس بن ایوب، نباتہ بن حنظلہ، ہذیل بن سلیمان [2] [محمد بن] مصعب بن عبدالرحمٰن، جہم بن زحر الجعفی، ذکوان بن علوان البکری، کعب بن مخارق اور دوسرے جانے پہچانے بہادر مجاہد موجود ہوں وہاں ایسوں کو کون پوچھتا ہے؟ سب کی تربیت کرتے رہو اور نفسانی خواہش اور رجحان سے [احتراز] اور چشم پوشی اور جھوٹوں سے پرہیز کرتے رہو۔ والسلام۔"

1-1 یہ عبارت نسخۂ (پ) کے مطابق ہے۔ یعنی "مر فتح بلاد سند و ہند" فارسی ایڈیشن میں صرف "مر فتح ہند" ہے۔ (ن-ب)

2 یہاں سارے نسخوں میں "ہذیل بن سلیم" ظاہر کیا گیا ہے لیکن صحیح غالباً "ہذیل بن سلمان" ہے جس کا ذکر اس سے پہلے ص[174] اور پھر ص[218] پر آیا ہے۔ (ن-ب)

راوڑ کے غلاموں کی خبر جن میں سے کچھ داہر بن چچ کے عزیز تھے

ابو ایوب ہاشمی نے روایت کی کہ علی بن عبداللہ بن عباس کے آزاد کیے ہوئے غلام جعفر بن سلیمان کے بیٹوں میں سے ایک شخص خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک بن مروان کے پاس گیا، اسی دن کعب بن مخارق الراسبی[1] [بھی وہاں آیا تھا][2] اس نے کہا کہ داہر بن چچ کا سر پیش کر کے [192] راجاؤں کی بیٹیوں اور راناؤں جیسے غلاموں کو جوتوں کی قطار کے پاس لا کر بٹھایا گیا۔ کعب انہیں پہنچاتا تھا۔ آخر جب داہر کی بھانجی کو پیش کیا گیا تو خلیفۂ وقت اس کی حالت اور صورت پر تعجب کرنے لگا۔ پھر خلیفہ نے کہا "اے کعب! یہ راجہ کی بیٹی ہے اور پاکیزہ شکل کی ہے۔ اسے تو لے جا اور جا کر [اپنی] بیوی بنا۔" (کعب نے کہا کہ) اس وقت میں جوان تھا۔ میں نے اسے گھر لے جا کر زوجہ بنایا۔ زیادہ تر عورتیں آ کر اس سے دانائی کی باتیں اور نصیحتیں سنا کرتی تھیں لیکن اس سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔"

جیسینہ بن داہر کا غرور کے ساتھ راوڑ کے قلعے میں مقیم ہونا اور [اس کے] جنگ کرنے کی خبر

خبروں کے راویوں نے اپنے معتبروں سے روایت کی ہے کہ "داہر کے قتل ہو جانے کے بعد اس کا بیٹا اور رانی مائین[3] جو کہ اس کی [داہر کی] بہن تھی اور جسے [اس نے] خواہ مخواہ بیوی بنا کر اپنے چتر کے نیچے بٹھایا تھا، شہزادوں کے لشکر سمیت جا کر راوڑ میں قلعہ بند ہوئے۔ جیسینہ اپنی مردانگی، طاقت اور دبدبے میں مست تھا اور پورا بھروسہ رکھتا تھا، وہ جنگ کے لئے اڑ گیا۔ محمد علافی اس کے ساتھ تھا۔ جب داہر کے مارے جانے اور سفید ہاتھی کے زخمی ہونے کی خبر پہنچی تب داہر کے بیٹے جیسینہ نے کہا کہ "[اب] ہم دشمن کے سامنے ہو کر ننگ و ناموس کی خاطر [آخر

1. فارسی ایڈیشن میں "الراسی" ہے۔ (پ) میں "الراسبی"، اور (ر) میں "الراسی" ہے۔
2. اصل متن میں "بھی وہاں آیا تھا" کے برابر فارسی عبارت کم ہے جس کی وجہ سے "اور کہا" کی ضمیر بھی "کعب" کی طرف جاتی ہے۔ درحقیقت "اور کہا" کا فقرہ جعفر بن سلیمان کے بیٹے سے متعلق ہے کہ جو خلیفہ کے پاس گیا تھا۔ ہم نے "بھی وہاں آیا تھا" کے الفاظ ص [195] پر دی ہوئی عبارت "کعب بن مخارق یا قیس و زنان بجانب خلیفہ فرستادہ شد" کی بنیاد پر بڑھائے ہیں۔ (ن-ب)
3. فارسی ایڈیشن میں اس مقام پر یہ نام "بائی" لکھا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے صفحات [88، 89، 90 اور 92] پر ہر جگہ "مائین" دیا گیا ہے۔ یہاں مختلف نسخوں کی عبارتیں اس طرح ہیں: (پ)، (ر) (ک) "بائی"، (م) "مائین" اور (ن)، (ب) "بائی"۔ (ن-ب)

وقت تک [تلوار چلائیں گے، پھر اگر قتل بھی ہو گئے تو ضایع نہ ہوں گے۔" وزیر سیاکر نے کہا "شہزادے کی رائے غلط ہے۔ ہمارا راجہ قتل ہو گیا ہے، لشکر شکست کھا کر منتشر ہو گیا ہے اور ہمارے دل دشمن کی تلوار کی ہیبت اور رعب کی وجہ سے میدان جنگ سے نفرت کر رہے ہیں۔ [ایسی حالت میں] تم عربوں سے کیسے جنگ کرو گے؟ ابھی ولایت قائم ہے [193] پختہ قلعے جنگجو بہادروں اور رعایا سمیت مضبوط ہیں [اس لئے] بہتر رائے یہ ہے کہ برہمن آباد کے قلعے میں چلیں۔ وہ قلعہ راجہ کے باپ دادوں کی میراث اور راجہ داہر کا رہائشی مقام ہے۔ [وہاں] خزانے اور دفینے موجود ہیں اور وہاں کے باشندے راجہ چچ کے خاندان کے حامی اور خیر خواہ ہیں۔ دشمن سے لڑنے میں وہ سب تیرے مددگار ہوں گے۔" [پھر] اس نے علافی سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ "میری رائے میں بھی یہی بہتر ہے۔" جیسیہ نے اس سے متفق ہو کر اپنے تابعداروں، متعلقین اور معتقدوں سمیت برہمن آباد کی طرف کوچ کیا۔ داہر کی بیوی مائین[1] دوسرے سرداروں[2] کے ساتھ راوڑ کے قلعے میں جنگ کے لئے تیار ہو بیٹھی۔ جائزہ لینے پر پندرہ ہزار جنگجو جوان شمار میں آئے جو سب مرنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ صبح کو جب انہیں معلوم ہوا کہ راجہ داہر دریائے مہران کے درمیان ددھاداوہ کے قریب قتل ہو گیا ہے، تو یہ خبر سن کر جن راوتوں نے رانی مائین[3] سے عہد کیا تھا وہ سب قلعہ بند ہو گئے۔ یہ خبر سن کر محمد بن قاسم نے راوڑ کے قلعے کی طرف رخ کیا اور آخر آ کر قلعے کے نیچے پہنچا۔ [یہ دیکھ کر دشمنوں نے] قلعے پر برجیوں پر ڈھول اور شہنائیاں بجا کر منجنیقوں اور آلات سے پتھر، تیر اور نیزے برسانے شروع کر دیئے۔

راوڑ کا قلعہ فتح ہونا اور داہر کی بیوی مائین[4] کا ستی ہونا

پھر محمد بن قاسم نے لشکر کو ترتیب سے جمایا اور نقب زنوں کو قلعے کے برجوں میں نقب لگانے کے لئے متعین کر کے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ دن کو منجنیق، تیروں اور نیزوں سے جنگ کرتا اور دوسرا رات کو نفط اور زرنیخ[5] سے۔ [اس طرح رات دن] پتھر مارتے رہے،

1. فارسی ایڈیشن میں اس مقام پر بھی یہ نام "بائی" دیا گیا ہے۔ کی ہوئی ترمیم کے لئے دیکھئے گزشتہ حاشیہ (3) ص [197] (ن-ب)
2. اصل لفظ "ملوک" ہے جس کے لفظی معنی ہوں گے "بادشاہوں" (ن-ب)
3. فارسی ایڈیشن میں "بائی" ہے۔
4. فارسی ایڈیشن میں "بائی" ہے۔
5. فارسی ایڈیشن میں "فرداخ" ہے جو کہ اکثر نسخوں کی عبارت ہے سوائے (م) کی جس کے قرأت "فرداخ" ہے۔ "فرداخ" لفظ بے معنی ہے اور کسی بھی لغت میں نہیں ملتا، غالباً یہ لفظ "زرنیخ" کی بگڑی ہوئی صورت ہے کہ علم کیمیا میں "نفط اور زرنیخ" کے نام ساتھ ساتھ ملتے ہیں۔ (دیکھئے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام زیر عنوان "الکیمیا" - شکریہ محترم چنی احمد میاں اختر)۔ زرنیخ، زرنیق یا زرنی یعنی ہڑتال کہ جو آگ کے شعلے بھڑکانے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ زرنیخ احمر (Redarsenic)، زرنیخ اصفر (Yellowarsenic) زرنیخ زرد (Realgar) (ن-ب)

یہاں تک کہ قلعے کے برج زمین پر آ رہے۔ داہر کی بہن مائیں نے عورتوں کو اکٹھا کر کے [194] کہا "جیسینہ ہم سے جدا ہو گیا اور محمد بن قاسم آ پہنچا۔ بے شک ہمیں ان گائے خور چنڈالوں سے چھٹکارا نہ ملے گا، ہماری عزت برباد ہو چکی اور مہلت پوری ہوئی۔ اب جبکہ بچنے کی کوئی امید نہیں ہے تو لکڑیاں، روئی اور تیل اکٹھا کرنا چاہیے۔ میری رائے کا تقاضا ہے کہ خود کو آگ کی نذر کر کے اپنے شوہروں سے جا ملیں۔ جس کو بھی جا کر امان لینی ہو وہ بخوشی جائے، ممکن ہے کہ اُسے مل جائے۔" [پھر سب] گھر میں اندر گئیں اور آگ جلا کر خود کو جلا ڈالا۔ محمد بن قاسم قلعے کو اپنے قبضے میں لا کر تین دن وہاں رہا اور ان چھ ہزار جنگجو مردوں کو، جو کہ قلعے میں تھے، موت کے گھاٹ اتارا اور کچھ کو تیروں کا نشانہ بنایا۔ اس کے بعد (باقی) جو بھی دوسرے ملازم اور متعلقین، جیسے کہ عورتیں اور بچے [وغیرہ] انہیں قید کیا۔

بردوں، پارچہ جات اور نقدی کے اعداد کا شمار

روایتوں میں بیان کرتے ہیں کہ جب راوڑ کا قلعہ فتح ہوا اور جیسینہ جو کچھ اپنے ساتھ لے گیا اس کے علاوہ باقی ماندہ خزانے اور مال و ہتھیار آئے تو وہ سب محمد بن قاسم کے سامنے پیش کیے گئے۔ جب بُردوں (غلاموں اور کنیزوں) کو شمار کیا گیا [تو معلوم ہوا کہ] تیس ہزار بُردے ہاتھ آئے تھے جن میں سے تیس راجاؤں کی بیٹیاں تھیں۔

"حسنہ"[1] نامی راجہ داہر کی بھانجی بھی ان میں تھی۔ ان سب کو حجاج کے پاس روانہ کیا۔ پھر داہر کا سر اور بردوں کا پانچواں حصہ کعب بن مخارق الراسبی[2] کے ہاتھوں عراق کے لئے روانہ کیا۔ جب داہر کا سر، عورتیں اور مال حجاج کے پاس پہنچا تب حجاج نے سربسجدہ ہو کر شکرانے کی دو رکعتیں ادا کیں اور حمد بے حد کرنے کے بعد کہنے لگا کہ "بے شک سارے خزانے، دفینے، مال اور دنیا کا ملک مجھے مل چکا۔"

حجاج کا داہر کے سر اور اس کے جھنڈوں کو دارالخلافہ بھیجنا

پھر حجاج نے داہر کا سر، تاج، غلام اور مال خلیفۂ وقت ولید کے پاس بھیج دیا۔ [اس نے بھی] خط پڑھتے ہی خدائے تعالیٰ عزوجل کی حمد و ثنا کی۔ اور پھر ان کنیز شہزادیوں کو فروخت کرنا شروع کیا اور بعضوں کو انعام کے طور پر عنایت کیا۔ راجہ داہر کی بھانجی "حسنہ" کو دیکھ کر متعجب ہوا

1. یعنی حسین، خوبصورت۔ یہ غالباً اصلی نام کا عربی ترجمہ ہے۔ (ن۔ ب)
2. اصل متن میں "الراقی" ہے۔

اور اس کے حسن و جمال پر ششدر ہوگیا۔ پھر جب عبداللہ [بن] عباس نے اسے طلب کیا تو اس نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ "اے عم زاد! اس کنیز کو بے حد حسین اور کامل دیکھتا ہوں اور اتنا فریفتہ ہوگیا ہوں کہ [سوچتا ہوں کہ] اس کو اپنے لئے رکھوں لیکن لائق ترین وہ ہے کہ تو اسے اپنی اُم ولد (بیوی) بنائے جو کہ تیرے لئے زیادہ مناسب ہے۔" پھر اجازت کے مطابق عبداللہ اسے اپنے نکاح میں لایا اور ایک مدت تک وہ اس کے عقد میں رہی، لیکن اس سے کوئی اولاد نہ پیدا ہوئی۔

راوڑ کی فتح کی خبر ملنے کے بعد حجاج کا خط

راویانِ حکایت کہتے ہیں کہ: جب راوڑ کی فتح حاصل ہوئی اور [محمد بن قاسم] عام لوگوں کے کاروبار سے فارغ ہوا اور حجاج کو اس کا فتحنامہ ملا تو اس نے اس کا یہ جواب دیا: [196] "اے عم زاد! تمہارا جان افزا مکتوب ملا اور اس کے ملنے سے خوشی اور مسرت میں اضافہ ہوا اور اس پر کمال و جمال فخر حاصل ہوا۔ تم نے جو اساس اور قاعدہ اختیار کیا ہے وہ شرع کے طریقے پر ہے۔ سوائے اس ایک، امان دینے کے دستور کے۔ تم خاص و عام کو امان دیتے ہو اور دوست و دشمن کا امتیاز نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: [1] یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَاب [اے ایمان والو! جب کافروں سے مقابلہ کرو تو پھر (ان کی) گردنیں اتاردو۔] اس لئے جاننا چاہیے کہ خداوند عزوجل کا فرمان افضل ہے۔ تمہیں امان دینے پر حرص نہ کرنا چاہیے کہ یہ آسان کام نہیں ہے۔ اس کے بعد کسی بھی دشمن کو امان نہ دو۔ ورنہ سب اسے عقل کے ضعف اور دبدبے کے فتور پر محمول کریں گے۔ والسلام۔ نوشتہ نافع سنہ ترانوے ہجری۔

جیسینہ کا برہمن آباد سے اروڑ، بھاٹیہ اور دیگر اطراف کی جانب خطوط لکھ کر بھیجنا

خبروں کی روایت کرنے والوں نے داہر کے قتل اور محمد بن قاسم کے حالات کے متعلق بعض برہمن مشائخین سے اس طرح نقل کیا ہے کہ جب رائے داہر لعین واصل جہنم ہوا، جیسینہ برہمن آباد میں قلعہ بند ہوا اور راوڑ کی فتح حاصل ہوئی، تب جیسینہ نے جنگ کے لئے تیاری اور

1. پوری آیت یہ ہے: "اذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب" (سورۃ محمد: رکوع ۱) (ن۔ب)

بندوبست کرتے ہوئے چاروں طرف خطوط روانہ کیے۔ پہلا تخت گاہ اروڑ میں اپنے بھائی گوپی[1] بن داہر کے پاس دوسرا بھاٹیہ کے قلعے میں اپنے بھتیجے چچ بن دھرسینہ کے پاس اور تیسرا بدھیہ اور کیکانان کی جانب اپنے عم زاد ڈھول[2] بن چندر کے پاس۔ [197] ان [خطوط] میں داہر کے مارے جانے کی اطلاع دینے کے بعد [انہیں] تسلی دی اور خود بہادر جوانوں کے ساتھ برہمن آباد میں لڑائی کے لئے مستعد ہو بیٹھا۔

بھرور اور دھلیلہ کی جنگ اور دونوں کو فتح کرنے کی خبر

پھر محمد بن قاسم نے برہمن آباد کا مصمم ارادہ کیا۔ یہ شہر آباد اور ملک کشادہ اور سرسبز تھا۔ راوڑ اور برہمن آباد کے درمیان میں دو قلعے تھے، جنہیں بھرور اور دھلیلہ کہتے تھے۔ ان قلعوں میں تقریباً سولہ ہزار جنگجو مرد موجود تھے۔ محمد بن قاسم نے وہاں پہنچ کر دو ماہ تک محاصرہ کیا۔ جب جنگ نے طول کھینچا تب محمد بن قاسم کے حکم سے لشکر کا کچھ حصہ دن کو جنگ کرتا رہا اور کچھ رات کو نفط اور منجنیقیں سر کرتا رہا۔ آخرکار ان کے [اہل قلعہ کے] سارے جنگجو مرد قتل ہو گئے اور قلعے کی دیواریں توڑ کر اور قلعے میں داخل ہو کر [محمد بن قاسم نے] غلام اور کنیزیں گرفتار کیں اور کثیر مال حاصل کر کے پانچواں حصہ دارالخلافہ کے خزانے کے حوالے کیا۔

جب راوڑ اور بھرور کے فتح ہونے کی خبر دھلیلہ میں پہنچی تو انہوں نے سمجھا کہ "محمد بن قاسم کے پاس کافی ساز و سامان ہے، ہمیں اس سے بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ [چنانچہ] تاجر ہندوستان کی طرف چلے گئے اور جنگجو سورما اپنے ملک [کی حفاظت] کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آخر محمد بن قاسم بھی دھلیلہ آ پہنچا۔ تقریباً دو ماہ [محاصرہ] رہا۔ جب اہل قلعہ تنگ ہوئے اور [198] انہیں یقین ہوا کہ کسی طرف سے بھی کوئی کمک نہ پہنچے گی تب [انہوں نے] موت کے کپڑے (کفن) پہن کر، عطر اور خوشبو مل کر اپنے بال بچوں کو قلعے کے اس دروازے سے باہر روانہ کیا کہ جس کا رخ ریگستان کی جانب تھا اور [خود] نہر جھل[3] کو پار کر گئے۔ مسلمانوں کو اس حال کی کوئی خبر نہ ہوئی۔

دھلیلہ کے راجہ کا بھاگ جانا

جب رات کے سیاہ پردے سے صبح صادق نمودار ہوئی تب محمد بن قاسم کو ان لوگوں کے

---

1 اصل متن میں "توفی" ہے۔ کی ہوئی تصحیح کے لئے دیکھئے حاشیہ ص [144] (ن-ب)
2 اصل لفظ "دھولیۃ" ہے جسے ہم نے سندھی نام کی اصلیت کے پیش نظر "ڈھول" لکھا ہے۔ (ن-ب)
3 اصل متن "آب جھل" ہے۔

نکل جانے کا حال معلوم ہوا۔ [چنانچہ اس نے] اپنا کچھ لشکر ان کے تعاقب میں روانہ کیا۔ جس نے ان میں سے کچھ کو نہر[1] پار کرتے ہوئے جا پکڑا اور سب کو خونخوار تلواروں کی نذر کیا۔ جو آگے نکل گئے تھے وہ جیسلمیر اور ریگستان کی راہ سے ہندوستان کے ملک سیر[2] کی طرف چلے گئے۔ ان کے بادشاہ کا نام دیوراج تھا۔[3] جو کہ داہر کا چچازاد بھائی تھا۔

دھلیلہ کی فتح اور خزانے کا پانچواں حصہ دارالخلافہ کی جانب بھیجنا

پھر محمد بن قاسم نے جب دھلیلہ کی جنگ سے فارغ ہو کر اسے فتح کیا تب مال کا پانچواں حصہ خزانے کے حوالے کر کے بجرور اور دھلیلہ کا فتحنامہ لکھ کر حجاج کو سارے حالات سے باخبر کیا۔

وزیر سیاکر کا آنا اور امان طلب کرنا

پھر محمد بن قاسم نے ہندوستان کے بادشاہوں کے پاس چاروں طرف خطوط لکھ کر ان سے اسلام اور فرمان برداری [اختیار کرنے] کا تقاضا کیا۔ اس حقیقت سے باخبر ہونے پر داہر کے وزیر سیاکر نے اپنے معتمد بھیج کر امان طلب کی اور وہ مسلمان عورتیں کہ جو قید تھیں انہیں اپنے ساتھ لایا [اور کہا] کہ "یہ وہی مسلمان عورتیں ہیں کہ جنہوں نے حجاج کا نام لے کر فریاد کی تھی۔" [199]

سیاکر کا وزیر ہونا

اس کی عزت افزائی کے لئے محمد بن قاسم نے معزز آدمیوں کو اس کے استقبال کے لئے روانہ کیا اور عزت و تعظیم کے ساتھ اس پر بڑی مہربانیاں کر کے وزارت کا کاروبار اس کے حوالے کیا اور وہ (بھی) مسلمانوں کا خیر خواہ رہا۔ امیر محمد بن قاسم کو جو بھی مشورہ یا راز کی بات کرنی ہوتی تھی، اس سے کرتا تھا اور اس سے رائے لیتا تھا۔ [وہ] مملکت کے سارے امور، ضروری کاروبار کے انتظامات اور حکومت کی سلامتی کے بارے میں مفید مشورے دیا کرتا تھا۔ وہ امیر محمد بن قاسم سے کہتا کہ "یہ رائے یا تدبیر جو امیر عادل بیان

1 اصل لفظ "جوئے" ہے جس کا ترجمہ "نہر" کیا گیا ہے۔
2 نسخہ (پ) میں "بلاد ہند وسیلور" ہے۔ (ن)، (ب)، (ج)، میں "مسیر" ہے۔
3 نسخہ (پ) میں "دیورا" (ن) میں "دیہرا" (ب)، (ج)، (س) اور (ک) میں "دیواز" ہے۔

کرتا ہے، ہند کے سارے ملکوں کو قبضے میں لائے گی۔ آداب قواعد مملکت اور قوام امور سلطنت، جو کہ اس میں سمایا ہوا ہے، وہ سارے دشمنوں کو مغلوب اور ذلیل کرے گا اور رعایا اور محصول ادا کرنے والوں کی دلجوئی کرے گا۔" [اور یہ بھی کہتا کہ] دیوانی مال کو قدیمی دستور کے مطابق قائم اور مقدم رکھا جائے اور جس صورت میں کہ اس میں کوئی زیادتی نہیں ہے، اس وجہ سے کسی بھی آدمی کو تکلیف نہ پہنچے گی اور یہ صلاح عمال اور دوستوں کی تربیت کرے گی۔

نوبت بن ہارون کو دھلیلہ کی حکومت عطا کرنا

کچھ لوگ روایت کرتے ہیں کہ "جب دھلیلہ فتح ہوا تب محمد بن قاسم نے نوبت بن ہارون کو بلا کر اس سے بیعت لی اور دہاں سے وردھاتیہ[1] تک کا ملک اس کے زیرِ انتظام دے کر کنارے کی کشتیوں کا انتظام اس کے حوالے کیا اور اس قلعے کے مشرقی اور مغربی اطراف کا بھی سارا کاروبار اس کے سپرد کیا۔ وہاں سے برہمن آباد تین میل تھا اور جیسینہ [بن] داہر کو بھی خبر مل گئی کہ اسلامی لشکر پہنچ رہا ہے۔ [200]

لشکرِ عرب کا جلوالی[2] آبنائے (یا جھیل)[3] کے کنارے اترنا اور دعوت اسلام دینے کے لئے قاصد بھیجنا

پھر محمد بن قاسم دھلیلہ سے کوچ کر کے برہمن آباد کی مشرق کی طرف "نہر جلوالی" کے ساحل پر جا کر اترا اور اپنا قابل اعتماد قاصد برہمن آباد بھیج کر [انہیں] اطاعت کرنے اور ایمان لانے کی دعوت دی اور انہیں اسلام اور جزیہ کی پیشکش کی [اور یہ بھی کہہ دیا] کہ اگر فرمان برداری منظور نہیں ہے تو پھر جنگ کے لئے تیار رہو۔ جیسینہ [بن] داہر قاصد کے آنے سے پہلے ہی

1. نسخہ (س) میں "ودہاتہ" ہے۔
2. فارسی نسخہ میں اس لفظ کی صورت غلطی "جلوانی" دی گئی ہے مگر ان دونوں مقامات پر (پ)، (ر) اور (م) جیسے معتبر نسخوں کی متفقہ عبارت "جلوالی" ہے اور (ن)، (ب)، (ح) اور (ک) کی "حلوالی" ہے جو خود غالباً "جلوالی" کی تصحیف ہے۔ پھر ص[216] پر بھی (پ) جیسے قدیم نسخے کی قرأت "جلوالی" ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے یہ تلفظ اختیار کیا ہے۔ مزید توضیح کے لئے دیکھئے آخر میں حاشیہ ص[201] (ن-ب)
3. اصل لفظ "آ گیر" ہے جس کے لفظی معنی "تالاب" کے ہوں گے۔ مگر ساحل کے مفہوم کے پیش نظر "آبنائے"، "پوکھر" یا "جھیل" کے بھی معنی ہو سکتے ہیں۔ پہلے فارسی ایڈیشن کے ص[160] پر "آب گیر" گویا "خلیج" کے مترادف استعمال ہوا ہے، لیکن یہاں پیچ چونکہ "نہر جلوالی" استعمال ہوا ہے اسی وجہ سے ہم نے یہاں "آ گیر" کے معنوں میں آبنائے یا جھیل کو ترجیح دی ہے۔ (ن-ب)

چنیسر[1] کی طرف گیا ہوا تھا۔ [برہمن آباد] قلعے کے چار دروازے تھے چنانچہ [جیسینہ] شہر کے رئیسوں میں سے سولہ آدمیوں کو منتخب کر کے ہر دروازے پر چار چار آدمیوں کو سربراہ بنا کر اپنی فوج سمیت متعین کر گیا تھا۔ ان دروازوں میں سے ایک دروازے کو جر۔بطری[2] کہتے تھے۔ اس نے چار رئیسوں کو اس دروازے کا بھی ذمہ دار بنایا تھا۔ ایک دروازے کو بھارند، دوسرے کو ساتیا، تیسرے کو بنورہ[3] اور چوتھے کو سالہا [کہتے تھے]۔

محمد بن قاسم کا یکم ماہِ رجب کو آ کر اترنا

محمد بن قاسم نے وہاں پہنچ کی خندق کھودنے کا حکم دیا [اور] یکم رجب کو سوموار کے دن[4] جنگ شروع کی۔ مشرکین ہر روز باہر آ کر جنگ کرتے اور نقارے بجاتے۔ تقریباً [وہ] چالیس ہزار جنگجو جوان تھے۔ صبح سے لے کر شام تک طرفین سخت جنگ کرتے تھے اور جب [201] تاروں کا بادشاہ غروب ہونے کا ارادہ کرتا تھا تب واپس ہوجاتے تھے۔ مسلمان خندق [کے دائرے] میں آجاتے تھے اور کافر قلعے میں چلے جاتے تھے۔ اس طرح چھ مہینے گذر گئے۔ جب [محمد بن قاسم] قلعہ فتح کرنے سے مایوس ہوا تو متفکر ہوگیا۔ [یہ زمانہ] ماہ ذوالحج کا اواخر، اتوار کا دن اور سنہ ترانوے[5] تھا۔

جیسینہ رتل کے بادشاہ کی طرف گیا ہوا تھا جسے بھاٹیہ بھی کہتے ہیں، وہاں سے وہ بار بار پلٹ کر راستوں پر چھاپے مارتا اور لشکرِ اسلام کو اذیت پہنچاتا رہا۔

موکو کے پاس معتمد آدمی بھیجنا

محمد بن قاسم نے موکو ابن وسایو[6] کے پاس ایک قابل اعتماد آدمی بھیج کر [اسے] اس

---

1. یہ عبارت (م) اور (ر) کے مطابق ہے۔ (پ) کا نسخہ "جنیسر" ہے جو خود بھی اس سے مشابہ ہے۔ (ن) میں "جیسر" (ب)، (ح) میں "جیسر" (س) میں "جیجر" اور (ک) میں "حضیسر" ہے۔ (ن۔ب)
2. یہ فارسی ایڈیشن کی عبارت ہے جو کہ غالباً (پ) کے مطابق ہے۔ (ر) میں "جرجطری" یا "جوبطری"، (م) میں "جوبطری" (ن)، (پ)، (س) میں حربطری" اور (ح) میں "حریط" ہے۔
3. "بنورہ" قدیمی نسخے (پ) کا نسخہ ہے اور ہم نے اس کو ترجیح دے کر ترجمے میں شامل کیا ہے۔ (ن) (ب) میں "ستورۃ" اور (س)، (ک) میں "ستورۃ" ہے اور ان عبارتوں کا آخری حصہ بھی تقریباً (پ) کی عبارت کے مطابق ہے۔ فارسی ایڈیشن میں "بانیہ" کی عبارت اختیار کی گئی ہے جو کہ صرف نسخہ (م) کے مطابق ہے۔ (ن۔ب)
4. (پ) کی عبارت "دوشنبہ" یعنی "روز سوموار" ہے مگر دوسرے سارے نسخوں (ر)، (م)، (ن)، (ب)، (س) اور (ک) میں "روز یک شنبہ" یعنی "اتوار کا دن" ہے۔ (ن۔ب)
5. اس مقام پر سنہ میں غلطی ہے۔ دیکھئے آخر میں حاشیہ نمبر [160] (ن۔ب)
6. فارسی ایڈیشن میں اس مقام پر "موکہ بسایہ" ہے۔

حال سے واقف کیا کہ جیسینہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً ہمیں تکلیف پہنچتی رہتی ہے، کیونکہ وہ لشکر کی رسد کو نقصان پہنچا کر تنگ کرتا ہے۔ اس لئے کیا تجویز ہے؟

روایت: موکو نے کہلا بھیجا کہ "اس کی رہائش گاہ قریب ہے۔ اسے وہاں سے مار بھگانے کے سوا دوسرا کوئی بھی بہتر حیلہ نہیں ہے۔ [آپ کو] اپنی فوج میں سے کچھ قابل اعتماد بزرگ بھیجنے چاہئیں کہ وہ وہاں سے اس کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔

جیسینھ کا چترور[1] جانا

پھر [محمد بن قاسم نے] نباتہ[2] بن حنظلہ کلابی، عطیہ تغلبی[3]، صارم بن ابی صارم ہمدانی، عبدالملک مدنی کو [ان کے] اپنے اپنے سواروں سمیت [روانہ کیا] اور موکو ابن وسایو کو ان کا رہبر اور خریم بن عمرو المدنی[4] کو [ان کا] سپہ سالار بنایا۔ جیسینہ کو [جب] لشکر عرب کے باہر نکلنے کی خبر ملی تو وہاں سے مال اور عیال سمیت چلا گیا اور ریگستان کی راہ سے جا کر ملک چترور میں اس مقام پر پہنچا جسے [202] جنکن وعورا اوکایا[5] کہتے ہیں اور یہاں ٹھہر گیا۔ علافی اس سے جدا ہو کر طاکیہ کے شہروں[6] سے ہوتا ہوا[7] رویم کی سرحد پر روستان کے آس پاس کشمیر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ وہ ملک بیابان ہے۔[8] پھر وہاں سے انہوں نے راجتری کی طرف خط لکھا۔[8] وہ تخت گاہ پہاڑ پر ہے اور [خط میں] ذکر کیا کہ "[میں اپنی] رضا اور دل کی خوشی کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔"

---

1. "چترور" کا لفظ (پ) کے مطابق ہے۔ (ر)، (م) میں "چترور" فارسی ایڈیشن میں "چاتوز" ہے۔ مزید دیکھئے حاشیہ میں [33] (ن-ب)
2. اصل متن میں "بنانہ" ہے۔
3. فارسی متن میں "عطیہ ثعلبی" غالباً صحیح "تغلبی" ہے جس کے لئے دیکھئے حاشیہ میں [166] (ن-ب)
4. فارسی ایڈیشن میں یہ نسبت "المدنی" کے طور پر آئی ہے اور دوسرے سارے نسخوں کی عبارتیں بھی بڑی مبہم ہیں۔ غالباً صحیح "المدنی" ہے جیسے کہ پہلے میں [180] پر یہ نام صاف طور پر "خریم بن عمرو مدنی" تحریر کیا گیا ہے۔ (ن-ب)
5. نسخہ (ر) میں "جنکن وعورا وکایا"، (س) میں "جنکن وعورا اوکایا" ہے۔ (ن-ب)
6. اصل متن میں "بلاد طاکیہ" ہے۔
7. فارسی ایڈیشن میں یہ عبارت ہے "وقصد نمود بخدمت ملک کشمیر، در حوالی روستان بر سرحد رویم"۔ مختلف نسخوں میں "روستان" کے تلفظ جو کہ (ن)، (ب) کے مطابق ہے اس طرح ہیں: (پ)، (م)، (ک) "روستاق"، (ر) "روستا" (ج) "روستان" (ن)، (ب)، (ک)، (ج) میں "رویم" کی جگہ پر "روم" ہے۔ (ر)، (م) میں مندرجہ بالا جملے کا آخری حصہ اس طرح ہے کہ در حوالی روستا (و) بر سرحد رویم است۔ "روستا" کے معنی ایک گاؤں یا شہر یا آباد علاقے کے بھی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ن-ب)

8-8. فارسی ایڈیشن کی عبارت یوں ہے: "پس از انجا برای جتری بنوشتند" (ن)، (ب)، (ج) میں بھی "رای جتری" ہے۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوں گے کہ "پھر وہاں سے انہوں نے جتری کے راجہ کے پاس خط لکھا۔" مگر نیچے صاف طور پر ظاہر

[علافی کا] [1] کشمیر کے راجہ کے پاس جانا

خط پڑھ کر کشمیر کے راجہ نے حکم دیا جس پر اضلاع کشمیر کا ایک موضع کہ جسے شاکلہار کہتے ہیں [علافی کو] [2] جاگیر کے طور پر عطا کیا گیا۔

کشمیر کے راجہ کا [علافی کو] خلعت دینا

جس دن ملاقات ہوئی [اس دن کشمیر کے راجہ نے] پچاس گھوڑے ساز کے ساتھ اور دو سو قیمتی خلعتیں اس کے [علافی کے] ہمرفیقوں کو عنایت کیں۔ [علافی نے] جہم بن سامۃ الشامی کو شاکلہار کی جاگیر پر بھیج دیا۔ [پھر] جب دوسری مرتبہ وہ کشمیر کے راجہ کی خدمت میں گیا تب [پھر] اس سے راجہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آیا اور اسے چتر، کرسی، کمر بند اور ڈولی عطا فرمائی۔ یہ شرف صرف بڑے بادشاہوں کے لئے ہوتا ہے۔ پھر عزت و عظمت کے ساتھ اسے سہل راستے سے جاگیر پر واپس بھیج دیا۔ کچھ عرصے کے بعد آخرکار [علافی] شاکلہار میں فوت ہوگیا اور جہم بن سامۃ اس کا جانشین ہوا۔ اس کی نسل آج تک موجود ہے۔ اس نے مسجدیں تعمیر کرائیں اور بڑا [203] اعزاز اور مرتبہ حاصل کیا۔ کشمیر کا راجہ اس کے ساتھ [ہمیشہ] عزت سے پیش آتا تھا۔

(حاشیہ گزشتہ صفحے کا):

ہے کہ خطوط کشمیر کے راجہ کو لکھے گئے تھے اور اسی وجہ سے اس جگہ پر "رای کشمیر" کی بجائے "رای جنتری" دوسرے متنوں میں نظر آتا ہے۔ دوسرے نسخوں میں "جنتری" کی جگہ پر دوسری مبہم عبارتیں ہیں۔ مثلاً (پ) "جنجر" (ر)، (م) "نجری" (ک) "چتری" (س) "جنتری"، ہمارے خیال میں "رای جنتری"، "رای نجری" "رای چتری" وغیرہ دراصل غالباً "راجتری" یا "راجتری" کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں اور "راجتری" کشمیر کا وہی مشہور شہر "راجاوری یا راجوری" ہے جس کا ذکر البیرونی نے اپنی کتاب "کتاب الہند" میں کیا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے دیکھئے حاشیہ ص206 [203] (ن-ب)

1. چند معتبر نسخوں (پ)، (ر)، (م)، (ن)، (ب)، (س)، (ک) کے مطابق یہ عنوان اس طرح ہے: "رفتن جیسینہ بہ راۓ کشمیر" (یعنی جیسینہ کا کشمیر کے راجہ کے پاس جانا) اس کے بعد بھی اس عنوان کے نیچے علافی کے نام کے بجائے جیسینہ کا نام ہے اگر یہ صحیح ہے تو پھر غالباً اس سے پہلے والی عبارت میں کوئی خلل ہے اور جیسینہ کے کشمیر کی طرف جانے والا فقرہ حذف ہوگیا ہے۔ عبارت بالا میں "انہوں نے راجتری کی طرف خط لکھا" (نبشتند) میں جمع کا صیغہ ہے اور قدرے گمان ہوتا ہے کہ علافی تنہا نہیں ہے بلکہ کوئی اس کے ساتھ تھا۔ مگر چونکہ اس عنوان اور اس کے بعد کے عنوان کے نیچے ساری عبارت کا متن ایسا ہی ہے، اس میں سے علافی کا کشمیر کی طرف جانا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ فارسی ایڈیشن کے فاضل ایڈیٹر نے بھی اس متن میں جیسینہ کی بجائے "علافی" ہی لکھا ہے اور ہم نے بھی اس ترمیم کو ترجیح دی ہے۔ (ن-ب)

2. یہ عنوان (پ)، (ن)، (ب)، (ک) میں نہیں ہے البتہ (م) اور (ر) میں ہے اور ان دونوں نسخوں میں سے علافی کی جگہ پر جیسینہ کا نام ہے۔ (ن-ب)

جیسینہ کا چترور کی طرف جانا[1]

پھر جیسینہ نے جا کر چترور[2] کے ملک میں قیام کیا اور وہاں سے گوپی [ابن] داہر[3] کے پاس اروڑ خط لکھ کر اسے اپنے نکل جانے کی خبر سے آگاہ کیا اور اروڑ کے قلعے کی حفاظت کرنے کی ہدایت کی۔ گوپی [ابن] داہر[3] نے یہ خط پڑھ کر اور جیسینہ کے چترور[2] پہنچ جانے کی اطلاع پا کر [اپنے] دل کو مضبوط کیا۔

جب محمد بن قاسم چھ ماہ تک برہمن آباد کا محاصرہ کیے رہا اور جنگ نے طول کھینچا اور اس طرف سے جیسینہ کی چنیسر[4] سے [نکل جانے کی] خبر پہنچی، تب چار بڑے تاجروں نے جو کہ برہمن آباد کے قلعے میں اس دروازے پر تھے کہ جسے جر بطری[5] کہتے تھے، آپس میں مشورہ کر کے کہا کہ "عرب کا لشکر سارے شہروں پر غالب ہے اور راجہ داہر قتل ہو چکا ہے۔ چھ مہینے کا عرصہ گذر چکا ہے کہ یہ قلعہ محاصرے میں ہے۔ نہ ہم میں اتنی طاقت اور ہمت ہے کہ جنگ میں اس کا مقابلہ کر سکیں اور نہ صلح کا ہی کوئی طریقہ ہے۔ ویسے کچھ دنوں اور بھی مقابلہ کیا جا سکتا ہے لیکن [قلعہ] فتح ہو جائے گا۔ کسی طرف بھی ہمارا کوئی مددگار نہیں ہے کہ جس کے پاس ہمیں پناہ ملے اور اس سے زیادہ اس لشکر کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب اگر اتفاق کرو تو باہر نکل کر قتل ہو جانے تک جنگ کریں، کیونکہ اگر صلح ہوگی تب بھی سارے ہتھیار بند خونخوار تلواروں کی خوراک بنیں گے اور [وہ صرف] عام آدمیوں جیسے کہ تاجروں، دستکاروں اور کسانوں کو امان دیں گے۔ لیکن اگر ہمیں اعتماد ہو جائے تو پھر بہتر یہ ہوگا کہ کوئی معاہدہ درمیان میں ہو تو قلعہ اس کے [محمد بن قاسم کے] حوالے کریں [اور وہ] ہمیں [204] اپنا فرمان بردار سمجھ کر مقرب بنائے اور ہم خود بھی اس سے تعلق پیدا کر کے خدمت کی شرطیں بجا لائیں۔ اس تجویز پر متفق ہو کر [انہوں نے] قاصد بھیجا اور اپنے لئے عیال اور بچوں سمیت امان طلب کی۔

پختہ معاہدہ کرنے کے بعد امان دینا

محمد بن قاسم نے اس پختہ عہد نامے پر انہیں امان دی [لیکن] باقی دوسرے سارے

1. یہ عنوان کسی بھی نسخے میں نہیں دیا گیا، کیونکہ سارے نسخوں میں اوپر سے لے کر جیسینہ کا ذکر مسلسل ہے۔ لیکن چونکہ ہم نے ترجمہ کر کے اس سے پہلے ہر جگہ جیسینہ کی جگہ پر علافی کا نام دیا ہے اس وجہ سے فارسی ایڈیشن کے مطابق یہ عنوان دیا گیا ہے تا کہ اوپر علافی اور نیچے جیسینہ کے حالات میں تمیز ہو سکے۔ (ن-ب)
2. یہ تلفظ (پ) اور (م) کے مطابق ہے۔ (ر) میں "جترور" اور (ن)، (ب) میں "جتور" ہے۔
3. اصل عبارت "قوفی داہر" ہے۔ 4. (پ)، (ن)، (ج) میں "جنیسر" 5. (ر) میں "جر بطریا" ہے۔

ہتھیار بند لوگوں کو قتل کر کے ان کے تابعداروں اور متعلقین کو قید کیا۔ تقریباً تیس ہزار مرد دے گرفتار اور قید ہوئے اور ان [امان پانے والوں] پر جزیہ مقرر کیا گیا۔

روایت: چنانچہ حجاج نے سارے امیروں اور سربراہوں کو بلا کر یہ پیغام پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ: برہمن آباد سے قاصد آئے ہیں ان کی باتیں سنو اور سوچ کر بہتر جواب دو۔ (موکو [ابن] وسایو کی تدبیر) پھر موکو [ابن] وسایو نے کہا کہ "اے امیر! یہ قلعہ ہند اور سندھ کے سارے قلعوں کا سرتاج اور تخت گاہ ہے۔ جو بھی یہ مقام فتح کرے گا سارا سندھ اس کے قبضے میں آئے گا اور مضبوط قلعے اس کے اقتدار اور اختیار میں آئیں گے۔ آس پاس کے لوگ داہر کی اولاد سے دل برداشتہ ہو کر کچھ بھاگ جائیں گے اور کچھ اطاعت کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالیں گے۔

محمد بن قاسم کا حجاج کی خدمت میں عرضداشت بھیجنا

چنانچہ محمد بن قاسم نے حجاج کو اس حال سے آگاہ کیا۔ [اس طرف] اس جماعت کے پاس پروانہ بھیج کر اس سے وقت مقرر کیا۔ انہوں نے کہا کہ "فلاں دن دروازۂ جربطری[1] کے قریب آنا۔ ہم ادھر سے جنگ کرنے کے لئے باہر نکلیں گے [205] پھر جب مقابلہ ہوگا اور دوران جنگ عربوں کا لشکر [ہم پر] حملہ کرے گا تب ہم بھاگ کر قلعے میں جائیں گے اور دروازہ کھلا چھوڑ دیں گے۔

جواب آنا: جب حجاج کے پاس سے تحریر کا جواب آ گیا تب [محمد بن قاسم نے] انہیں امان دے کر ان سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ اس کے بعد [تجویز کے مطابق] اہل قلعہ نے [پہلے تو] کچھ ساعت اس سے جنگ کی لیکن جب لشکرِ عرب حملہ کرتا ہوا ان سے جا ملا تب وہ بھاگ کر قلعے میں چلے گئے اور [حسب وعدہ] دروازہ کھلا چھوڑ گئے، جس کی وجہ سے عربوں نے بڑھ کر دروازہ پر قبضہ جمایا اور ان کے لشکر نے فصیلوں پر چڑھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اہل قلعہ نے جب دیکھا کہ لشکر عرب غالب ہوا ہے تو وہ شکست کھا کر مشرقی دروازے سے بھاگ نکلے۔ محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ جنگ کرنے والے کے سوا کسی دوسرے کو [ہرگز] قتل نہ کیا جائے۔ [چنانچہ] جسے مسلح دیکھا گیا، اسے گرفتار کر کے ہتھیاروں، تابعداروں اور اہل و عیال سمیت محمد بن قاسم کے سامنے پیش کیا گیا۔ پھر جس شخص نے بھی سر جھکا کر امان طلب کی [محمد بن قاسم نے] اسے معاف کر کے اس کے گھر واپس کر دیا۔

---

1. (ر) میں "جوبطری" ہے۔

جیسینھ اور راجہ داہر [بن] چچ کی بیوی کا مقابلے کے لئے کھڑا ہونا

برہمن آباد کے بزرگوں کی رام کہانیوں سے نقل کرتے ہیں کہ [1] جب برہمن آباد کے قلعے پر قبضہ ہوگیا، تب داہر کی بیوی لاڈی نے [2] جو کہ داہر کے قتل ہونے کے بعد اس کے بیٹے کے ساتھ برہمن آباد میں [جنگ کے لئے مستعد] ہو بیٹھی تھی کہا کہ ہم یہ مضبوط قلعہ اور اہل وعیال کیسے چھوڑیں؟ ہمیں مجبوراً یہیں رہنا چاہئے تاکہ دشمنوں پر غلبہ حاصل کریں اور ہمارا ملک اور گھرانہ سلامت رہے۔ لیکن اگر [ایسا نہ ہوا اور] عرب کے لشکر کو غلبہ حاصل ہوا تو پھر ہم کوئی دوسری تدبیر کریں گے۔ یہ کہہ کر اس نے مال اور خزانہ باہر نکالا اور اسے بہادروں میں تقسیم کرتی۔ اور سورماؤں کو تسلی دیتی رہی چنانچہ وہ [قلعے کے] دوسرے دروازے پر [سختی کے ساتھ] جنگ کرتے رہے۔ لاڈی کی تجویز یہ تھی کہ اگر قلعے پر [عربوں کا] غلبہ ہوگیا تو میں بچوں اور متعلقین سمیت خود کو بھڑکتی ہوئی چتا کی نذر کروں گی۔ لیکن اچانک قلعہ [206] فتح ہوگیا اور معتبر لوگوں نے داہر کے [حامیوں کے] دروازے پر پہنچ کر راجہ داہر کے متعلقین کو [فوراً] باہر نکالا تاکہ وہ خود کو ہلاک نہ کر ڈالیں اور لاڈی گرفتار ہوئی۔

داہر کی بیوی لاڈی اور دو کنواری بیٹیوں کو گرفتار کرنا

اس کے بعد جب قیدی عورتیں اور غلام، محمد بن قاسم کے سامنے لائے گئے اور اس نے ہر ایک کا حال معلوم کیا تو پتہ چلا کہ داہر کی بیوی لاڈی قلعے میں ہے اور داہر کی دو کنواری بیٹیاں منہ چھپائے دوسری عورتوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہیں، چنانچہ ایک خادم کی نگرانی میں انہیں علٰحدہ بٹھایا گیا۔

مالِ غنیمت کے اعداد اور خمس

اس کے بعد بردوں کو چن کر پانچواں حصہ علٰحدہ کیا گیا۔ کل تقریباً بیس ہزار بردے چنے گئے جن میں سے پانچواں حصہ الگ کر کے باقی کو لشکر کے حوالے کیا گیا۔

تاجروں اور دستکاروں کو امان دینا

اس کے بعد [محمد بن قاسم نے] تاجروں، دستکاروں اور عام آدمیوں کو امان دے کر اُن کے قیدیوں کو آزاد کیا اور خود مظالم گاہ میں بیٹھ کر جنگ کرنے والی جماعت کو تہ تیغ کرایا۔ اس طرح کہتے ہیں کہ تقریباً چھ ہزار جنگجو جوان قتل کئے گئے۔ بعضوں کا بیان ہے کہ سولہ ہزار مرد ذبح کئے گئے اور باقیوں کو معاف کر دیا گیا۔

1. اصل متن کے الفاظ یہ ہیں "درا قاویل پی آرند"
2. اصل صورت غلطی "لاڈی" ہے۔ کی ہوئی چچ سندھی نام کی اصلیت کے مطابق ہے۔

داہر کے رشتہ دار برہمنوں کی خبر

کچھ لوگ روایت کرتے ہیں کہ جب داہر کے اقارب کو بردوں میں نہ پا کر شہر کے رئیسوں سے دریافت کیا گیا تو کسی نے بھی ان کا پتہ نہ بتایا۔ آخرکار دوسرے دن برہمنوں میں سے تقریباً ایک ہزار آدمی سر اور داڑھیاں منڈا کر [207] [خود] امیر محمد بن قاسم کے دربار میں حاضر ہوگئے۔

برہمنوں کا محمد بن قاسم کے پاس آنا

محمد بن قاسم نے انہیں دیکھ کر سوال کیا کہ "اس گروہ کے لوگ کس فوج کے ہیں جو اس شکل میں پہنچے ہیں؟" [انہوں نے] کہا "اے وفادار امیر! ہمارا راجہ برہمن تھا، جب اسے قتل کردیا گیا اور یہ ملک اس کے قبضے سے نکل گیا، تب اس کی وفاداری میں کچھ نے خودکشی کرلی اور باقیوں نے اس کے سوگ میں زرد کپڑے پہن کر سر اور داڑھیاں منڈوائی ہیں۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے یہ بادشاہی تیرے حوالے کی ہے تو امیر عادل کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ باقی بچے ہوئے لوگوں کے لئے کیا حکم دیتا ہے۔" محمد بن قاسم نے سوچ کر کہا کہ "مجھے اپنی جان اور سر کی قسم ہے کہ یہ بڑے وفادار ہیں، انہیں اس شرط پر امان دیتا ہوں کہ یہ داہر کے عزیزوں کو جہاں بھی ہوں دستیاب کریں گے۔"

محمد بن قاسم کا برہمنوں سے وعدہ کرنا اور امان دینا

پھر برہمنوں نے اس پختہ عہدنامے کی بنیاد پر داہر کی بیوی لاڈی کو تہ خانے سے باہر نکالا۔ باقی لوگوں پر رسول اللہ الصلوٰۃ والسلام علیہ کے طریقے کے مطابق جزیہ مقرر کیا گیا۔ جو لوگ اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے انہیں، بندگی، جزیہ اور چناؤ[1] سے معاف کیا گیا اور جو لوگ ایمان نہ لائے انہیں تین حصوں میں [تقسیم] کرکے ان پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ چنانچہ سرداروں کے گروہ پر فی کس 48 درہم وزن کی چاندی، دوسرے درجے کے گروہ پر 24 درہم وزن کی چاندی اور تیسرے درجے کے گروہ پر 12 درہم وزن کی چاندی فی کس مقرر کی گئی [208]۔ اس کے بعد [محمد بن قاسم نے] فرمایا کہ "آج [واپس] جاؤ [پھر کل] جو لوگ مسلمان

1 "چناؤ" کے لئے اصل متن میں لفظ "گزید" آیا ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق خلیفۂ وقت کو مال غنیمت میں سے کسی بھی ایک چیز کو چن کر لینے کا اختیار ہوتا ہے۔ عربی میں اسے "صفایا" کہتے ہیں۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ کو بھی رسول کریم ﷺ نے اسی طرح چنا تھا اور پھر آزاد کرکے ان سے نکاح کیا تھا۔ (مترجم)

ہو کر [حلقہ] اسلام میں داخل ہوں گے ان پر جزیہ معاف کیا جائے گا اور جو لوگ اپنے طریقے پر دبے رہیں گے وہ چٹاؤ اور جزیہ قبول کر کے ہی اپنے باپ دادوں کی رسم پر چل سکیں گے۔" اس کے بعد بعضوں نے اسلام قبول کیا اور باقی جزیہ قبول کر کے اپنے بزرگوں کے طریقے پر کاربند رہے۔ اُن کی زمینیں اور گھوڑے ان سے نہ لئے گئے۔

برہمنوں اور ملک کے امینوں کا تقرر کرنا

اس کے بعد محمد بن قاسم نے ان میں سے ہر ایک پر اس کے مرتبے اور حیثیت کے مطابق جزیہ مقرر کیا اور قلعے کے چاروں دروازوں میں سے ہر ایک دروازے پر فوج متعین کر کے اس کی ذمہ داری ان کے سپرد کی۔ پھر رضامندی کی خلعت اور مزین گھوڑوں سے سرفراز کر کے، ہندستان کے شاہی زیورات ان کے ہاتھوں اور پیروں میں ڈالے اور ہر ایک کے لئے محفل کی نمایاں نشستوں کا تعین کیا۔

تاجروں، دستکاروں اور کسانوں کا اندراج

پھر سوداگروں، صناعوں اور مزارعین کا اندراج کیا۔ عام لوگ شمار میں دس ہزار نکلے۔ اس کے بعد محمد بن قاسم کے حکم پر ان میں سے ہر ایک پر [صرف] بارہ درہم وزن کی چاندی مقرر کی گئی، کیونکہ ان کا اثاثہ لٹ گیا تھا۔

مقرر جزیہ وصول کرنے کے لئے افسروں کا تقرر

اس کے بعد سربراہوں اور رئیسوں کو جزیہ وصول کرنے پر مقرر فرمایا تاکہ ہر شہر اور قصبے سے مالیہ وصول کرتے رہیں اور انہیں [حکومت کی بھی] تائید اور طاقت حاصل ہو۔ [209]

برہمنوں کا درخواست کرنا

یہ حال دیکھ کر برہمنوں نے [اپنے حفظِ مراتب کے لئے] درخواست کی، جس پر شہر کے منتخب اور بزرگ لوگوں نے شہادت دی کہ واقعی یہ لوگ باعزت و بارسوخ تھے۔

برہمنوں کے لئے حکم

محمد بن قاسم نے انہیں [پہلے کی طرح] قابلِ احترام قرار دیا اور ان کا اثر و رسوخ

[برقرار] رکھنے کے لئے پروانہ جاری کیا۔ چنانچہ کسی حال میں بھی ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی تھی۔ پھر اُن میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی کام پر مامور کیا گیا۔ [جس سے] معلوم ہوا کہ واقعی ان سے خیانت کا ارتکاب نہ ہوگا۔

کاموں پر مامور کرنا

اس کے بعد جس طرح راجہ چچ کے زمانے میں ہر ایک برہمن کسی نہ کسی کام پر مامور ہوا کرتا تھا [محمد بن قاسم نے بھی] انہیں کوئی نہ کوئی کام سونپ دیا۔ پھر اس نے حکم دیا، جس پر سارے برہمنوں کو حاضر کیا گیا۔ [جب وہ اکٹھے ہوگئے] تو اس نے کہا "داہر نے تمہیں اہم کاموں پر مامور کیا تھا، جس کی وجہ سے تم شہر اور مضافات [کے حالات سے] بخوبی واقف ہوگے۔ [چنانچہ تم] جس مشہور و معروف آدمی کو بھی تربیت اور نوازش کا مستحق سمجھو، اس سے ہمیں آگاہ کرو تاکہ اس کے حق میں مہربانی کی جائے اور اسے اعلیٰ انعامات سے سرفراز کیا جائے۔ چونکہ ہمیں تمہاری ایمانداری اور صداقت پر پورا اعتماد اور بھروسہ ہے، اس لئے تم اپنے عہدوں پر بحال کئے جاتے ہو۔ ملک کا سارا کاروبار تمہاری معاملہ فہمی پر چھوڑ دیا جائے گا اور یہ منصب تمہاری اولاد اور نسلوں سے کبھی نہ چھینا جائے گا۔"

برہمنوں کا دلجمعی کے ساتھ مضافات میں جانا

اس کے بعد برہمن اور عمال ملک میں پھیل گئے اور جا کر [ہر ایک سے] کہنے لگے "اے جانے پہچانے اور مشہور [لوگو!] تمہیں معلوم ہے کہ داہر مارا جا چکا ہے اور کافروں کا دور پورا [210] اور ختم ہو چکا ہے۔ ہند اور سندھ میں چاروں طرف عربوں کا حکم جاری ہوا ہے جس کی وجہ سے ملک کے چھوٹے بڑے [سب] ایک جیسے ہوگئے ہیں۔ ہمارے فرائض [اب] با عزت بادشاہ [محمد بن قاسم] کی طرف سے سمجھو۔ [اس نے] ہمیں تمہارے پاس بھیجا ہے اور اچھے وعدوں کا امیدوار کیا ہے۔ اگر عربوں کا حکم نہ مانو گے تو نہ مال رہے گا نہ معاش۔ ہم خود [ان] سرداروں کی مہربانی اور احسان کے نیازمند ہو چکے ہیں۔ ممکن ہے کہ [اسی وجہ سے] ہمارا مرتبہ بلند ہو جائے۔ فی الحال [ہمیں] اپنے وطنوں سے نکل کر برباد نہ ہونا چاہئے اور اگر یہ محصول کہ جو تم پر عاید کیا گیا ہے، تمہیں برداشت نہ ہو اور اس کی ادائیگی میں گراں باری سمجھو تو پھر فرصت کے وقت سرزمین ہند و سندھ کے کسی ایسے علاقے کی طرف کہ جہاں تمہارے دلوں کو اطمینان ہو، چلے جانا۔ کیونکہ آدم زاد کے لئے جان کی سلامتی سے بہتر دوسری کوئی بھی چیز نہیں۔ [جزیہ ادا کرنے سے] جب

ہمیں اس خطرناک مصیبت سے نجات مل جائے گی اور ہم لشکر کے خوف سے بے نیاز ہو جائیں گے جب ہی ہمارا مال اور عیال محفوظ ہوں گے۔"

مضافات اور شہروں پر محصول مقرر کرنا

اس کے بعد سارے دیہاتیوں اور شہریوں نے حاضر ہو کر جزیہ ادا کرنا قبول کیا اور اپنے جزیہ کی رقم محمد بن قاسم سے دریافت کی۔ ساتھ ہی ساتھ جن برہموں کو امیر محمد بن قاسم نے محصول [کی وصولی] پر تعینات کیا تھا، ان کی بابت بھی دریافت کیا۔ جس پر اس نے [ان برہمن افسران کو] فرمایا کہ "حکومت اور خالق کے درمیان سچائی کا خیال رکھنا۔ اگر کوئی شئے تقسیم کرنا تو برابر بانٹنا۔ ہر ایک پر اس کی برداشت کے مطابق مالیہ مقرر کرنا۔ ایک دوسرے سے متفق ہو کر کام کرنا اور منتشر نہ ہونا، تاکہ ملک ویران نہ ہو۔"

محمد بن قاسم کا رعایا سے مہربانی کرنا

اس کے بعد محمد بن قاسم نے ہر ایک سے خاص مہربانی کی اور فرمایا کہ "ہر طرح دل کو خوش رکھنا۔ کوئی بھی فکر نہ کرنا کہ [اب] تم سے [مزید] باز پرس ہوگی۔ میں تم سے کوئی بھی تحریر یا دستاویز نہیں لیتا۔ جو حصہ پہلے ہی مقرر اور معلوم ہے وہ ادا کرتے رہنا۔ بلکہ تم پر مہربانی اور در گذر کو واجب سمجھا جائے گا۔ جسے کوئی درخواست پیش کرنا ہو تو پیش کرے، وہ سنی جائے گی اور [اس کا] پورا جواب دیا جائے گا اور ہر ایک کی مراد پوری کی جائے گی۔

محمد بن قاسم کا اہلِ برہمن آباد کو پروانہ دینا

اب برہموں کی وہ رسم کہ تاجر، کافر اور ٹھاکر برہموں کو خیراتیں دیا کرتے تھے، بتوں کی پوجا کے وقت خوشیاں منایا کرتے تھے اور مندر کے پجاریوں کے پاس ایسے پروانے ہوا کرتے تھے، بند ہو گئی تھی اور لشکر کے خوف کی وجہ سے خیرات اور کھانا بھی دستور کے مطابق ان تک نہ پہنچتا تھا، جس کی وجہ سے [وہ] مفلس اور قلاش ہو گئے تھے۔ چنانچہ سارے [برہموں نے محمد بن قاسم کے] دروازے پر آ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور پیغام بھیجا کہ "امیر عادل سلامت رہے! ہم راہب ہیں اور ہماری ترقی اور معاش بتوں[1] کی مجاوری پر ہے۔ جس صورت میں کہ تاجروں اور کافروں پر رحمت کی ہے اور خود پر جزیہ مقرر کر کے وہ ذمی ہوئے ہیں اسی طرح [ہم]

1. اصل لفظ "بدہ" ہے۔

بندگان بھی حضور کے کرم سے امید رکھتے ہیں کہ ہمیں اشارہ فرمائیں گے تاکہ ہم بھی اپنے معبود کی پرستش کریں اور بتخانے[1] آباد کریں۔"

محمد بن قاسم کا جواب

محمد بن قاسم نے جواب دیا کہ "ملک کی تخت گاہ اروڑ ہے اور یہ سارے اطراف [212] نواحی ہیں۔" ہندوؤں نے کہا کہ "اس ملک کی آبادی برہمنوں سے ہے۔ یہی ہمارے عالم اور حکیم (دانا) ہیں۔ ہماری شادی یا غمی کی رسومات انہیں کے ذریعے پوری ہوتی ہیں۔ ہم نے محصول یا جزیہ اسی لئے قبول کیا ہے کہ ہر ایک اپنے طریقے کی پیروی کر سکے۔ ہمارے بت کا یہ مندر[2] ویران ہو گیا ہے اور ہم بتوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ امیر عادل ہمیں اجازت فرمائے کہ ہم [اسے] آباد کر کے اپنے معبود کی عبادت میں مشغول ہوں۔ [اس طرح] ہمارے برہمنوں کو [بھی] ہم سے ذریعۂ معاش مل جائے گا۔

محمد بن قاسم کا حجاج کو لکھنا اور جواب پہنچنا

پھر محمد بن قاسم نے یہ حال حجاج کے پاس لکھ بھیجا۔ کچھ دنوں بعد اس کا جواب ملا کہ "عم زاد محمد بن قاسم کا پیارا خط ملا۔ جو حالات تحریر کئے وہ معلوم ہوئے۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ برہمن آباد کے سربراہ بت خانہ[3] کی آبادی اور اپنے مذہب کے لئے عرض کر رہے ہیں۔ جس صورت میں کہ [انہوں نے ہماری] فرمان برداری کے زمرے میں داخل ہو کر دارالخلافہ کا جزیہ اپنے اوپر مقرر کیا ہے اس صورت میں جزیہ کے علاوہ [ہمارا] ان پر کوئی حق اور تصرف نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جب ذمی ہو چکے تو ان کے مال یا خون پر ہم مطلق دست اندازی نہیں کر سکتے۔ انہیں اپنے معبود کی عبادت کرنے کی اجازت دی گئی۔ تم کسی بھی آدمی سے اس کے طریقے کے بارے میں کوئی روک ٹوک نہ کرنا تاکہ وہ اپنے گھروں میں اپنی مرضی کے مطابق زندگی گذارتے رہیں۔"

حجاج کا خط پہنچنا

جب حجاج کا یہ خط محمد بن قاسم کے پاس پہنچا تو اس وقت وہ شہر سے باہر نکل کر منزل انداز ہوا تھا۔ [خط ملنے کے بعد] اس نے [شہر کے] بزرگوں، سربراہوں اور برہمنوں سے فرمایا کہ "بے

1 اصل لفظ "عمارت بدۃ" ہے۔
2 اصل لفظ "بتکدہ بدۃ" ہے۔
3 اصل الفاظ "عمارت بدۃ" ہیں۔

تک تم اپنے معبود [213] کی عبادت کرو۔ مسلمانوں سے لین دین کرو۔ اطمینان کے ساتھ اپنی اصلاح کی کوشش کرو۔ بخشش اور خیرات سے برہمنوں اور فقیروں کی خدمت کرو۔ اپنی رسمیں اور تہوار اپنے باپ دادا کے دستور کے مطابق جاری رکھو۔ برہمنوں کو اس سے پہلے جو خیراتیں دیا کرتے تھے، وہ حسب دستور دیتے رہو۔ [1]سو درہم اصل مال میں سے تین درہم [نکال کر اس میں سے] جو کچھ ان [برہمنوں] کا حق ہو وہ انہیں پہنچادو[1]۔ باقی کو خزانے کے لئے، منشیوں کے اندراجات اور حضور نواب کی حفاظت میں دیا جائے اور افسروں اور اہل کاروں کے لئے تنخواہیں مقرر کی جائیں۔" ان شرائط کے لئے تمیم بن زید القینی[2] اور حکم بن عوانہ کلبی کو درمیان میں لائے، اور برہمنوں کے لئے فیصلہ ہوا کہ ہاتھوں میں تانبے کی تھالی لے کر گدائی کے لئے گھروں کے دروازے پر جائیں اور اناج وغیرہ جو کچھ بھی مل سکے حاصل کریں تاکہ تباہ نہ ہوں۔ [اب] یہ رسم کافروں میں مروج ہوگئی ہے۔

محمد بن قاسم کا اہلِ برہمن آباد کو امان اور پروانہ دینا

اس طرح محمد بن قاسم برہمن آباد کے امور سے فارغ ہوا۔ لوگوں کی جو درخواستیں تھیں وہ [اس نے] پوری کیں اور عراق اور شام کے یہودیوں، نصرانیوں، گبروں اور مجوسیوں کے طرز پر ہر ایک کو اپنے طور طریق پر رہنے کی اجازت دے کر [خوشی خوشی] واپس کیا اور اُن کے سربراہوں کو "رانا" کا خطاب عطا کیا۔

محمد بن قاسم کا سیاکر وزیر کو بلانا

اس کے بعد [اس نے] وزیر سیاکر اور موکو [ابن] وسایو کو بلا کر دریافت کیا کہ "لوہانے کے جتوں کا چچ اور داہر سے کیا سلسلہ تھا؟ اور ان کا معاملہ کس طریقے پر چلتا تھا؟"

سیاکر کا جواب: وزیر نے موکو [ابن] وسایو کے سامنے کہا کہ "راجہ چچ کی حکومت میں [1]لوہانہ یعنی لاکھہ اور سمہ [والے علاقہ کے جتوں] کو [1]نرم کپڑے پہننے اور [214] سروں

1-1. اصل فارسی عبارت اس طرح ہے اور اس میں کافی الجھاؤ ہے۔ واز صد درم سہ درم سنگ بر اصل مال۔ بگزرد کہ چند واجب باشد بدیشان رسانند۔ (مترجم)

2. بعض نسخوں میں یہ نسبت "القیسی" دی گئی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے، کی ہوئی ترمیم کے لئے دیکھئے حاشیہ ص185[178] (ن-ب)

1-1. اصل عبارت یہ ہے "لوہانہ یعنی لاکھہ وسمہ را" جس کی ابتدا میں غلطی سے لفظ "جتان" حذف ہوگیا ہے۔ صحیح عبارت "جتان لوہانہ یعنی لاکھہ وسمہ را" ہی ہوگی۔ کیونکہ محمد بن قاسم نے لوہانہ کے جتوں کے متعلق دریافت کیا ہے اور نیچے وزیر سیاکر کا بیان بھی جتوں ہی کے متعلق ہے لاکھہ اور سمہ کے متعلق نہیں۔ اس کا یہ بیان تقریباً وہی ہے کہ جو اس سے پیشتر صفحہ [47] پر لوہانہ کے جتوں کے بابت چچ کی پالیسی کے طور پر بیان ہو چکا ہے۔ یہاں "لوہانہ" سے مراد وہ علاقہ ہے کہ جو لاکھہ اور سمہ قوموں کی اراضی پر مشتمل تھا۔ مزید دیکھئے حاشیہ ص[40] (ن-ب)

پر مخمل اوڑھنے کی اجازت نہ تھی اس کے بجائے وہ نیچے اور اوپر کالی گدڑی پہنتے تھے، کھردری چادر کاندھوں پر ڈالتے تھے اور سر اور پیر برہنہ رکھا کرتے تھے۔ [ان میں سے] جو کوئی بھی نرم کپڑا پہنتا تھا اس پر جرمانہ کیا جاتا تھا۔ گھر سے باہر نکلتے وقت وہ کتے ساتھ لے کر چلتے تھے، جس کی وجہ سے [دور سے] پہچانے جاتے تھے۔ ان کے کسی بھی سربراہ کو گھوڑے پر سوار ہونے کی اجازت نہ تھی۔ جہاں بھی مضافات میں بادشاہوں کو راہبر کی ضرورت ہوتی وہ راستہ بتایا کرتے۔ راستوں کی نشان دہی ان کے ذمہ ہوتی تھی اور وہ [مسافروں کو] ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے تک پہنچایا کرتے تھے۔ اس قوم کا کوئی بھی سربراہ یا رانا جب گھوڑے پر سوار ہوا کرتا تھا تو [اس کا گھوڑا] بغیر زین لگام اور تنگی کے ہوا کرتا تھا۔ البتہ گھوڑے کی پشت پر وہ گدڑی رکھ کر سوار ہوسکتا تھا۔ اثناء راہ میں اگر کبھی کسی [راہرو] کو کوئی حادثہ پیش آتا تھا تو اس کی باز پرس بھی اسی قبیلے کے لوگوں سے کی جاتی تھی، کیونکہ ان کے سربراہوں پر اس کی ذمہ داری عاید تھی۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی چور [ثابت] ہوجاتا تھا تو اسے عیال اور اطفال سمیت آگ کی نذر کیا جاتا تھا۔ قافلے دن رات ان کی رہبری میں سفر کرتے تھے۔ ان میں چھوٹے بڑے کا کوئی امتیاز نہ کیا جاتا تھا۔ یہ قبائل وحشی طبع تھے اور حاکم کی اطاعت سے ہمیشہ سرکشی اور شاہراہوں پر رہزنی کیا کرتے تھے۔ دیبل میں بھی یہ لوگ وہاں کے باشندوں کے ساتھ لوٹ مار میں شریک رہا کرتے تھے۔ باورچیخانے کے لئے لکڑیوں اور رسد کی فراہمی نیز بادشاہ کی اعانت ان پر فرض تھی۔"

روایت: اس پر محمد بن قاسم نے کہا کہ "کس قدر برے لوگ ہیں یہ! بالکل فارس اور کوہ پایہ کے جنگلیوں کی طرح۔ ان کے طریقے بھی ویسے ہی ہیں۔" چنانچہ محمد بن قاسم نے بھی انہیں اسی [قدیمی] دستور اور طریقے کا پابند رکھا۔ جس طرح کہ امیرالمؤمنین عمر بن الخطاب [215] رضی اللہ عنہ نے شام کے [عیسائی] لوگوں پر [فرض] کیا تھا کہ جو بھی [مسلمان] مہمان ان کی طرف آ نکلے اسے وہ ایک دن اور ایک رات کھانا کھلائیں گے اور اگر بیمار ہو تو پھر تین دن تک اس کی مہمانی کریں۔

محمد بن قاسم کا حجاج بن یوسف کے پاس خط بھیجنا

برہمن آباد اور لوہانو کے کاروبار سے فارغ ہونے اور جتوں پر جزیہ مقرر کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کو اس حال سے آگاہ کیا کہ: برہمن آباد کی آبنائے جلواتی[1] سے

1. فارسی ایڈیشن کے متن میں "جول جلواتی" ہے۔ کی ہوئی ترمیم کے لئے دیکھئے آخر میں تشریحات حاشیہ ص 203 [201] (ن۔ ب)

آ گے تک [1] یہ خدمت عاید کی گئی [1]۔ اسے سندھ کی زمین کے قبضے میں لانے کی [بھی] اطلاع دی گئی اور تفصیلات سے آگاہ کیا گیا۔

حجاج کا جواب

پھر حجاج نے جواب لکھا کہ "اے عم زاد محمد بن قاسم! تو جس طرح سپاہ داری، رعایا نوازی، خلق پروری اور کاروبار کے انتظام کی کوشش کر رہا ہے وہ بڑی تعریف [کا مستحق] ہے۔ ہر مقام پر تونے جو مال مقرر اور معین کیا ہے اور رعایا کے ہر طبقے کو شریعت کے دستور اور معاملہ کے مطابق سرفراز کیا ہے وہ حکومت کے استحکام اور سلطنت کے انتظام کا باعث ہوا ہے۔ [لیکن] تجھے اب اس جگہ پر [مزید] قیام نہیں کرنا چاہئے۔ ہند اور سندھ کی بادشاہت کے ستون اروڑ اور ملتان ہیں جو کہ بادشاہوں کی تخت گاہ ہیں۔ بادشاہوں کے خزانے اور دفینے [بھی] ان دونوں مقامات پر مدفون ہوں گے۔ اگر قیام ہی کرنا ہے تو کسی ایسی جگہ پر جا کر قیام کرو کہ جو پر فضا ہو، تا کہ سارا سندھ اور ہند قبضے میں آ جائے۔ جو اسلام کی تابعداری سے انکار کرے، اسے قتل کر ڈالو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ ہند کے شہروں سے لے کر [216] چین کی حدود تک [کے علاقے] فتح کرنا تجھ پر لازم ہیں [2]۔ امیر قتیبہ بن مسلم قریشی [3] کو [بھی چین فتح کرنے کے لئے] ماسور کیا گیا ہے۔ سارے [عراقی] غلام اس کی طرف منتقل کئے جائیں اور [جہم بن زحر بن قیس کو بھی اس کے پاس بھیجا جائے اور] نامزد کردہ [عراقی] لشکر اس کے ساتھ جائے۔ اے عم زاد! تو [خود بھی] یہ کارنامہ انجام دے تا کہ [تیرے باپ] قاسم کا نام روشن ہو اور دشمن عاجز اور پریشان ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

حجاج بن یوسف کا خط پہنچنا

جب حجاج کا خط محمد بن قاسم کے پاس پہنچا تو اس نے وہ پڑھا، لکھا تھا کہ "اے محمد!

1-1 اصل الفاظ یہ ہیں "این خدمت تحریر افتاد" (مترجم)

2 اصل فارسی عبارت قطعی ناقص ہے جس کی دوسری عربی تاریخوں کی مدد سے تصحیح کی گئی ہے۔ تفصیل کے لئے، دیکھئے حاشیہ ص [217] (ن-ب)

3 (ر) (م) (ن) (ب) (ک) (ج) (س) ان سارے نسخوں کی عبارت اس مقام پر "القریشی" (یعنی القرشی) ہے۔ (ب) کی عبارت "الراشی" بھی القرشی کی تصحیف ہے۔ مطلب یہ کہ جملہ نسخوں کی متفقہ عبارت کے مطابق یہ نسبت "قریشی" ہوگی۔ اس لئے ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ مگر قتیبہ بن مسلم عام طور پر "الباہلی" کی نسبت سے مشہور ہے۔ اسی وجہ سے فارسی ایڈیشن کے فاضل ایڈیٹر نے "الباہلی" کی نسبت کو صحیح سمجھ کر متن میں رکھا ہے مگر "القرشی" کی نسبت ہی بالکل درست اور اس جگہ پر زیادہ موزوں ہے۔ مزید وضاحت کے لئے دیکھئے حاشیہ ص [217] (ن-ب)

تحریری طور پر ہم سے مشورہ کرتا رہ کہ یہی ہوشیاری کا سرمایہ ہے۔ فاصلے کی دوری کی وجہ سے ہمارے درمیان پردہ حائل رہتا ہے۔ تو کوشش کرتا کہ شہر کے چاروں سربراہ اشخاص تیری اطاعت پر حریص ہوں اور [ان کی] دلجوئی کرتا رہ۔"

شہر کے سربراہوں میں سے چار اشخاص کو سلطنت کے استحکام کے لئے پروانہ آزادی [عطا کرنا]

اس کے بعد شہر برہمن آباد یعنی بانجزاہ[1] کے کاروبار پر وداع بن حُمید البحری[2] کو بلا کر رئیس اور عامل مقرر کیا۔ مالی کاروبار شہر کے چار تاجروں کے حوالے کیا اور انہیں کھلا پروانہ عطا کیا کہ سارے کلی و جزوی معاملات ان کے حضور میں پیش کئے جائیں اور کوئی بھی معاملہ ان کے مشورے کے بغیر انجام نہ دیا جائے۔ نوبت بن دارس کو راوڑ کے قلعے پر متعین کیا تاکہ وہاں رہ کر کشتیاں تیار رکھے اور جو بھی کشتی اوپر سے نیچے کو آئے یا جائے، اگر اس میں فوجی سامان ہو تو گرفتار کر کے راوڑ کے قلعے میں لے جائے۔ اس (راوڑ) سے بالائی [مقام پر] کشتیوں کی ذمہ داری حکم ابن زیاد العبدی[3] کے سپرد کی۔ کچھ کا ملک، جو کیرج کے بادشاہ درو ہر کے قبضے میں تھا وہ ہذیل بن سلیمان الازدی کے حوالے کیا۔

حنظلہ بن اخی نباتہ[4] کلابی (یعنی نباتہ کے بھائی کے بیٹے حنظلہ) کو دھلیلہ کا حاکم مقرر کیا۔ اس کے بعد [سب کو] حکم دیا کہ ہر مہینہ جانچ پڑتال، علم اور آزمائش کے بعد ملک کے حالات کی خبر دیتے رہیں۔ پھر ان سب کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کی ہدایت کی کہ "اگر دشمن

---

1. فارسی ایڈیشن کی عبارت "باہن واہ" ہے جو غالباً نسخہ (پ) کے مطابق ہے۔ (ر) میں "پاہن واہ" (م) میں "باہن واہ" (ن)، (ب) "باہراہ"، (س) "اہوبن واہ"۔ ہم نے (ن)، (ب) کی عبارت "باہرۃ" کو ترجیح دی ہے۔ (پ)، (ر)، (م) کی قرأتوں میں غالباً تصحیف ہے اور یہ عبارتیں بھی "باہب واہ" کی بگڑی ہوئی صورتیں ہیں۔ "باہراہ" یا "باہب واہ" برہمن آباد کے مقامی سندھی نام "بانجزاہ" یا (بانجناہ) کی فارسی صورتیں معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے ہم نے اس لفظ کو اسی مقامی نام کے مطابق لکھا ہے۔ مزید دیکھئے حاشیہ ص [217] (ن-ب)
2. فارسی ایڈیشن میں یہ نسبت یہاں یا ص [109] پر "النجدی" دی گئی ہے اور اس صفحہ نیز ص [124] کے حاشیے میں مختلف نسخوں کی عبارتیں نہیں دی گئیں اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان دونوں صفحات پر جملہ نسخوں کی متفقہ عبارت "النجدی" ہے۔ ان دونوں صفحات پر (ن) اور (ر) کی بھی یہی عبارت ہے۔ البتہ فارسی ایڈیشن کے حاشیہ ص [109] پر صرف دو نسخوں کی عبارتیں اس طرح دی گئی ہیں۔ (ب) "النجدی"، (س) "الخدی"، "النجدی" درحقیقت "البحری" کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور صحیح نسبت "البحری" ہے نہ کہ "النجدی"۔ مزید دیکھئے حاشیہ ص [217] (ن-ب)
3. یعنی "محمد بن زیاد العبدی" (ن-ب)
4. فارسی ایڈیشن میں "نباتہ" ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

کے لشکر یا رعایا کی مخالفت کی وجہ سے کوئی فتنہ پیدا ہو تو اسی [ہدایت] پر عمل کرنا اور فسادیوں کی گوشمالی کرنا۔" قیس بن عبدالملک بن قیس الدی[1]، خالد انصاری اور ہزار پیادوں کو سیوستان (سیوہن) میں متعین کیا۔[2] مسعود تمیمی، ابن شیبہ جدیدی[2] فراس عکی[3]، صابر یشکری عبدالملک بن عبداللہ الخزاعی، مہنی[4] بن عک اور الوفا بن عبدالرحمٰن کو دہیل اور نیرون کوٹ پر مامور کر کے روانہ کیا تاکہ یہ حدود محفوظ رہیں۔ ملیح نامی بکر بن وائل کے ایک آزاد کئے ہوئے غلام کو اشبہار[5] کا گورنر مقرر کیا اور [ابن] علوان بکری[6] اور قیس بن ثعلبہ نے تین ہزار غلاموں کے ساتھ وہیں سکونت اختیار کی۔ ان کے ساتھ عیال و اطفال بھی تھے۔ چنانچہ جتوں کے پورے علاقے پر قبضہ کر کے وہ وہیں آباد ہو گئے۔

محمد بن قاسم کے روانہ ہونے کی خبر

ساؤندی سمہ کے والی امیر محمد نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "جب محمد بن قاسم [218] برہمن آباد کے بندوبست اور مشرقی و مغربی مضافات اور نواح کے معاملات کے استحکام سے فارغ ہوا، تب جمعرات کے دن 3۔ ماہ محرم سنہ چورانوے کو [وہاں سے] کوچ کر کے ساؤندی کے نواح میں اس مقام پر اُترا جسے "مثعل"[7] کہتے ہیں۔ [وہاں] ایک فرحت افزا جھیل اور چراگاہ تھی جسے

---

1. فارسی ایڈیشن میں "الدی" ہے مگر یہ نسبت نہایت مشکوک ہے۔ (دیکھئے حاشیہ ص 142) ہم نے مختلف نسخوں کی قرأتوں کے مطابق یہاں اس لفظ کی عاری صورت دی ہے۔ (ن-ب)
2-2. اصل عبارت "مسعود تمیمی ابن شیبہ جدیدی" ہے لیکن یہاں "مسعود تمیمی و ابن شیبہ جدیدی" ہونا چاہئے کیونکہ "تمیمی" اور "جدیدی" قطعی دو جدا نسبتیں ہیں اور ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ "تمیمی" کی نسبت "بنو تمیم" کی جانب ہے جو کہ عدنانی عرب ہیں اور "جدیدی" کی نسبت بنو جدید کی طرف ہے جو کہ "الازد" میں سے ہیں یعنی قحطانی عرب ہیں [بمطابق: بنو جدید من بنی اسد بن شریک بن مالک بن عمرو بن مالک بن فہم (اشتقاق ابن درید ص 294) بن غنم بن دوس بن عدنان بن عبداللہ بن زہران بن کعب بن الحارث بن کعب بن عبداللہ بن مالک بن نصر بن الازد (جمہرۃ ابن حزم، ص 58-356)] اس کے علاوہ تمیم اور ازد قبائل کے درمیان شدید قبائلی رقابت تھی۔ (ن-ب)
3. اصل میں "فراس عکی" ہے۔ "عکی" کی نسبت بنو عک قبیلے کی جانب ہے جو "ازد" میں سے ہے۔ دیکھئے آخر میں حاشیہ ص [187] "فراس" نام عربوں میں کہیں نظر نہیں آتا اور غالباً یہ "فراس" کی تصحیف ہے۔ (ن-ب)
4. اصل متن میں "مہنی" ہے۔ دیئے ہوئے لفظ کو ہم نے خود صحت کے لحاظ سے شامل کیا ہے۔ (ن-ب)
5. یہاں فارسی ایڈیشن یا (ر) (ن) میں "ارجہاد" ہے جو غالباً "اشبہار" کی تصحیف ہے۔ پہلے ص [132] پر "اشبہار" کے قلعے اور نواح کے جتوں کا ذکر آیا ہے یہاں بھی یہی جتوں کے ملک کا ذکر ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ نام "اشبہار" ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب (ن-ب)
6. اصل متن میں "علوان بکری" ہے مگر محمد بن قاسم کے لشکر میں علوان نہیں بلکہ اس کا بیٹا ذکوان شامل تھا۔ دیکھئے صفحات [107، 155، 171-72، 174، 187 اور 192] (ن-ب)
7. (پ) (ر) (م) میں "مطابق" (ن) (ب) (ج) میں "مسیل" (س) (ک) میں "مستجل" ہے۔

جھیل وکر بہار[1] کہتے تھے۔ چنانچہ وہ اسی جھیل کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ اس اطراف کے سب لوگ[2] شمنی اور بدھ کے پیرو[3] تاجر تھے۔ [وہ] سب فرماں برداری سے پیش آئے۔ محمد بن قاسم نے حجاج کے فرمان کے مطابق سب کو امان دے کر فرمایا کہ "اپنے وطن میں آرام سے آسودہ رہو اور اپنا جزیہ وقت پر خزانے میں پہنچاتے رہو۔" پھر ان پر جزیہ مقرر کر کے ان میں سے دو اشخاص کو ان پر رئیس مقرر کیا۔ [ان میں سے] ایک بواد شمنی[3] تھا اور دوسرا بدھگنی ابن بھمن ڈھول[4]۔ اس طرف کے نواح کے لوگ جت تھے جنہوں نے [متفقہ طور پر] اطاعت قبول کی۔ [چنانچہ] حجاج کے حکم کے مطابق سب کو خوف سے امان دے کر [محمد بن قاسم نے] یہ حال [حجاج کے پاس] لکھ بھیجا۔

جب یہ سارے حالات حجاج کو معلوم ہوئے تب اس نے جواب دیا کہ "حکم ظاہر ہے کہ جو بھی جنگ کرے اسے قتل کرو دوسری صورت میں ان کی بیٹیاں اور بیٹے ضمانت کے طور پر قید کر کے بند رکھو جو لوگ فرماں برداری کے لائق ہیں اور ان کے دل صاف ہیں، انہیں امان دے کر ان کے ذمے جزیہ مقرر کرو۔ دستکاروں اور تاجروں پر بہت ہلکا بوجھ رکھنا۔ جس کے متعلق بھی یہ معلوم ہو کہ وہ زراعت اور کاشت میں بڑی محنت کرتا ہے اس سے قانونی محصول میں رعایت اور ہمدردی کی جائے۔ جو اسلام کی عزت سے مشرف ہو اس کے مال اور زراعت سے دسواں حصہ لیا جائے۔ جو اپنے دھرم پر قائم رہے۔ اس کے [219] کارخانے اور زراعت سے ملک کے قانون کے مطابق دیوانی محصول کا حصہ وصول کر کے عاملوں کے حوالے کیا جائے۔"

---

1. فارسی ایڈیشن کی عبارت "دندہ وکر بہاد" ہے، جو غالباً (م) (ب) کے مطابق ہے۔ (پ) میں "دیدہ وکر بہاد" (ر) میں "دندہ وکر بہار" (ن) میں "دندہ وکر بہاد" (ح) میں "وکر بہا" ہے۔ ہم نے (ر) کی عبارت "دندہ وکر بہار" [دندہ (جھیل) وکر بہار] کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس خطہ میں شمنی اور بودھی باشندوں کی آبادی سے یہ خیال ہوتا ہے کہ "وکر بہار" اس خطہ کا شاید کوئی بدھ کا معبد تھا جس کی وجہ سے جھیل کا بھی یہی نام پڑ گیا۔ بدھ کے معبدوں کے نام کے آخر میں عموماً لفظ "بہار" ہوتا ہے۔ (ن-ب)

2 - 2. فارسی ایڈیشن میں اصل الفاظ سمنیان و بدگان ہے۔ (پ) (ن) (ب) (ح) (ک) میں "بدگان" کے بجائے "بھرمان" ہے۔ (س) میں "بھرمان" (ر) "ازکان" (م) میں "لدکان" ہے۔

3. اصل متن میں "بمنی بواد" ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ر) (ن) میں بھی "بواد" ہے۔ (پ) میں "بمان" اور (ک) میں "بواد" ہے۔ (ن-ب)

4. فارسی ایڈیشن میں اس نام کا تلفظ "بدھکی بمن دھول" دیا گیا ہے جو کہ (م) (ن) اور (ب) کے مطابق ہے۔ (ر) میں "بدھکی بھمن ڈھول" (پ) میں "بلی زن داہر" اور (ک) میں "بدکی" ہے۔ ہم نے (ر) کی عبارت کی مناسبت سے سندھی نام کے مطابق "بدھگنی [ابن] بھمن ڈھول" اختیار کیا ہے۔ (ن-ب)

اس کے بعد [محمد بن قاسم] نے وہاں سے ڈیرے اٹھائے اور جا کر بھراور [1] میں منزل انداز ہوا۔ وہاں سلیمان بن نبھان اور [قبیلۂ] کندہ کے آزاد کئے ہوئے غلام ابو فضۃ القشیری کو بلا کر [انہیں] خدائے عزوجل اور مزید تائید کے لئے کندہ کی اولاد کی قسم دے کر [2] ان کے اور جنید بن عمرو اور بنی تمیم کی جماعت کے درمیان محبت پیدا کرا کے [اور باہم] ملا کر اہل بہراور [کے علاقے] کی سرحد پر روانہ کیا۔ [3] جہاں جا کر وہ مقیم ہوئے۔ پھر عمرو بن مختار الاکبر حنفی کو نائب مقرر کر کے نامور بہادروں کی ایک جماعت اس کی فوج میں شامل کی۔

سموں کا استقبال کے لئے آنا

اس کے بعد [محمد بن قاسم نے] سموں کے قبیلے کی طرف رخ کیا، قریب پہنچنے پر انہوں نے ڈھول اور شہنائیاں بجاتے اور ناچتے ہوئے [اس کا] استقبال کیا۔ محمد بن قاسم نے پوچھا کہ "یہ ہنگامہ کس لئے ہے؟" بتلایا گیا کہ "ان کی رسم ہے کہ جب کوئی نیا حاکم یا بادشاہ [مقرر] ہوتا ہے تب خوشی منا کر ناچ اور راگ کے ساتھ پیش آتے ہیں۔" اس کے بعد خریم بن عمرو، محمد بن قاسم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "خدائے تعالیٰ کی حمد اور تہلیل [3] ہم پر واجب ہے کہ جس نے یہ جماعت ہماری تابعدار اور زیر فرمان کی ہے اور ہمارا حکم اس ملک میں جاری ہوا ہے۔" خریم ایک [220] دانا اور ہوشیار شخص تھا اور اس کے ساتھ دیندار اور امین

---

1. فارسی ایڈیشن کی عبارت یہ ہے "و بہ بیراور نزول کرد" اور اس لحاظ سے یہ نام "بیراور" ہو سکتا ہے۔ (ر) اور (ن) کی عبارت ہے "بھراور نزول کرد" یعنی "بہراور" لفظ مفرد ہے۔ ہمارا بھی یہی خیال ہے کہ یہ نام مرکب یعنی "بہ بیراور" نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اصل نسخے کی عبارت "و بہ بہراور نزول کرد" ہو اور کاتبوں نے پہلے "بہ" کو زائد سمجھ کر ترک کر دیا ہو۔ ہمارے اس خیال کا پہلا سبب اس نام کا نسخہ (پ) میں دیا ہوا تلفظ ("قہراوۂ") ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کی عام صورت "بھراوۂ" یا "بھراور" ہے یعنی اس نام کے شروع میں "ھ" سے پہلے ایک شوشہ یا دندانہ ہے۔ دوسرا سبب ذیل میں غالباً اسی نام "بھراور" کا جملہ قلمی نسخوں میں تلفظ "بھرج" ہے جس کا ابتدائی نصف حصہ "بھر" ہے۔ (ن-ب)

2. فارسی ایڈیشن کی عبارت اس طرح ہے "و ایشانرا و آنجماعت را بہ جنید بن عمرو و بنی تمیم داد و بحد اہل بیرج فرستاد" مگر ایک تو سارے نسخوں میں پہلے "بہ" کی جگہ پر "از" ہے۔ دوسرے "بنی تمیم" کے بعد سارے نسخوں میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں جو کہ ایڈیٹر نے مبہم سمجھ کر چھوڑ دیے ہیں۔ (پ) "محبت" (ن) (ب) (ح) "محبت بہ"، (س) "محبت بست" (ک) "محبت بہ" غالباً "محبت بست" یعنی "محبت کرا کے" صحیح ہے۔ دیکھئے حاشیہ فارسی ایڈیشن ص [220]۔ اور اس لحاظ سے یہ فارسی عبارت یوں ہوگی "و ایشانرا و آن جماعت را از جنید بن عمرو و بنی تمیم محبت بست داد و بحد اہل بھرج فرستاد"، زیر بھی اسی لحاظ سے کیا گیا ہے مگر "بھرج" غالباً "بہراور" کی تصحیف ہے۔ کیونکہ شہر "بھرج" جس کا فارسی ایڈیشن کے صفحات [76] اور [82] میں پہلے ذکر آ چکا ہے۔ اس وقت سندھ کی حدود سے باہر اور مکران کے مغرب میں غالباً سیستان کی حدود میں تھا یہاں اس کا ذکر بے موقع ہے محمد بن قاسم "بھراور" میں آ کر اترا تھا اور اسی علاقے "بھراور" کا انتظام ہی اس کے پیش نظر تھا۔ (ن-ب)

3. یعنی ذکر لا الٰہ الا اللہ کرنا (مترجم)

بھی تھا۔ اس کے بیان پر محمد بن قاسم نے ہنس کر کہا کہ "[اچھا] ان کی حکومت تجھے عطا کی گئی۔" اور اس کے بعد [ان سمنوں کو] اس کے آگے ناچ اور تماشے کرنے کا حکم دیا۔ [اس پر] خریم نے بھی انہیں مغربی سونے کے بیس دینار انعام میں دیئے اور کہا کہ "یہ بادشاہی رسم ہے کہ جب کسی حاکم کے آنے پر خوشی کرتے ہیں اور شکر الٰہی بجا لاتے ہیں تو یہ نعمت ان پر مستقیم رہتی ہے۔"

محمد بن قاسم کا لوہانہ سے سہتہ [علاقے] کی جانب منزل کرنا (کوچ کرنا)[1]

[2]حکایتوں کے راوی نے، علی بن محمد سے [اور اس نے] عبدالرحمٰن عبد ربہ السلیطی سے اس طرح روایت کی ہے[2] کہ جب "محمد بن قاسم [علاقۂ] لوہانہ کے کاروبار سے فارغ ہو کر سہتہ [قوم کے علاقے] میں منزل انداز ہوا تو ان کے رئیسوں اور سربراہوں نے سر اور پا برہنہ ہو کر اس کا استقبال کیا اور امان طلب کی۔ انہیں بھی امان دے کر [ان پر] جزیہ مقرر کیا اور ان کے ضامن لئے۔ پھر سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے اروڑ کا رخ کیا اور ان کے رہبروں کی پیشوائی میں اروڑ تک آیا کہ وہ شہر ہند کا پایۂ تخت اور سندھ کا سب سے بڑا شہر ہے اور وہاں کے باشندے زیادہ تر تاجر، صناع اور کسان ہیں۔ راجہ داہر کا بیٹا گوپی[3] اس قلعے پر قابض تھا اور کوئی بھی شخص اس کے سامنے راجہ داہر کے قتل ہو جانے کی خبر بیان نہ کر سکتا تھا۔ وہ کہتا رہتا تھا کہ "راجہ داہر ابھی زندہ ہے اور ہندوستان کا لشکر لینے کے لئے گیا ہوا ہے تاکہ اس کی قوت اور مدد سے عرب کے لشکر کا مقابلہ کرے۔" [محمد بن قاسم] اس قلعے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک ماہ تک چھاؤنی ڈالے پڑا رہا۔ اس نے وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور اس میں جمعہ کے دن خطبہ پڑھا کرتا۔

---

1. اصل عنوان "منزل کردن محمد بن قاسم بطرف لوہانہ وسہتہ" ہے۔ یعنی "محمد بن قاسم کا لوہانہ اور سہتہ کی طرف منزل کرنا" مگر نیچے کے مضمون سے واضح ہے کہ محمد بن قاسم لوہانہ کے علاقے کا انتظام مکمل کر چکا تھا اور اب سہتہ یا سمنوں کے علاقے کی طرف روانہ ہوا۔ (ن-ب)
2. [2]اصل عبارت یہ ہے "راوی احادیث از علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ السلیطی چنان روایت کرد"۔ در حقیقت علی بن محمد (المدائنی) اور عبدالرحمٰن دو مختلف نام ہیں۔ محمد اور عبدالرحمٰن کے درمیان "بن" کا لفظ غلط ہے اور غالباً "عن" (یعنی سے) کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بھی غلط ہے۔ صحیح نام عبدالرحمٰن بن عبد ربہ السلیطی ہے جس کا ذکر صفحات [81، 83 اور 99] پر آ چکا ہے۔ (ن-ب)
3. اصل صورت خطی "توفی" ہے۔ کی ہوئی ترمیم کے لئے دیکھئے حاشیہ نمبر 1 ص [222] (ن-ب)

اہلِ اروڑ سے جنگ کرنا

اس کے بعد اروڑ والوں سے جنگ شروع کی، انہیں [اہلِ اروڑ کو] امید تھی کہ داہر کوئی کمک [221] لائے گا۔ چنانچہ قلعے کے اوپر سے انہوں نے نعرے بلند کئے کہ "تمہیں جان و مال کی معافی نہ ملے گی، کیونکہ ڈاہر کمک لے کر آرہا ہے۔ ہاتھیوں، سواروں اور پیادوں کا بے انداز لشکر تمہارے پیچھے آئے گا اور ہم قلعے سے باہر نکل کر تمہاری فوج کو شکست دیں گے۔ اس وقت تم اپنا مال اور اسباب [خواہ مخواہ] ضائع کر رہے ہو، اپنی جان پر رحم کھا کر بھاگ جاؤ مبادا برباد ہو۔ [خیریت چاہتے ہو تو] یہ نصیحت گوش گذار کرو۔"

داہر کی بیوی لاڈی کا اروڑ کے قلعے والوں سے گفتگو کرنے کے لئے جانا

محمد بن قاسم نے جب جنگ کے لئے ان کی جانفشانی دیکھی اور ان کی مقاومت کا مشاہدہ کیا کہ وہ [کسی طرح بھی] داہر کا قتل کیا جانا تسلیم نہیں کرتے، تب اس نے ڈاہر کی بیوی لاڈی کو، جسے کہ مالِ غنیمت سے خرید کر اپنے نکاح میں لایا تھا، اسی سیاہ اونٹ پر، کہ جس پر داہر کی بیوی (لاڈی) [گرفتار ہونے کے بعد] سوار تھی، سوار کر کے اپنے قابلِ اعتماد آدمیوں کے ساتھ قلعے کے سامنے بھیجا۔ چنانچہ اس نے [قریب جا کر] بلند آواز سے کہا کہ "اے قلعے والو! تمہاری بھلائی کی بات ہے، سامنے آکر کھڑے ہو تو کہوں۔" خاص آدمیوں کی ایک جماعت فصیل پر آگئی۔ اس کے بعد لاڈی نے منہ کھول کر کہا "میں ہوں داہر کی بیوی لاڈی۔ ہمارا راجہ قتل ہو چکا ہے اور اس کا سر، جھنڈوں کے ساتھ عراق اور تاج دارالخلافہ کو بھیج دیا گیا ہے [اب] تم خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔" (قولہ تعالیٰ) وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ [1] (خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو) اس کے بعد چیخ کر زار زار رونے اور بین کرنے لگی۔ وہ لوگ قلعے کے اوپر سے کہہ رہے تھے کہ "تو جھوٹ بولتی ہے۔ تو خود بھی ان گائے خور چنڈالوں سے مل گئی ہے۔ ہمارا راجہ ابھی زندہ ہے۔ اور زبردست لشکر، کثیر انبوہ اور مست ہاتھی ساتھ لے کر دشمنوں کو دفع کرنے کے لئے آئے گا۔ تو نے خود کو عربوں کے ساتھ خراب اور آلودہ کیا ہے اور [اب] ہمارے ملک پر عربوں کی حکومت کو ترجیح دیتی ہے۔" [اس طرح] وہ گالیاں دیتے رہے۔ یہ خبر محمد بن قاسم کو پہنچی، چنانچہ لاڈی کو واپس بلا کر اس نے کہا کہ "سیلائج کے گھرانے سے بخت بیزار ہو چکا ہے۔"

1. سورۃ البقرہ رکوع 24

داہر کی موت کے بارے میں ایک ساحرہ کا امتحان کرنا

اس حکایت کے آرائش کرنے والوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ: اروڑ کے قلعے میں ایک ساحرہ رہتی تھی، جسے ہندی میں جوگنی کہتے ہیں، گوپی [بن] داہر[1] اور شہر کے خاص آدمیوں نے اس کے پاس جا کر عرض کیا کہ "تیرے علم سے ہمیں امید ہے کہ راجہ داہر کی خبر معلوم ہوگی کہ کہاں ہے؟" ساحرہ نے کہا کہ "مجھے آج کے دن کی مہلت دو تو میں امتحان کر کے اور پوری خبر معلوم کر کے تمہیں آگاہ کروں۔" اس کے بعد گھر گئی اور تین پہروں کے بعد (جزیرہ) سرانديپ سے مرچ اور جائفل کے درختوں کی تازہ شاخ، کلیوں، پھولوں اور پھلوں سمیت ہاتھ میں لئے واپس آئی اور کہنے لگی "قاف سے قاف تک [میں نے] ساری دنیا کی سیر کی، لیکن سندھ اور ہند میں کسی مقام پر بھی اس کا نشان تک نظر نہ آیا اور نہ اس کی کوئی خبر [ہی] سنی۔ [اب] جا کر اپنی کوئی تدبیر کرو اگر زندہ ہوتا تو مجھ سے پوشیدہ نہ رہتا۔ اس خبر کی تصدیق کے لئے سرانديپ سے تمہارے پاس ہری ٹہنیاں لے کر آئی ہوں تاکہ تمہیں مجھ سے بدگمانی نہ ہو۔ مجھے یقین ہوگیا ہے کہ روئے زمین پر تمہارا راجہ زندہ نہیں ہے۔"

عہد وثیق کر کے قلعۂ اروڑ کو حوالے کرنا

اس خبر کے معلوم ہونے پر شہر کے عام و خاص لوگوں نے کہا کہ "ہم محمد بن قاسم کی دینداری اور پرہیزگاری، دادرسی اور بے ریائی، عدل اور فضل، وعدہ وفائی اور قول کی سچائی [پہلے ہی] سن چکے ہیں اور اب [خود آنکھوں سے] دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ کسی قابلِ اعتماد شخص کی معرفت پیغام بھیج کر اور امان طلب کر کے قلعہ اس کے حوالے کر دیں۔ [اس طرف] جب گوپی[2] کو داہر کے قتل ہونے اور رعایا کے پریشان ہونے کی خبر ہوئی تو جب ستاروں کا بادشاہ رات کے سیاہ پردے میں پوشیدہ ہوگیا تب وہ اپنے خاندان اور حامیوں کو ساتھ لے کر قلعے سے نکلا اور چتور[3] [کی طرف] چلا گیا۔ اس کے بھائی[4] جیسیہ اور وکیہ[4] داہر کے بیٹے

---

1. اصل متن میں "گوپی داہر" ہے۔
2. اس مقام پر اور آئندہ صفحہ پر (پ) (ن) (ب) (ک) کی متفقہ عبارت "گوپی" ہے۔ (ر) میں "قوفی" یا "قوفی" ہے اور (م) میں "قوفی" ہے جو کہ فارسی ایڈیشن میں بھی اختیار کی گئی ہے۔ ترمیم کے لئے دیکھئے حاشیہ ص [222] (ن-ب)
3. یہ عبارت نسخہ (پ) کے مطابق ہے۔ (ن) (ر) میں "جتور" اور (ب) (س) میں "جتور" ہے۔
4-4. فارسی ایڈیشن میں "جیسیہ و وکیہ" ہے جو کہ شاید نسخہ (پ) کے مطابق ہے۔ (ر) (م) میں "جیسیہ و وکیہ" (ن) (ب) (ج) "جیسیہ و وکیہ" ہے، ہم نے اس آخری عبارت کو ترجیح دی ہے، کیونکہ "دکیہ" قدیم سندھی نام "دکیہ" ہے۔ (ن-ب)

[ابھی] وہیں تھے جو کہ نزوالہ صندل[1] نامی ایک مقام پر اقامت گزین تھے۔ علاقوں میں سے ایک شخص نے جو کہ اروڑ میں گوپی کی رفاقت میں تھا، گوپی کے فرار اور روپوش ہو جانے کی خبر لکھ کر تیر سے باندھ کر [لشکر اسلام کی طرف] پھینکی کہ گوپی [بن] داہر اروڑ کی حکومت چھوڑ کر کسی طرف چلا گیا ہے۔

روایت: محمد بن قاسم نے لشکر کو جنگ کے لئے بھیجا۔ جنگجو سورما اور نامور بہادر قلعے کی دیوار پر چڑھ گئے اور جا کر [دست بدست] جنگ چھیڑ دی۔

مزدوروں اور رعایا کا امن طلب کرنا

پھر تاجروں، دستکاروں اور مزدوروں نے پیغام بھیجا کہ "[ہم] برہمنوں کی بیعت سے باز آئے ہیں، کیونکہ راجہ داہر ہمارے سروں سے اٹھ گیا اور اس کے بیٹے [گوپی نے] بھی [ہم سے] منہ پھیر لیا۔ ہم تو یہ دن نہ چاہتے تھے، لیکن جب ان ساری باتوں کے لئے حکم الٰہی [صادر] ہی ہو چکا ہے تو کسی مخلوق کو اس تقدیر سے مقابلہ کرنے کا یارا نہیں ہے اور [یہ حکم کسی] جنگ یا حیلے سے نہ ٹل سکے گا۔ دنیا کی بادشاہتیں کسی فرد کی ملکیت نہیں ہیں۔ جیسے کہ قضا کے لشکر نے پردۂ غیب سے نمودار ہو کر کسی بہانے بعض راجاؤں سے تخت و تاج چھین لیا اور بعضوں کو ابتذالِ زمانہ، حادثات اور شکست سے زیر بار کیا۔ چنانچہ نہ قدیم بادشاہت کا اعتماد رہا اور نہ نئی امارت کا [بلکہ حکومت] جس کے ہاتھ میں آئے اسی کے قبضے میں رہنی چاہئے۔ اس لئے ہم تیری خدمت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیرے عدل و انصاف کے وسیلے سے تیری اطاعت کا ہار اپنی گردنوں میں ڈالتے ہوئے قلعہ، امیر عادل کے امینوں کے حوالے کرتے ہیں۔ ہمیں امان دے کر لشکر کے خوف سے بے خوف فرما۔ یہ قدیم بادشاہت اور عظیم امانت راجہ داہر نے ہمارے سپرد کی تھی۔ جب تک وہ حیات رہا تب تک [ہم] اس کا حق نمک ادا کرتے رہے، مگر جب کہ داہر قتل ہو گیا ہے اور اس کا بیٹا گوپی بھی چلا گیا ہے تو ہمارے لئے تیری خدمت کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔" محمد بن قاسم نے جواب دیا کہ "میں نے تمہارے پاس نہ کوئی پیغام بھیجا تھا اور نہ ہی کوئی قاصد روانہ کیا تھا۔ تم آپس میں متفق ہو کر امان طلب کرتے ہو اور پختہ اقرار کرتے ہو۔ اگر ہماری خدمت کی طرف تمہاری رجحان اور رضامندی میں صداقت ہے تو جنگ سے ہاتھ اٹھاؤ اور پختہ اقرار اور پورے اعتماد کے ساتھ [فصیلوں سے] اتر آؤ، اگر نہیں تو پھر ہمارے تمہارے

1. اس نام کا تلفظ نسخہ (ن) (ب) (ح) کے مطابق دیا گیا ہے اور فارسی ایڈیشن میں بھی یہی ہے۔ (ر) (م) میں "نزول صندل" (پ) (ک) میں "نزوالہ بدل" اور (س) میں "بزوالہ صدل" ہے۔ (ن-ب)

درمیان عداوت ہے۔ اس کے بعد پھر نہ ہم تمہارا کوئی عذر سنیں گے، نہ قبول کریں گے اور نہ ہی معاف کریں گے۔ تمہیں ہمارے لشکر کے خوف سے بے خوف نہ رہنا چاہئے۔"

اہلِ قلعہ کا اقرار

[اس پر اہلِ قلعہ] فصیلوں سے اتر گئے اور ایک دوسرے سے عہد و اقرار لے کر کہنے لگے کہ "اس وعدے پر دروازہ کھول کر اس وقت تک ٹھہرتے ہیں کہ جب تک محمد بن قاسم آ جائے۔ [پھر] اگر وہ اپنے وعدے پر قائم رہا تو اطاعت کریں گے اور خدمت کے طریقے پر چلیں گے تاکہ مہربانی کر کے ہمیں [225] قبول کرے اور امان دے، دوسری صورت میں فریب سے ہوشیار رہنا۔" اس کے بعد قلعے کی کنجیاں ہاتھوں میں لے کر دروازے پر آئے۔ حجاج کے جو امین درمیان میں تھے وسیلہ بنے اور قلعے والے دروازہ کھول کر مستعد ہو گئے۔

محمد بن قاسم کا قلعے میں داخل ہونا

پھر محمد بن قاسم دروازے سے اندر داخل ہوا [اس کے آنے کی خبر سنی تو] سارے شہری بت خانہ نوبہار کے سامنے جمع ہو کر سجدے کرنے اور بت کی پوجا کرنے لگے۔

روایت: محمد بن قاسم نے کہا کہ "یہ کس کا گھر ہے کہ سارے چھوٹے بڑے اس کی خدمت میں دو زانو ہو کر سجدے کر رہے ہیں؟" [لوگوں نے] کہا کہ "یہ بت خانہ ہے جسے نوبہار کہتے ہیں۔" [پھر] محمد بن قاسم کے حکم سے بت خانہ کھولا گیا اور وہ اپنے امینوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ [وہاں] سنگِ مرمر کی بنی ہوئی ایک مورتی کو گھوڑے پر سوار دیکھا، جس کی کلائیوں میں یاقوت اور جواہرات جڑے ہوئے سونے کے کنگن پڑے تھے۔ محمد بن قاسم نے ہاتھ بڑھا کر بت کے ہاتھ سے کنگن اتار لیا۔ اس کے بعد نوبہار بت کے مجاور کو پکار کر کہنے لگا "تمہارا بت یہی ہے؟" وہ بولا "ہاں! لیکن اس کے [ہاتھوں میں] دو کنگن تھے جن میں سے ایک نہیں دکھائی دیتا۔" محمد بن قاسم نے کہا "آخر تمہارے معبود کو اتنی بھی خبر نہیں ہوتی کہ اس کا کنگن کس کے پاس ہے۔" مجاور نے سر جھکا لیا۔ محمد بن قاسم نے مسکرا کر اسے کنگن واپس کر دیا۔

محمد بن قاسم کا اہلِ حرب کو قتل کرنا

اس کے بعد محمد بن قاسم نے حکم دیا کہ "جنگ کرنے والے لوگ اگر فرماں برداری کے لئے بھی سر جھکائیں تب بھی انہیں نہ چھوڑا جائے۔" اس پر لاڈی نے کہا کہ "اس ملک کے لوگ

[زیادہ تر] معمار اور کچھ تاجر ہیں۔ یہ شہر انہی کے دم سے آباد اور سرسبز ہے۔ انہی کی مشقت اور زراعت [226] کی وجہ سے خزانے میں مال موجود رہتا ہے اگر [انہیں] قتل کر ڈالے گا تو تیرا [ہی] مال تلف ہوگا۔" محمد بن قاسم نے کہا کہ "یہ رانی لاڈی کا حکم ہے" اور ان سب کو امان دے دی۔

ایک شخص کا باہر نکل کر امان طلب کرنا

اس حکایت کے راوی اور اس تاریخ کے بیان کرنے والے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ جو گروہ قتل کرنے کے لئے جلادوں کے حوالے کیا گیا تھا، اس میں سے ایک شخص نے باہر نکل کر کہا کہ "میرے پاس ایک عجوبہ ہے۔" جلاد نے کہا "مجھے دکھا۔" اس نے کہا "امیر کے سوا کسی کو نہ دکھاؤں گا۔" محمد بن قاسم کو یہ خبر دی گئی، اس نے کہا کہ "اسے لے آؤ۔" آنے پر پوچھا "تیرے پاس کون سا عجوبہ ہے؟" وہ بولا "ایسی چیز جو کسی نے نہیں دیکھی۔" محمد بن قاسم نے کہا "دکھلا۔" برہمن نے کہا کہ "اس شرط پر کہ تو مجھے، میرے تابعداروں اور عیال و اطفال سب کو امان دے گا۔" محمد بن قاسم نے کہا کہ "امان دی۔" [برہمن نے] کہا کہ "اپنے نشان مبارک کے ساتھ دستخط کیا ہوا پروانہ عطا کر۔" محمد بن قاسم نے سمجھا کہ اس کے پاس شاید قیمتی جواہرات یا قیمتی زیورات ہیں جو پیش کرے گا۔ [چنانچہ اس نے پروانہ پر دستخط کر دیئے] جب اقرار پختہ ہو چکا اور دستاویز ہاتھ میں آگئی، تب اس نے اپنی ڈاڑھی پر [ہاتھ] مار کر بالوں کی گانٹھیں کھول کر بکھیر دیں اور اپنی ڈاڑھی کے سرے کو پیر کے انگوٹھے پر لپیٹ کر کھڑا ہو کر ناچنے لگا اور اس طرح کہنے لگا۔ شعر:

کس ندیدست این عجب کہ مراست
موئے ریشم ہمی کشاں تا پاست:

محمد بن قاسم حیران رہ گیا۔ جو لوگ حاضر تھے، انہوں نے کہا "یہ کون سا عجوبہ ہے کہ جس کے وسیلے سے اس نے امان طلب کی ہے۔ اس نے ہمیں فریب دیا ہے۔" [لیکن] محمد بن قاسم نے کہا کہ "قول، قول ہے اور وعدہ، وعدہ۔ اپنے وعدے سے پھر جانا بزرگوں کا شیوہ نہیں ہے۔" رباعی

منگر تو بدان کہ ذو فنون آید مرد
در عہد وفا نگر، کہ چون آید مرد

در عہدۂ عہد اگر برون آید مرد
از ہرچہ گمان بری، فزون آید مرد

[بعد میں] امیر محمد بن قاسم نے کہا کہ میں "اسے قتل تو نہیں کرتا، لیکن قید میں رکھتا ہوں اور یہ معاملہ حجاج بن یوسف کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ وہ کیا فرماتا ہے۔" پھر اسے اس کے دو سو عزیزوں اور متعلقین سمیت قید کر کے حجاج کے پاس خط لکھا۔ حجاج نے اس معاملے پر کوفہ اور بصرہ کے عالموں سے رائے لی اور خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک کو بھی مطلع کیا۔ [آخر] خلیفہ اور علماء کا جواب پہنچا کہ [اس سے پیشتر] رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابیوں کے درمیان خود ایسے دعواؤں کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ [دیکھو] قولِ خدا: رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (وہ مرد کہ جنہوں نے وہ وعدہ سچا کیا کہ جو اللہ سے کیا تھا۔) [1]

حجاج کے خط میں جب یہ جواب پہنچا تب [محمد بن قاسم نے] اسے، اس کے متعلقین اور عزیزوں سمیت آزاد کر دیا۔

جیسینہ کا کیرج کی طرف جانا

معمر اور بزرگ لوگوں سے [سنی ہوئی] روایت بیان کرتے ہیں کہ: جب جیسینہ سات سو پیادے اور سوار ساتھ لے کر کیرج کے قلعے میں پہنچا تو کیرج کے راجہ نے [اس کا] استقبال کیا اور بڑی مہربانیوں سے پیش آیا اور اچھے وعدوں سے تسلی دے کر بولا کہ "لشکرِ اسلام کے خلاف جنگ میں، میں تیری مدد کروں گا۔" دروہر رائے [228] کا قاعدہ تھا کہ ہر چھ مہینے میں ایک دن فارغ ہو کر عورتوں کے ساتھ رقص و موسیقی اور شراب کی محفل جماتا تھا اور کسی بھی اجنبی کو اس کی [اس] محفلِ خلوت میں اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ قضائے الٰہی سے جیسینہ [بن] داہر جس دن وہاں پہنچا، وہی راجہ دروہر رائے کے جشن کا دن تھا۔ اس نے جیسینہ کے پاس آدمی بھیج کر کہلا بھیجا کہ "آج ہماری خلوت ہے۔ حالانکہ کوئی بھی نامحرم ہماری خلوت سرا میں نہیں آ سکتا، لیکن تم ہمارے پیارے مہمان اور فرزند کی بجائے ہو، اس لئے چلے آؤ اور قدم رنجہ فرماؤ۔" [اس پیشکش پر] جیسینہ آ کر راجہ کی عورتوں کی محفل میں بیٹھ گیا۔ [محفل میں] جیسینہ سر جھکائے زمین پر لکیریں کھینچتا رہا اور ان عورتوں کی طرف نظر نہ اٹھائی۔ اس پر دروہر نے کہا کہ "یہ عورتیں تیری مائیں بہنیں ہیں، بے شک سر اٹھا کر نظارہ دیکھ۔" جیسینہ نے کہا کہ "ہم خاندانی راہب ہیں، اس وجہ سے نامحرم عورتوں کی طرف نہیں دیکھتے ہیں۔" اس کے بعد راجہ دروہر نے اسے [عورتوں کی طرف] دیکھنے کی معافی دے کر اس کی حیا اور پرہیزگاری کی تعریف کی۔

1. سورۃ الاحزاب: رکوع 3

کہتے ہیں کہ جو عورتیں وہاں آ کر جمع ہوئیں [ان میں] درو ہر کی بہن چنگی، یعنی حسینہ اور جمیلہ [بھی] تھی۔ جیسینہ بھی بادشاہ زادہ تھا جس کا حسن کامل، قد صنوبر جیسا، صورت موہنی اور سیرت دلنشین تھی۔ اس کے الفاظ موتیوں جیسے، آواز رسیلی، آنکھیں نشیلی اور رخسار لالۂ وگوہر جیسے تھے۔ درو ہر کی بہن نے اسے دیکھا اور [دیکھتے ہی] جیسینہ کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی [229] وہ ہر گھڑی اور ہر لحمہ [اسے] دیکھتی اور ناز و ادا سے لبھاتی رہی۔

جیسینہ جب سرائے میں واپس گیا تب درو ہر کی بہن [بھی] اٹھ کر اپنے گھر چلی گئی اور [جاتے ہی] ایک محافہ تیار کرا کر اس میں بیٹھ گئی اور کنیزوں سے اٹھوا کر جیسینہ کے جائے قیام پر جا پہنچی۔ اس کے بعد معافہ سے اتر کر اندر چلی گئی۔ جیسینہ کو نیند آ گئی تھی۔ چنگی کے منہ سے شراب کی بُو اس کے دماغ تک پہنچی تو بیدار ہو گیا اور چنگی کو اپنے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھ کر جست لگا کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا "شہزادی نے کس کام سے قدم رنجہ فرمایا ہے؟ اس طرح کیسے آنا ہوا؟" عورت نے کہا کہ "اے احمق! یہ مطلب پوچھنا بھی کیا ضروری ہے۔ ایک حسین اور جوان عورت عین اندھیری رات میں تجھ جیسے شہزادے کے دیدار کے لئے آئی ہے اور میٹھی نیند سے اٹھا کر تجھ سے ہم بستر ہونا چاہتی ہے۔ خصوصاً میرے جیسا معشوق کہ جس کے ناز و ادا پر ساری دنیا مفتون ہے اور جس کے وصال کے لئے سارا جہان دیوانہ ہے۔ شہزادے سے یہ بات مخفی نہیں رہنی چاہیے تھی، حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے تھا اور اس موقع کو صبح تک کے لئے غنیمت جاننا چاہیے تھا۔" جیسینہ نے جواب دیا کہ "اے شاہزادی! ہمیں اپنے نکاح میں آئی ہوئی عورت کے سوا کسی بھی نامحرم عورت سے میل ملاپ رکھنے کی مجال نہیں ہے۔ یہ کام ہم سے نہ ہو سکے گا، کیونکہ ہم برہمن، راہب اور پرہیزگار ہیں اور بزرگوں، متقی، عالموں اور حریت پروروں کو ایسا کام کرنا زیب نہیں دیتا۔ خبردار! جو ہمیں اس گناہِ کبیرہ سے آلودہ کیا۔" اس نے (چنگی نے) بڑی التجائیں کیں مگر [جیسینہ نے] ذرا بھی التفات نہ کیا اور اسے دھتکار دیا۔

چنگی کا جیسینہ سے نا امید ہونا

نا امید ہو جانے پر چنگی نے کہا "اے جیسینہ! [تو نے] مجھے تو خیر اس دلی ارادے [230]، نفسانی لذت اور روحانی خواہش سے محروم کیا ہے لیکن اب میں بھی خود پر واجب سمجھتی ہوں کہ پہلے تجھے برباد کروں گی اور اس کے بعد خود کو نذرِ آتش کر دوں گی۔ [یہ کہہ کر] اپنے گھر

واپس آئی اور شب خوابی کا لباس پہن کر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ رات سے صبح تک بستر پر [سوزِ عشق میں] بھٹکتی اور تڑپتی رہی اور یہ بیت[1] پڑھتی رہی:

تا عشق و جمال تو شدہ دل سوزم
وین شمع جمال تست جان افروزم

انصافم دہ، وگر نہ فریاد کنم
خود را و ترا وشہر درہم سوزم

دوسرے دن جب ستاروں کا بادشاہ آسمانوں کے بُرجوں سے نمودار ہوا اور [رات کا] سرمئی پردہ چاک ہوا۔ تب چچی کو نیند آ گئی جدائی کا نشہ، شراب کے نشے کے ساتھ شامل تھا۔ چنانچہ وہ دوپہر تک کپڑے پہنے ہوئے سوتی رہی۔ اس طرف راجہ درو ہر کی یہ حالت تھی کہ جب تک اس کی بہن چچی نہ آتی تھی اور اس کا منہ نہ دیکھ لیتا تھا، نہ کھاتا تھا نہ پیتا تھا اور اس کی بڑی عزت و تعظیم کرتا تھا۔ چنانچہ وہ اٹھ کر بہن کی رہائش گاہ کی طرف گیا۔ اسے غمگین اور پریشان دیکھ کر بولا کہ ''اے بہن! اے راجہ کی بیٹی! تجھے کیا ہوا ہے جو تیرا لالہ جیسا چہرہ متغیر اور زرد ہوگیا ہے؟'' چچی نے جواب دیا کہ ''اے رائے زادے! اس سے سے زیادہ بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ وہ احمق سندھی جس نے محفلِ عیش و عشرت میں مجھے دیکھا ہے۔ وہ کل شب حرم سرا میں آ کر مجھے اپنی طرف مائل کرنے لگا اور اُس نے میری عفت و عصمت کے دامن کو کہ جو کبھی نجاست کے غبار سے آلودہ نہیں ہوا، اور میرے پرہیزگار نفس اور بے داغ حرمت کو اپنے گناہ کی غلاظت سے ناپاک اور میری پارسائی کے پردے کو چاک کرنا چاہا۔ راجہ کو اس سے میرا انتقام لینا چاہئے تاکہ اس کے بعد کوئی بھی نالائق اس قسم کی خیانت اور دست درازی کی جرأت نہ کر سکے۔'' [یہ سن کر] درو ہر کے غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے بہن سے کہا ''وہ ہمارا مہمان ہے اور راہب اور [231] برہمن [بھی]۔ اس نے ہمارا سہارا بھی لیا ہے اور ہم سے مدد طلب کر رہا ہے۔ تقریباً ایک ہزار جنگجو اس کے ساتھ ہیں۔ اس وجہ سے اسے [بے دریغ] قتل نہ کیا جا سکے گا کہ ہمارے طرف کے دگنے تگنے آدمی قتل ہو جائیں گے۔ لیکن اسے قتل کرنے کے لئے [کوئی] منصوبہ بناتا ہوں۔ تو اٹھ کر کھانا کھا۔ جس صورت میں کہ کوئی حرکت (عملی) سرزد نہیں ہوئی ہے، ایسی صورت میں کوئی سرزنش [کھلم کھلا] نہیں کی جا سکتی۔''

1. چچی فارسی دان نہیں تھی۔ مراد یہ کہ اس رباعی کے ہم معنی اشعار پڑھتی رہی۔ درحقیقت یہ افسانوی رنگ فارسی مترجم کی اختراع ہے۔ (ن-ب)

دروہر کا جیسینھ کے خلاف منصوبہ بنانا اور اُس کی بہن چنگی کا جیسینھ سے مکر

اس کے بعد دروہر گھر آیا اور کبیر بھدر[1] اور بھلو[2] نامی دو جلادوں کو بلا کر ہدایت کی کہ "میں آج دوپہر کے بعد جیسینہ کو بلا کر [اس کی] دعوت کروں گا، پھر کھانا کھانے کے بعد شراب کی محفل میں تخلیہ کرا کے جیسینہ کے ساتھ شطرنج کھیلوں گا۔ تم دونوں آدمی ہتھیاروں سمیت مستعد رہنا اور جب میں کہوں کہ "شاہ مات شد" تب تم [فوراً] تلواریں نکال کر جیسینہ کو قتل کر ڈالنا۔ [اتفاقاً] ایک سندھی کو، جو کہ داہر کا خدمتگار [رہ چکا] تھا اور دروہر کے خاص آدمیوں سے اس کی دوستی تھی، اس حال کی خبر ہوگئی۔ اس نے جیسینہ سے جا کر یہ حقیقت بیان کی اور [اسے] راجہ دروہر کے اس فریب سے آگاہ کر دیا۔ [چنانچہ] کھانے کے وقت جب دروہر کا معتمد جیسینہ کو بلانے آیا تو اس وقت اس نے اپنے جان نثار سرداروں میں سے [دو] ٹھاکروں کو بلا کر کہا کہ:

"اے تورسینہ اور سورسینہ![3] میں راجہ دروہر کی دعوت پر جاتا ہوں۔ تم ہتھیاروں سمیت تیار ہو کر میرے ساتھ چلو۔ میں دروہر کے ساتھ شطرنج کھیلوں گا اور تم ہوشیاری کے ساتھ دروہر پر مسلط رہنا تاکہ نہ وہ کوئی فریب اور اشارہ دے سکے اور نہ کوئی حیلہ ہی سوچ سکے۔" [232]

جیسینھ کا دو ہتھیار بندوں کے ساتھ آنا

[چنانچہ] اس طرح وہ راجہ کے دربار میں گئے۔ ادھر [چونکہ] دروہر نے بھی کسی کو ایسا حکم نہ دیا تھا کہ جیسینہ کے ساتھ کسی دوسرے کو اندر نہ آنے دینا۔ اس وجہ سے [وہ] دونوں بہادر بھی [بلا روک ٹوک] اندر چلے گئے اور بے خبری میں [جا کر] دروہر کے سر پر مسلط ہو گئے۔ شطرنج [کی بازی] ختم ہونے پر دروہر نے انہی [اپنے آدمیوں کو] اشارہ دینے کے لئے سر اٹھایا، لیکن

---

1. اصل متن میں "کبیر بھدر" ہے جو کہ (ر) (م) کے مطابق ہے۔ (ن) (ب) (ج) (ک) میں صرف "کبیل" ہے (پ) میں "کبیل رد" اور (س) میں "کبیل" ہے۔

2. "بھلو" کا تلفظ (ر) (م) کے مطابق ہے۔ (پ) میں "بھلو" (ن) (ب) (ج) (ک) میں "بھو" اور (س) میں "سمو" ہے۔ (ن-ب)

3. اصل متن اور نسخوں میں ان ناموں کا تلفظ "تورسیہ و سورسیہ" ہے۔ "سیہ" دراصل "سینہ" (یعنی شیر) ہے اور اسی وجہ سے دونوں ناموں میں ہم نے 'ن' کا اضافہ کیا ہے۔ (ر) (م) کی عبارت "تورسیہ" کی بجائے "کورسیہ" ہے مگر "تورسینہ" زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ آج تک سندھ میں کسی کی بہادری کی داد دیتے ہوئے کہتے ہیں "واہ تور سنگھ" یا "مرد تور سنگھ" ہے یعنی بہادر اور پہلوان ہے۔ "سنگھ" بھی "سینہ" یا "شیر" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ (ن-ب)

[جیسینہ کے] دو آدمیوں کو ہتھیاروں کے ساتھ مستعد اور ہوشیار دیکھ کر پشیمان ہوا اور کہنے لگا "شہ مات نشد: آن گو سفند را نمی باید کشت۔" جیسینہ سمجھ گیا کہ یہ اشارہ ہے۔ اس کے بعد وہاں سے اٹھ کر وہ اپنی سرائے میں آیا اور گھوڑوں پر زینیں کسنے کا حکم دیا۔ اس عرصے میں وہ خود بھی غسل کر کے اور ہتھیار لگا کر آ گیا اور اپنے لشکر کو تیار کر کے [گھوڑوں پر] سوار ہونے کا حکم دیا۔ [اس طرف] درو ہر نے اپنے ایک معتمد کو یہ دیکھنے کے لئے بھیجا کہ جیسینہ کیا کر رہا ہے۔ اس نے واپس آ کر کہا کہ "اس شخص پر خدا کی رحمت ہو کہ جس کی ذات پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ ہے۔ اس کی بنیاد (نسب) مکرم تھی اور اس کے افعال میں بدی نہ تھی۔ [وہ] خوف و امید میں رہتے ہوئے [بھی] ہمیشہ طہارت اور پاکیزگی کا خیال رکھتا تھا۔"

خبر: کہتے ہیں کہ جیسینہ غسل سے فارغ ہو کر، کھانا کھا کر اور ہتھیار پہن کر [گھوڑے پر] سوار ہوا پھر جانوروں پر سامان بار کرا کے راجہ درو ہر کی بارگاہ کے سامنے آیا اور ملاقات کئے بغیر اسے الوداع کہہ کر اپنے جانے کی اطلاع دی اور اس کے بعد رفیقوں اور فرمانبرداروں کے ساتھ سفر کرتا ہوا جالندھر کی حد سے کشمیر جا پہنچا۔ اس بادشاہ کا نام بلھرا[1] تھا اور [2] شاہ کے آستانہ (پایہ تخت؟) کو اسہ کسہ کہتے تھے[2]۔ جیسینہ وہاں رہنے لگا۔ یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت ہوئی، اور دارالخلافہ کے حکم کے مطابق عمرو بن مسلم الباہلی[3] نے جا کر وہ ملک فتح کیا [233]۔

جیسینہ کی مردانگی اور اس کے نام کا سبب (وجہ تسمیہ)

اروڑ کے بعض برہمنوں سے روایت ہے کہ جیسینہ [بن] داہر مردانگی اور ہوشیاری میں بے نظیر تھا۔ اس کی ولادت کا قصہ اس طرح ہے: ایک دن راجہ داہر شکار کے سامان اور ہتھیاروں کے ساتھ شکارگاہ کو گیا۔ شہر کے باہر [پہنچنے پر] جب [ایک طرف] کتے، چیتے اور بھیڑیئے، ہرنوں کے پیچھے چھوڑے گئے اور [دوسری طرف] شاہین، باز اور شکرے ہوا میں اڑنے لگے تو [اچانک] ایک گرجتے ہوئے شیر نے نمودار ہو کر لوگوں کا راستہ روک لیا۔ جس کی وجہ سے شکاریوں کے ہجوم

---

1. فارسی ایڈیشن کے مطابق "بلھرا" ہے جو کہ غالباً (پ) کی عبارت ہے۔ (ن) (م) میں "بلھر" (ر) میں "بلھر" ہے۔ (ن-ب)

2-2. اصل فارسی عبارت "اسہ کسہ آستان شاہ گفتندی" ہے جس کا مدار غالباً نسخہ (پ) پر ہے۔ (ر) (م) میں "اسہ کسہ" کے بجائے "اَزر کسہ" ہے (ن) (ب) (ح) میں "سہ کسہ" ہے اور (س) میں "اسر کسر" ہے۔ (ن-ب)

3. فارسی متن میں "عمرو بن سلم الحلی" ہے۔ نسخہ (ن) کی بھی یہی عبارت ہے۔ (ر) میں "عمرو بن مسلم" ہے جو کہ صحیح ہے۔ "الحلی" دراصل "الباہلی" کی تصحیف ہے۔ مکمل صحیح نام "عمرو بن مسلم الباہلی" ہے، کیونکہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت میں وہی سندھ کا گورنر تھا۔ دیکھئے آخر میں حاشیہ میں [233] (ن-ب)

میں دہشت اور افراتفری پھیل گئی۔ [یہ دیکھ کر] داہر گھوڑے سے اتر کر پیادہ ہوگیا اور شیر کے مقابلے پر آیا۔ شیر نے بھی حملے کا ارادہ کیا۔ راجہ داہر نے چادر ہاتھ میں لپیٹ کر اور [وہ ہاتھ] شیر کے منہ میں ڈال کر تلوار کے وار سے اس کی دونوں ٹانگیں قلم کر ڈالیں اور پھر ہاتھ نکال کر تلوار سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا۔ چنانچہ شیر [بے دم ہوکر] گر پڑا۔ اس طرف جو لوگ اس شیر کے خوف سے بھاگ گئے تھے، انہوں نے گھر جا کر رانی کو راجہ داہر کے شیر سے الجھنے کی خبر دی۔ راجہ داہر کی بیوی حاملہ تھی اور شوہر سے بہت محبت کرتی تھی۔ چنانچہ یہ خبر سنتے ہی بے ہوش ہوکر گر پڑی اور جب تک راجہ داہر شکارگاہ سے واپس آیا، تب تک خوف سے اُس کی روح جسم سے علحدہ ہوچکی تھی۔ داہر نے [جب] آ کر دیکھا کہ بیوی مردہ پڑی ہوئی ہے اور اس کے پیٹ میں بچہ کلبلا رہا ہے، [تو اس نے] اس کا پیٹ پھاڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ بچہ زندہ نکل آیا۔ [داہر نے اسے] دائی کے حوالے کیا اور اس کا نام "جیسینہ" رکھا، جس کے معنی [عربی میں] "المظفر بالاسد" (فاتح شیر) اور فارسی میں "شیرِ فیروز" کے ہیں۔

احنف بن قیس کے نواسے رواح بن اسد کا قلعۂ اروڑ پر مامور ہونا

ان کنواریوں (حکایتوں) کی آرائش کرنے والوں اور ان چمنوں کے باغبانوں نے [1] علی بن محمد [سے، جس نے] مسلمہ بن محارب [1] اور عبدالرحمٰن بن عبدربہ السلیطی سے اس طرح روایت کی ہے کہ: جب [234] محمد بن قاسم پایۂ تخت اروڑ، بغرور [2] کو اپنے زیرِ اقتدار اور زیرِ فرمان لے آیا اور سب [لوگ] اس کے فرمان بردار اور اطاعت گذار ہوگئے تب [اس نے] احنف بن قیس کے نواسے رُواح بن اسد کو اروڑ کا گورنر مقرر کیا اور شرعی کاروبار، دارالقضا کے معاملات اور خطابت کا عہدہ صدر الامام الاجل العالم، برہان الملۃ والدین، سیف السنۃ ونجم الشریعۃ موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد (بن موسیٰ) بن شیبان بن عثمان الثقفی [3] رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حوالے

1-1: اصل متن میں "از علی بن محمد بن مسلمہ بن محارب" ہے۔ اصل میں یہ دو مختلف نام ہیں علی بن محمد (المدائنی) اور مسلمہ بن محارب۔ محمد اور مسلمہ کے درمیان میں آیا ہوا "بن" درحقیقت "من" (یعنی "سے") کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ "مسلمہ" بھی غلط ہے اور صحیح نام "مسلمہ بن محارب بن زیاد" ہے جس کا ذکر اس سے پہلے صفحات [78] اور [234] پر آچکا ہے۔ (ن-ب)

2. نسخہ (پ) میں "اروڑ بغرور" اور دوسرے جملہ نسخوں میں "الور بغرور" ہے۔ لیکن اصل میں یہ دو مختلف شہروں کے نام ہیں جیسا کہ بلاذری (439) پر لکھتا ہے کہ: "سار محمد یرید الرور و بغرور" (ن-ب)

3. بریکیٹ میں (بن موسیٰ) کا، فارسی ایڈیشن کے صفحہ 9 پر نسخہ (پ) کی عبارت "طائی بن محمد بن موسیٰ" کی بنیاد پر، اضافہ کیا گیا ہے۔ اس صفحہ پر جملہ نسخوں کی متفقہ عبارت "طائی بن محمد" ہے۔ البتہ فارسی ایڈیشن کے صفحہ 9 پر سوائے نسخہ (پ) کے دوسرے جملہ نسخوں کی عبارت "طائی بن موسیٰ" بن محمد ہے۔ (ن-ب)

کر کے انھیں ہدایت کی کہ "رعایا کی دلجوئی واجب سمجھی جائے، لیکن یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (یعنی نیکی کی تاکید اور بدی سے تنبیہ) کا حکم [بھی] مہمل نہ ہونے پائے۔ اور پھر دونوں کو عوام اور رعایا سے رعایت کرنے کی [مکرر] تاکید کر کے خود مختاری کا پروانہ عطا کیا۔ اس کے بعد وہاں سے منزل اٹھائی اور کوچ کرتا گیا، یہاں تک کہ بھاتیہ[1] کے قلعے [کے نزدیک جا پہنچا] کہ جو دریائے بیاس کے جنوب میں ایک قدیمی قلعہ تھا اور[2] داہر بن چچ کا چچا زاد بھائی ککسو[3] بن چندر بن سیلائج اس پر حکومت کرتا تھا۔

ککسو پر فتح حاصل ہونا اور اس کا محمد بن قاسم کے پاس آنا[4]

وہ (ککسو) داہر بن چچ کی جنگ میں [اس کا مددگار اور شریک] تھا اور وہاں سے شکست کھا کر اور فرار ہو کر اس قلعے میں آ کر سکونت پذیر ہو گیا تھا۔ جب اسلامی لشکر قریب پہنچا تو اس نے جزیہ اور ضمانت [محمد بن قاسم کی] خدمت میں بھیجی۔ وہاں کے معززوں اور سربراہوں نے [بھی] حاضر ہو کر خدمت کا شرف حاصل کیا۔ محمد بن قاسم ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا اور بڑی نوازشیں کرنے کے بعد [ان سے] کہا کہ "کیا یہ ککسو اروڑ کا رہنے والا ہے؟ وہاں کے سب لوگ دانا، عاقل اور صادق ہوتے ہیں اور امانت اور پرہیزگاری سے آراستہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسے امان دی جاتی ہے تاکہ وہ [ہمارے پاس] دل کی قوت اور امیدوں کی تقویت کے ساتھ حاضر ہو [اور] اسے چھوٹے بڑے معاملے میں مشیر بنایا جائے۔ میں اس کے اور اپنے درمیان دیانت اور وزارت کا رشتہ قائم کرتا ہوں۔

ککسو کی مشیری

ککسو ایک مرد عالم اور ہند کا دانا تھا۔ خدمت میں حاضر ہونے کے بعد [محمد بن قاسم] اسے زیادہ تر اپنے تخت کے سامنے رکھتا تھا، اور اس سے صلاح و مشورے کیا کرتا تھا۔ (بمصداق) شعر:

1. فارسی ایڈیشن میں "باتیہ" ہے۔ جسے ہم نے "بھاتیہ" لکھا ہے۔ "باتیہ" غالبًا (پ) کی عبارت ہے۔ (ر) میں "بابیہ"، (ن) میں "بابھیہ"، (م) (س) میں "بابیہ" (ب) میں "باتیہ" (ک) میں "بابیہ" اور (ح) میں "بابیہ" ہے۔ (ن-ب)
2. یہ عبارت فارسی ایڈیشن کے مطابق ہے، جس کا مدار غالبًا (پ) اور (ب) پر ہے۔ (ن) میں بھی یہ عبارت اسی طرح ہے۔
3. اصل متن میں "ککسہ" ہے۔
4. یہ عنوان (ر) (م) کے مطابق ہے اور (پ) (ب) (ن) میں نہیں ہے۔ (ر) میں یہ عنوان اس طرح ہے: "فتح کردن ککسہ و آمدن سیلاکج نزد محمد بن قاسم۔" عنوان کے بعد عبارت اس طرح شروع ہوتی ہے "سیلاکج عم زادہ داہر بود و در جنگ داہر چچ بود-الخ" سوائے (پ) (ن) (ب) کے۔

لا تستشر غیر ندب حازم یقظ
قد استوی منہ اسرار و اعلان

[مشورہ صرف تجربہ کار، ذہین اور دور اندیش سے کر، جس کے سامنے ظاہر اور باطن برابر ہو۔]

اور اس کی صلاح سے باہر نہ جاتا تھا۔ وہ سارے امیروں اور سپہ سالاروں کا سربراہ تھا۔ مالیہ [کی وصولی] اور قرب و جوار [کا ملک] اس کے زیر انتظام رہتا تھا اور خزانہ بھی اس کی مہر کے حوالے کیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ ہر جنگ میں محمد بن قاسم کا معاون رہا اور اس کا نام "مبارک مشیر" رکھا گیا۔

محمد بن قاسم ثقفی کے ہاتھوں سکہ[1] اور ملتان[1] کے فتح ہونے کی خبر

ککسو کو ہموار کرنے کے بعد [محمد بن قاسم] اس قلعے سے کوچ کرکے اور دریائے بیاس پار کرکے اسکلندہ[2] کے قلعے پر جا پہنچا۔ جب اہل قلعہ کو معلوم ہوا کہ عرب کا لشکر آ گیا ہے تو جنگ کے لئے باہر نکل آئے۔ زائدہ بن عمیر الطائی[3] اور ککسو [اسلامی لشکر کے] ہراول تھے۔ جنگ شروع ہوئی اور ایسے سخت معرکے ہوئے کہ دونوں جانب خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ [آخر] نماز ظہر کے وقت مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کرکے عام حلہ بول دیا۔ مشرک شکست کھا کر قلعے میں بھاگ گئے اور قلعے کے اوپر سے تیر اور منجنیقوں سے پتھر برسانے لگے اور سات دن تک جنگ جاری رکھی۔ ملتان کے حاکم کا بھتیجا جو کہ ملتان کے قلعے میں تھا، اس نے بھی کچھ لڑائیاں کیں۔ حتیٰ کہ فوج کا غلہ ختم ہو گیا اور اسکلندہ[4] کا [حاکم] بیکرا[4]، راتوں رات [وہاں سے] نکل کر سکہ کے قلعے میں جا پہنچا۔ سکہ دریائے راوی کے جنوب میں ایک عالیشان قلعہ تھا۔ حاکم کے

1-1۔ اصل متن میں "سکہ ملتان" ہے۔ وضاحت کے لئے دیکھئے آخر میں حاشیہ ص[236]
2۔ (ر) (م) میں "اسکلندہ"، (ن) (ب) (ج) (س) (ک) میں "اسلکندہ"، (پ) میں "اسکیدہ" ہے۔
3۔ جملہ نسخوں کی مختلف عبارتوں کی بنا پر فارسی ایڈیشن میں "زائدہ بن عمیرۃ الطائی" دیا گیا ہے۔ مگر صحیح نام "زائدہ بن عمیر الطائی" ہے۔ جیسا کہ بلاذری (فتوح ص439) میں محمد بن قاسم کے فتح ملتان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "وقطع (محمد) نهر بياس الى الملتان، فقاتله اهل الملتان، فابلى زائدة بن عمير الطائی"۔ (ن-ب)
4-4۔ ترجمہ فارسی ایڈیشن کے مطابق ہے، جس کی عبارت "بکرا اسکلندہ" ہے اور جس میں ترکیب اضافت پوشیدہ ہے۔ مختلف نسخوں کی عبارتیں اس طرح ہیں: (ر) (م) "بسیر اسکلندہ"، (ن) (ب) "بکرا اعد کندہ" (پ) "بکرا امید کندہ" ہے۔ (ن-ب)

چلے جانے پر رعایا، دستکاروں اور تاجروں نے [محمد بن قاسم کے پاس] پیغام بھیجا کہ "ہم رعایا ہیں اب چونکہ ہمارا والی چلا گیا ہے اس لئے ہمیں امان دے۔" محمد بن قاسم تاجروں، دستکاروں اور کسانوں کو امان دے کر قلعے میں آیا اور چار ہزار ہتھیار بند مردوں کو خون خوار تلواروں کی خوراک بنا کر ان کے پسماندگان اور متعلقین کو غلام بنایا۔ اس کے بعد عتبہ بن سلمہ تمیمی[1] کو وہاں متعین کر کے خود [2]سکہ اور ملتان[2] کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ دریائے راوی کے جنوبی کنارے پر ایک قلعہ تھا اور بجھرا طائی[3] کا نواسہ بجھرا[3] اس قلعے میں رہتا تھا۔ جب اس کو خبر ملی تو [اس نے] جنگ شروع کر دی۔ ہر روز جب عربوں کا لشکر قلعے کے سامنے آتا تھا تو قلعے والے باہر نکل کر جنگ کرتے تھے۔ سترہ دن تک سخت لڑائیاں ہوئیں۔ [اس جنگ میں محمد بن قاسم کے] مشہور و معروف ساتھیوں میں سے بیس افراد[4] شہید ہوئے اور شامی لشکر کے کل دو سو پندرہ آدمی قتل ہوئے۔ بجھرا دریائے راوی پار کر گیا۔ اپنے دوستوں کے شہید ہونے کی وجہ سے محمد بن قاسم نے قسم کھائی تھی کہ "اس [سکہ کے] قلعے کو منہدم کر ڈالوں گا۔" چنانچہ اس کے حکم سے سارے شہر کو ویران کیا گیا اور پھر [انہوں نے] ملتان کی طرف [جانے کے لئے] دریا پار کیا۔ [5]ملتان کا راجہ کندا[5] اور بجھرا جنگ کے لئے باہر آئے۔ [237]

محمد بن قاسم کا راجہ کندا سے جنگ کرنا

اس دن صبح سے لے کر شام تک سخت جنگ ہوئی اور [پھر] جب دنیا نے مصیبت زدوں جیسی سیاہ چادر اوڑھی اور ستاروں کا بادشاہ غروب کے پردے میں روپوش ہوگیا تب دونوں (لشکر) اپنی قیام گاہوں کو واپس ہوئے۔ دوسرے دن جب صبح صادق تاریکی کے پردے سے

---

1. نسخہ (ر) میں "عتبہ بن مسلمہ تمیمی" ہے۔

2-2 اصل فارسی عبارت "سکہ ملتان" ہے۔ وضاحت کے لئے دیکھئے آخر میں حاشیہ صفحات [236-37] (ن-ب)

3-3 فارسی ایڈیشن میں ان دونوں مقامات پر "بجھرا طائی" اور "بجھرا" کے تلفظ دیئے گئے ہیں مگر اس کے بعد "بجھرا" کا تلفظ اختیار کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ (پ) اور (م) میں (جس پر فارسی ایڈیشن کا مدار ہے) "بجھرا" اور "بجھرا" دونوں تلفظ اختیار کئے گئے ہیں۔ دوسرے نسخوں کے تلفظ اس طرح ہیں: (ر) "بجھرا"، (ن) "بجھیر" یا "بجھیر" (ب) "بجھیر" اور (س) (ک) "بجھرا"۔ لہٰذا بجھرا، بجھرا، بجھرا یا بجھیرا میں سے کوئی بھی تلفظ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

4. نسخہ (ر) (م) میں بیست و پنج (پچیس افراد) ہے۔

5-5 اصل متن میں "کندارای ملتان" ہے۔ فارسی ایڈیشن میں بھی یہی عبارت اختیار کی گئی ہے۔ (پ) (ب) (ک) میں "کندارای" (م) میں "کنداری"، "کنداری" (ن) میں "کندرای"، (ر) میں "کندارای" (ح) میں "کندارای" اور (س) میں "کندرزای" ہے۔ ان عبارتوں میں "کندرای" عام طور "کندارای" نظر آتا ہے جو غالباً "کندارای" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس لئے ہم نے اسے اختیار کیا اور فارسی ایڈیشن کی عبارت کو ترجیح دی ہے۔ (ن-ب)

نمودار ہوئی اور دنیا روشن ہوئی تب دوسری مرتبہ جنگ شروع ہوئی۔ دونوں طرف سے بہت سے آدمی قتل ہوئے۔ اس طرح جنگ مسلسل جاری رہی اور [اہلِ قلعہ] دو ماہ تک فصیلوں سے منجنیقوں اور غدرک[1] کے ذریعے پتھر اور تیر برساتے رہے۔ حتیٰ کہ لشکر میں غلے کی سخت قلت ہوگئی، اس حد تک کہ گدھے کی سری پانچ سو درہموں میں فروخت ہونے لگی۔ داہر کے چچازاد بھائی امیر کوریسہ[2] بن چندر نے جب دیکھا کہ لشکرِ عرب [بدستور] مستحکم ہے، [اس کے ارادوں میں] کوئی کمزوری نہیں دکھائی دیتی اور ہمیں کسی طرف سے بھی مدد کی کوئی امید نہیں تو وہ[3] کشمیر کے راجہ[3] کی خدمت میں چلا گیا۔

دوسرے دن جب لشکرِ عرب نے پہنچ کر جنگ شروع کی اور کسی بھی حیلے سے [قلعے میں] نقب نہ لگا سکا تو [اسی عالم میں اچانک] ایک شخص قلعے سے باہر نکل آیا اور [آ کر] امان طلب کی۔ محمد بن قاسم نے اسے امان دی۔ پھر اس کی نشاندہی پر دریا کے کنارے شمال کی جانب سے نقب لگائی۔ چنانچہ دو تین دن بعد اس جگہ سے قلعے کی دیوار فرش پر آرہی اور قلعہ فتح ہوگیا۔ چھ ہزار جنگجو سپاہیوں کو قتل کیا گیا اور ان کے متعلقین اور ملازموں کو غلام بنایا گیا۔ باقی ماندہ تاجروں، دستکاروں اور کسانوں کو امان کا پروانہ عطا کر کے [محمد بن قاسم نے] ان سے کہا کہ "اب جب کہ قلعہ فتح ہوچکا ہے تو تم پر واجب ہے کہ اپنے مال سے دارالخلافہ کے خزانے کا خراج ادا کرو اور فوجوں کا حصہ دو کہ جو اتنی تکلیفیں اٹھا کر، سختیاں سہہ کر اور جان کی بازی لگا کر اتنے عرصے سے جنگ کرنے اور نقب لگانے میں مشغول رہی ہیں۔"

نقدی کی تقسیم

اس کے بعد شہر کے رئیسوں اور سربراہوں نے جمع ہوکر ساٹھ ہزار درم وزن کی چاندی تقسیم کی۔ ہر سوار کو خاص طور پر چار سو درم وزن کی چاندی ملی۔ اس کے بعد [محمد بن قاسم نے] کہا کہ: "اب دارالخلافہ کے مال کے لئے مستقل ذریعہ سوچنا چاہئے۔" اسی فکر میں گفتگو ہورہی تھی کہ اچانک ایک برہمن آیا اور کہنے لگا کہ "جب کافروں کا دور پورا ہوچکا۔ بُت خانہ مسمار ہوگیا، دنیا اسلام کے نور سے منور ہوئی اور بت خانوں کی جگہ پر مسجدیں اور منبر تعمیر ہورہے ہیں تو [میں] بھی ایک راز بیان کرتا ہوں کہ [ملتان کے بزرگوں سے اس طرح سنا گیا ہے کہ: پرانے زمانے

1. غدرک = ایک آلۂ حرب A war like instrument (Staingass)
2. نسخہ (ن) میں "کرامیہ" اور باقی نسخوں میں "کوریسہ" ہے۔ فارسی ایڈیشن میں ثانی الذکر تلفظ اختیار کیا گیا ہے اور ہم نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے البتہ "کوریسہ" کو ہم نے صحیح تلفظ کے پیشِ نظر "کوریسہ" لکھا ہے۔ (ن-ب)
3-3. (پ) (ر) (م) (س) (ک) میں "شاہ کشمیر" اور (ن) (ب) میں "رای کشمیر" ہے۔

میں کشمیر کے راجہ کی اولادوں میں سے جوبن[1] نامی ایک راجہ اس شہر میں راج کرتا تھا۔ وہ ایک برہمن اور راہب تھا اور اپنے طریقے کا پابند تھا۔ چنانچہ ہمیشہ بتوں کی عبادت میں مشغول رہا کرتا تھا۔ جب اس کا خزانہ گنتی اور شمار کی حد سے متجاوز ہوگیا تب اس نے ملتان کے مشرق کی طرف سو مربع گز کا ایک حوض بنوا کر اس کے درمیان پچاس مربع گز پر ایک مندر تعمیر کرایا [اور اس مندر کے اندر] پھر ایک حجرہ بنوایا اور اس حجرے میں ترتیب کے ساتھ چالیس تانبے کے مٹکے رکھوا کر[2] ہر مٹکے میں تین سو تین من مغربی سونے کی کترن بطور دفینے کے رکھوائی[2] اسی [دفینے] کے اوپر بُت خانہ ہے، جس میں سرخ سونے کا ایک بُت رکھا ہوا ہے اور اس حوض کے چاروں طرف درخت لگے ہوئے ہیں۔"

مَتروی [بتخانہ][3]

حکایتوں کے مصنفوں اور کہانیوں کے راویوں نے علی بن محمد [مدائنی] سے اس طرح روایت کی ہے اور جس نے کہا کہ میں نے ابو محمد ہندی سے سنا ہے کہ: محمد بن قاسم وزیروں اور نائبوں کے ساتھ اس بت خانے میں آیا۔ یہاں [اس نے] سونے کا ایک بت دیکھا جس کی آنکھوں کے مقام پر سرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ [239]

محمد بن قاسم کا دھوکہ کھانا

محمد بن قاسم سمجھا کہ یہ [شاید] کوئی آدمی ہے۔ چنانچہ اس پر وار کرنے کے لئے

---

1. (پ) میں "جسوین" (س) میں "جوبن"، (ح) میں "جوبین" (ن) (ب) میں "جسوین" اور (ر) میں "جسور" ہے۔ ان مختلف عبارتوں میں سے صحیح نام کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ اگر نسخہ (پ) کے تلفظ کو "جوبین" کی غلط صورت قرار دیا جائے تو پھر (س) (ح) (ن) (ب) میں بھی یہی غلط شکلیں نظر آتی ہیں اور اگر (ن) (ب) کے تلفظ کو صحیح مانا جائے تو (پ) (س) (ح) کے تلفظ، اس کی غلط صورتیں معلوم ہوتے ہیں۔ (ر) (م) کا تلفظ ان دونوں صورتوں سے مختلف ہے اور اس لحاظ سے جوبن، جسوین اور جسور میں سے کوئی بھی لفظ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے (پ) کی بنیاد پر "جوبن" کا تلفظ اختیار کیا ہے، جس کی مزید وضاحت کے لئے دیکھئے حاشیہ میں [239] (ن-ب)

2-2. یہ پورا جملہ (ن) (ب) (ک) میں نہیں ہے۔ (ن-ب)

3. کسی نسخے میں یہ عنوان اس طرح علیحدہ نہیں دیا گیا، لیکن سطر کی ابتدا میں چھوٹے عنوان کے طور پر بریکیٹ میں دیا ہوا ہے۔ فارسی ایڈیشن کی عبارت اس طرح ہے: "(مستروی) مصنفانِ احادیث راویانِ اقاویل چنان روایت کردہ اند۔" لفظ "مستروی" (ر) (م) (ن) (ب) (ک) (س) کے مطابق ہے، مگر قدیمی نسخہ (پ) کا تلفظ اس مقام پر "متروی" ہے۔ یہ نام ص [37] پر پہلے بھی آچکا ہے اور وہاں (پ) کا تلفظ "مَتروی" ہے جو کہ ہم نے بھی متن میں دیا ہے۔ اس وجہ سے یہ یقین ہوتا ہے کہ اس صفحہ پر بھی (پ) کی عبارت اسی لفظ "متروی" کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو کہ ملتان کے بت خانہ یا مندر کا نام تھا۔ مزید وضاحت کے لئے دیکھئے آخر میں حاشیہ میں [239] (ن-ب)

اس نے تلوار نکالی۔ اس پر بت کے مجاور برہمن نے کہا کہ "اے عادل امیر! یہ وہی بت ہے کہ جو ملتان کے راجہ جوبن[1] نے بنوایا تھا اور جو مال دفن کر کے فوت ہو گیا تھا۔" اس کے بعد محمد بن قاسم نے اس بت کو اٹھا لینے کا حکم دیا۔ اس کے نیچے سے دو سوتیس من سونا اور سونے کی کترن سے بھرے ہوئے چالیس مٹکے برآمد ہوئے' کل تیرہ ہزار دو سو من سونا دفینے سے نکلا۔ وہ سونا اور بت، خزانے میں لایا گیا۔ [اس کے علاوہ] وہ موتی اور جواہرات جو کہ ملتان کی لوٹ میں ہاتھ آئے تھے، وہ اور بہت سے دوسرے خزانے اور دفینے بھی قبضے میں کئے گئے۔

بت خانہ کھولنا اور خزانہ حاصل کرنا

ابوالحسن مدائنی نے خریم بن عمرو سے روایت کی ہے کہ: [محمد بن قاسم نے] جس دن بت خانہ کھول کر دفینے پر قبضہ کیا، اسی دن حجاج کا خط پہنچا کہ: "اے چچازاد بھائی! تیری لشکر کشی کے وقت میں نے ضمانت دی تھی کہ لشکر کی تیاری، روانگی اور اس کے لوازمات پر دارالخلافہ کے خزانے سے جو کچھ بھی خرچ ہوگا، [خلیفہ] ولید بن عبدالملک بن مروان کی طرف سے [اس کی ادائگی کی ذمہ داری] مجھے قبول ہے۔ بلکہ اس سے دگنا تگنا واپس کرنا میرے ذمے ہے۔ اس وقت دارالخلافہ کے خزانے سے تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ محمد بن قاسم کی [فوجی] تیاری پر ساٹھ ہزار درم وزن کی خالص چاندی صرف ہوئی ہے اور [اس وقت تک تمہاری طرف سے] جو نقد، جنس اور پارچہ جات ادا کئے گئے ہیں ان کا تاریخ وار مجمل اور مفصل [حساب] کیا گیا تو [معلوم ہوا کہ تیرے ذمے باقی[2] ایک سو بیس ہزار[2] درم وزن چاندی نکلتی ہے، جو کہ تجھے بھیجنی ہے۔ جہاں بھی کوئی قدیمی موضع اور مشہور قصبہ یا شہر ہو، وہاں مسجدیں اور منبر تعمیر کئے جائیں اور دارالخلافہ کے نام پر سکہ اور خطبہ جاری کیا جائے۔ [240] تو مبارک ساعت اور مناسب وقت میں یہاں سے لشکر لے کر روانہ ہوا ہے اس وجہ سے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کافروں کی ولایت میں تو جس طرف کا بھی رخ کرے گا مظفر اور فتحیاب ہوگا۔"

---

1. نسخہ (ر) میں "جیوبن"، (م) میں "جیبوین" یا "جیسوین" (پ) میں "جسوریہ" (ن) (ب) میں "جسوین" ہے۔ ہمارے اختیار کردہ تلفظ کے لئے دیکھئے حاشیہ میں [356] (ن-ب)

2-2. یہ اعداد فارسی ایڈیشن میں دی ہوئی عبارت "صد و بست ہزار" کے مطابق ہیں جو کہ شاید (پ) کی عبارت ہے۔ (ر) (م) (ن) (س) میں "صد ہزار و بیست من و بست ہزار" ہے۔ (ب) میں "صد ہزار و دوست من ہزار" (ک) میں "صد ہزار و دیست و بست ہزار" ہے۔ (ن-ب)

محمد بن قاسم کا شہر ملتان کی رعایا سے عہد لینا

اس کے بعد [محمد بن قاسم نے] ملتان کے خاص اور منتخب لوگوں سے پختہ عہد لے کر جامع مسجد اور مینار تعمیر کرائے اور امیر داؤد بن نصر بن ولید عمانی کو ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ [اس کے بعد] خریم بن عبدالملک تمیمی کو برہمپور[1] کے قلعے پر جو کہ دریائے جہلم[2] کے کنارے پر ہے اور جسے سوپور[3] [بھی] کہتے ہیں، متعین کیا۔ عکرمہ بن ریحان شامی کو ملتان کے نواح کا حاکم بنایا اور احمد بن خزیمہ[4] بن عتبہ مدنی کو اشہار اور کرور[5] کے قلعے کا والی مقرر کیا۔ [اس کے بعد] کشتیوں کے ذریعے مال روانہ کیا، تاکہ دیبل سے دارالخلافہ کے خزانے میں پہنچایا جائے۔ اور خود ملتان میں ٹھہرا جہاں تقریباً پچاس ہزار منتخب سوار اسلحہ جات و اسبابِ جنگ کے ساتھ تیار ہوئے۔

ابوحکیم[6] کو دس ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ قنوج روانہ کرنا

اس کے بعد ابوحکیم شیبانی کو دس ہزار سواروں کے ساتھ قنوج [کے راجہ] پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا تاکہ اسلام کی دعوت اور بیت المال کے خزانے کا خراج ادا کرنے کے متعلق اسے دارالخلافہ کا خط پہنچائے اور اس سے بیعت لے۔ اور پھر خود (محمد بن قاسم) لشکر لے کر کشمیر کی سرحد پر اس مقام جا پہنچا کہ جسے پنج ماہیات[7] کہتے ہیں اور جہاں پر ڈاھر کے باپ چچ [بن سیلائج] نے صنوبر اور بید کے درخت لگا کر [سرحد کا] نشان مقرر کیا تھا، اور وہاں پہنچ کر اس نے خود بھی اس سرحد کی تجدید کی۔ [241]

---

1. (ر) اور (ن) "برہمور" ہے۔ (ن-ب)
2. (ر) اور (م) میں جہلم ہے۔
3. یہ عبارت فارسی ایڈیشن کے مطابق ہے۔ نسخہ (پ) میں "سوبرا" (ر) (م) میں "سوپور" (ن) (ب) (ح) "سوریدہ" اور (ک) میں "سوریدہ" ہے۔ فارسی عبارت "در حصار برہمپور بر ساحل آب جہلم کہ سوپور خوانند" میں بھی اشتباہ ہے۔ آیا "سوپور" کی ضمیر "کہ" برہمپور سے متعلق ہے یا جہلم سے؟ (ن-ب)
4. فارسی ایڈیشن میں "خزیمہ" ہے مگر (پ) (س) کا تلفظ "جریمہ" ہے اور (ر) (ن) میں "فزیمہ" ہے۔
5. (پ) (ر) (م) (ن) (ب) (ک) "اشہاد و کرور" ہے۔ اس سے پہلے ص[19] اور [47] پر ان شہروں کی حقہ عبارت "اشہار و کرور" ہے، چنانچہ یہاں بھی قائم رکھی گئی ہے۔ (ن-ب)
6. جملہ نسخوں میں "ابوحلیم" ہے۔ مگر ہم نے فارسی ایڈیشن کے فاضل ایڈیٹر کے قیاسی تلفظ "ابوحکیم" کو ترجیح دی ہے۔ (ن-ب)
7. یہ عبارت فارسی ایڈیشن کے مطابق ہے۔ جو کہ غالباً (پ) کے مطابق ہے۔ (ر) (م) (ن) میں "پنج ماہیات" ہے۔ (ن-ب)

لشکر کا اودھاپور[1] پہنچنا[2] اور ابو حکیم کا زید کو [راجہ ہر چندر رائے کے پاس بھیجنا][2]

ان دنوں قنوج کا راجہ جھتل (یا جھشل) رائے[3] کا بیٹا تھا۔ جب لشکر اودھاپور پہنچا تب ابو حکیم شیبانی کے حکم پر زید بن عمرو الکلابی کو حاضر کیا گیا، جس سے اس نے کہا کہ: "اے زید تجھے پیغام لے کر ہر چندر رائے [بن] جھتل[4] کے پاس جانا اور اسلام کی تابعداری کا حکم پہنچا کر [اس سے] کہنا چاہیے کہ: ساحل سمندر سے لے کر کشمیر تک جتنے بادشاہ اور راجہ ہیں وہ سب اسلام کے زیر اقتدار آ چکے ہیں اور کافروں کو مغلوب کرنے والے عربوں کے سپہ سالار امیر عماد الدین (محمد بن قاسم) کے مطیع ہو چکے ہیں۔ بعضے اسلام کی لڑی میں منسلک ہو چکے ہیں اور بعضوں نے خود پر جزیہ مقرر کیا ہے جو کہ دارالخلافہ کے خزانے میں پہنچاتے رہیں گے۔"

قنوج کے رائے ہر چندر کا جواب

[یہ پیغام پاکر] ہر چندر رائے نے جواب دیا کہ: "تقریباً ایک ہزار چھ سو سالوں سے یہ ملک ہمارے تصرف اور حکمرانی میں ہے۔ [لیکن اس وقت تک] کسی بھی مخالف کو ہماری حدیں پھلانگنے یا ہم سے تنازعہ کرنے اور ہماری مملکت میں دست اندازی اور تعرض کرنے کی مجال نہیں ہوئی ہے۔ ہمیں تمہاری کیا پرواہ ہے جو اس قسم کی باتیں اور ناممکن خیالات دل میں لا رہے ہو! اگر قاصد کو قید و بند کرنا جائز ہوتا، تو اس گفتگو اور بے جا دعوے پر ایسا حکم کیا جاتا تاکہ دوسرے مخالفوں اور سرداروں کو عبرت ہوتی۔ اب تو واپس جا اور جا کر اپنے امیر سے کہہ دے کہ ایک دوسرے کی قوت اور شان و شوکت کا اندازہ لگانے

---

1. (پ) (ن) (ب) (س) (ک) میں "اودھاپر" (ر) (م) میں "اودھاز" ہے۔ ہمارا اختیار کردہ تلفظ فارسی ایڈیشن کے "اودھاپر" کے مطابق ہے۔ (ن۔ب)
2. فارسی ایڈیشن کی عبارت یہ ہے: "و فرستادن با حکیم مرزیہ [راجای ہرچندر]" اس فقرہ میں "مرزیہ۔راجہ" قیاسی تلفظ ہے۔ جس کے بجائے (پ) (ن) میں "مرزبل" اور (ر) (م) (ب) (س) (ک) (ح) میں "مرزیل" ہے۔ "با حکیم" (یعنی ابو حکیم) کے بجائے اس مقام پر اور نیچے سارے نسخوں میں "با حلیم" ہے۔ (ن۔ب)
3. "جھتل" فارسی ایڈیشن کے مطابق ہے جو شاید (م) سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس مقام پر (پ) (ن) (ب) (ح) (ک) کا متفقہ تلفظ "جھتل رائی" ہے اور (ر) میں "جھتل" ہے۔ چونکہ اس مقام پر قدیمی نسخہ (پ) کا تلفظ بھی "جھتل" ہے۔ اس وجہ سے نسخوں کے لحاظ سے "جھشل" اور "جھتل" دونوں تلفظ باوزن ہیں۔ (ن۔ب)
4. (ن) (ب) (ح) (س) (ک) میں "جھشل" اور (ر) میں "جھتل" ہے۔ (ن۔ب)

کے لئے مقابلہ کرنا ضروری ہے، تاکہ یا تو تمہاری ہیبت ہم پر چھا جائے یا تم پر ہمارا غلبہ ہو [242]۔ جنگجوئی اور شجاعت میں طرفین کی ہمتوں کے مشاہدے کے بعد ہی صلح یا جنگ کا فیصلہ ہوگا۔

جب محمد بن قاسم کو راجہ ہر چندر کا پیغام ملا تو اس نے رئیسوں، سربراہوں، امیروں، سپہ سالاروں، سپاہیوں، بہادروں اور نائبوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "خدائے تعالیٰ کے فضل اور غیبی امداد سے اس وقت تک [ہر جگہ] ہندوستان کے راجاؤں کو ذلیل و خوار اور مغلوب کیا گیا ہے اور فتح اسلامی لشکر کے ہمراہ اور رفیق رہی۔ [چنانچہ] آج بھی جب کہ ہم ایک ایسے ضدی لعین کے سامنے ہوئے ہیں کہ جسے اپنے لشکر اور ہاتھیوں پر غرور ہے تو اللہ کی مدد پر بھروسہ رکھ کر ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ اس کو بھی برباد کر کے فتح مند اور کامیاب ہوں۔ [یہ سن کر] سب لوگ راجہ ہر چندر سے جنگ کرنے کے لئے مستعد ہوگئے اور بیعت کر کے آپس میں ایک دوسرے کی ہمت افزائی کرنے لگے۔

محمد بن قاسم کو دارالخلافہ کا پروانہ ملنا [1]

دوسرے دن جب رات کے سیاہ پردے سے ستاروں کا بادشاہ ظاہر ہوا، تب ایک شتر سوار دارالخلافہ کا پروانہ لے کر حاضر ہوا۔ [2] محمد بن علی اور ابوالحسن مدائنی [2] نے اس طرح روایت کی ہے کہ: راجہ داہر کے قتل ہونے کے موقع پر اس کی حرم سرا میں سے اس کی دو کنواری بیٹیاں گرفتار ہو کر آئیں تھیں جنہیں حبشی غلاموں کے ساتھ محمد بن قاسم نے دارالخلافہ بغداد بھیج دیا تھا۔ [جب وہ وہاں پہنچیں تو] خلیفۂ وقت نے غم خواری کی خاطر انہیں حرم سرا کے حوالے کیا تاکہ دو چار دن آرام کر کے خلوت کے لائق ہوں۔ پھر چند دن بعد خلیفہ کے دل مبارک میں ان کا خیال آیا اور رات کے وقت دونوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ [جب وہ حاضر ہوئیں تو] خلیفہ ولید بن عبدالملک نے ترجمان کو حکم دیا کہ معلوم کرے ان میں بڑی کون ہے تاکہ اسے روک لیا جائے اور اس کی چھوٹی بہن کو کسی دوسرے موقع پر بلایا جائے۔ خدمتگار ترجمان نے ان سے نام پوچھا۔ بڑی نے کہا کہ میرا نام "سریا دیو" اور چھوٹی نے کہا کہ میرا نام "پرمل دیو" ہے۔ [اس پر اس نے] بڑی کو بلا کر چھوٹی کے متعلق اشارہ کیا کہ اسے لے جاؤ اور اس کی حفاظت

---

1. اس عنوان سے لے کر کتاب کے خاتمے تک جملہ حالات صرف افسانوی نوعیت کے ہیں جن کے لئے کوئی بھی تاریخی سند موجود نہیں۔ (ن-ب)

2-2. یہ جملہ فارسی ایڈیشن کے مطابق ہے، جس کا مدار قلمی نسخہ (ب) پر ہے۔ (ن) (ر) میں محمد بن علی ابوالحسن ہمدانی (م) (ب) (ح) (س) (ک) میں بھی "مدائنی" کی بجائے "ہمدانی" ہے۔ (ن-ب)

کرو۔ [اس کے بعد] جوں ہی [بڑی کو] بٹھا کر اس کا منہ کھولا گیا، خلیفہ دیکھتے ہی اس کے حسن و جمال پر مفتون ہوگیا، اس کی ظالم اداؤں نے [خلیفہ] کے دل سے اس کا صبر چھین لیا اور [از خود رفتہ ہوکر] اس نے ہاتھ ڈال کر "سریا دیو" کو اپنی طرف کھینچا لیکن وہ [تملا کر] اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی: "بادشاہ، قائم رہے! یہ کنیز بادشاہ کے خلوت کے قابل نہیں ہو سکتی، کیونکہ امیر عادل عماد الدین محمد بن قاسم نے پہلے ہمیں تین دن تک اپنے پاس رکھنے کے بعد پھر خلیفہ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ کیا تمہارا یہی دستور ہے؟ یہ خواری بادشاہوں کے لئے جائز نہیں ہے۔"

خلیفہ پر اس وقت عشق بہت غالب ہو چکا تھا اور صبر کی مہار اس کے ہاتھوں سے چھوٹ چکی تھی، غیرت کی وجہ سے اسے تحقیق اور تصدیق کا ہوش نہ رہا فوراً ہی کاغذ اور قلم منگا کر اپنے ہاتھ سے اس نے پروانہ لکھا کہ: "محمد بن قاسم جہاں بھی پہنچا ہو، اس پر لازم ہے کہ خود کو کچی کھال میں بند کرا کے دارالخلافہ کو واپس ہو۔"

محمد بن قاسم کا اودھاپور[1] پہنچنا اور دارالخلافہ کے پروانے کا موصول ہونا

جب اودھاپور کے شہر میں محمد بن قاسم کو یہ فرمان موصول ہوا تو اس کے کہنے پر اسے کچی کھال میں لپیٹ کر اور صندوق میں رکھ کر [دارالخلافہ] لے جایا گیا۔ [راہ میں] محمد بن قاسم نے اپنی جان خدائے پاک کے حوالے کی اور اُمراء جن مقامات پر کہ ان کا تقرر ہوا تھا، قائم رہے۔ [لوگوں نے] محمد بن قاسم کو خلیفۂ وقت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے صندوق میں بند کر کے حاضر کیا اور دربانِ خاص سے کہا کہ ولید بن عبدالملک بن مروان کو اطلاع کر کہ ہم محمد بن قاسم ثقفی [244] کو لے آئے ہیں۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ "زندہ ہے یا مردہ؟" اُنہوں نے کہا: "خدا خلیفہ کی عمر اور عزت کو دائمی بقا عطا کرے! جب شہر اودھاپور میں فرمان ملا تب حکم کے مطابق [محمد بن قاسم نے] فوراً خود کو کچے چمڑے میں بند کرایا اور دو دن بعد [راہ میں] جان جان آفرین خدائے پاک کے حوالے کر کے دارالبقا کو رحلت کر گیا۔ امیروں اور بادشاہوں کو جن جن مقامات پر مقرر کیا گیا تھا وہ ان ولایتوں پر [بدستور] قابض ہیں اور [انہوں نے] منبروں پر خلیفہ کے القاب کے ساتھ خطبے جاری کئے ہیں اور اپنی حکومت کی نگہداشت میں کوشاں ہیں۔"

1. (ک) (س) میں "اودھاپور" (ن) میں "اودھاپر" اور (ر) (م) میں "اودھافر" ہے۔

خلیفہ کا صندوق کھولنا

اس کے بعد خلیفہ نے صندوق کا پٹ کھول کر اس پردہ نشین عورت کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ [اس وقت] مورد[1] کی ایک سبز چھڑی خلیفہ کے ہاتھ میں تھی جسے وہ اس کے [محمد بن قاسم کے] دانتوں پر پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ: "اے راجہ کی بیٹیو! دیکھو ہمارا حکم اپنے ماتحتوں پر اس طرح جاری ہے۔ اس لئے کہ سب منتظر اور مطیع رہتے ہیں۔ جیسے ہی ہمارا یہ فرمان اسے قنوج میں ملا، ویسے ہی ہمارے حکم پر اس نے اپنی پیاری جان قربان کردی۔"

داہر کی بیٹی چنگی کی خلیفہ ولید بن عبدالملک سے گفتگو

اس پر پردہ نشین چنگی نے چہرے سے نقاب اٹھا کر اور زمین پر سجدہ کر کے کہا: خدا کرے کہ خلیفہ اپنے روز افزوں بخت اور اعلیٰ نظام کے ساتھ سالہا سال تک قائم رہے! دانا بادشاہِ وقت پر واجب ہے کہ جو کچھ بھی دوست یا دشمن سے سنے [245] اسے عقل کی کسوٹی پر پرکھے اور دل کے فیصلوں سے [اس کا] موازنہ کرے۔ پھر جب وہ درست اور بے شبہ ثابت ہو تب انصاف کے جادے پر قائم رہ کر حکم فرمائے تاکہ غضبِ خداوندی میں گرفتار اور لوگوں کے طعنوں کا شکار نہ ہو۔ حضور کا حکم تو بے شک جاری ہے لیکن دلِ مبارک سمجھ سے یکسر خالی ہے۔ پاکدامنی کے اعتبار سے محمد بن قاسم ہمارے لئے باپ اور بھائی جیسا تھا اور ہم کنیزوں پر اس نے کوئی دست درازی نہیں کی۔ لیکن چونکہ اُس نے ہند اور سندھ کے بادشاہ کو برباد کر کے ہمارے باپ داداؤں کی بادشاہت کو ویران اور ضائع کیا ہے اور ہمیں بادشاہت سے [گرا کر] غلامی کے درجے پر پہنچایا ہے اس وجہ سے انتقاماً اس سے مناسب بدلہ دینے اور برباد اور دفع کرنے کے لئے ہم نے خلیفہ کے سامنے جھوٹ بولا تھا۔ ہمارا مقصد پورا ہوا اور اس جھوٹ اور فریب کے ذریعے ہمیں یہ انتقام حاصل ہوا اور خلیفہ نے حکمِ قطعی جاری کیا۔ اگر خلیفہ کی عقل پر شہوت کا پردہ نہ پڑ جاتا اور [پہلے] تحقیق کرنا واجب سمجھتا تو اس پشیمانی اور ملامت سے ملوث نہ ہوتا اور اگر محمد بن قاسم کی بھی عقل و ہمت یاوری کرتی تو ایک دن کی باقی ماندہ مسافت تک چل کر آتا اور پھر وہاں خود کو چمڑے میں بند کراتا۔ چنانچہ جب تحقیق ہوتی تو آزاد ہو جاتا اور [یوں] برباد نہ ہوتا۔" [یہ سن کر] خلیفہ کو [سخت] صدمہ ہوا اور شدتِ افسوس میں ہتھیلیوں کی پشت کو کاٹنے لگا۔

---

1. اصل عبارت "شاخ مورد سبز" ہے۔ مورد ایک ایسا پودا ہے کہ جس کے پھول سفید، پتیاں چمکدار اور ٹہنیاں ہمیشہ سبز اور خوشبودار رہتی ہیں۔ انگریزی میں اسے "Myrtle" اور یونانی میں "Murtus" کہتے ہیں۔ (ن-ب)

چنگی کی دوبارہ گفتگو

پردہ نشین چنگی نے جب خلیفہ کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ خلیفہ کا غضب انتہا پر ہے۔ چنانچہ اس نے دوبارہ زبان کھولی اور کہا کہ بادشاہ نے سخت غلطی کی ہے کہ دو کنیزوں کی خاطر ایسے شخص کو ہلاک کیا ہے! کہ جس نے ہم جیسی لاکھوں پردہ نشینوں کو قید کیا [246] ہند و سندھ کے ستر بادشاہوں کو تخت سے تختے پر لٹایا، بت خانوں کی جگہ پر مسجدیں اور منبر تعمیر کرائے اور مینار بنوائے۔ اگر اس سے کچھ بے ادبی یا غیر پسندیدہ حرکت سرزد بھی ہوگئی ہوتی تب بھی ایک خود غرض انسان کے کہنے پر محمد بن قاسم کو ہلاک نہ کرنا چاہئے تھا۔" اس پر خلیفہ نے غضبناک ہو کر حکم دیا اور دونوں بہنوں کو دیوار میں چن دیا گیا۔

جب سے لے کر آج تک پرچم اسلام روز بروز سربلند اور ترقی پذیر ہے۔

دعا

اللہ تعالیٰ جلت قدرتہ وتقدست اسمائہٗ اسلام کے گذرے ہوئے بادشاہوں کو ہمیشہ غریق رحمت رکھے اور شاہانِ وقت کو جو کہ اس زمانے کا قوام اور وقت کے نظام ہیں، انسانی دور کے ختم ہونے تک، تختِ مملکت پر دائم اور قائم رکھے اور ان کی ہیبت سے پرچم اسلام کو حوادث کی صعوبتوں اور اچانک آفتوں سے محفوظ رکھے۔ بعونہ وتوفیقہ.

مخلص کتاب: منہاج الدین والملک، الحضرۃ الصدر الاجل العالم عین الملک[1]

اس کے بعد یہ کتاب کہ جس کا لقب "منہاج الدین والملک الحضرۃ الصدر الاجل العالم عین الملک" ہے اور جو کہ ہند و سندھ کی فتوحات کے متعلق عرب کے عالموں اور ادیب حکیموں کی تصنیف ہے [247] اور فکر کی صنعتوں اور فطرت کے عجائبات نیز عقل، فضیلت، دل اور ضمیر کے غرائبات سے آراستہ ہے۔ جو دوستوں کے دل اور زندگی اور انسانوں یا جنوں کے لئے باغ و

1-1. یہ عبارت نسخہ (ن) میں ہو بہو عنوان کے طور پر دی گئی ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم نے اعراب کا اضافہ کیا ہے اور "سماء الدین" کی جگہ "منہاج الدین" دیا ہے اور کوئی ترمیم نہیں کی۔ دوسرے نسخوں میں بھی "منہاج الدین" کی جگہ پر "سماء الدین" ہے۔ (دیکھئے فارسی ایڈیشن ص ۲۴۷) مگر چونکہ عنوان کے نیچے دوبارہ کتاب کے دیئے ہوئے لقب میں "منہاج الدین" ہے، اسی لئے ہم نے عنوان میں بھی "سماء الدین" کی جگہ پر "منہاج الدین" رکھا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے دیکھئے آخر میں حاشیہ ص [247] (ن-ب)

بہار ہے۔ اہل عرب کی دانائی کی تعریف، بیان کی حد سے باہر اور لشکر کی مردانگی کی توصیف شمار سے زائد ہے۔ اس کی بنیاد حکومت کے قاعدوں کے تاسیس اور سیاست کی گرہوں کو مضبوط کرنے کے لئے رکھی گئی ہے۔ جس کے ضمن میں دین اور دولت کی نصیحتوں اور ملک وملت کے طریقوں کی ضمانتیں ہیں۔ حالانکہ زبان تازی اور لہجۂ حجازی میں اس کا بڑا مرتبہ تھا اور شاہان عرب کو اس کے مطالعے کا بڑا شوق اور اس پر بے حد فخر تھا، لیکن چونکہ پردۂ حجازی میں تھی اور پہلوی زبان کی تزئین اور آرائش سے عاری تھی اسی وجہ سے عجم میں رائج نہ ہو سکی۔ اہل فارس کے کسی آرائش کرنے والے نے اس فتح نامہ کی عروس کو نہ سنگارا اور زبان وعدل کے نگارخانے اور حکمتوں کے گنجے میں سے اسے کوئی لباس نہ پہنایا۔ نہ عقل کے خزانے سے اسے کوئی زیور پہنایا اور نہ میدان فصاحت اور گلزار بلاغت سے کسی شہسوار نے اس میدان میں گھوڑا دوڑایا۔ لیکن جب زمانے کے سخت حادثوں نے اس شکستہ [حال مصنف] کی جانب [رخ کیا] اور دنیا کی سختیوں اور حادثات کی صعوبتوں نے سینے کے سفینے میں ڈیرہ جمایا، ہر قسم کی پریشانیاں موجود اور دلداری کے سارے ذرائع مفقود ہوگئے، اور ہر طرح کے خطرات اور دغا کے اسباب دکھائی دے رہے تھے تب اسی حالت میں بندے کے ناکمل ذہن نے یہ کتاب مکمل کی۔ والحمدللہ رب العالمین [248]۔

تشریحات وتوضیحات

اس باب میں کتاب کے کچھ خاص حوالوں کی تشریح اور بعض پیچیدگیوں کی توضیح کی گئی ہے۔ ہر تشریح کی ابتدا میں دیئے ہوئے اعداد اس ترجمے کے صفحات اور اس کے بعد بریکیٹ میں دیئے ہوئے اعداد اصل فارسی ایڈیشن کے صفحات ظاہر کرتے ہیں جوکہ ہمارے ترجمے کے متن میں بھی اسی طرح دیئے گئے ہیں۔ شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم کے فارسی ایڈیشن سے اخذ کردہ وضاحتوں کے آخیر میں (ع-م) کے حروف، ہوڑی والا کی کتاب "Studies in Indo-Muslim History" سے لئے ہوئے حواشی اسی کے نام سے منسوب کئے گئے ہیں اور اس ترجمے کے ایڈیٹر ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کی دی ہوئی تشریحات کے آخر میں (ن-ب) کے حروف دیئے گئے ہیں۔

----- ☆ -----

52/[6] قباچہ السلاطین: مراد ناصر الدین قباچہ۔ لفظ "قباچہ" فارسی زبان میں "قبا" کی تصغیر ہے، یعنی چھوٹی قبا یا کرتہ۔ لیکن یہاں یہ لفظ غالباً ترکی مستعمل ہوا ہے جس کے معنی ہیں "بڑا اور عالی شان" اسی لحاظ سے "قباچہ السلاطین" کے معنی ہوں گے "سب سے بڑا بادشاہ" ناصر الدین قباچہ کے مزید حالات کے لئے دیکھئے "طبقات ناصری" صفحات 142، 144، 172 اور 174 (ع-م)

52/[6] سلطان ابوالمظفر محمد بن سام: یعنی سلطان معز الدین محمد بن سام غوری جوکہ تاریخ ہند میں شہاب الدین غوری (599-602ھ) کے نام سے مشہور ہے۔ (ع-م)

52/[7] قسیم امیر المومنین ابوالفتح قباچہ السلاطین: مراد ناصر الدین قباچہ ہے جسے ان القابوں سے یاد کیا گیا ہے۔ عوفی نے خود قاضی تنوخی کی "کتاب الفرج بعد الشدۃ" کے کئے ہوئے فارسی ترجمے کے مقدمے میں ناصر الدین قباچہ کو "ابوالفتح قباچہ السلاطین قسیم امیر المومنین" کے القاب کے ساتھ لکھا ہے۔ دیکھئے مقدمہ جوامع الحکایات مطبوعہ لندن 1939ء ص15 (ن-ب)

غوری بادشاہ "قسیم امیر المومنین" کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور غوری غلام بھی کہ جنہوں نے ایک مدت تک ہندوستان میں حکومت کی، اسی لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ناصر

الدین قباچہ بھی سلطان معز الدین محمد بن سام غوری کے غلاموں میں سے ایک تھا اور سلطان قطب الدین ایبک کی دو بیٹیوں کو یکے بعد دیگر نکاح میں لایا تھا۔ چنانچہ فتحنامہ کے مصنف نے بھی اسے اسی لقب کے ساتھ لکھا ہے۔ غوری بادشاہوں کو یہ لقب کیوں دیا گیا، اس کے لئے دیکھئے "طبقاتِ ناصری" ص 37-38 (ع-م)

[9]/54 امیر عماد الدولۃ والدین: فتحنامہ کے اس صفحہ نیز آیندہ صفحات پر محمد بن قاسم کو "عماد الدین" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے جوکہ فارسی میں فتحنامہ کے مترجم علی کوفی کی طرف سے اضافہ معلوم ہوتا ہے اور جسے فرشتہ (برگس 403/4) نے بھی استعمال کیا ہے۔ فارسی مترجم نے دوسری جگہ ص 127 فتحنامہ میں محمد بن قاسم کو "کریم الدین" بھی لکھا ہے۔ غالباً مترجم کے زمانے میں ایسے القاب کا عام رواج تھا۔ جس سے متاثر ہوکر اس نے محمد بن قاسم کے لئے اپنی طرف سے یہ لقب استعمال کیا۔ ورنہ درحقیقت محمد بن قاسم کے زمانے [پہلی صدی ہجری کے اواخر] میں ایسے القاب ناپید تھے اور کسی بھی عربی تاریخ میں محمد بن قاسم کے لئے ایسے القاب استعمال نہیں کئے گئے، البتہ عربی رواج کے مطابق محمد بن قاسم کی ایک خاص کنیت "ابوالبہار" تھی۔ عربی لغت "تاج العروس" کا مصنف، مشہور عرب عالم مرزبانی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ: محمد بن قاسم کو "بہار" نامی ایک پودے سے خاص لگاؤ تھا جس کی وجہ سے وہ "ابوالبہار" کی کنیت سے پکارا جانے لگا۔ تاج کا مصنف، الجوہری کے حوالے سے مزید لکھتا ہے کہ "بہار" ایک پودا ہے جو بہار کے موسم میں اُگتا ہے۔ عرب اسے العرار، العرارۃ، عین البقر اور بہار البر کے ناموں سے پکارتے ہیں۔ (ا-ھ) محمد بن قاسم کی کنیت کے بارے میں تاج العروس کا یہ حوالہ بڑا قیمتی اور نایاب ہے جس کی بنا پر فارسی مترجم کے اختیار کئے ہوئے القاب "عماد الدین" اور "کریم الدین" کی تردید بھی ہوتی ہے اور محققین و مورخین کے لئے محمد بن قاسم کے صحیح نام "ابوالبہار محمد بن القاسم ثقفی" کی تصدیق بھی۔ (ن-ب)

[9]/54 اروڑ: ہم اس صفحے کے متن کے حاشیے میں یہ بتا چکے ہیں کہ فتحنامہ اور قدیم نسخہ (پ) کا تلفظ "اروڑ" ہے اور باقی دوسرے سارے نسخوں کا "الور" ہے۔ بلاذری (فتوح البلدان، مطبوعہ یورپ ص 439-41، 445) یعقوبی (مطبوعہ یورپ 346/2)، ابن الاثیر (مطبوعہ مصر ص 258/4، 282) ابن حوقل (مطبوعہ یورپ ص 230) اور یاقوت [معجم البلدان (الرور)] وغیرہم عرب مورخوں اور جغرافیہ دانوں نے اس شہر کا نام "الرور" لکھا ہے، جس کے شروع کا "ال" غالباً معرفہ کا ہے۔ گمان غالب ہے کہ قبل از اسلام اس مقام کا نام "روڑ" تھا، جس کے معنی نہر یا دریا کے ہیں۔ حمزہ اصفہانی کا قول نقل کرتے ہوئے یاقوت لکھتا ہے کہ دریائے سندھ کا

قدیم ایرانی نام "مہران روذ" تھا۔ [معجم البلدان (مہران)]۔ چونکہ اس کے قریب دریائے مہران دو شاخوں میں بٹا ہوا تھا، اس لئے یا شاید ان دونوں شاخوں میں سے مشرقی شاخ کی نسبت سے ہی اس مقام کا نام رود یا نہر پڑ گیا۔ محبّ اللہ بکھری اپنی ایک مختصر تاریخ (قلمی تصنیف) کے دوسرے باب "در تفصیلِ امصار و بلاد و حصار و قصبات سندھ و وجہ تسمیہ ولغت آنھا" میں لکھتا ہے کہ کسریٰ نوشیروان کے عہد میں اس شہر کو ایک تاجر مسمّٰی "مہماس بن اروخ بن ہیلاج ارمنی" نے آباد کیا تھا۔ یہ روایت بھی اس شہر کی بنیاد کو ایرانی عہد اقتدار سے وابستہ کرتی ہے اور اسی لحاظ سے اس شہر کا ابتدائی فارسی الاصل نام "روذ" کسی قدر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے جو غالباً مقامی لہجے کے مطابق بدل کر "روڑ" ہوا۔ عربوں نے اسے "الروڑ" کہا جس کے تلفظ مقامی لہجے کے اعتبار سے دو ہوئے۔ "اروڑ" (عربی اصول کے مطابق "ل" کے حذف سے) اور "الوڑ" (بے قاعدہ "ل" کو قائم رکھنے اور "ڑ" کے حذف کردینے سے)۔ یہ دونوں تلفظ کم وبیش ان آخری ایام تک رائج رہے۔ تعجب ہے کہ سندھی مورخوں مثلاً میر معصوم اور میر علی شیر قانع وغیرہ نے "الوڑ" کا تلفظ اختیار کیا ہے، حالانکہ "اروڑ" نسبتاً زیادہ صحیح ہے۔ محقق بیرونی کتاب الہند (متن ص100، انگریزی ترجمہ 250/1) میں اس شہر کا نام واضح طور پر "اروڑ" لکھتا ہے اور آج تک سندھ کے لوگ بھی اسی تلفظ کے مناسبت سے اس شہر کو "اروڑ" کہتے ہیں۔ اس قدیمی شہر کے آثار روہڑی سے تقریباً تین میل جنوب مشرق کی طرف "مشرقی نارے" کے سابقہ پیٹے کے مغرب اور موجودہ "نکس واہ" (نئی نہر) کے شمال میں ٹیکرے پر موجود ہیں اور جہاں آج تک "اروڑ" نام کا گاؤں آباد ہے۔ ٹیکرے کے نیچے شمال مغرب کی سمت دریا کے قدیمی بہاؤ کا پیٹا صاف طور پر دکھائی دیتا ہے۔ یہ شہر قبل از اسلام رائے خاندان اور برہمن خاندان کے عہد سے لے کر عربوں کے عہد حکومت کے اوائل تقریباً سنہ 125ھ تک سندھ کا پایۂ تخت رہا جس کے بعد منصورہ دارالحکومت بنا۔ (ن-ب)

[9]/54 بکھر: شہر بکھر کا یہ حوالہ تقریباً 613ھ کا ہے جبکہ فتحنامہ کا مولف علی کوفی، عربی تاریخ کا مواد فراہم کرنے کے لئے "اُچ" سے روانہ ہوکر اروڑ اور بکھر آیا۔ اس وقت تک وہاں کے امام عربوں کے ثقفی خاندان میں سے تھے، جو غالباً محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت سے وہاں آباد تھے۔ اس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ "اروڑ" کے ساتھ "بکھر" کا قدیم شہر بھی محمد بن قاسم کے وقت میں موجود تھا۔ محمد بن قاسم کی فتوحات کے سلسلے میں مؤرخ بلاذری (فتوح البلدان، مطبوعہ یورپ ص440-441) نے بھی دو شہروں کے نام "الرور و بغرور" ساتھ ساتھ استعمال کئے ہیں جن سے "اروڑ اور بکھر" ہی سمجھے جانے چاہئیں۔ (ن-ب)

55/[11] شرف الملک رضی الدولۃ والدین: متن کی عبارت سے ظاہر ہے کہ وزیر شرف الملک رضی الدین، فتحنامہ کے مولف علی کوفی کا مربی تھا۔ آگے چل کر صفحہ 54 پر بیان کیا ہے کہ وہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی اولاد میں سے تھا اور اس کے بیٹے وزیر عین الملک کے دیئے ہوئے پورے نام سے یہ ثابت ہے کہ اس کا نام ابوبکر تھا۔ "نوراللہ مضجعہ وطیب ثراہ" کے دعائیہ فقرے سے ظاہر ہے کہ فتحنامہ کے انتساب کے وقت (613ھ) میں وزیر شرف الملک فوت ہو چکا تھا۔ (ن-ب)

شرف الملک رضی الدین ابوبکر، ناصر الدین قباچہ (602-625ھ) کا وزیر تھا۔ مصنف عوفی نے اپنی تاریخ "لباب الالباب" میں اس کی مدح میں مندرجہ ذیل رباعی قلم بند کی ہے:

اے صدر بحر ملک عجم چوں تو نیافت
شہ صاحب فرخندہ قدم چوں تو نیافت

بسیار بگشت روز و شب دست بدست
تیغ و قلم و عدل و کرم چون تو نیافت

(ع-م)

56/[12] عین الملک.......... حسن بن ابوبکر الاشعری: پورا نام اس طرح ہے "عین الملک فخر الدولۃ والدین، نظام الاقالیم، جلال الوزراء، حسین بن ابی بکر بن محمد الاشعری۔" یہ وزیر عین الملک فخر الدین حسین، مذکورہ بالا وزیر شرف الملک رضی الدین ابوبکر کا بیٹا ہے اور علی کوفی نے فتحنامہ اس سے منسوب کیا ہے۔ غالباً وزیر شرف الملک کی وفات کے بعد ہی عین الملک، ناصر الدین قباچہ کا وزیر ہوا۔ وہ عالموں کا بڑا قدردان اور مربی تھا اور اسی کے عہد وزارت میں ہی مصنف عوفی نے اپنی کتاب "لباب الالباب" (617-18ھ/1222ء) شہر اُچ میں مکمل کر کے اس کے نام منسوب کی۔ دیکھئے مقدمہ جوامع الحکایات لندن 1929ء ص12۔ (ن-ب)

سنہ625ھ میں جب التمش کے وزیر نظام الملک جنیدی نے سندھ میں آ کر ناصر الدین قباچہ کو قلعۂ بکھر میں محصور کیا اور قباچہ نے ذلت کی موت سے بچنے کے لئے مہران میں کود کر خودکشی کر لی تب اس کے باقی ماندہ ملازم جن میں وزیر عین الملک، اس کا بھائی بہاء الدین حسن "لباب الالباب" کا مصنف عوفی اور "طبقات ناصری" کا مصنف منہاج سراج بھی شامل تھے، التمش کی خدمت میں چلے گئے۔ (ع-م)

اسی سال (سنہ 625ھ) سلطان التمش نے اپنے بیٹے شہزادہ رکن الدین فیروز کو بدایون کا گورنر مقرر کیا اور عین الملک کو بھی نوازا اور اس کا دیوان یا وزیر مقرر کیا۔ دیکھئے

"طبقات ناصری" ص 73-172، 82-181 اور تاریخ ایلیٹ ڈاؤسن، جلد 2 صفحات 325 اور 330 (ہوڈی والا ص 80)

59/[15] دیبل: اس شہر کی قدامت کے بارے میں فتحنامہ کے اس حوالے سے یہ گمان ہوتا ہے کہ رائے خاندان کے عہد (چھٹی صدی عیسوی) میں دیبل موجود تھا۔ اس شہر کے بارے میں سب سے پہلا تاریخی حوالہ بلاذری کی "فتوح البلدان" میں ملتا ہے جس کے مطابق 15ھ (37-636ء) میں حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں عمان کے گورنر عثمان بن ابی العاص الثقفی نے اپنے بھائیوں، مغیرہ اور حکم کی سرکردگی میں ایک لشکر سمندر کی راہ سے بھیجا تھا جس نے ہندوستان کے مغربی ساحل کی تین بندرگاہوں دیبل، بھروچ اور تھانہ پر فتوحات حاصل کی تھیں۔ اس کے بعد مسلمان جرنیلوں، عبیداللہ بن نبہان اور بدیل بن طہفة البجلی کے دیبل پر 711ء سے قبل کے حملوں، محمد بن قاسم کی 712ء میں دیبل کی فتح اور اس کے بعد سندھ میں عربوں کے دورِ حکومت میں دیبل کے بارے میں مسلسل حوالے ملتے ہیں۔ عرب سیاحوں اور جغرافیہ دانوں میں مسعودی (43-942ء) اصطخری (51-950ء) ابن حوقل (68-943ء) اور آخر میں مقدسی (86-985ء) خود دیبل میں آئے اور اپنے چشم دید حالات قلم بند کیے۔ اس کے علاوہ سنے ہوئے بیانات کی بنیاد پر سفرنامہ مسعر بن مہلہل (43-942ء) حدود العالم (تصنیف 982ء)، بیرونی "کتاب الہند" (اوائل گیارھویں صدی عیسوی)، ادریسی (51-1150ء)، سمعانی (1229-1179ء) اور یاقوت "معجم البلدان" (28-1224ء) میں دیبل کے بارے میں متعدد حوالات ملتے ہیں۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بھی سلطان معز الدین محمد بن سام غوری کی فتح دیبل (83-1182ء) اور سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی فتح دیبل (1254ء) کے حوالے موجود ہیں۔

یہ سارے حوالے سندھ کے اس قدیمی شہر دیبل کے بارے میں ہیں کہ جس کا اس فتحنامہ میں متعدد بار ذکر آیا ہے اور جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا۔ انہیں وجوہ کی بنا پر تاریخ کی روشنی میں کافی وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ تقریباً چھٹی صدی عیسوی سے لے کر تیرھویں صدی عیسوی کے نصف (1254ء) تک دیبل بندر بہتر یا زبوں حالت میں قائم رہا۔[1] گمان غالب ہے کہ

---

1. سنہ 1951ء میں، کراچی کی مجلس علمیہ کے ایک اجلاس میں دیبل کے محلِ وقوع کے موضوع پر راقم الحروف نے ایک مقالہ پڑھا تھا۔ اس موقع پر شمس العلماء ڈاکٹر داؤد پوتہ مرحوم نے راقم الحروف کی توجہ سیوطی کی کتاب "تاریخ الخلفاء" میں دیبل کی تباہی کے بارے میں ایک حوالے کی طرف مبذول کرائی، جس کے مطابق دیبل سنہ 280ھ میں ایک خوفناک زلزلے میں تباہ ہوا تھا۔ راقم الحروف نے اس حوالے کو مقالہ میں تو داخل کیا، لیکن اسے ضعیف اور غیر معتبر قرار دیا اور اس پر تنقید کی۔ (دیکھیے "دیبل کا ممکن محلِ وقوع" کے عنوان سے میرا انگریزی مقالہ مطبوعہ "اسلامک کلچر" (باقی اگلے صفحہ پر)

دسویں صدی عیسوی میں عربوں کی حکومت کے زوال کے ساتھ ان کی طاقت کے مرکز دیبل کی اہمیت اور حفاظت بھی کم ہونے لگی۔ دوسری طرف مقامی حالات کی تبدیلی اور دریائے سندھ کے مدخل کی شاخوں کے تغیر و تبدل کے سبب، دریا کی ایک شاخ پر ایک نئی بندرگاہ کے لئے سازگار ماحول پیدا ہوگیا جس کا نام "لوہارانی" پڑ گیا۔ گیارہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں محقق بیرونی "دیبل" کے ساتھ اس نئی بندرگاہ "لوہارانی" کا بھی ذکر کرتا ہے۔ غالباً اس نئی بندرگاہ کی سہولت نے "دیبل" کی اہمیت کو رفتہ رفتہ ختم کردیا اور آئندہ دو صدیوں میں دیبل بالکل ویران ہوگیا۔ چنانچہ سن 1334ء میں جب ابن بطوطہ دریائے سندھ کی راہ سے نیچے سمندر کی طرف گیا تو اس نے "لاہری بندر" ہی کو اوج پر دیکھا، البتہ اس نئی بندرگاہ سے 6-7 میل دور اس نے ایک ویران شہر کے کھنڈرات بھی دیکھے تھے جو کہ شاید قدیمی دیبل کے تھے۔

بہرحال تقریباً چھ سو برس تک دیبل سندھ کا ایک مشہور بندر رہا اور اسی وجہ سے اس مدت میں سندھ کی سیاسی اور اقتصادی تاریخ گویا دیبل سے وابستہ تھی۔ حالانکہ دیبل بندر اُجڑ گیا تھا لیکن اہلِ سندھ نے اس نئی بندرگاہ کو بھی دیبل کے نام سے پکارا، کیونکہ گذشتہ چھ سو برس کے اندر "بندر" اور "دیبل" لازم و ملزوم ہوچکے تھے۔ بعد کے زمانے کی تاریخ اس روایتی صداقت کی تصدیق کرتی ہے کہ سولہویں صدی عیسوی میں پرتگیزیوں نے اسی "لاہری بندر" کو "لاہوری بندر" "دیوَل" اور "دیولسند" کے ناموں سے لکھا ہے اور اس کے بعد انگریزوں نے بھی اسے "سنی دیوَل" اور "لاڑی بندر" کے نام سے پکارا[1]۔ اسی دور میں ٹھٹھہ نے بھی ایک دریائی بندرگاہ کی اہمیت حاصل کرلی تھی اور اسے بھی "دیبل" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ چنانچہ ابوالفضل نے "آئینِ اکبری" میں ٹھٹھہ کو "دیبل" لکھا ہے اور اسی وقت میر معصوم بھی یہی لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں "لاہری بندر" اور "ٹھٹھہ" دونوں کو "دیول بندر" کہا جاتا تھا (تاریخ معصومی فارسی ص6) چونکہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

حیدرآباد دکن ماہ جولائی 1952ء ص37) اس کے بعد مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ درحقیقت سیوطی کی "تاریخ الخلفاء" (مطبع منیریہ مصر، 1351ھ) غالباً کسی غلط قلمی نسخے کے مطابق طبع ہوئی، جس میں شہر "اردبیل" کی جگہ "دیبل" طبع ہوگیا ہے۔ اس کی دلیل قاطع یہ ہے کہ سیوطی نے زلزلوں پر ایک خاص کتاب "کشف الصلصلۃ عن وصف الزلزلۃ" کے نام سے لکھی ہے، جس کا لب لباب فاضل مستشرق اے۔ سپرینگر (A.Sprenger) نے اپنے انگریزی ترجمے میں دیا ہے جو کہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل سال 1843ء میں صفحات 49-741 پر شائع ہوچکا ہے۔ اس ترجمے کے ص743 پر واضح طور پر درج ہے کہ سنہ 280ھ والا زلزلہ "اردبیل" میں آیا تھا جس کا "دیبل" سے کوئی تعلق نہیں۔
(ن۔ب)

1. تصدیق کے لئے دیکھئے ہیگ (Haig) کی کتاب "The Indus Delta Country" مطبوعہ لندن 1894ء ص46، 64 اور 79۔

قدیم زمانے سے "لاہری بندر" کا نام بھی "دیبل" پڑ چکا تھا، اسی وجہ سے ہمارے بعد کے مورخ میر علی شیر قانع نے "لاہری بندر" کو "پرانا دیبل" سمجھا (تحفۃ الکرام 253-54/3) اسی طرح "پیر پٹھا" کو جو کہ بگھاڑ شاخ پر ایک بندرگاہ تھی اسے بھی مقامی طور پر دیبل کہا گیا، جیسے کہ میر علی شیر قانع نے تحفۃ الکرام (252, 247/3) میں وہاں کے مدفون بزرگ شیخ حسین عرف "پیر پٹھا" کو "دیبلی" لکھا ہے۔

مذکورہ توضیح سے یہ معلوم ہوگیا کہ حالانکہ اصل "دیبل" کہ جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا تھا وہ انقلاب زمانہ سے برباد ہوگیا تھا تاہم یادگار کے طور پر اس کا نام چلتا رہا اور لوہارانی یا لاہری یا لاہوری بندر اور ٹھٹھہ دونوں دیبل کہے جانے لگے تھے، اسی وجہ سے ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کو اصلی یا قدیم دیبل بندر سمجھنا غلط ہوگا۔ محقق بیرونی کہ جس نے سب سے پہلے "لوہارانی بندر" کا ذکر کیا ہے اس نے صاف طور پر لکھا ہے کہ دیبل ایک ساحلی بندرگاہ تھی اور لوہارانی اس سے علیحدہ مشرق کی طرف دریائے سندھ کی ایک شاخ کا بندر تھا (کتاب الہند، عربی متن ص102) ٹھٹھہ کی تو بنیاد ہی بہت بعد میں سومروں کے دور کے اواخر اور سموں کے دور کے اوائل میں تقریباً 1333-37ء میں پڑی۔ اسی وجہ سے پانجر اور کنگھام کا "لاہری بندر" کو اصلی دیبل بندر سمجھنا یا رچرڈ برٹن، کیپٹن مکمرڈو، ڈلاروشی، ریٹیلی، ڈبلیو ہملٹن (بلکہ پانجر اور برنس کا ان کی دوسری رائے کے مطابق) اور آخر میں ہینری کزنس کا ٹھٹھہ کو قدیم دیبل سے تعبیر کرنا بظاہر بھی غلط ہے۔ ایلیٹ، کراچی کو دیبل قرار دیتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے کیونکہ 1725ء سے پہلے کراچی کا کوئی وجود ہی نہیں تھا اور بندرگاہ کی حیثیت سے کراچی پہلے پہل سنہ 1729ء میں استعمال ہوا۔ میجر راورٹی، عرب مورخوں اور جغرافیہ دانوں کے حوالوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف کیپٹن نیوپورٹ کے بیان (سنہ 1666ء) کی بنیاد پر جس میں "پیر پٹھا" کو دیبل کہا گیا ہے۔ "پیر پٹھا" کو دیبل قرار دیتا ہے۔ جس کے متعلق ہم پہلے ہی معلوم کر چکے ہیں کہ دیبل کے زوال کے بعد جس طرح لاہری بندر کو دیبل کہا گیا تھا اس طرح "پیر پٹھا" کو بھی دیبل پکارا گیا تھا۔

دیبل کی جگہ متعین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس وقت کے عرب مورخوں اور جغرافیہ دانوں میں سے بعض کی پختہ دلیلوں کا سہارا لیا جائے، کیونکہ مشکوک اور وضاحت طلب حوالے کسی بھی خاطر خواہ نتیجہ پر نہ پہنچائیں گے۔ مثلاً عرب جغرافیہ دانوں نے دیبل کا طول البلد اور عرض البلد بیان کیا ہے مگر وہ خود وضاحت طلب ہے۔ اول تو ہر ایک مصنف نے طول و عرض کے مختلف درجے دیئے ہیں اور دوسرے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان میں سے ہر ایک

نے طول البلد کا شمار کس مقام سے کیا ہے۔ اسی طرح عرب جغرافیہ نویسوں نے دیبل کے فاصلے بھی تحریر کیے ہیں لیکن یہ سب بھی تشریح طلب ہیں یعنی اول تو جن شہروں سے دیبل کے فاصلے دیئے گئے ہیں خود ان شہروں کا مقام نامعلوم ہے، دوسرے یہ فاصلے دنوں کی مسافت یا منزلوں، مرحلوں کے اعداد یا فرسخوں اور میلوں میں دیئے گئے ہیں لیکن کیا کہا جا سکتا ہے کہ ایک دن کی مسافت سے کتنا فاصلہ سمجھنا چاہئے یا اس وقت کے رائج فرسخوں یا میلوں سے کتنا فاصلہ تصور کیا جائے۔ ان مشکوک اندازوں کا نتیجہ یہ ہے کہ دو محققوں ایلیٹ اور ہیگ نے دیبل کو متعین کرنے کے لئے اپنے دلائل کا مدار عرب مورخوں کے دیئے ہوئے فاصلوں پر رکھا ہے، لیکن اس کے باوجود ایلیٹ کراچی کو دیبل قرار دیتا ہے اور ہیگ نے کراچی سے تقریباً 50 میل جنوب مشرق کی طرف "کگو بکیرا" یا "ہیگ جھنگو" (ٹھٹھہ سے تقریباً 20 میل جنوب مغرب کی طرف) کے مسمار کھنڈرات کو دیبل قرار دیا ہے۔

ہمارے خیال میں دیبل کا محل وقوع متعین کرنے میں پہلا حل طلب اصولی سوال یہ ہے کہ آیا دیبل مہران کے کنارے پر یا اس کی کسی شاخ کے پہلو میں یا ساحلِ بحر پر اور یا سمندر کی کسی خلیج کے دامن میں واقع تھا؟ اس سلسلے میں یہ حوالے قابل غور ہیں کہ بقول ابن خرداذبہ، دیبل مہران کے کنارے پر نہیں بلکہ اس کے مدخل سے دو فرسنگ دور تھا، اصطخری واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ دیبل مہران کے مغرب کے طرف ساحلِ سمندر پر واقع تھا۔ مسعودی کہتا ہے کہ مہران کا مدخل دیبل سے دو دن کے فاصلے پر تھا، ابن حوقل لکھتا ہے کہ شہر دیبل مہران کے مغرب میں سمندر کے کنارے تھا اور بقول مقدسی دیبل ایک ساحلی شہر تھا۔ یاقوت، مسعر بن مھلھل کے حوالے سے ظاہر کرتا ہے کہ دیبل سمندر کے کنارے پر تھا۔ بیرونی کی تحقیق کے مطابق دیبل بحری ساحل پر تھا اور لوہارانی بندر اس کے مشرق کی طرف مہران کے مدخل کے قریب تھا۔ الخوارزمی (کتاب صورۃ الارض میں) لکھتا ہے کہ دیبل سمندر پر تھا۔ قلقشندی ایک قدیم کتاب "اللباب" کے حوالے سے لکھتا ہے کہ "تحقیق دیبل بحرِ ہند کے ساحل پر ہے۔"

ان حوالوں میں سے اصطخری، مسعودی اور ابن حوقل کے بیانات چشم دید ہیں۔ ان بیانات سے یہ کلی نتیجے نکلتے ہیں کہ:

1- دیبل مہران یا اس کی کسی شاخ کے کنارے پر نہ تھا۔

2- دیبل مہران کے مدخل سے کافی فاصلے پر مغرب کی طرف تھا۔

3- دیبل بحری ساحل کا بندر تھا۔

ان یقینی نتائج کے بعد ٹھٹھہ، بیر پٹھا یا لاہری بندر کو دیبل سمجھنا غلط ہوگا۔ دیبل کو لازمی

طور پر مذکورہ مورخوں کے وقت والے مہران کے مدخل سے مغرب کی سمت ساحلِ بحر پر تلاش کرنا چاہیے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس عربی دور حکومت کے عرصے میں مہران کا مدخل کہاں تھا؟ اس بارے میں ایک خاطر خواہ حوالہ موجود ہے۔ محمد بن قاسم نے جب دیبل فتح کیا (712ء) تب خود خشکی کی راہ سے نیرون کوٹ کی طرف روانہ ہوا اور حکم دیا کہ منجنیقیں وغیرہ کشتیوں کے ذریعے لائی جائیں۔ چنانچہ "وہ کشتیاں وہاں سے اس آبی راہ سے لے گئے کہ جسے "ساکرہ نہر" کہتے تھے۔" (فتح نامہ ص115)۔ "ساکرہ نہر" سے مراد غالباً قدیم "بگھیاڑ شاخ" ہے جو پرگنہ ساکرہ پر بہتی تھی۔ اس وقت تک وہ شاید ایک چھوٹا نالہ تھی جو غالباً تین صدیوں کے بعد یعنی گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں دوسرے نمبر کا چھوٹا دریا بن گیا۔ کیونکہ اسی زمانے میں محقق بیرونی نے سمندر کے قریب دریائے سندھ کی مدخل والی دو خاص شاخوں کا ذکر کیا ہے، ایک "مہمن صغریٰ" (چھوٹی شاخ) اور دوسری آگے جنوب مشرق کی سمت "مہمن کبریٰ" (بڑی شاخ) [کتاب الہند، عربی متن ص102] لوہارانی بندر اسی چھوٹی شاخ پر تھا جسے موجودہ تحقیق کے مطابق "بگھیاڑ" تسلیم کیا گیا ہے۔ عرب جغرافیہ نویسوں کے مہران اور دیبل کے بارے میں بیانات بیرونی سے 50-60 سال پہلے کے زمانے کے ہیں جس زمانے میں کہ بگھیاڑ بھی، مہران کے دوسرے نمبر کے مدخل کی حیثیت سے یقینی طور پر موجود رہا ہوگا۔ دیبل ان جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں کے چشم دید بیانات کے مطابق مہران کے مدخل سے بہرحال دور اور مغرب کی سمت تھا۔ اسی وجہ سے دیبل کی تلاش بگھیاڑ کے پیٹے سے مغرب کی جانب ساحلِ سمندر پر کرنی چاہیے۔

بگھیاڑ کا قدیمی پیٹا تحصیل میرپور ساکرو میں نمایاں طور پر موجود ہے جو نشیب میں میرپور ساکرو اور گُھارا کے درمیان سے مغرب کی طرف جاکر، شہر گُھارا سے تقریباً 3، 4 میل مغرب کی طرف بل کھاکر جنوب کی طرف ہوتا ہوا سیدھا سمندر میں داخل ہوگیا ہے۔ کافی وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ دیبل، بگھیاڑ کے اسی قدیم پیٹے سے لے کر کراچی تک، درمیان میں کسی مقام پر تھا۔ دیبل کی تلاش اور تحقیق کے بارے میں یہ نتیجہ فیصلہ کن سمجھنا چاہیے۔

اب کراچی سے لے کر نیچے جنوب مشرق کی طرف بگھیاڑ کے قدیمی پیٹے تک نئی یا پرانی جو بستیاں بھی بندرگاہ کی حیثیت پاسکتی ہیں وہ یہ ہیں: کراچی، کلفٹن، کسری (گندری)، واگھودر یا ابراہیم حیدری، بھنبھور، رتو کوٹ، ماڑی موریڑو اور ستون والی مسجد، دھارابجہ اور جاکھی بندر اور رانا کوٹ۔

ان میں سے کراچی، جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے، سب کے آخر میں بندر بنا اور

1725ء سے پہلے اس مقام پر کوئی بندرگاہ نہیں تھی۔ اسی طرح کلفٹن اور گسری (گذری) دونوں نئی آباد بستیاں ہیں، جہاں کوئی بھی قابل ذکر آثار موجود نہیں۔ البتہ کلفٹن پر عبداللہ شاہ کا مزار ہے جس کی بابت ڈاکٹر داؤد پوٹہ صاحب کا خیال ہے کہ بقول بلاذری (فتوح البلدان طبع یورپ ص35-36) یہ مزار عبیداللہ بن نبھان ہی کا ہے کہ جسے حجاج نے بدیل بن طہفہ البجلی سے پہلے دیبل پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ کیا تھا (دیکھئے فتحنامہ فارسی ایڈیشن، ص255)۔ یہ دلیل در حقیقت کچھ اتنی وزن دار نہیں ہے کیونکہ خود بلاذری کی تحریر کے مطابق تقریباً خود اس کے دنوں میں (229-235ھ) دیبل میں بدیل بن طہفہ کی قبر موجود تھی۔ (فتوح، ص438) نہ کہ عبیداللہ بن نبھان کی۔ دوسرے یہ کہ کلفٹن والا موجودہ مزار عبداللہ شاہ بخاری سے منسوب ہے اور سندھ میں بخاری سیدوں کی آمد کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔

"واگھوڑ" یا "ابراہیم حیدری" میں بے شک ویران بستی کے کچھ نشانات موجود ہیں اور ہوسکتا ہے کہ وہ دیبل ہو۔

رتو کوٹ، ابراہیم حیدری سے جنوب مشرق کی سمت موجودہ بحری اراضی میں واقع ایک قسم کا قلعہ ہے، جس کے پتھروں اور کھنڈرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیمی زمانے کا ہے۔

بھنبھور سے تقریباً 10-11 میل جنوب مغرب کی طرف تحصیل میرپور ساکرو کے دیہہ گھیرانی میں سمندر کی موجوں کے نیچے آئی ہوئی مغربی اراضی میں بھی مسمار کھنڈرات ہیں، جنہیں اب مقامی طور پر "ماڑی سورڑو" کہتے ہیں۔ شاید یہ وہی آثار ہیں کہ جنہیں مسٹر کارٹر نے "ستون والی مسجد" کہا ہے اور "دیبل" سمجھا ہے (دیکھئے ہینری کزنس کی کتاب "سندھ کے آثار قدیمہ" ص126-27) سنہ 1944ء میں راقم الحروف نے ان کھنڈرات کا مشاہدہ کیا، لیکن وہاں جو پتھر کی قبریں اور قبرستان ہے وہ مکلی کے قبرستان والے زمانے یا اس سے بھی بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے یہ علاقہ آباد تھا، جس کے بعد سمندر کے نیچے آ گیا۔ بہرحال اس اراضی میں بھی دیبل کا ہونا قرین قیاس ہے۔

دھاراجا، جاکھی بندر اور راناکوٹ کے کھنڈرات "بہارن" کے شہر سے تقریباً 5-6 میل مغرب کی سمت اور گھیاڑ کے قدیم پٹے کے شمال مغرب کی جانب ہیں جس کا ہم نے 1952ء میں معائنہ کیا، راناکوٹ اصل میں رانا ارجن کا قلعہ ہے جسے میاں غلام شاہ کلہوڑے نے بجار جوکھیہ کے ہاتھوں قتل کرایا تھا۔ قلعے کے مغرب میں رانا کے بیٹے "علی بن ارجن" کی قبر موجود ہے جو کہ اسلام میں داخل ہوگیا تھا اور مسلمان ہوکر فوت ہوا تھا اور جہاں تک یاد آتا ہے اس کی قبر کے کتبے پر 1102ھ کندہ ہے۔ بہرحال یہ قلعہ بعد کے زمانے کا ہے۔

جاکھی بندر اور دھاراجا بندر کے آثار دریا کی ایک قدیم شاخ (پٹھی پنیانی؟) کے مشرقی کنارے پر (رانا کوٹ سے ایک میل مغرب میں) موجود ہیں۔ یہ دونوں مقامی نام ہیں جن کا قدیم تاریخ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ جاکھی بندر جنوب کی سمت اور دھاراجہ اس سے ملا ہوا شمال کی طرف ہے اور یہ دو مختلف نام غالباً ایک ہی قدیم بستی کے ہیں۔ گمان غالب ہے کہ یہ آثار مشہور تاریخی بندرگاہ لاہری کے ہیں۔ کیپٹن پوسٹنس 1834ء سے 1945ء کے درمیانی عرصے میں لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ "دھاراجا پہلے ٹھٹھہ (کی تجارت) کا خاص بندر اور مشہور شہر تھا، لیکن دریا کے ردو بدل کی وجہ سے اب اس بندرگاہ کی اہمیت کم ہوگئی ہے.............. اس وقت دھاراجا یا لاہری بندر کے بجائے کراچی ہی کو بندرگاہ کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے۔"[1]

اس وضاحت کی بنا پر واگھودر، بھنبھور اور ماڑی موروڑو، ستون والی مسجد میں سے کسی بھی ایک کو دیبل قرار دیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے ہر مقام پر محکمۂ آثار قدیمہ کی طرف سے کھدائی اور مزید تحقیقات کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے علاوہ بھنبھور سے لے کر دھاراجا تک کے بحری ساحل کی بھی چھان بین کر کے باقی ماندہ کھنڈرات کا پتہ لگانا ہے۔ کسی ایسی مکمل جستجو کے بعد ہی کسی یقینی نتیجے پر پہنچا جاسکے گا۔ فی الحال تاریخ کی روشنی اور محکمۂ آثار قدیمہ کی جانب سے کی گئی اس وقت تک کی تحقیقات کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ بھنبھور کے کھنڈرات کا دیبل ہونا زیادہ ممکن اور قرین قیاس ہے۔ ہمارے اس نظریہ کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل قابل غور ہیں:

(1) عرب مورخوں اور جغرافیہ نویسوں میں سے بلاذری (فتوح ص438) اور یاقوت (المشترک ص102 اور معجم البلدان زیر عنوان "الدیبل") نے "خور الدیبل" کا ذکر کیا ہے۔ ہینری ایلیٹ نے "خور" کے معنی خلیج (bay) کے لئے ہیں، تاکہ اس کے اس نظریے کی تائید ہو کہ جس کے مطابق وہ کراچی کو جو کہ ایک چھوٹی سی خلیج پر واقع ہے، دیبل قرار دیتا ہے۔ لیکن خود عرب مورخوں میں قلقشندی، (صبح الاعشیٰ 64/5) ابن سعید کے حوالے سے "خور" کے معنی "خلیج" لکھتا ہے۔ "خلیج" دو مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے مگر اس کے عام معنی "کھاڑی" [2] کے ہیں۔ اگر "خور الدیبل" کے معنی "دیبل کی کھاڑی" کے لئے جائیں تو اس سے گمان واثق ہوگا کہ "دیبل" سمندر کی ایک "کھاڑی" پر واقع تھا۔ چنانچہ کراچی سے لے کر "دھاراجا" کے کھنڈرات تک اس وقت تین کھاڑیاں موجود ہیں یعنی

---

1. دیکھئے کیپٹن پوسٹنس کی کتاب "Personal Observation of Sindh" مطبوعہ لندن 1843ء ص27 اور 617۔
2. انگریزی میں اسے "Estuary" یا "Creek" کہتے ہیں۔ دیکھئے ہیگ کی کتاب "انڈس ڈیلٹا کنٹری" 42-43۔

گسری والی کھاڑی، کھنڈرو کھاڑی جس کے سرے پر واگھودر (ابراہیم حیدری) ہے اور سب سے اہم اور بڑی کھاڑی ''گھارو'' جس کے کنارے پر بھنبھور کے کھنڈرات واقع ہیں۔ بقول مقدسی (''مد'' کے وقت) سمندر کا پانی دیبل شہر کے اندر بازاروں تک آ جاتا تھا۔ یہ صورت حال صرف بھنبھور کے کھنڈرات پر منطبق ہوتی ہے۔ کیونکہ اب بھی بھنبھور شہر کے ملبے کے شمال کی طرف سے خلیج کا پانی چڑھ کر مغرب کی طرف والے تالاب تک آتا ہے جو کہ اس کے کھنڈرات کے حدود میں ہے۔

(2) بھنبھور کے کھنڈرات، واگھودر وغیرہ کے مقابلے میں زیادہ بڑے اور وسیع ہیں جنہوں نے گذشتہ صدی کے جملہ محققین کو کافی متاثر کیا ہے۔ چنانچہ ڈیوڈ راس کہ جس نے بھنبھور کا معائنہ کیا لکھتا ہے کہ ''یہ بہت پرانے کھنڈرات ہیں۔'' اسی طرح پاٹجر نے لکھا ہے کہ ''قدیم زمانے میں یہ کوئی بڑا شہر تھا۔'' ایلیٹ اور کننگھام نے ان کھنڈرات کی قدامت کی بنا پر بھنبھور کو سکندر اعظم کے زمانے کا ''باربکان بندر'' کہا ہے۔ ہینری کزنس جو کہ ہندوستان کے محکمۂ آثار قدیمہ کا افسر اعلیٰ تھا وہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ''سندھ کے باشندے اسے اس صوبے کا قدیم بندرگاہ سمجھتے ہیں'' اور وہ خود بھی اسے سکندر اعظم کے زمانے کا بندر تسلیم کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ بھنبھور کو دیبل کے بجائے عربوں کے زمانے کا سمندر پر واقع ایک چھوٹا حفاظتی قلعہ ٹھہراتا ہے۔ کیونکہ اس کے خیال میں یہ ایک بالکل چھوٹی بستی "an insignificant site" ہے۔ ہینری کزنس کا یہ ریمارک نہ صرف مندرجہ بالا بیانات کی تردید ہے، بلکہ کھنڈرات کی صورت حال کے بھی خلاف۔ درحقیقت بھنبھور کے کھنڈرات کافی وسیع ہیں۔ کچھ ہی کم ایک پورے بلاک میں تو ٹیلے والے قلعے کے کھنڈرات ہیں، جس کی عرض کی دیوار اور اطراف کے برجوں کے نشانات اب تک قائم ہیں۔ اس قلعے کے جنوب کے ٹیلے پر بھی قدیم آثار کچھ ہی کم نصف بلاک میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں کمروں اور کوٹھیوں کی بنیادیں اور ایک قدیم کنواں موجود ہے۔ ٹیلے والے قلعے کے شمال مغرب میں ایک بڑا تالاب موجود ہے اور اس تالاب کے جنوب مغرب میں بھی تقریباً ایک بلاک میں کھنڈرات ہیں جن میں ٹیلے والے قلعے کے نشیب میں مغرب کی طرف، بڑے مٹکوں کی زمین دوز قطاریں عبرت انگیز ہیں۔ غرض یہ کہ بھنبھور کے کھنڈرات، ٹیلے والے بالائی سرے کے جنوبی حصے سے لے کر شمال کی جانب قدیمی راستے تک پھیلے ہوئے ہیں اور قدیمی قبرستان اس راستے کے جنوب میں بالکل ملا ہوا واقع ہے۔ ان جملہ وسیع آثار کو ''چھوٹی بستی'' سمجھنا حقیقت کے برعکس ہے۔

(3) فتحنامہ میں دیبل کے بدھ والے مندر کا ذکر ہے جو کہ چالیس گز بلند تھا۔ یہ حوالہ بھی بھنبھور کے کھنڈرات پر صادق آتا ہے۔ جہاں ایک وسیع اونچا ٹیلہ اور اس پر قدیم دیوار کے نشانات اور ایک بلند اراضی نظر آتی ہے جو غالباً اسی مندر کی تھی۔ فتحنامہ میں اس کے علاوہ محمد بن قاسم کے بیان میں اور بھی بدھ کے مندروں کے نام نظر آتے ہیں۔ مثلاً: اشبہار، کنوہار، وکر بہار اور نوبہار۔ ان ناموں کے آخیر میں "بہار" یعنی "وہار" بدھ مندروں کے نام کی خصوصی علامت ہے۔ ہمارے خیال میں بھنبھور درحقیقت (بھمبور = بن بھار) 'بنبھار" یعنی "ون وہار' کی اصلی نام کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ جو غالباً دیبل والے مندر کا اصلی نام تھا۔ اسی لحاظ سے خود بھنبھور کا نام بھی دیبل کی اصلیت کی غمازی کرتا ہے۔

(4) محکمۂ آثار قدیمہ کی طرف سے بھنبھور کے کھنڈرات کی جو کھدائی ہوئی ہے اور اس میں سے جو چیزیں برآمد ہوئی ہیں وہ بھی اس نظریے کی تائید کرتی ہیں کہ غالباً یہی دیبل کی قدیم بستی ہے۔

محکمۂ آثار قدیمہ کی طرف سے پہلے 1920ء اور 1930ء کے درمیان ان کھنڈرات کی جو کھدائی کی گئی اس میں بالکل ایسی ہی چیزیں برآمد ہوئیں، جیسی کہ سندھ کے عربی دور حکومت کے مرکز منصورہ سے ملی تھیں۔ اس کے بعد دوبارہ 1951ء میں ان کھنڈرات کی جو کھدائی ہوئی اس کی مفصل رپورٹ شایع نہ ہوئی، لیکن اخبار ڈان (Dawn, Karachi April 29, 1961) کے ایک شمارے میں ایک بیان شایع ہوا کہ یہاں دوسری چھوٹی بڑی چیزوں کے ساتھ عربی خطِ نسخ میں لکھی ہوئی تختیاں (کتبے) اور عرب گورنر منصور کے آٹھویں صدی کے نصف آخر کے سکے پائے گئے۔ ہمارے خیال میں منصور بن جمہور کے سکے اس نظریے کی مزید تائید کرتے ہیں کہ بھنبھور کے کھنڈرات قدیم دیبل بندر ہی کے ہیں۔ منصور بن جمہور الکلبی نے، اموی عہد کے زوال کے وقت تقریباً 130ھ کی ابتدا (747ء کے اواخر) میں عراق سے آکر سندھ پر قبضہ کیا تھا اور یہاں اپنی خود مختار حکومت قائم کی تھی جو کہ تقریباً 134ھ کے نصف آخر تک (751ء کے آخر تک) برقرار رہی اور اپنی خود مختاری کے دور میں منصور نے یہ سکے جاری کئے تھے۔ منصورہ جو کہ سندھ کا دارالحکومت تھا، منصور کی طاقت کا اہم مرکز تھا۔ اس کی حکومت اور طاقت کا دوسرا مرکز غالباً دیبل تھا کیونکہ مورخ یعقوبی (407/2) لکھتا ہے کہ منصورہ پر قبضہ کرنے کے بعد منصور نے دیبل کو فتح کرنے کے لئے خاص طور پر اپنے بھائی منظور کو بھیجا تھا۔ محکمۂ آثار قدیمہ کی طرف سے کی گئی کھدائی میں منصورہ کے کھنڈرات سے پہلے ہی منصور کے سکے دستیاب ہو چکے ہیں۔ (دیکھو ہینری کزنس کی کتاب "سندھ کے آثار قدیمہ") چنانچہ اس کے دوسرے سکے خاص طور پر اس کی طاقت

کے دوسرے مرکز دیبل میں ملنے چاہئیں تھے اور جو کہ بھنبھور سے برآمد ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے موجود تحقیق کے مطابق بھنبھور کا دیبل ہونا زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ (ن۔ب)[1]

[15]/59 چار حکمران مقرر کئے تھے: رائے خاندان کے نظام حکومت کے لئے مزید دیکھئے ص70-71۔

[15]/59 کردوں کے پہاڑ اور کیکانان تک: کردوں کے پہاڑ، کرمان اور مکران کے سرحدی پہاڑوں کی سمجھنا چاہئے۔ ویسے کرد قبائل زیادہ تر کرمان سے کافی دور شمال میں ایران اور عراق کی سرحد پر رہتے ہیں مگر کرد، کچ اور بلوچ قبائل ایک ہی جیسا تاریخی پس منظر رکھتے ہیں اور کچ (قفص یا کوچ) اور بلوچ قبائل کی بستیاں کرمان اور مکران کی سرحد پر قدیم زمانے سے قائم تھیں۔ اندازاً نوشکی کے جنوب مغرب میں واقع پہاڑوں کو "کردوں کے پہاڑ" تصور کرنا چاہئے۔

کیکانان وہ ملک ہے جسے رائے خاندان کے زمانے میں چین کے مشہور سیاح ہوان سانگ نے (Huen Tsang) "کی۔ کیانگ۔ نا" کے نام سے پکارا ہے۔ دیکھئے کننگھام: قدیم جغرافیہ ص100- ہوان سانگ کے بیان اور عرب مورخوں کے متعدد حوالوں کی بنا پر راقم الحروف کی رائے میں ملک کیکانان، نوشکی کے قریب، قصدار اور قندابیل (گنداوا) کے درمیان والا علاقہ تھا۔ اس مقام پر رائے خاندان کی مملکت کی سرحد کا ذکر ہے اور اسی لحاظ سے مراد سرحد کیکانان ہے۔ یعنی کوہ سلیمان کی قطار کا وہ حصہ جو دریائے گومل سے لے کر نوشکی تک پہنچا ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے گویا موجودہ ریاست قلات بلکہ سراوان اور جھالاوان کی ریاستیں بھی رائے خاندان کی مملکت میں شامل تھیں۔ (ن۔ب)

[15]/59 برہمن آباد: فتحنامہ کے قلمی نسخوں میں اس نام کی صورت غلطی "برہمناباذ" ہے۔ بہرحال اس نام کے آخری حصہ "آباذ" سے ظاہر ہے کہ یہ اصل ایرانی نام ہے۔ تاریخ سے بھی یہ دلیل ملتی ہے کہ یہ شہر غالباً ایران کے بادشاہ "بہمن اردشیر" کے حکم سے بسایا گیا تھا اور اسی لحاظ سے اس کا اصل نام "بہمن آباذ" تھا۔ بہمن اردشیر نے اپنی وسیع مملکت میں اس نام کے تین شہر آباد کئے تھے۔ ایک بہمن آباد خراسان میں جو کہ "رے" اور "نیشاپور" کے درمیان میں تھا۔[2] دوسرا [سواد] عراق میں جسے پہلے "ایذ اردشیر" کا نام دیا گیا مگر بعد میں وہ بھی "بہمنیا" کہا

1. اس تحقیق میں ہم نے اپنے انگریزی مضمون کا خلاصہ بعض نئی معلومات کے اضافے کے ساتھ پیش کیا ہے مگر مفصل بحث اور حوالوں کے لئے دیکھئے ہمارا اصل مضمون: "The Most Probable Site of Debal, the Famous Historical Port of Sind" (Islamic Culture, Hyderabad Deccan, Issue of July 1952.)

2. دیکھئے ابن خرداذبہ ص23، قدامہ (کتاب الخراج) ص201، اصطخری ص284، حدود العالم (طبع طہران) ص56 اور تاریخ قم ص204۔

جانے لگا اور مورخ طبری کے زمانے (868-932ھ) میں بھی موجود تھا۔ (طبری ج1 ص687) چونکہ سندھ کو بھی اردشیر نے فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کرلیا تھا اور اس کی زندگی میں یکے بعد دیگرے اس کے گورنر یہاں آتے رہے، (حمزہ اصفہانی: سنی ملوک الارض والانبیاء ص12-13) اس وجہ سے سندھ میں بھی اس کے نام کا شہر بسایا گیا ہوگا۔ "مجمل التواریخ" سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے جس کا مصنف لکھتا ہے کہ بہمن اردشیر نے یہاں دو شہر آباد کیے ایک ترکوں اور ہندیوں کی سرحد کا تعین کرنے کے لئے "قندابیل" (گنداوا) اور دوسرا بدھیہ کے علاقے میں "بہمن آباد" جسے اب منصورہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

(مجمل التواریخ، طبع طہران ص117-118)

غالباً اس کے بہت بعد جب سندھ میں برہمنوں کا اقتدار ہوا تو اس کا نام "بہمن آباد" کے بجائے "برہمن آباد" رکھا گیا۔ برہمنوں کا سندھ پر قبضہ تعصب سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ جب ہندوستان کے برہمن راجہ "ققند" نے اپنے بھائی "سامید" کو سندھ پر لشکر کشی کے لئے بھیجا، جب اس نے بہمن آباد میں آتشکدہ کی جگہ پر بت خانہ تعمیر کیا تھا۔ (مجمل التواریخ ص119)۔ بہرحال ممکن ہے کہ نام کی یہ تبدیلی اس تعصب کی وجہ سے یا برہمنوں کے اقتدار کی نسبت سے یا سندھی زبان کے مقامی تلفظ کی وجہ سے عمل میں آئی ہو۔ البیرونی نے (کتاب الہند، عربی متن ص130، ترجمہ 260/1) گیارہویں صدی کی ابتدائی زمانے میں بھی اس شہر کا نام "بہمنوا" لکھا ہے۔ جس سے اور بھی اس شہر کے اصلی ایرانی نام کی تائید ہوتی ہے۔ البیرونی مزید لکھتا ہے کہ برہمناباد درحقیقت "بہمنوا" ہے۔ (ایضاً ترجمہ 162/1)

فتحنامہ سے ظاہر ہے کہ رائے خاندان کے زمانے میں برہمناباد علاقہ لوہانہ کا مرکزی شہر اور وہاں کے حاکم اگھم کا پایۂ تخت تھا (دیکھیے متن ص77) محمد بن قاسم کی فتح کے وقت (712ء) میں بھی برہمناباد اس خطہ کا مشہور قلعہ تھا۔ شہر اس مضبوط قلعے کے اندر واقع تھا، جس کے چار دروازے تھے اور شہر کے مشرق کی سمت نہر جلوالی بہتی تھی۔ (دیکھیے متن ص203-204) برہمناباد کی مرکزی حیثیت غالباً اس وقت سے کم ہوئی جب محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو نے سندھ کے گورنر الحکم کے عہد میں (111-121/22ھ)، اس کی شاندار فتوحات کی یادگار میں منصورہ کا شہر بسایا۔ (بلاذری: فتوح البلدان ص444)، جو کہ برہمناباد سے دو فرسخ پر تھا (ایضاً 439)۔ حالانکہ اس شہر کا نام الحکم کے دور میں حاصل کی ہوئی فتوحات کے سبب "المنصورہ" رکھا گیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ شہر صوبۂ برہمناباد اور سارے سندھ کا پایۂ تخت بنا اسی وجہ سے مقامی طور پر سندھ کے لوگ اس شہر کو بھی برہمناباد کہتے تھے۔ اصطخری (ص172) اور ابن حوقل (ص226) نے صاف طور پر لکھا

ہے کہ سندھی میں منصورہ کو بھی "برہمناباذ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے عرب مورخوں نے منصورہ کے اس نئے مقامی نام برہمناباد اور پرانے برہمناباد (جو کہ منصورہ سے دو فرسنگ دور تھا) میں امتیاز کرنے کے لئے۔ اصل برہمناباد کو (جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا) "برہمناباد العتیقہ" (بلاذری، فتوح البلدان ص439) یا برہمناباد قدیم (فتحنامہ متن ص131 - فارسی 110) کے نام سے پکارا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ قدیم برہمناباد کس جگہ واقع تھا؟ اس سلسلے میں مذکورہ بالا دو حوالے بڑے قیمتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ برہمناباد، نئے تعمیر شدہ شہر منصورہ سے دو فرسنگ کے فاصلے پر تھا اور دوسرے یہ کہ اس کے مشرق میں نہر جلوالی بہتی تھی۔ محکمۂ آثار قدیمہ کی جانب سے 1920-1922ء کے درمیان جو کھدائی کی گئی اس سے یقینی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شہداد پور سے آٹھ میل جنوب مشرق کی طرف اور نہر جمراؤ سے متصل مشرق کی سمت دلور کا مشہور ٹیلہ اور اس کے وسیع کھنڈرات درحقیقت عربوں کے بسائے ہوئے شہر منصورہ کے کھنڈرات ہیں، عرب گورنروں کے حاصل شدہ سکے، مٹی کے برتن اور قدیم شاہی مسجد کے آثار اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ حالانکہ محکمۂ آثار قدیمہ نے عربی تاریخ سے لاعلمی اور اس شہر کے مقامی نام "بامنجاہ" کی وجہ سے اسے "برہمناباذ" قرار دیا ہے۔ لیکن قدیم برہمن آباد کو اس شہر منصورہ سے دو فرسنگ کے فاصلے پر تلاش کرنا چاہئے۔ اب اگر منصورہ کے کھنڈرات کے وسط کو[1] مرکز تصور کرکے دو فرسنگوں (یعنی پانچ چھ میلوں) کے قطر کا دائرہ کھینچا جائے تو قدیم برہمن آباد کو اسی دائرے کے خط کے آس پاس ہونا چاہئے۔ منصورہ کے نواح کا معائنہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کھنڈرات کے جنوب مشرق اور شمال مشرق کی طرف اور بھی دوسرے قدیمی ٹیلے اور کھنڈرات پھیلے ہوئے ہیں۔ منصورہ کے شمال مشرق میں "جراری" نامی گاؤں ہے جس کا نام قدیمی نہر جلوالی (جرواری = جراری) کی ایک یادگار ہے۔ اس علاقے کا ہم نے مکمل دورہ کیا ہے اور ہمارے خیال میں "کاڑھو بھڑو" (لال ٹیلہ) موضع پلیہ لغاری تحصیل سنجھورو کے متصل مشرق کی طرف کے کھنڈرات یا "ڈیپر گھانگھرے کے تھل" (جھول کے مغرب میں) کے گرد و نواح کے کھنڈرات میں سے کسی ایک کے آثار قدیم برہمن آباد کے آثار ہیں۔ یہ دونوں کھنڈرات منصورہ سے تقریباً 5-6 میل یعنی دو فرسنگ کے فاصلے پر ہیں۔ (ن-ب)

1. منصورہ کے موجودہ کھنڈرات خود بڑے وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اندازاً جامع مسجد والے مقام کو شہر کی ابتدائی بنیاد والی اراضی سمجھنا چاہئے۔ ہنری کزنس کی کتاب "Antiquities of Sindh" میں ان کھنڈرات کی، کی ہوئی کھدائی کے نقشے کے ذریعے جامع مسجد کی جگہ کا آسانی سے تعین کیا جا سکتا ہے۔ یہ مقام مشرق کی طرف واقع ٹیلے کے شمال مشرق میں ہے۔

59/[15] نیرون کوٹ: فتحنامہ میں ص135/[116] پر بیان کیا گیا ہے کہ دیبل کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ کی طرف کوچ کیا اور چھ دن کے سفر کے بعد آ کر نیرون کوٹ پہنچا جو کہ دیبل سے پچیس فرسنگ کے فاصلے پر تھا۔ نیرون کے قریب "برودی" ندی تھی جس پر چراگاہیں تھیں، لیکن مہران کا پانی اس وقت تک وہاں نہیں آیا تھا۔ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیبل سے نیرون کوٹ جاتے ہوئے محمد بن قاسم نے مہران کو عبور نہیں کیا تھا۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ نیرون کوٹ مہران کے مغرب میں تھا۔ دیبل سے نیرون کوٹ پچیس فرسنگ یعنی 75 میل دور تھا۔ اگر بھنبھور کے کھنڈرات دیبل کے ہیں، جیسا کہ ہم پہلے بحث کر آئے ہیں تو بھنبھور (گھارو یا کھاڑی کے قریب سے) حیدرآباد تقریباً 75 میل کے فاصلے پر ہے۔ حیدرآباد کے جنوب مغرب میں جہاں آج کل دریا بہتا ہے ایک نشیبی اور سرسبز اراضی ہے اور غالباً یہی "برودی" کی چراگاہوں والا خطہ تھا جہاں آ کر محمد بن قاسم منزل انداز ہوا۔

سندھ کی قدیمی روایات کے مطابق بھی شہر حیدرآباد نیرون کی قدیمی بستی کی جگہ پر بسا ہوا ہے (دیکھئے تحفۃ الکرام 177/3) حیدرآباد کا موجودہ قلعہ میاں غلام شاہ کلہوڑہ نے 1768ء میں تعمیر کرایا اور معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر اس سے پہلے کوئی بستی موجود تھی۔ محب اللہ بھکری اپنی مختصر تاریخ (قلمی) کے دوسرے باب میں حیدرآباد کے بابت لکھتا ہے کہ: حیدرآباد دراصل نیرون کے نام سے مشہور ہے۔ شہر کی بنیاد، نبوت اور ہجرت کے درمیانی عرصے میں پانچویں سال رکھی گئی۔ پھر مغلوں کی فتح کے بعد یہ شہر حیدرآباد کہا جانے لگا کیونکہ حیدر قلی (ارغون؟) نے اس شہر کو نئے سرے سے تعمیر کرایا تھا۔ ا-ھ (ن-ب)

59/[15] لوہانہ، لاکھہ اور سمہ: لوہانہ اُن دنوں سندھ کا ایک پرگنہ تھا، جس کا حاکم رائے خاندان کے زوال کے وقت اکھم تھا۔ فتحنامہ میں لوہانہ کے حاکم اکھم (ص77-80) اور لوہانہ کے جتوں (ص82) کا ذکر آیا ہے۔ لوہانہ کے صوبے میں لاکھہ، سمہ اور سہتہ کی اراضی شامل تھیں (ص77) اور ان اراضی کے یہ نام ان میں رہنے والی قوموں کے نام پر تھے۔ پرگنہ لوہانہ غالباً ضلع سانگھڑ کی شہدادپور اور نجھورو تحصیلوں اور حیدرآباد ضلع کی ہالا تحصیل پر مشتمل تھا۔ اس علاقے میں ساہتی، لاکھاٹ اور لوہانو کے نام آج تک ان قوموں کی قدیم بستیوں کی یادگار ہیں۔ شہدادپور کے نشیب میں دریا کی ایک پرانی شاخ اس وقت تک "دریائے لوہانو" کہلاتی ہے، کیونکہ یہ شاخ لوہانہ پرگنہ کے خاص علاقوں سے گذرتی تھی۔ (ن-ب)

[15]/59 بدھیہ: یہ قدیم سندھ کا شمالی مغربی صوبہ تھا۔ جو کہ سیوستان یا سیوہن پرگنہ کے متصل شمال میں واقع تھا اور موجودہ پورے ضلع لاڑکانہ اور ضلع جیکب آباد کے مغربی حصے پر مشتمل تھا۔ شمال مغرب میں کیکانان کا ترکی صوبہ اس سے ملحق تھا۔ فتحنامہ کے ص [69] سے ظاہر ہے کہ رائے خاندان کے زوال کے وقت اس صوبے کا پایۂ تخت "کاکاراج" تھا۔ بعد کے حوالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "قنداابیل (گنداوا) اس صوبے بدھیہ کا سرحدی شہر تھا جس کے دوسری طرف کیکانان کا جنوبی علاقہ "توران" واقع تھا۔ قنداابیل عین سرحد پر تھا چنانچہ بعض اوقات اسے توران کے علاقوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ [یاقوت، بلدان (قنداابیل) اور مقدسی ص [476] حالانکہ قنداابیل، خطہ بدھیہ کا اہم تجارتی شہر تھا [ابن حوقل ص 231] (ن-ب)

[15]/59 روہجان: ضلع جیکب آباد سے متصل اس نام کے دو شہر "روہجان مزاری" اور "روہجان جمالی" آج تک موجود ہیں۔ شاید قدیم روہجان کا علاقہ اسی خطہ پر مشتمل تھا۔ فتحنامہ کے فارسی ترجمے (613ھ) کے 32 سال بعد 645ھ میں بھی روہجان پر مغلوں کے حملے کا تاریخی حوالہ ملتا ہے جس میں "برج" اور "رہجان" افغانستان کی حدودِ مملکت کے دو شہر ظاہر کئے گئے ہیں (تاریخ نامہ ہراۃ للہروی، کلکتہ 1943ء ص 63-162) اس کے یہ معنی ہوئے کہ قدیم زمانے میں اس علاقے کو کافی اہمیت حاصل تھی اور ساتویں صدی ہجری میں اس علاقے پر غالباً افغانستان کا اقتدار تھا۔ (ن-ب)

[15]/59 اسکلندہ: مجمل التواریخ کے مصنف نے اس شہر کو "عسقلند" لکھا ہے۔ اس شہر کو آج کی قدیم بستی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دیکھئے راورٹی کی کتاب "مہران" ص 244-255 حاشیہ 192 (ع-م)

[15]/59 باتیہ: یعنی بھاٹیہ جسے بعض مصنفوں نے "بھاطیہ" بھی لکھا ہے۔ فتحنامہ کے صفحہ [67] پر چچ کی فتوحات میں بیان کیا گیا ہے کہ قلعہ بھاٹیہ دریائے بیاس کے جنوبی کنارے پر واقع تھا۔ پھر صفحہ [178] پر محمد بن قاسم کی فتوحات میں ظاہر کیا گیا ہے کہ اروڑ کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم شمال کی طرف بڑھا اور پہلے پہل قلعہ بھاٹیہ کے قریب پہنچا، جو کہ دریائے بیاس کے جنوب میں ایک پرانا قلعہ تھا اور چچ کا بھتیجا حکومتِ اروڑ کی طرف سے وہاں کا حاکم تھا۔ بھاٹیہ فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے دریائے بیاس کو عبور کر کے قلعہ اسکلندہ کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کرنے کے بعد سکہ کے قلعہ کا محاصرہ کیا جو کہ دریائے راوی کے جنوبی کنارے پر ایک مضبوط قلعہ تھا۔ پھر اس قلعے کو بھی فتح کر کے دریائے راوی کو پار کر کے ملتان جا پہنچا (ایضاً ص 179-180) یہ حوالے غالباً فتحنامہ کے اصل عربی مسودے کے

مطابق ہیں اور اسی لئے بھاٹیہ کا محلِ وقوع متعین کرنے کے لئے اصولی سمجھے جانے چاہئیں۔ ان حوالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چچ کے دنوں میں اس قلعے اور علاقے کا نظم و نسق ملتان کے بجائے اروڑ سے وابستہ تھا اور بھاٹیہ، اروڑ اور ملتان کے درمیان دریائے بیاس کے جنوبی کنارے پر تھا۔ محمد بن قاسم کی فتوحات سے پتہ چلتا ہے کہ بھاٹیہ، اروڑ کے مقابلے میں ملتان سے زیادہ قریب تھا۔ تقریباً تین صدیوں کے بعد بھی بھاٹیہ کا قلعہ اپنے اسی نام سے موجود رہا۔ چنانچہ محمود غزنوی کی فتوحات میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ اس سلسلے میں تاریخ یمینی کا مصنف (غزنی سے) لکھتا ہے کہ "بھاٹیہ ملتان کے اُس طرف ہے۔" یعنی سندھ کی طرف ہے۔ دو صدیوں بعد فتحنامہ کا مترجم زیرِ بحث صفحہ 59/[15] میں بیان کرتا ہے کہ (اس وقت) بھاٹیہ کو نکواڑو اور چچ پور کہتے تھے۔" (ن-ب)

59/[15] دیوچور: اصل فارسی متن کے صفحہ 15 پر "دیوھنور" اور صفحہ 51 پر "دیوھنوز" دیا گیا ہے۔ ثانی الذکر تلفظ نسخہ (پ) میں "دیوچور" اور (م) میں "دیوہنوز" ہے۔ نسخہ (پ) کے تلفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام درحقیقت "دیوپور" ہے جسے تاریخ معصومی میں (ص28، 31 پر "دیپالپور" لکھا گیا ہے۔ (ن-ب)

60/[16] نیمروز: قدیم زمانے میں ملکِ نیمروز ان خطوں پر مشتمل تھا: فارس، اصفہان، اہواز، بست، زابل، بجستان، سندھ، مکران اور کرمان۔ بعد میں یہ نام بجستان (سیستان) اور اس کے نواحی علاقے سے مخصوص ہوا (دیکھئے الخفاجی کی کتاب "شفاء العلیل" ص334) اور سیستان اس وقت افغانستان کا ایک صوبہ ہے۔ (ن-ب)

67/[26] جترور کا بادشاہ: یعنی چتور کا راجہ۔ غالباً قدیم زمانے میں اس شہر کا نام "جترور" تھا۔ فتحنامہ کے معتبر نسخوں مثلاً (پ)، (ر) اور (م) کا تلفظ بھی "جترور" ہے۔ البیرونی نے بھی "کتاب الہند" میں اس شہر کا نام "جھترور" لکھا ہے۔ بقولہ "بازان سے جنوب کی طرف جاتے ہوئے آپ میواڑ پہنچیں گے جہاں کا پایۂ تخت جھترور ہے۔" (ن-ب)

67/[28] راجہ مہرتھ کا سرتن سے جدا کردیا۔ تحفۃ الکرام (جلد 3 ص7) کا مصنف کہتا ہے کہ "یہ واقعہ نبی ﷺ کی ہجرت کے پہلے سال کے لگ بھگ کا ہے۔ (ع-م)

70/[31] وزیر بدھیمن طاکی: غالباً "طاکی" کی نسبت "تاکیہ" سے ہے یعنی "تاکیہ کا باشندہ"۔ تاکیہ کا ذکر اس سے پہلے ص59/[15] پر آچکا ہے کہ سیہرس رائے نے اپنا ایک حاکم ملتان میں مقرر کیا "سکہ، برہمپور، کرور، اشہار اور تاکیہ سے لے کر کشمیر کی سرحد تک کا علاقہ اس کے سپرد کیا۔" اس عبارت سے ظاہر ہے کہ تاکیہ ملتان سے ملحق اور ملتان و کشمیر کا درمیانی علاقہ

تھا۔ آگے صفحہ 75/[37] پر تاکیہ اور کشمیر کی سرحد کا ذکر ہے اور کشمیر کی سرحد تاکیہ سے اوپر بیان کی گئی ہے۔ مزید صفحہ 205/[203] پر "بلاد طاکیہ" (تاکیہ کے شہروں) سے بھی یہی گمان ہوتا ہے۔ پھر صفحہ 206-207/[237] پر ملتان کے نواحی شہر "سکہ" کے حاکم بجھرائے کو "بجھرائے طاکی" کا نواسہ ظاہر کیا گیا ہے۔ عرب مورخوں کا "طاکیہ" یا "تاکیہ" وہی "ٹکادیش" ہے جس کا ذکر تاریخ ہند کے مقامی ماخذ میں ملتا ہے۔ (ن-ب)

72/[33] سرحد.......... جو ترکوں سے ملی ہوئی ہے: اس سرحد سے مراد غالباً سندھ کے شمال کی طرف کی کابلستان اور زابلستان کی سرحدوں سے ہے، کیونکہ اس زمانے میں ان ممالک کے باشندے اور حکمران تُرک تھے۔ (ن-ب)

73/[35] کچھ نامور ساتھی شہید ہوئے: لفظ شہادت کے استعمال سے گمان ہوتا ہے کہ چچ کے لشکر میں کچھ مسلمان (عرب) بھی شامل تھے۔ اس گمان کی تصدیق آگے صفحہ [36] پر ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ چچ نے ان کے سردار امیر عین الدولہ ریحان مدنی کو سکہ کا حکمران مقرر کیا تھا۔ (ن-ب)

70/[39] سر کوندھ بن بھنڈر کھو بھکو: سرکوندھ کے معنی بہادر اور بھنڈرکھو کے معنی بھنڈوں یا بھکاریوں کی نگہداشت یا پرورش کرنے والا۔ اسی طرح سے 78/[42] پر دوسرا نام "بدھ رکھو" آیا ہے جس کے معنی ہیں بدھ کے بت کا محافظ۔ "بھکو" کے معنی ہیں بھکشو یا پجاری خصوصاً بدھ مذہب کا۔ (ن-ب)

76/[39] کاکاراج: یعنی کاکا قوم کا راج- سندھ کے شمالی مغربی صوبے بدھیہ کا پایۂ تخت "کاکاراج" تھا۔ تحفۃ الکرام (133/3) میں بھی کاکا راج کا ذکر آیا ہے۔ غالباً ضلع لاڑکانہ میں تحصیل "ککڑ" کا نام اسی قدیمی کاکا راج کی بگڑی ہوئی شکل اور یادگار ہے۔ (ن-ب)

77/[41] ریگستان کے بادشاہ کے پاس کہ جسے بھٹی بھی کہتے ہیں: اصل متن میں "ملک رمل" ہے۔ رمل کے معنی ریت کے ہیں۔ اس وجہ سے ترجمہ میں ریگستان کا بادشاہ لکھا گیا ہے۔ غالباً اس سے مراد جیسلمیر اور باڑمیر کے حاکم سے ہے کیونکہ قدیم زمانے سے لے کر جیسلمیر بھٹی قوم کے لوگوں کا ملک رہا ہے۔ سندھی نسب نامہ کے ایک قدیمی بیت میں کہا گیا ہے کہ "سندھ سما" کا "چھی" "چنا"، "بھاٹی" "جیسلمیر" عربوں کی فتوحات میں بھی شہر "بالمد" کا ذکر آیا ہے، جس سے مراد غالباً "باڑمیر" ہے۔ اسی لحاظ سے "ملکِ رمل" کو "باڑمیر کے راجہ" سے تعبیر کرنا مناسب ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ن-ب)

78/[42] "بدھنوو ھار": یعنی نووھار نامی بدھ کا مندر جس کا محافظ "بدھ رکھو" شمنی

پروہت تھا۔ صفحہ 80 [46] پر اس شمنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ "نوبہار" کا مندر ایک قدیم عبادت گاہ تھا جس کی عمارت کافی عرصے سے گردشِ زمانہ کی وجہ سے زبوں حال ہو چکی تھی اور جسے نئے سرے سے تعمیر کرانے کے لئے اس شمنی نے چچ سے درخواست کی تھی۔

[42]/78 کنوہار: اس صفحہ پر اور آئندہ صفحات 57-58 پر دی ہوئی عبارتوں سے یہ ظاہر ہے کہ چچ کے سندھ پر قبضہ کرنے کے وقت یہ مندر آباد تھا اور بدھ رکھو شمنی جو کہ ایک بڑا با اثر اور با رسوخ پروہت تھا، وہ اس مندر کا پجاری تھا۔ صفحہ 80/[44] پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ برہمن آباد فتح کرنے کے بعد چچ اس پروہت کو جو کہ اس کا مخالف تھا، سزا دینے کے لئے "مسلح سواروں کے ساتھ بندھ مندر کنوہار کی طرف روانہ ہوا" اور راستے میں اس نے اپنے مسلح سپاہیوں کو خاص ہدایتیں دیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مندر شہر برہمن آباد سے باہر کافی فاصلے پر تھا۔ اس کی تصدیق صفحہ 80/[45] پر دیئے ہوئے چچ کے ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ جو صلح کے بعد اس نے اس پروہت سے کہے یعنی "میں چاہتا ہوں کہ تو میرا کہا مان کر قلعہ برہمن آباد میں پھر واپس آ جا۔ صفحہ 82/[46] پر کنوہار کے مندر سے چچ کی واپسی کے متعلق علیحدہ عنوان دیا گیا ہے یعنی "چچ کا برہمن آباد واپس جانا"۔ ان جملہ عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کنوہار کا مندر شہر برہمن آباد سے کچھ فاصلے پر تھا۔ بدھ مذہب کے لوگوں کا دستور بھی یہی تھا کہ وہ اپنی عبادت گاہیں زیادہ تر شہروں سے دور اور پُرسکون مقامات پر قائم کرتے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ بدھ مندر کس جگہ تھا؟ کزنس کی کتاب "سندھ کے آثار قدیمہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ منصورہ سے 6 میل مشرق کی طرف دیہہ دوقانی میں "ڈیپر گھانگھرے جو ٹھل" (موضع جھول تحصیل سنجھورو سے تقریباً دو میل مغرب میں) کے کھنڈرات کسی قدیم بدھ مندر کے ہیں۔ 1952ء میں میر اللہ بخش خان زمیندار جھول کی اعانت سے ہم نے اس ٹھل (کھنڈرات) کا معائنہ کیا۔ تحقیقات اور پیمائشوں سے معلوم ہوا کہ مندر کا یہ مسمار ملبہ (Stupa) تقریباً پچاس مربع فیٹ بلند چبوترے پر استادہ تھا، اندرونی دائرہ کا نیم قطر 10۔ فیٹ اور اس کی استادہ گول دیوار کی چوڑائی 12۔ فیٹ معلوم ہوئی۔ اندر سے یہ دیوار کچی اینٹوں کی اور باہر سے شاید پختہ اینٹوں کی بنائی گئی تھی۔ اس اونچے چبوترے کے نیچے سے سطح زمین تک تدریجی نشیب کی پیمائش 30 درجے کے زاویہ کی تخمیناً 30 فیٹ معلوم ہوئی۔ اس چبوترے کی نچلی بنیاد سے تقریباً 26 فیٹ کے فاصلے پر چاروں طرف غالباً چھوٹی کھوٹھڑیاں تھیں۔ جنوب کی سمت ان کوٹھڑیوں کی قطار کی بنیاد سے ان کی پیمائش 9 مربع فیٹ معلوم ہوئی۔ ملبے والے چبوترے کے چاروں طرف ان

کوٹھڑیوں کی بیرونی دیوار کو مدنظر رکھتے ہوئے اندازہ ہوا کہ بیرونی چہار دیواری سے تقریباً 210 مربع فیٹ تھی جو کہ تخمیناً مندر کی کل اراضی تھی۔

اس آثار قدیمہ کی یہ پیمائش سطح کے موجود نشانات پر مبنی ہیں اور اسی وجہ سے نامکمل بھی جانی چاہئیں۔ لیکن مرحوم میر اللہ بخش خان اور ان کے چچا زاد بھائی میر جان محمد خان نے اس موقع پر ایک نہایت اہم واقعہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ "1932ء میں بیراج کی نئی شاخوں کی کھدائی کے وقت ہم ان کھنڈرات کے پاس شمال کی طرف سے آنے والا واٹر کورس (نہری شاخ) کھدوا رہے تھے (جو کہ اب بھی موجود ہے) اس واٹر کورس کی دو شاخوں میں سے ایک کے قریب (یعنی کھنڈرات کے شمال کی طرف جہاں سے یہ واٹر کورس مغرب کی سمت مڑتا ہے یا کھنڈرات کے شمال مغرب میں جہاں سے یہ واٹر کورس پھر جنوب کی سمت رخ کرتا ہے) ہمارے آدمیوں نے کھدائی کرتے وقت سخت چکنی مٹی کی دو ایک کچی اینٹیں پائیں جن کے ایک طرف مہاتما بدھ کی تصویر تھی۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید یہاں کوئی خزانہ دفن ہے، چنانچہ انہوں نے مزید کھدائی کی اور تقریباً ایسی ہی اینٹوں کا ایک بڑا ڈھیر کھود کر باہر نکالا۔ ہم دونوں نے جا کر یہ اینٹیں دیکھیں۔ ہر چند کہ وہ اینٹیں کچی تھیں، لیکن کسی ایسی چکنی مٹی کی بنی ہوئی تھیں کہ بڑی مضبوط اور سخت معلوم ہوئیں۔ افسوس کہ اُس وقت ہم نے ان میں سے کسی بھی اینٹ کو محفوظ کر کے نہیں رکھا۔"

یہ ذکر 1952ء کا ہے۔ اب میر اللہ بخش انتقال کر چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ میر اللہ بخش خان یا میر جان محمد خان کو ان کھنڈرات کے تاریخی پس منظر کا کوئی علم نہیں تھا۔ اتفاق سے اس وقت راقم الحروف کے ذہن میں بھی فتحنامہ کی یہ عبارت نہ تھی کہ: "بدھ کنوہار میں پہنچ کر جب چچ پروہت کی طرف چلا تو اسے کرسی پر بیٹھے ہوئے اپنی عبادت میں مشغول دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں سخت [گندھی ہوئی] مٹی تھی، جس کے بُت بنا کر وہ مُہر جیسی ایک چیز ان بتوں پر لگاتا رہا، جس کی وجہ سے ان پر بدھ کی تصویر چھپ جاتی تھی اور وہ مکمل ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد وہ انہیں ایک جگہ پر رکھ دیتا تھا۔" (فتحنامہ ص 80-81)

میر صاحب مذکور کی چشم دید تصویروں والی اینٹیں اور فتحنامہ کے اس بیان میں سو فیصدی مطابقت ہے۔ 1932ء میں لوگوں نے جس مقام پر یہ اینٹیں کھود کر نکالیں وہ غالباً کنووہار کے اس راہب کا حجرہ تھا۔ بہرحال اس عینی شہادت کے ثبوت پر کافی وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ "ڈیپر گھاگھرے جو ٹھل" وہی بدھ مندر کنووھار ہے کہ جس کا ذکر فتحنامہ میں ہے۔ (ن-ب)

82/[47] (لوہانہ کے جتوں سے) یہ شرطیں قبول کرائیں۔ ظاہر ہے کہ چچ ایک کٹر

برہمن تھا اور اس نے جتوں پر ہندو قانون کے مطابق اچھوتوں جیسی پابندیاں عاید کیں۔ اس سلسلے میں محقق ہوڈی والا (ص86-87) کے مندرجہ ذیل ریمارک قابل غور ہیں:

''چچ نے جتوں سے چنڈالوں جیسا برتاؤ کیا، جن کے بارے میں منو (دیوتا) کا کہنا ہے کہ: انہیں شہروں سے باہر رکھا جائے۔ کتوں اور گدھوں کے سوا ان کی اور کچھ ملکیت نہ ہونی چاہئے۔ ان کے لباس میتوں میں استعمال شدہ کپڑوں کے ہوں، ان کے برتن بھانڈے ٹوٹے پھوٹے اور ٹیڑھے میڑھے ہونے چاہئیں اور ان کے گہنے اور زیور لوہے کے اور زنگ آلود ہوں۔'' (دیکھئے: Inistitutes, X. 12, 29-30)

جت، سندھ کے قدیم باشندے ہیں اور گمان ہے کہ انہیں آریوں یا دوسرے فاتحوں نے غلامی کی اس حد پر پہنچایا تھا۔ کروک (Crooke) کے بیان کے مطابق پنجاب میں راجپوتوں نے اس سے بھی کچھ پہلے جاٹوں سے بھی یہی سلوک کیا تھا یعنی نہ انہیں پگڑی باندھنے دی اور نہ انہیں سرخ یا رنگین کپڑے پہننے کی اجازت دی، شادی کے موقع پر ان کے دولہا کو سہرا باندھنے اور عورتوں کو نتھ پہننے کی اجازت نہ تھی۔ ان کی دلھنوں پر پہلے راجپوتوں سے ہم بستر ہونا فرض تھا۔ آج بھی راجپوت اپنے گاؤں اور بستیوں میں نیچ ذات کے لوگوں کو رنگین کپڑے پہننے اور بڑی تھریں نہیں باندھنے دیتے ہیں۔ (دیکھئے Tribes and Costes of the North-Western Provinces. 1836, 111/23)

گجرات میں بھی ایسے ہی سلوک کی مثال ملتی ہے۔ فوربس (Forbes) لکھتا ہے کہ سدھ راج جیسنھا کے عہد میں چماروں (ڈیڈھوں) کے لئے لازمی تھا کہ وہ سروں پر بغیر بل دیئے ہوئے سوتی کپڑے کا ٹکڑا لپیٹیں اور کمر میں کوئی خوشہ باندھ کر لٹکا لیا کریں تاکہ لوگ (انہیں دور سے دیکھ کر پہچان لیں اور) انہیں نہ چھوئیں۔ دیکھئے Ras Mala. Reprint, 1924, 1/110 (ہوڈی والا)

|48|/83 کسریٰ بن ہرمز کے مرنے کے بعد کاروبار سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ اس عورت کا نام ''بوران دخت'' تھا اور وہ کسریٰ بن ہرمز کی بیٹی تھی۔ وہ کسریٰ کے انتقال کے بعد فوراً ہی تخت پر نہیں بیٹھی تھی بلکہ بقول حمزہ اصفہانی، کسریٰ بن ہرمز کے بعد 8 ماہ تک قباد بن کسریٰ بن شیرویہ نے حکومت کی جس کے بعد ڈیڑھ سال تک اردشیر بن شیرویہ حکمران رہا اور ان دونوں کے بعد بوران دخت بن کسریٰ تخت پر بیٹھی (سنی ملوک الارض والانبیاء، ص22) اسی کتاب میں (ص18) پر مصنف نے موسیٰ بن عیسیٰ الکسروی سے روایت کی ہے کہ قباد اور بوران دخت سے پہلے شہر زاد نامی ایک تیسرے شخص نے بھی عنانِ

حکومت سنبھالی تھی، لیکن وہ ساسانی خاندان سے نہیں تھا۔ حمزہ اصفہانی کے حساب کے مطابق بوران دخت کی حکومت کا زمانہ آٹھویں یا نویں ہجری کا ہوگا، بشرطیکہ مسعودی کی روایت (مروج الذہب جلد 11 باب جوامع التواریخ) کے مطابق یزدگرد کا قتل سن 32ھ میں ہونا تسلیم کیا جائے۔ (ن-ب)

84/[48] ارمائیل: یعنی ارمن بیلہ جو کہ موجودہ لس بیلہ کا ایک مشہور شہر تھا اور بحری ساحل کے قریب تھا۔ عرب مورخوں اور جغرافیہ نویسوں کی کتابوں میں (شاید کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے) اس شہر کا نام "ارمائیل" اور "ارمبیل" بھی لکھا گیا ہے۔ اس شہر کے محل وقوع کے متعلق یاقوت کا معجم البلدان (ارمبیل) میں دیا ہوا بیان کافی واضح ہے لیکن اس زمانے کے دیئے ہوئے خطوط عرض البلد اور طول البلد آج کل صحیح جگہ متعین کرنے کے لئے کارآمد نہیں ہوسکتے۔ یاقوت کہتا ہے کہ: یہ دیبل اور مکران کے درمیان میں سندھ کا ایک بڑا شہر ہے۔ شہر اور ساحل بحر کے درمیان نصف فرسنگ (ڈیڑھ میل) کا فاصلہ ہے۔ یہ شہر دونوں مملکتوں میں ہے۔ اس کا طول البلد 92 درجہ، 15 دقیقہ اور عرض البلد 25 درجہ، 46 دقیقہ ہے۔ (ن-ب)

83/[49] کنجبور: فتحنامہ کے جملہ نسخوں کا تلفظ "کنزبور" ہے جو کہ دراصل "قنزبور" کی دوسری صورت غلطی ہے۔ عرب جغرافیہ نویسوں کی تصنیفات میں اس شہر کا نام "قنزبور" یا "قنج پور" یعنی "پنج پور" ہے۔ اور یہ غالباً وہی شہر ہے کہ جو اس وقت علاقہ قلات میں "پنجگور" کے نام سے مشہور ہے۔ مزید تصدیق کے لئے دیکھئے: "Le Strange: Land of the Easter Caliphate, P. 329" (ع-م)

84/[49] چچ بن سیلائج بن بساس: فتحنامہ میں چچ کے نسب کے متعلق یہ واحد فقرہ دیا گیا ہے۔ ہوڈی والا کے خیال میں لفظ چچ دراصل "ججّ" (Jajj) ہے۔ کشمیر کے راجہ جیاپیڈ کے بھائی کا بھی یہی نام تھا (دیکھئے ویدیا: ہسٹری آف میڈیول انڈیا 2/15، 2) نام "ججّ" متھرا کے قریب مہابن کے ایک 1150ء کے کتبے میں بھی موجود ہے۔ دراصل لفظ ججّ "ییات" کی ایک پراکرت شکل ہے۔ چچ کے باپ کا نام "سیلائج" بھی اصل میں "شلادتیہ" معلوم ہوتا ہے۔ فتحنامہ کے نسخوں کے مطابق چچ کے دادا کا نام "بساس" ہے جو ممکن ہے کہ کاتبوں کی سہو کی وجہ سے "بسباس" سے "بساس" بن گیا ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر ہوڈی والا کے خیال کے مطابق لفظ "بسباس" شاید "دشواسک" ہو جو کہ متھرا کے بدھ دھرم کے بہت سے کتبوں میں نظر آتا ہے۔ (ہوڈی والا ص86-80) فتحنامہ کے مطالعے سے چچ اور اس کے خاندان کا شجرہ مندرجہ ذیل شکل میں نظر آتا ہے۔

84/[49] توران: یعنی قلات کا جنوبی حصہ یا خزدار والا علاقہ۔ عرب جغرافیہ نویسوں کے بیانات سے مکمل تصدیق ہوتی ہے کہ مکران کی شمالی سرحد قصدار (قزدار یا موجودہ خزدار) سے ملحق تھی اور علاقہ قصدار کا نام توران تھا۔ جس کا پایۂ تخت بھی قصدار تھا (دیکھئے ابن حوقل ص233، مقدسی ص486 اور 478، یاقوت بلدان 557/3 اور المشترک ص296، قلقشندی عن ابن حوقل۔ صبح الاعشیٰ 66/5- اس علاقہ توران کی مشرقی سرحد سندھ کے علاقے بدھیہ سے ملحق تھی اور علاقہ بدھیہ کا شہر قندابیل اس سرحد کی نشاندہی کرتا تھا۔ توران دراصل کیکانان کا ایک صوبہ تھا اور کیکانان ہی کا جنوبی حصہ توران کہلاتا تھا۔ امپریل گزیٹیر آف انڈیا 1908، (275X14) میں توران کو موجودہ ریاست جھالاوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (ن-ب)

84/[49] قندابیل (یعنی قندھار): یہاں "یعنی قندھار" کا فقرہ غالباً فتح نامہ کے فارسی مترجم کی طرف سے بڑھایا ہوا ہے اسی وجہ سے اس ترجمے میں ہم نے اسے بریکٹ کے اندر دیا

ہے۔ لیکن یہ قیاسی اضافہ صحیح نہیں ہے اور قندابیل کو قندھار تصور کرنا غلط ہے۔ جیسا کہ ص 64 کے نوٹ میں اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ قندابیل، سندھ کے شمالی مغربی صوبہ بدھیہ اور توران یعنی قزدار کا سرحدی شہر تھا۔ اور یہ غالباً موجودہ گنداوا کی جگہ پر جو کہ کچھ- گنداوا پرگنہ میں ہے یا اس کے آس پاس واقع تھا۔ اور گنداوا، شکارپور سے بولان تک جانے والے قدیمی راستے پر واقع ہے۔ (ن-ب)

84/[49] دریائے پورالی: یہ وہی دریا ہے کہ جولس بیلہ کے مغرب میں بہتا ہے اور خلیج سون میانی میں گرتا ہے۔ (ن-ب)

85/[50] کنوج پر سیہرس بن راسل کی حکومت تھی: ہوڈی والا (ص80) سیہرس کو "شری ہرشا" تصور کرتا ہے۔ قنوج کا راجہ ہرشا ویسے کافی مشہور ہے، لیکن اس کے عہد حکومت اور اس واقعہ کے سلسلے میں سن و سال کی مطابقت غور طلب ہے۔ (ن-ب)

85/[51] سیہرس نے اپنے بھائی برہاس بن کسائس کو روانہ کیا: سطور بالا میں اس سے پہلے سیہرس کے باپ کا نام راسل بیان کیا گیا ہے ایسی صورت میں برہاس بن کسائس اس کا بھائی کیسے ہوسکتا ہے؟ فارسی متن کی عبارت اس مقام پر "برادر خود" (یعنی اپنا بھائی) ہے جو ممکن ہے کہ دراصل "برادرزادۂ خود" یعنی اپنے بھائی کا (بیٹا) ہو۔ تحفۃ الکرام میں (8/3) برہاس کی جگہ بسالیس ہے۔ (ن-ب)

87/[54] راوڑ: اس پچھلے دور میں جس نے بھی سندھ کی تاریخ پر قلم اٹھایا ہے اس نے راوڑ اور اروڑ کو ایک تصور کیا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ اس مقام کی عبارت سے ظاہر ہے کہ چچ نے اپنے زمانے میں راوڑ کی بنیاد رکھی لیکن اس کے مکمل ہونے سے پہلے انتقال کر گیا اور اس کے بعد اس کے بیٹے دہرسینہ نے اسے بنوا کر وہاں شہر آباد کیا اور اس کا نام "راوڑ" رکھا۔ اس کے مقابلے میں اروڑ ایک قدیمی شہر تھا اور چچ سے پہلے رائے خاندان کے زمانے میں بھی سندھ کا پایۂ تخت تھا۔ اس کے علاوہ اروڑ شمالی سندھ میں (موجودہ روہڑی کے قریب) تھا اور راوڑ نشیب میں مہران کے ڈیلٹا پر جزیرے میں ایک مضبوط حفاظتی قلعہ تھا۔

قلعہ راوڑ کا صحیح مقام متعین کرنا مشکل ہے۔ البتہ فتحنامہ میں محمد بن قاسم اور داہر کی جنگ کے سلسلے میں دیئے گئے بیانات سے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے راوڑ، لاڑ (نشیبی سندھ) میں مہران کے مدخل والی اراضی پر واقع تھا۔ مندرجہ ذیل دلائل قابل غور ہیں:

1- شمال کی طرف سیوستان (سیوہن) اور بدھیہ کے علاقوں کو فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نیرون کوٹ واپس آیا جو کہ موجودہ حیدرآباد کی جگہ پر یا اس کے آس پاس واقع تھا۔ وہاں

سے اس نے قلعہ اشبہار کی جانب کوچ کیا اور جا کر راوڑ کی سرحد کے مقابل یعنی دریا کے مغربی کنارے پر جھیم اور کربل کے پرگنوں میں منزل انداز ہوا (ص175، 179) بعد کے تاریخی حوالوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کربل یا گربڑ سرزمین ٹھٹھہ کا حصہ تھا۔ وہاں سے بھی کوچ کر کے اور مزید نشیب میں جا کر پرگنہ جھیم کے موضع ساکرے میں مقیم ہوا اور مہران پار کرنے کے لئے کشتیاں اور تختے تیار کرائے (ص164)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم نے لاڑ کے ٹھٹھہ اور میرپور ساکرو کے اس مقام سے جو کہ مہران کے ڈیلٹا اور جزیرے کے سامنے مغرب میں تھا، یہ دریا پار کیا۔

2- محمد بن قاسم کی ان تیاریوں کے موقع پر علاقۂ لاڑ کے جتوں اور ساکرے کے سربراہوں کا ذکر آیا ہے۔ (فتحنامہ ص124)۔ جت قوم کے لوگ عہد قدیم سے شاہ بندر ڈویژن کے علاقے میں رہتے آئے ہیں اور ان کی اس قدیم آبادی کی وجہ سے ضلع ٹھٹھہ کے جنوب مشرق علاقے کا نام ہی "جاتی" پڑ گیا ہے۔

3- محمد بن قاسم کے مغربی ساحل کی طرف سے مہران کو پار کر کے مشرق کی طرف راوڑ کے قلعے تک پہنچنے کے بیان میں کئی دریاؤں یا آبناؤں کا ذکر آیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مہران کے نشیبی دو آبے یا ڈیلٹا کا خطہ تھا۔ چنانچہ محمد بن قاسم کشتیوں کے پل کے ذریعے مہران کی بڑی شاخ سے گذر کر مشرق کی طرف آیا۔ مقابلے پر "جوئے کونکہ" یعنی دریائے کونکہ کی ایک چھوٹی سی شاخ کی راہ سے آ کر جیسیہ نے قلعے کی حفاظت کی (ص159)۔ اس "قلعہ بیٹ" (جزیرہ کے قلعے) سے کچھ فاصلے پر "جوئے نیطری" یا "نیطری" نامی دریا کی ایک دوسری چھوٹی شاخ تھی، جہاں راسل گرفتار ہوا۔ (ص175)۔ "قلعہ بیٹ" سے کوچ کر کے محمد بن قاسم اور بھی آگے جا کر "جوئے دھدھاواہ" یعنی دریا کی ایک اور چھوٹی شاخ دھدھاواہ کے کنارے اس مقام پر خیمہ زن ہوا جسے راجہ داہر نے "بڈہاری" کے نام سے پکارا تھا۔ (ص176)۔ اس کے بعد بھی محمد بن قاسم اور داہر کی فوجوں کے درمیان ایک اور "آبنائے" یا "خلیج" تھی (ص175 اور 179) جسے عبور کر کے اسلامی لشکر نے حملہ کیا (ص179) اور جنگ کرتے ہوئے عرب مجاہدین راوڑ کے قلعے تک جا پہنچے (ص188) آخر محمد بن قاسم کی فتح ہوئی اور داہر راوڑ کے قلعے کے پاس دریائے مہران کے درمیان (یعنی دو آبہ میں) دھدھاواہ کے کنارے مارا گیا۔ (ص188 اور 198)۔

فتحنامہ کے ان حوالوں سے واضح ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ سے کافی نیچے لاڑ کے جھیم اور کربل کے علاقے میں کسی مقام سے دریا پار کیا اور اس کی اور داہر کی فوجوں کا

میدانِ جنگ مہران کے دوآبہ اور اس کی مختلف شاخوں والا خطہ تھا اور راوڑ کا قلعہ بھی ایک ایسی شاخ "دھدھاواہ" سے متصل تھا۔

فتحنامہ کی عبارتوں سے صاف طور پر یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ راوڑ، برہمن آباد سے یقینی طور پر کافی نشیب میں لاڑ کی طرف تھا، کیونکہ راوڑ کی فتح کے بعد جب محمد بن قاسم نے برہمن آباد کا رخ کیا تو پہلے "قلعہ بہرور" کے قریب پہنچا اور دو ماہ کے محاصرے کے بعد اسے فتح کیا۔ (ص201)۔ وہاں سے آگے چل کر "دھلیلہ" پہنچا اور اس قلعے کو بھی دو ماہ کے محاصرے کے بعد قبضے میں لایا۔ (ص201-202) پھر وہاں سے برہمن آباد جا پہنچا جو کہ دھلیلہ کے قلعے کے قریب تھا۔ (ص203)۔

ان حوالوں کی بنیاد پر کزنس (سندھ کے آثار قدیمہ ص23) کا یہ گمان باطل ہوتا ہے کہ راوڑ کا قلعہ اروڑ سے 20-25 میل مغرب یا جنوب میں شہر کنگری سے کچھ نشیب میں واقع تھا۔ اسی طرح میجر راورٹی کا یہ تخمینہ بھی غلط ہے کہ راوڑ، برہمن آباد کے مغرب میں (کزنس کے اندازے کے مطابق تقریباً دس میل) تھا۔

کزنس کے خیال میں (آثار قدیمہ ص23، نوٹ 1) محمد بن قاسم کے دوآبے کی مختلف شاخوں سے گذرنے کا حوالہ کہیں موجود نہیں اور اسی وجہ سے وہ راوڑ کا دوآبے میں ہونا تصور نہیں کرتا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے کیونکہ فتحنامہ کے مذکورہ حوالوں میں دوآبہ اور دریا کی مختلف شاخوں کا ذکر موجود ہے۔ میجر راورٹی بھی راوڑ کے دوآبے میں ہونے کو ناممکن سمجھتا ہے کیونکہ اس کے خیال میں (سندھ کا مہران، ص239 حاشیہ) محمد بن قاسم کے راوڑ پر حملے کے وقت پانی کے چڑھاؤ کا موسم تھا اور اس موسم میں دوآبے سے گذرنا مشکل ہے۔ راورٹی کی یہ دلیل کچھ ایسی باوزن نہیں ہے کیونکہ فوج کا دوآبے سے گذرنا خواہ مشکل ہو مگر ناممکن نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جب محمد بن قاسم پہلی مرتبہ نیرون کوٹ آیا تو اس طرف دریائے مہران کا پانی اس وقت تک نہ آیا تھا مگر بارش کا ابتدائی زمانہ تھا اور پانی آنے والا تھا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ فتح کیا اور وہاں سے بالائی علاقے کی طرف جاکر سیوستان اور بدھیہ کو فتح کیا اور وہاں سے نیرون کوٹ واپس آ گیا۔ پھر وہاں سے جاکر "اشبہار" کا قلعہ فتح کیا اور اس کے بعد داہر کا مقابلہ کرنے کے لئے مہران عبور کرنے کی تیاری کی۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ نیرون کوٹ میں اس کی پہلی آمد کے وقت سے لے کر اس وقت تک کافی وقت گذر چکا تھا اور غالباً مہران پار کرنے کے موقع پر باڑھ کا موسم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔

ڈاکٹر داؤد پوٹہ کا خیال ہے کہ "راوڑ" موجودہ حیدرآباد کی جگہ پر تھا (فتحنامہ فارسی ایڈیشن ص258 پر دی ہوئی ص54 کی تشریح) یہ خیال بھی درست نہیں ہے کیونکہ حیدرآباد کے مقام پر غالباً "نیرون کوٹ" تھا۔ اس کے علاوہ فتحنامہ کے حوالوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ راوڑ نیچے لاڑ میں جھمپیر، کرحل (ٹھٹھہ کے شمال مشرقی خطے) اور ساکرے کی طرف دریا کے دوآبے میں واقع تھا۔ ہوڈی والا (ص87) کی یہ رائے بھی کہ راوڑ، نیرون کوٹ اور برہمن آباد کے درمیان میں تھا، مبہم ہے۔ ہیگ جس نے کہ مہران کے دوآبے اور اس کی قدیمی شاخوں کی کافی تحقیق کی ہے۔ اس کی رائے میں راوڑ، لاڑ میں ونگی کے آس پاس مشرقی نارے کے کنارے برہمن آباد سے تقریباً 80 میل جنوب اور نیرون کوٹ سے تقریباً 70 میل جنوب مشرق میں واقع تھا۔ (انڈس ڈیلٹا کنٹری ص63-64)۔ یہ اندازہ فتحنامہ کے حوالوں کی روشنی میں واقعی قرینِ قیاس ہے۔ ہمارے خیال میں راوڑ کا قلعہ غالباً لاڑ میں موجودہ ضلع ٹھٹھہ کے شاہ بندر ڈویژن اور حیدرآباد ضلع کی ٹنڈو ڈویژن کی حدود میں کسی جگہ پر واقع تھا۔ نام کی مناسبت سے، شاہ بندر ڈویژن میں قدیمی شہر رڑی کے کھنڈرات شاید راوڑ کے قدیمی قلعے اور شہر کے ہیں۔

بہرحال راوڑ لاڑ میں تھا جہاں غالباً سمندر کے قریب ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں بھی وہاں کی آب و ہوا معتدل رہتی تھی اور اسی وجہ سے داہر گرما کے چار ماہ وہاں گذارا کرتا تھا۔ (ص فتح نامہ:90)

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ شہر کب اور کیسے برباد ہوا۔ محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت بھی دریائی راستے پر ہونے کی وجہ سے اس شہر کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ برہمن آباد کو فتح کرنے کے بعد جب محمد بن قاسم نظام حکومت کی درستگی کی طرف متوجہ ہوا تب اس نے نوبہ بن دارس کو راوڑ کے قلعے پر مامور کیا تاکہ اس مقام پر کشتیاں تیار رکھے۔ اوپر یا نیچے کی طرف سے جو بھی کشتی آئے یا جائے اگر اس میں سامانِ جنگ ہو تو روک کر راوڑ کے قلعے میں لے جائے۔ اس (راوڑ) سے اوپر کے حصے کی کشتیوں کا اختیار ابن زیاد العبدی کو دیا۔ کچھ کے اطراف .... ہذیل بن سلیمان کو دیئے (ص218) اس حوالے سے یہ دلیل بھی نکلتی ہے کہ راوڑ کی سرحد آگے جاکر کچھ کی سرحد سے ملی ہوئی تھی۔ شہر راوڑ محمد بن قاسم کی فتوحات کے تقریباً پانچ سو برس کے بعد تک بھی موجود تھا۔ کیونکہ یاقوت اپنی کتاب معجم البلدان (راور) میں 1224-1228ء کے زمانہ میں لکھتا ہے کہ "راور سندھ میں ایک بڑا شہر ہے جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا۔" بقول ہوڈی والا (ص87) راوڑ کے متعلق 1612ء کا ایک حوالہ ملتا ہے۔ انڈیا آفس لائبریری میں پہلوی زبان کی ایک کتاب "Dinai-Mainogi-i-Khirad" کا فارسی منظوم

ترجمہ موجود ہے جو کہ 1612ء میں "Rawar in Sind" کے ایک باشندے مرزبان زرتشتی نامی نے کیا۔ دیکھئے:

(Sachau: J.R.A.S.New Series IV. 24; West, Pahlavi Texts, III in Sacred Books of the East XXIV, Introduction P.XXIII)

ممکن ہے کہ اس کتاب میں تحریر کردہ "راور" اصل میں "ارور" کی غلط صورت خطی ہو، لیکن اگر واقعی یہ وہی زیرِ بحث "راوڑ" ہے تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ 1612ء تک راوڑ موجود تھا۔ اس لحاظ سے راوڑ غالباً شاہ بندر سب ڈویژن کا وہی قدیم برباد شدہ شہر رڑی ہو۔ جو کہ مقامی روایتوں کے مطابق دو تین صدی پہلے برباد ہوا۔ اپنے اس آخری دور میں 'رڑی' جت قوم کے لوگوں کا مشہور شہر تھا جس پر اپنے قرض کے بدلے میں کیہر قوم کے لوگ قابض ہو گئے تھے، چنانچہ سندھ میں مثال مشہور ہے کہ "رڑی کھوں میں پڑی، ملا جتوں کو جواب" لاڑ میں کیہر قوم کا زوال تقریباً سترہویں صدی عیسوی کے آخر میں ہوا اور غالباً اسی زمانے میں شہر "رڑی" برباد ہوا۔ (ن-ب)

99/[70] عرب محمد علافی: یہ محمد علافی غالباً وہی "محمد حارث علافی" ہے (یعنی محمد بن حارث علافی) کہ جس کا ذکر بعد میں (قلمی نسخے کے متن میں) ص[160] پر آیا ہے۔ ص[138] پر اس کا نام "محمد" دیا گیا ہے اور ص[140] پر "علافی"۔ پوری کتاب میں صرف ص[160] پر ہی اس کا پورا نام "محمد حارث علافی" دیا گیا ہے اور اس کے بعد باقی ہر جگہ صرف محمد علافی دیا گیا ہے دیکھئے ص[160-164] [170-172] اور [193-194] محمد علافی دراصل عربوں کے شامی لشکر کے سپاہیوں میں سے تھا۔ دیکھئے ص[138]۔

اس صفحہ 99 پر آگے چل کر بیان کیا گیا ہے کہ اس علافی نے عبدالرحمٰن بن اشعث کو قتل کیا تھا۔ یہ غلط ہے درحقیقت علافیوں نے خلیفہ عبدالملک کے دنوں میں مکران کے گورنر سعید بن اسلم کلابی کو قتل کیا تھا کیونکہ اس نے ان کے ہم وطن اور ہم قوم سفہوی بن لام الحمامی نامی ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ دیکھئے فتحنامہ (قلمی) [85-86] سعید کے خلاف اس سازش میں جن علافیوں نے حصہ لیا تھا ان میں محمد بن حارث علافی کا نام نہیں دیا گیا۔ دیکھئے [86]۔ مگر مورخ بلاذری نے معاویہ اور محمد بن حارث علافی دونوں کو اس سازش کا قائد لکھا ہے۔ (فتوح البلدان ص435)۔ علافیوں نے سعید کو قتل کر کے مکران پر قبضہ جمالیا تھا۔ دیکھئے فتحنامہ ص[86]۔ حتیٰ کہ 85ھ کے قریب حجاج نے مجاعت بن سعر کو مکران کی طرف روانہ کیا، جس کے پہنچنے سے پیشتر ہی علافی وہاں سے بھاگ کر راجہ داہر کے پاس جا پہنچے تھے، فتحنامہ

ص[88]۔ اس لحاظ سے محمد علافی کی رمل کے راجہ کے خلاف کی ہوئی کارروائی کو 85ھ کے بعد کا واقعہ سمجھنا چاہئے۔ (ن-ب)

101/[71] ہند اور سندھ کے شہروں میں اسلامی لشکر کی پہلی جنگ رسول ﷺ کی ہجرت کے 15 سال بعد امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوئی۔ یہ درست ہے اور مورخ بلاذری نے بھی مدائنی کی سند سے مسلمانوں کی اس پہلی فوج کشی کی خبر نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضہ نے 15ھ میں عثمان بن ابی العاص ثقفی کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا، جس نے اپنے بھائی الحکم کو تانہ (تھانہ، بمبئی کی طرف) اور بروص (بھروچ، گجرات) کی مہم پر اور اپنے دوسرے بھائی مغیرہ کو دیبل روانہ کیا۔ (فتوح البلدان، ص132-431) البتہ فتحنامہ کی روایت کا وہ حصہ جو صفحہ 101 پر ہے صحیح نہیں ہے کہ مغیرہ دیبل میں لڑتے ہوئے شہید ہوا۔ بلاذری واضح طور پر لکھتا ہے کہ اس نے دشمن کا مقابلہ کیا اور اس پر فتح حاصل کی (فتوح ص442) دوسرے تاریخی حوالوں سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مغیرہ اس کے بعد بھی زندہ رہا۔ اس حملے کی تفصیل کے لئے دیکھیے ہمارا مضمون "ہندوستان پر عربوں کے ابتدائی حملوں کی تاریخ" مطبوعہ "اسلامک کلچر" قزان، جولائی 1946ء حیدرآباد دکن* (ن-ب)

101/[73] امیر المومنین عثمان بن عفانؓ نے ہند اور سندھ پر فوج کشی کرنے کے لئے لشکر بھیجنا چاہا۔ حضرت عثمان کے اس ارادے کا ایک خاص سبب تھا۔ فتحنامہ میں اس واقعہ سے پہلے کی ایک اور جنگ کا جو کہ حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں سندھ اور لشکرِ اسلام کے درمیان ہوئی، ذکر نہیں ہے۔ لیکن بقول طبری (2707/1) جب لشکرِ اسلام حکم بن عمرو التغلبی کی سرکردگی میں مکران میں (ایران کی ساسانی حکومت کے گورنر کی فوج سے لڑ رہا) تھا تو سندھ کی فوجوں نے اچانک نہر پار کر کے اسلام کے لشکر پر حملہ کر دیا تھا۔ اور شاید حضرت عثمانؓ نے سندھ کے راجہ کی طرف سے اس "جنگ نہر" میں کی گئی پہل کا انتقام لینے ہی کے لئے سندھ پر لشکر کشی کا ارادہ کیا تھا۔ (ن-ب)

101/[73] لشکر قندابیل اور مکران میں تھا: فتحنامہ کا صرف یہی حوالہ ہے کہ جو اس وقت قندابیل میں لشکرِ اسلام کی موجودگی کا اظہار کرتا ہے دوسری کسی بھی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ یہ لشکر غالباً عبداللہ بن عامر کا لشکر تھا (دیکھیے بلاذری فتح بجستان) یا پھر اس عظیم لشکر کا کوئی حصہ تھا کہ جس نے حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ایران پر عام ہلہ (الانسیاح یا General

* The Probable Date of the Early Arab Expeditions to India Islamic culture. Hyderabad Daccan, Issue of July 1946.

(Invasion) بولا تھا۔ (ن-ب)

102/[74] اشعار- واھلکنی لکم فی کل یوم الخ: کتاب النوادر (طبع بیروت ص161) میں ابو زید نے یہ دو شعر جاہلی شاعر علی بن طفیل السعدی سے منسوب کئے ہیں اور لسان العرب (جلد ب ص254) کے مصنف نے انہیں عامر بن الطفیل السعدی سے منسوب کیا ہے۔ تاج العروس (جلد 12 ص116) پر صرف دوسرا شعر ہے اور شاعر کا نام نہیں دیا گیا ہے (بہ شکریہ استاذ عبدالعزیز المیمنی) سر چارلس لایال نے یہ دونوں اشعار عامر بن طفیل کے دیوان (ص158) میں درج کئے ہیں جس کے مطابق اصلاح کر کے ترجمے میں شامل کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں اشعار ہجو اور استہزا کے محسوس ہوتے ہیں تعجب ہے کہ انہیں مدح تصور کیا گیا ہے۔ (ع-م)

102/[74] حضرت علیؓ کی تعریف میں اشعار کہے: یعنی حکیم بن جبلہ نے یہ اشعار کہے۔ حکیم قبیلہ بنو الدیل میں سے تھا اور اس لحاظ سے اس کا پورا نام حکیم بن جبلہ بن حصین بن اسود بن کعب بن عامر بن الحارث بن الدیل ہوگا (جمہرۃ ابن حزم جلد 2) اس کے حالات ابن خلکان (وفیات 844) اور ابن حجر (اصابہ 779/1) نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ حکیم ان چار جرنیلوں میں سے ایک تھا کہ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے میں حصہ لیا۔ (العقد الفرید 269-266/2) حکیم حضرت علیؓ کے طرفداروں میں سے تھا اور "جنگ نہروان" سے پہلے "زابوقہ" کی لڑائی میں جو کہ خارجیوں کے ساتھ ہوئی تھی، قتل ہوا۔ (رسالہ للجاحظ فی بنو امیہ، ملحقہ فی آخر کتاب النزاع والتخاصم للمقریزی، طبع مصر ص193) "العقد الفرید" (65/2) میں حضرت علیؓ کی منقبت میں اس کا یہ شعر ملتا ہے۔

دعا حکیم دعوۃ سمیعہ

نال بھا المنزلۃ الرفیعہ

(ن-ب)

102/[75] حکیم بن جبلہ کا قول- ماءھا وشل-الخ: بلاذری نے بھی یہ رپورٹ حکیم سے منسوب کی ہے (فتوح البلدان ص432) اور غالباً یہ صحیح ہے۔ یاقوت نے بھی "معجم البلدان" (613/4) میں یہی روایت نقل کی ہے۔ البتہ طبری (2707/1) یہ الفاظ صحار العبدی سے منسوب کرتا ہے جو کہ مکران کے جرنیل حکم بن عمرو التغلبی کی طرف سے خمس اور اموال غنیمت لے کر حضرت عمرؓ کے پاس گیا تھا۔ (طبری 2707/1)۔ مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ بقول طبری صحار العبدی اُس وقت خود ایک دوسرے سپہ سالار احنف بن قیس کے ساتھ تھا، جس نے اسے اس

وت اپنا نائب بنا کر ہرات میں تعینات کیا تھا۔ (دیکھئے طبری: 2612/1) ابن قتیبہ نے بھی "عیون الاخبار" (199/2) میں یہ کیفیت کسی شخص کی زبانی حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی گئی تحریر کی ہے، لیکن اس شخص کا نام نہیں دیا ہے۔ "الاخبار الطول" (طبع یورپ ص326) اور "محاضرات راغب اصفہانی" (طبع مصر 264/2) میں یہ الفاظ ابن القریہ سے منسوب ہیں۔ دوسری طرف تقی الدین حموی کی "ثمرات الاوراق" 61/2 - ابن حامد کرمانی کی تاریخ کرمان المعروف "عقد العلی للموقف الاعلیٰ" (طبع طہران، ص64) اور "تاریخ گزیدہ" میں (ص270 پر نام کی غلطی کے ساتھ) یہ الفاظ غضبان بن القبثری نامی شخص سے منسوب ہیں کہ جس نے حجاج سے یہ باتیں بیان کیں۔ (ن-ب)

[76]/103 عبداللہ کو سندھ پر فوج کشی کرنے سے منع کر دیا اور کسی کو بھی نہ بھیجا: مورخ بلاذری بھی اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حکیم کی رپورٹ سننے کے بعد کسی بھی سپہ سالار کو اس سرحد پر جہاد کرنے کے لئے نہیں بھیجا "فَلَمْ یُغْزِهَا اَحَدًا" (فتوح البلدان ص432) لیکن مورخ طبری 29ھ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے عبیداللہ بن معمر التمیمی کو مکران کی طرف بھیجا جو وہاں دشمن کی پوری فوج کا صفایا کر کے بڑھتا ہوا جا کر "نہر" پر پہنچا۔ اس کے بعد عبیداللہ کا فارس کی طرف تبادلہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ پر عمیر بن عثمان بن سعد کو مقرر کیا گیا [اس کے بعد غالباً عبیداللہ کے فارس میں شہید ہو جانے پر عمیر کو فارس میں مامور کیا گیا اور ابن کندیر القشیری کو اس کی جگہ پر مکران میں متعین کیا گیا۔] حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت عمیر بن عثمان فارس کا اور ابن کندیر القشیری مکران کا سپہ سالار تھا۔ دیکھئے طبری: 2829/1-2831 ابن الاثیر: 48/3-49 اور ابن خلدون بقیۃ الجزء الثانی ص2131-33 (ن-ب)

[76]/103 تو اہل شہر میں آپس میں نا اتفاقی اور مخاصمت ہو گئی: اس وقت کے عناد و فساد کا مرکز بصرہ تھا اور اسی وجہ سے "شہر" سے مراد غالباً "بصرۃ" ہے۔ اصل فارسی متن میں "اہل شہر" ہے جو ممکن ہے کہ اصل عربی عبارت "اہل المدینۃ" کا غلط ترجمہ ہو۔ اس لحاظ سے "اہل شہر" سے "اہل مدینہ" کی بھی مراد ہو سکتی ہے۔ (ن-ب)

[76]/103 حضرت علیؓ نے ساغر بن ذعر کو ہندوستان کی سرحد پر مقرر [کیا]: ساغر بن ذعر کا نام صرف فتحنامہ میں آیا ہے اور بقیہ دوسری تواریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ آگے چل کر دوسرے صفحہ یعنی [77]/103 میں جتلایا گیا ہے کہ اس لشکر یعنی ساغر بن ذعر کے لشکر میں حارث بن مُرّہ نامی ایک بہادر سپہ سالار تھا۔ مورخ بلاذری کے قول کے مطابق حضرت علیؓ نے

38ھ کے آخر یا 39ھ کے شروع میں حارث بن مُرّہ العبدی کو محاذِ ہند کا سپہ سالار بنا کر بھیجا تھا، جس نے "وہاں فتح حاصل کی اور کثیر مالِ غنیمت اور قیدی ہاتھ کئے اور ایک دن میں ایک ہزار غلام تقسیم کئے۔ اس کے بعد وہ وہیں رہا حتیٰ کہ 42ھ میں وہ اور اس کے ساتھ سوائے کچھ تھوڑے آدمیوں کے صوبے قیقان (کیکان) میں کسی جنگ میں مارے گئے۔"

(فتوح البلدان، ص 432)۔

حارث بن مُرۃ العبدی، حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے تھا، جسے حضرت علیؓ نے جنگِ صفین کے موقع پر اپنے لشکر کے میمنہ کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ (دیکھئے المنقری کی "کتاب الصفین" طبع ایران ص 107)۔ حارث قبیلۂ ربیعہ کے مشہور سخی سرداروں میں سے تھا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ اس نے ایک دن میں ایک ہزار غلام تقسیم کئے اور پانچ سو گھوڑے بطور بخشش دیئے۔ دیکھئے محمد بن حبیب کی "کتاب المحبر" طبع حیدرآباد دکن ص 154 (ن-ب)

103/[77] ہذلی نے بیان کیا ہے کہ: ہذلی سے مراد ابوبکر الہذلی ہے۔ ہمارے خیال میں فتحنامہ کے فارسی مترجم نے اختصار کے خیال سے اس مقام پر اس کتاب کے اہم راوی ابوالحسن مدائنی کا نام نہیں لکھا ہے ورنہ پوری عبارت اس طرح ہونی چاہئے تھی کہ "ابوالحسن نے کہا کہ ہذلی نے بیان کیا ہے۔ الخ" ہمارے اس نظریہ کی دلیل یہ ہے کہ ابوبکر الہذلی دراصل ابوالحسن مدائنی کا ایک خاص ماخذ ہے اور ہذلی کی روایتیں ہم تک براہِ راست نہیں بلکہ زیادہ تر اس کے راویوں کے ذریعہ پہنچیں ہیں۔ خود فتحنامہ کے صفحات 105/[78] اور 107/[81] پر ہذلی کی دو روایتیں ابوالحسن مدائنی کی وساطت سے نقل ہیں۔ صفحہ 105/[78] پر ہذلی کی روایت مہلب کے ذریعہ اور مہلب کے بعد پھر مصنفانِ تاریخ کے ذریعہ نقل کی گئی ہے اور صفحہ 105/[80] پر ہذلی کی روایت تاریخ کی تشریح یا تفسیر کرنے والوں کی زبانی درج کی گئی ہے۔ ان دونوں صفحات پر بھی "تاریخ کے مصنفوں" اور "تاریخ کی تفسیر کرنے والوں" سے مراد غالباً ابوالحسن المدائنی ہے کہ جو اس فتحنامہ کا خاص راوی ہے۔ دوسری کتابوں میں بھی ابوالحسن المدائنی کی ابوبکر الہذلی سے نقل کی ہوئی تاریخی روایتیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً دیکھئے بلاذری کی "کتاب انساب الاشراف" مطبوعہ یورپ جلد 11 ص 227۔ ابوبکر الہذلی تاریخ کے مشہور راویوں میں سے تھا اور اُس وقت کی اسلامی سلطنت کے مشرقی ممالک خصوصاً عراق اور سندھ کی تاریخ کا اسے کافی علم تھا۔ اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ وہ مشرقی محاذ کے اہم شہر بصرہ کے عالموں میں سے تھا۔ بقول ہمدانی "ابوبکر الھذلی کان بصریاً" (کتاب البلدان ص 167)۔ مسعودی نے اپنی کتاب "مروج الذہب" (طبع پیرس 4/122, 127) میں ذکر کیا ہے کہ ابوبکر الہذلی، پہلے

عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح (750-754) کے ہم نشینوں میں تھا اور اس کی مجلسوں میں شریک رہا کرتا تھا۔ (ن-ب)

104/[78] (امیر معاویہ نے) عبداللہ بن سوار [العبدی] کو سندھ پر مامور کیا اور اس ملک کی حکومت اس کے حوالے کی: بقول بلاذری عبداللہ کو بصرہ کے وائسرائے (نائب خلیفہ) عبداللہ بن عامر نے اس محاذ پر بھیجا تھا۔ مگر بلاذری آگے کہتا ہے کہ "بعضے کہتے ہیں کہ اسے امیر معاویہ نے مقرر کیا۔" فتحنامہ کی دوسری روایت (ص105) کے مطابق بھی عبداللہ کی تقرری براہِ راست امیر معاویہ سے منسوب ہے اور غالباً یہ صحیح ہے۔ مورخ بلاذری نے اس کے بعد عبداللہ کے "قیقان" پر حملہ اور ابتدائی فتوحات کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ عبداللہ نے وہاں کے گھوڑے تحفتاً امیر معاویہ کے پاس بھیجے (ص106) یہ بیان فتحنامہ کی اس حکایت کی تصدیق کرتا ہے کہ عبداللہ کو امیر معاویہ نے کیکانان کے گھوڑے بھیجنے کی تاکید کی تھی۔ (ن-ب)

105/[79] (عبداللہ) ابن سوار مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے شہید ہوا: بلاذری (ص433) لکھتا ہے کہ ابتدائی فتوحات حاصل کرکے تحفوں وغیرہ کے ساتھ عبداللہ بن سوار ملاقات کے لئے امیر معاویہ کے پاس آیا اور کچھ دنوں اُن کے پاس رہا۔ اس کے بعد جب پھر "کیکانان" واپس گیا تب وہاں کے ترکوں کا لشکر اس پر غالب ہوا اور اسے شہید کیا۔ یاقوت معجم البلدان (ص217/4) میں بلاذری کی یہی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ: بقول خلیفہ بن خیاط، عبداللہ نے 47ھ میں "قیقانان" پر حملہ کیا، جس پر ترکوں کا عظیم لشکر جمع ہوا اور [جنگ میں] عبداللہ اور اسلامی لشکر کا بڑا حصہ قتل ہوا۔ (ن-ب)

106/[80] اعورشنی: یعنی شاعر بشر بن منقذ بن عبدالقیس، جو کہ ابا منقذ کی کنیت سے بھی مشہور تھا اور عربی ادب میں عام طور پر "الاعور الشنی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ "الشنی" نسبت ہے "بنوشن بن افصی بن عبدالقیس بن افصیٰ" سے اور چونکہ قبیلہ "بنوشن" دراصل قبیلہ "عبدالقیس" کی ایک شاخ تھا اور عبداللہ بن سوار بھی قبیلۂ "عبدالقیس" کا شہسوار تھا، اسی وجہ سے اعورشنی کو اس پر فخر ہے۔

وہ عہدِ اسلام کے بلند پایہ شعرا میں سے تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے، جو خود بھی شاعر تھے اور "جہم" کہے جاتے تھے۔ (سمط اللالی ص827) جنگِ جمل میں اعور، حضرت علیؓ کے لشکر میں تھا (المؤتلف والمختلف، للآمدی؛ تصحیح مستشرق سالم کرنکوی Krenkow ص38)۔ جنگِ صفین میں بھی وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور ان کی منقبت میں بہت سے اشعار کہے (کتاب الصفین،

للسقری ص6، 215، 225 اور 249)۔ اعورشنی کا کچھ ذکر ابن قتیبہ کے "طبقات الشعر والشعراء" (ص406) میں بھی موجود ہے۔ (ن-ب)

109/[84] پورالی کی حدود میں وفات کی: بلاذری کہتا ہے کہ (ص434) قصدار میں فوت ہوا "قلادۃ النحر فی وفیاتِ اعیان الدھر" ایک قلمی نسخہ جو (کتبخانہ پیر جھنڈو) میں موجود ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ منذر نے 61ھ میں انتقال کیا۔ (ن-ب)

110/[84] حکم بن منذر: حکم اپنے باپ منذر کی وفات کے بعد مکران میں محاذ ہند کا گورنر مقرر ہوا۔ کوفہ میں وہ اپنے قبیلے عبدالقیس کا بڑا مقتدر سردار تھا۔ (المحاسن والمساوی 74/1، المعارف لابن قتیبہ ص172) بعد میں اس کے چچا عبداللہ نے حجاج کے خلاف بغاوت کی لیکن رستقاباذ کے نزدیک مارا گیا (المعارف ص172) قرابت کی وجہ سے حکم کو اس سے محبت تھی، چنانچہ اس کی موت پر اس نے یہ مرثیہ کہا:

ابا مطر اقررت عین عدونا

وکل الی ما صرت سوف یصیر

الخ (بلاذری، الانساب، طبع یورپ 296/11) غالباً اسی وجہ سے آخر میں حجاج نے حکم کو ہمیشہ کے لئے قید کردیا۔ حتیٰ کہ وہ حجاج کے قید خانے "الدیماس" ہی میں انتقال کرگیا۔ دیکھئے بلاذری، الانساب، طبع یروشلم 171/5 (ن-ب)

110/[84] عبداللہ [بن] الاعور الحرمازی نے اٹھ کر یہ اشعار پڑھے: اصل فارسی متن میں "الحرمازی" کی بجائے "الحواری" ہے۔ مگر صحیح "الحرمازی" ہے۔ اس کا نام عبداللہ بن الاعور ہے مگر کوڑھی ہونے کی وجہ سے "الکذاب الحرمازی" کے نام سے مشہور ہے۔ (ابن قتیبہ، الشعراء ص430) وہ منذر اور اس کے بیٹے حکم کا خاص مداح تھا۔ جاحظ نے "کتاب الحیوان" (49/1) میں اس کی مدح کا یہ شعر نقل کیا ہے۔ قال الکذاب الحرمازی:

یا ابن المعلی نزلتہ احد الکبر

داھیۃ الدھر وصماء الغبر

اس شعر میں "ابن المعلی" سے مراد منذر (بن جارود و ھو بشر، بن عمرو بن حنش المعلی) ہے۔ لغت "اللسان" (مادہ- غبر) میں بھی یہ شعر مختلف روایتوں کے حوالوں کے ساتھ "الحرمازی" سے منسوب ہے اور ممدوح کا نام بھی واضح ہے: قال الحرمازی یمدح المنذر بن الجارود۔

انت لها منذر من بين البشر
داهية الدهر وصماء الغبر

ابن قتیبہ (الشعر والشعراء ص430، 431 اور المعارف ص172) نے بھی فتحنامہ میں دیا ہوا یہ شعر قدرے مختلف روایتوں سے ''الکذاب الحرمازی'' ہی کا قرار دیا ہے اور اس کی داد دی ہے۔ (الشعراء)۔ کتاب المعارف میں یہ رجز اس طرح دیا گیا ہے:

یا حکم بن المنذر بن الجارود

سرادق المجد علیک ممدود

انت الجواد بن الجواد المحمود

نبت فی الجود وفی بیت الجود

والعود قد ینبت فی اصل العود

(ن-ب)

114/[89] قزاقوں کے ایک گروہ نے کہ جسے نکامرہ کہتے تھے: مورخ بلاذری نے (ص114) اس گروہ کو میدوں کی ایک قوم (قوم من مید) بیان کیا ہے، جنہوں نے کشتیوں پر سوار ہوکر جہاز پر حملہ کیا اور اسے لوٹ لیا۔ ہوسکتا ہے کہ نکامرہ، مید قوم کا ایک قبیلہ ہو۔ خود فتح نامہ کے صفحہ 115/[91] پر ''میدوں کے دیبل'' کا ذکر آیا ہے، جس کے یہ معنی ہوئے کہ دیبل بندر، قوم مید کا مرکز تھا۔ عرب مورخوں کے حوالوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکران، سندھ اور کاٹھیاواڑ کے ساحلوں پر رہنے والی ساری قوموں کو کہ جن کا پیشہ ہی بحری لوٹ مار اور قزاقی تھا، ان سبھوں کو مید کہا گیا ہے۔ بلاذری واضح طور پر لکھتا ہے کہ مید وہ ہیں کہ جو سمندر میں ڈاکے مارتے ہیں ''المید الذین یقطعون البحر.'' پھر مکران کے گورنر راشد بن عمر الجدیدی کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس نے پہلے تو شمالی پہاڑی علاقہ کیکانان پر حملہ کرکے فتح حاصل کی، لیکن اس کے بعد میدوں سے (مکران میں) جنگ کی، جس میں شہید ہوگیا۔ (بلاذری ص 433، ص191)۔ عہدِ عباسی میں سندھ کے گورنر موسیٰ بن عمران نے قندابیل فتح کرنے کے بعد میدوں پر حملہ کیا (بلاذری ص 445، ص114) اور پھر سندھ میں جتوں کی مدد سے سمندر کی کھاڑی کھدوا کر اور میدوں کی رہائشی زمین کو پانی میں غرق کرکے انہیں تباہ کیا۔ (بلاذری ص 446)۔ خود مورخ بلاذری کے دنوں میں اہلِ بصرہ اور سورٹھ (کاٹھیاواڑ) کے مابین لڑائی ہوئی تھی۔ (بلاذری ص 440)- ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکران، سندھ اور کاٹھیاواڑ کے ساحل پر رہنے والے بحری قزاقوں کو بلاذری نے ''مید'' کہا ہے۔ لانگ ورتھ ڈیمس اپنی کتاب ''بلوچ قوم'' (ص17) میں لکھتا ہے کہ: مید یا میدھ، سندھ اور

مکران کے (بحری) ساحل کے قدیم مُہانے (ملاح) ہیں اور بلوچ حقارتاً انہیں اس نام سے پکارتے ہیں۔ دریائے سندھ کے مُہانوں (ملاحوں) کو بھی مید کہتے ہیں اور اکثر "میدھ اور ماچھی" دونوں نام ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں۔

سندھ کے مید غالباً سندھ کے بحری ساحل کے میر بحر تھے اور موجود لفظ "میہ" شاید "مید" کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ چنانچہ بحری علاقوں میں آج بھی حقارتاً کہتے ہیں کہ "تو کوئی مید ہے" یا "تو کوئی میہ ہے" یا "تو کوئی می ہے۔" بہرحال کراچی سے لے کر کیٹی بندر تک اس وقت ملاحوں میں کہیں بھی "نکامرۃ" یا اس سے ملتے جلتے نام کا کوئی قبیلہ موجود نہیں اور نہ ایسا کوئی نام نظر آتا ہے۔ البتہ تحفۃ الکرام کے ایک حوالے سے (بشرطیکہ وہ درست ہو) معلوم ہوتا ہے کہ قوم نکامرہ گیارہویں صدی عیسوی کے نصفِ اول تک موجود تھی۔ میر علی شیر قانع لکھتا ہے کہ: جب اپنی شہزادگی کے زمانے میں شاہجہاں اپنے والد جہانگیر سے ناراض ہوکر ٹھٹھہ آیا تھا، تو نواب شریف خان (شرفا خان؟) اور ننگر الہ کے جام نے اس کی مخالفت کی تھی اور "دھاراجا" کے راجا، قومِ نکامرہ اور حمل جت نے اس کی امداد اور معاونت کی تھی۔ اسی وجہ سے تخت نشین ہونے کے بعد شاہجہان نے 1037ھ میں نواب امیر خان کو ٹھٹھہ کا نواب مقرر کیا تھا، تاکہ وہ انہیں نوازے اور اُن سے اچھا سلوک کرے (تحفۃ الکرام، مطبع ناصری، دہلی 95/3)۔ اگر گیارہویں صدی ہجری میں بھی نکامرہ قوم موجود تھی تو اس حالت میں اس قوم کے لوگوں کا اب تک باقی رہنا ممکن ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس قوم کا نام متروک ہوچکا ہو۔ ہمیں اس وقت تک بحری ساحل اور لاڑ کے ملاحوں کے جو قبائل یا ان کی شاخیں معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں: لاڑا، ونگرا، دبلا (دھاراجا کے اصل باشندے) ہولائی، لیگانی، ماچھی، جوبانیا، ٹانڈیا، ولھاری، ہوڑائی، ڈوکی، کنڈائی، گجاڑیا، سوڑھائی، پکھیرا، ٹیانی، پاتاری، تھوری، ڈھورائی وغیرہ۔ مگر "نکامرۃ" کا نام کہیں معلوم نہیں ہوسکا۔ (ن-ب)

[90]/115 یہ عورت قبیلہ بنی عزیز (یا عزیر) میں سے تھی: اس نام کا قبیلہ کسی بھی عربی کتاب میں نظر نہیں آتا۔ بلاذری (فتوح البلدان ص435) میں بیان کرتا ہے کہ یہ عورت قبیلہ "بنی یربوع" میں سے تھی اور مورخ بلاذری کا یہ قول زیادہ باوزن ہے۔ (ن-ب)

[94]/118 محمد بن قاسم کو جو اس کے چچا کا بیٹا اور نواسہ بھی تھا اور حجاج کی بیٹی اس کے گھر میں تھی: یہ سارا بیان حقیقت کے برعکس ہے۔ نہ محمد بن قاسم حجاج کے چچا کا بیٹا تھا، نہ اس کا نواسہ تھا اور نہ اس کی بیٹی ہی اس کے گھر میں تھی۔ ان حقائق کا تجزیہ کرتے ہوئے پہلے ابوعقیل کے خاندان کا یہ شجرہ دیکھنا چاہئے۔
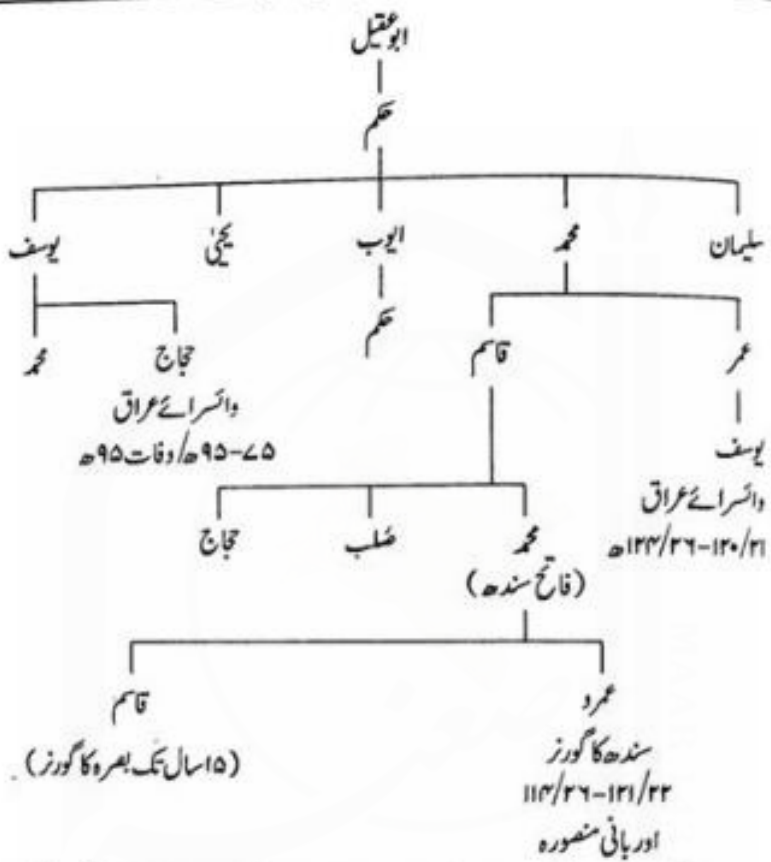
اس شجرہ سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ محمد بن قاسم، حجاج کے چچا (محمد) کا بیٹا نہیں بلکہ حجاج کے چچا (محمد) کے بیٹے (قاسم) کا بیٹا ہے۔

فتحنامہ کی فارسی عبارت اس طرح ہے: ''محمد بن قاسم پسر عم اوبود''۔ یہاں ''پسر عم'' عربی لفظ ''ابن عم'' کا ترجمہ ہے۔ عربی میں چچا کے بیٹے یا پوتے بلکہ پرپوتے کو بھی ''ابن عم'' کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اس اصطلاح کا فارسی ترجمہ پڑھنے والوں کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کرسکتا ہے۔ اسی وجہ سے ترجمے کے متن میں وضاحت کے لئے ہم نے ''اس کے چچا [کے بیٹے] کا بیٹا'' لکھا ہے۔

زیر بحث صفحہ پر محمد بن قاسم کو حجاج کا نواسہ ظاہر کیا گیا ہے اور تحریر کیا گیا ہے کہ حجاج کی بیٹی اس کے گھر میں تھی لیکن ص 195/[190] پر حجاج کی اپنی بیٹی محمد بن قاسم کو دینے کی حکایت درج کی گئی ہے جو غور طلب ہے۔ درحقیقت یہ محض ایک ''حکایت'' ہے اور ہر نقطۂ نظر سے غیر

معتبر۔ اولاً اس حکایت کی روایت ضعیف ہے اور بنی تمیم کے کسی غیر معروف شخص سے منسوب ہے، جس نے یزید بن کنانہ سے نقل کیا ہے۔ خود یزید بن کنانہ کا نام بھی راویوں کی صف میں کہیں نظر نہیں آتا۔ دوم اس حکایت کے مطابق حجاج کے غصہ میں ہر مرتبہ محمد بن قاسم کے سر پر چھڑی مارنے اور اس کی پگڑی گرا دینے کے باوجود محمد بن قاسم کا اس سے بار بار اس کی بیٹی کا مطالبہ کرنا ایک تو محمد بن قاسم کے بلند اخلاق اور خودداری کے خلاف ہے، دوسرے حجاج کے مشہور غیض و غضب کے آگے محمد بن قاسم کی (جو ان دنوں کمسن تھا) مجال نہ تھی کہ بار بار اس بات پر زور دیتا۔ تیسرے یہ کہ اس حکایت کا راوی کہتا ہے کہ میں اس وقت اس محفل میں تھا اور یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ گویا حجاج کی بیٹی کی شادی کا فیصلہ دوسروں کے سامنے ہو رہا تھا! چوتھے یہ کہ حکایت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ آخرکار حجاج نے اپنی بیٹی اس شرط پر محمد بن قاسم کو دینے کا اقرار کیا کہ "جب بڑا ہوگا اور فارس و ہند پر فوج کشی کر کے یہ ممالک فتح کرے گا۔" یہ پیشین گوئی بھی ظاہر کرتی ہے کہ یہ حکایت محض ایک افسانہ ہے اور اس میں بیان کردہ ستم بھی اس کے غیر معتبر سمجھے جانے کا کافی ثبوت ہے۔

مگر بڑی بات تو یہ ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ حجاج کے کوئی بیٹی بھی تھی۔ ابن حزم جو کہ عرب کا ایک بڑا ماہر اور عالم نساب ہے، اس نے بھی اپنی کتاب "جمہرت انساب العرب" (ص255) پر حجاج کی اولاد میں صرف چار فرزندوں کا ذکر کیا ہے، یعنی محمد، عبدالملک، آبان اور سلیمان۔

واقعہ صرف یہ ہے کہ حجاج نے اپنی بہن زینب کو اس کا اختیار دیا تھا کہ وہ محمد بن قاسم اور حکم بن ایوب (بن حکم بن ابی عقیل) دونوں میں سے جس سے چاہے عقد کرے۔ محمد بن قاسم کی عمر ان دنوں صرف سترہ سال تھی اور حکم عمر میں بڑا تھا۔ زینب نے (غالباً اپنی عمر کے لحاظ سے) حکم کو پسند کیا، جس سے حجاج نے اس کی شادی کرادی۔ کتاب الاغانی، جلد 4 ص27)

اسی توضیح کی بنیاد پر فتحنامہ، فرشتہ (جلد 4 ص403) اور میر معصوم کے (تاریخ معصومی فارسی ص21) کہ جن کا ماخذ فتحنامہ ہی ہے، یہ بیانات کہ محمد بن قاسم حجاج کا نواسہ تھا، قطعی غلط معلوم ہوتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ بھی ضروری ہے کہ محمد بن قاسم کی شادی کے بارے میں دیئے ہوئے فتحنامہ کے دوسرے حوالوں کا بھی جائزہ لیا جائے اور کسی صحیح نتیجے پر پہنچا جائے۔ فتح نامہ کے صفحہ 191/[186] میں بیان کیا گیا ہے کہ داہر کے قتل کے بعد جب اس کی بیوی لاڈی گرفتار ہوئی تو محمد بن قاسم نے اسے خریدنے کے لئے حجاج سے اجازت طلب کی اس نے خلیفہ ولید سے

سفارش کی اور آخر دارالخلافہ سے حکم جاری ہوا اور اس کے بعد محمد بن قاسم نے لاڈی کو خرید کر اپنی بیوی بنایا۔ (مزید دیکھئے ص223|222)۔

اس حکایت کا راوی ایک مقامی شخص ابو محمد ہندی ہے جس نے یہ بات ابو مسہر عابی(؟) نامی ایک شخص سے سنی ہے کہ جو خود گمنام اور مشکوک ہے۔ کسی بھی عربی ماخذ سے اس حکایت کی ذرہ برابر بھی تصدیق نہیں ہوتی، بلکہ فتحنامہ ہی میں لاڈی کے متعلق ایسے بیانات ہیں کہ جن سے اس حکایت کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً ص191 میں خود لاڈی کے زبانی بیان میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ داہر کے قتل ہونے والے دن عین میدانِ جنگ میں گرفتار ہوئی تھی لیکن ص209|205-206| پر خود برہمن آباد کے بزرگوں کی حکایت کے مطابق داہر کے قتل ہونے کے بعد لاڈی اپنے بیٹے کے ساتھ برہمن آباد کے قلعے میں پہنچی اور قلعے کی حفاظت کے انتظامات کر کے مقابلے کے لئے مستعد ہو گئی۔ غرض یہ کہ فتحنامہ کی وہ حکایتیں کہ جن کی بنیاد مقامی روایتوں پر ہے اور جن کی عربی ماخذوں سے کوئی تصدیق نہیں ہوتی وہ غیر معتبر ہیں۔ اور محمد بن قاسم کا لاڈی کو خرید کر نکاح میں لانا بھی محض ایک افسانہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ محمد بن قاسم نے کہاں شادی کی؟ اس کے دو بیٹے عمرو اور قاسم تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ عمرو سندھ کا گورنر اور مشہور شہر منصورہ کا بانی تھا اور اس کا بھائی قاسم پورے 15 سال بصرہ کا گورنر رہا۔ جس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ وہ بڑا قابل اور خاص و عام میں مقبول حاکم تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ مشہور ارجوزہ گو شاعر روبہ بن العجاج نے اس کی مدح میں قصیدے کہے۔ اپنے ایک طویل قصیدے (مطلع: قلت وقد اقصر جہل الاصور دیکھئے دیوان روبہ ص57-63) کے 193 اور 197 مصرعوں میں وہ کہتا ہے:

ما فی غد انی امرو من معشر
یغدون انصارک یوم النصر
وہم علی رغم العداۃ الزفر
اخوال آبائک فی المجد الثری
سعد بن زید فی الصمیم الدوسر

یعنی میں اس گروہ میں سے ہوں کہ جو ہر مصیبت کے دن تیرے دشمنوں کے خلاف صف آرا اور تیرا معاون ہے اور وہ گروہ "سعد بن زید" کے قبیلے کے شیر مردوں کا ہے جو تیرے خاندان کے ننہالی عزیز اور اعلیٰ شان و مرتبہ والے ہیں۔

ان اشعار میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ شاعر نے سعد بن زید قبیلے کا ذکر کیا

ہے، جس کا وہ خود ایک فرد ہے۔ اب دیکھئے کہ شاعر روبہ بن العجاج، قبیلۂ بنو تمیم کی ایک بڑی شاخ "بنو سعد بن مالک بن سعد بن زید منات بن تمیم" میں سے تھا۔ دیکھئے ابن حزم، الجمہرۃ ص204 اور ابن درید، الاشتقاق ص159) اور قبیلۂ "سعد بن زید منات" اسی بڑی شاخ کی ایک شاخ تھا، جسے شاعر نے اختصار کے طور پر صرف "سعد بن زید" لکھا ہے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اس قبیلے کے لوگ اس کے ممدوح، قاسم کے خاندان کے ننہالی عزیز ہیں۔ اس کے اصل الفاظ "اخوال آبائک" ہیں "یعنی تیرے اجداد کے ننہالی" جس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ قاسم کے باپ، محمد بن قاسم اور اس کے باپ دادوں کے ننہالی ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ محمد بن قاسم کے بزرگوں کی شادیاں بنو تمیم کے اسی گھرانے یا خاندان میں ہوئی تھیں اور اسی رسم کے مطابق غالباً خود محمد بن قاسم کی شادی بھی بنو تمیم کے اسی خاندان یا قبیلے میں ہوئی ہوگی۔ واقعہ بھی یہی ہے کیونکہ مشہور محقق اور ادیب، خطیب تبریزی، شاعر روبہ کے مذکورہ ارجوزہ (قصیدہ) کے 195 اور 196 نمبر کے مصرعوں کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ابو محمد نے کہا ہے کہ میں نے اس کے (شاعر روبہ کے) "س" کے قافیہ والے قصیدہ کا ایک مصرع دیکھا ہے جس سے اس کی (شاعر روبہ کی) مراد یہ ہے کہ قاسم بن محمد کے ننھیال بنی سعد بن تمیم میں سے ہے۔ "یرید ان القاسم بن محمد له خؤولة فی بنی سعد بن تمیم" (حاشیہ کتاب تہذیب الالفاظ، ص68) یہاں ابو محمد سے مراد مشہور عالم "ابن السیرافی" ہے جس کی شہادت قطعی مستند سمجھنی چاہئے۔ اس حوالہ اور وضاحت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کے بیٹے قاسم کے خاندانی ننہالی، قبیلۂ بنی تمیم کی ایک شاخ قبیلۂ بنو سعد، (بن مالک بن سعد بن زید منات بن تمیم) میں سے تھے، جس کے یہی معنیٰ ہوئے کہ محمد بن قاسم نے بنو تمیم کے اسی خاندان میں شادی کی تھی۔ (ن-ب)

118/[94] حمزۃ بن بیض الحنفی نے یہ اشعار کہے: حمزہ بن بیض اموی عہد کے مشہور شعرا میں سے تھا اور محمد بن قاسم کا ہمعصر تھا۔ اس نے 120ھ میں انتقال کیا۔ اس کے حالات کے لئے دیکھئے الاغانی، جلد 15 ص14-26، الامدی، المؤتلف والمختلف ص100، الکتبی، فوات الوفیات 188/1، العسکری معانیہ 11/1، ابو حیان 185/3، ابن عساکر 440/4 النویری 81/4 تاج العروس (بیض)۔ حمزہ کے یہ اشعار مشہور ہیں۔ دیکھئے بلاذری طبع یورپ ص441، طبع مصر ص428، ابن الاثیر 282/4، الیعقوبی 357/2، ابن قتیبہ، عیون الاخبار 229/1، المرزبانی (پہلے مصرع کے بارے میں مختلف روایتوں کے ساتھ) ص482۔ فتحنامہ کے مطابق حمزہ نے یہ اشعار محمد بن قاسم کے محاذ ہند پر تقرر کے موقع پر مبارکبادی کے طور پر کہے، مگر بقول ابن الاثیر

(282/4) حمزہ نے یہ اشعار دراصل محمد بن قاسم کی افسوسناک موت پر مرثیہ کے طور پر کہے تھے۔ غالباً ابن الاثیر کا قول صحیح ہے، کیونکہ بلاذری (ص440) نے بھی محمد بن قاسم اور ثقفی خاندان کے دوسرے افراد کے قید میں اذیتیں دے کر قتل کیئے جانے کے ذکر کے بعد یہی اشعار نقل کیے ہیں۔ (ن-ب)

122/[99] پھر محمد بن قاسم وہاں سے ارمابیل کی جانب روانہ ہوا: اس سے پہلے کے صفحہ میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ محمد بن قاسم مکران پہنچا۔ دراصل فتحنامہ کی یہ عبارت نامکمل ہے۔ بقول بلاذری (ص436) محمد بن قاسم (شیراز سے) مکران روانہ ہوا اور وہاں کافی دنوں ٹھہرا۔ اس کے بعد فنز بور[1] آیا اور یہ شہر فتح کیا، پھر وہاں سے ارمابیل آیا۔ بلاذری کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ فتحنامہ میں فنزبور یا پنجپور کی فتح کا ذکر غائب ہے۔ اسی وجہ سے فتحنامہ کی مذکورہ عبارت میں "وہاں" سے مراد فنزبور یا پنجپور سے لینی چاہیئے۔ (ن-ب)

122/[100] (محمد بن ہارون) جب ارمابیل کی منزل پر پہنچا تو اس کی عمر پوری ہوئی..... اسے وہیں دفن کیا گیا: بقول بلاذری محمد بن ہارون نے "ارمابیل کے قریب وفات کی اور اسے قنبل میں دفن کیا گیا۔" محقق بلاذری کا قول زیادہ صحیح سمجھنا چاہیئے۔ فتحنامہ کی عبارت کو بلاذری کے بیان سے اس طرح ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے کہ "ارمابیل کی منزل" سے مراد علاقۂ ارمابیل کی کوئی منزل ہے جوکہ شہر ارمابیل سے قریب تھی اور جس کا بلاذری نے ذکر کیا ہے۔ بلاذری کا تحریر کردہ قنبل وہی شہر ہے جسے عرب جغرافیہ نویسوں نے اکثر "قنبلی" لکھا ہے۔ ہمارے خیال میں قنبل یا قنبلی دراصل "قنبیلہ" یعنی "کن بیلہ" ہے جو غالباً ریاست لس بیلہ کی راجدھانی بیلہ (جو غالباً عربوں کا ارمابیل یعنی ارمن بیلہ ہے) کے متصل واقع تھا۔

اس وقت شہر بیلہ کے ایک جانب "پیر آری" کا مقبرہ اور زیارت گاہ ہے اور مقامی روایتوں کے مطابق یہ کسی صحابی کی قبر ہے۔ ممکن ہے کہ محمد بن ہارون کا نام "ابن ہارون" سے "ہارون" اور زمانہ گذرنے کے بعد مقامی تلفظ یا غلطی کی وجہ سے "آری" ہوگیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ن-ب)

124/[101] جہم بن زحر الجعفی: اس کا باپ زحر بن قیس الجعفی کوفہ کے شریف سرداروں اور شہسواروں میں سے تھا اور بڑا فصیح مقرر تھا۔ (ابن عساکر، تاریخ کبیر 69/5)۔ جنگ صفین میں وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا۔ (ابن عساکر، ایضاً اور کتاب الصفین ص11) اس کے بیٹے بھی

1. بلاذری کی مطبوعہ تاریخ میں اس کا تلفظ "فنز بور" ہے جوکہ درحقیقت "قنز بور" کی تحریف ہے۔ قنزبور یا پنجپور غالباً اسی مقام پر تھا، جہاں موجودہ "پنجگور" واقع ہے۔ (ن-ب)

بے حد شریف تھے۔ (ابن عساکر) جن میں سے جہم بن زحر بہت مشہور ہوا۔ جہم غالباً محمد بن قاسم کا دیرینہ رفیق تھا اور محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے سے پہلے جب کہ محمد بن قاسم فارس کا گورنر تھا تو ان دنوں بھی جہم اس کے خاص سپہ سالاروں میں تھا۔ 92ھ کی شروعات میں محمد بن قاسم نے اپنے مرکز شیراز سے شہر رے پر فوج کشی کا ارادہ کیا تھا اور جہم بن زحر کو لشکر کے ہراول میں رے کی طرف روانہ کیا تھا، مگر حجاج نے اسی اثنا میں محمد بن قاسم کو محاذ ہند کا امیر لشکر مقرر کیا اور جہم بن زحر کو بھی محمد بن قاسم کے پاس واپس پہنچنے کا حکم دیا۔ (بلاذری ص436) اس کے بعد جہم بن زحر سندھ کی فتوحات میں محمد بن قاسم کے ساتھ رہا۔ دیکھئے فتحنامہ فارسی صفحات 106، 156، 172 اور 192۔ غالباً اس کی ہمت اور شجاعت کی وجہ سے محمد بن قاسم کو بھی اس سے بے حد اُنس ہوگیا تھا۔ وہ دونوں سندھ کی فتوحات میں مصروف تھے کہ اچانک حجاج کا حکم ملا کہ جہم کو خراسان کے محاذ پر تبدیل کیا جائے، تاکہ وہ وہاں جاکر سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کی مدد کرے۔ طبری: 1257/2 نے ان دوستوں کی جدائی کا بڑے موثر الفاظ میں ذکر کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ: محمد بن قاسم کو جہم بن زحر سے بے حد محبت تھی، چنانچہ جب جہم اس سے رخصت ہوا تو محمد نے روکر کہا کہ: ''اے جہم! کیا الوداع!!'' جہم نے جواب دیا: ''ہاں کہ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔''

اس کے بعد محاذ خراسان پر جاکر جہم نے مشہور سپہ سالار قتیبہ کی ماتحتی میں اپنے نئے عہدے کا کاروبار سنبھالا۔ لیکن محمد بن قاسم کی طرح قتیبہ کو محبت کے ساتھ اپنے جرنیلوں کو اپنا گرویدہ بنانے میں شاید مہارت نہ تھی۔ بہرحال جب سلیمان خلیفہ ہوا اور قتیبہ کے خلاف اس نے انتقامی کارروائیاں شروع کیں تو قتیبہ نے اس سے بغاوت کی۔ اس موقع پر جہم نے اس کا ساتھ نہ دیا، بلکہ شاہی فوجوں کی قیادت کرکے اس کا مقابلہ کیا اور قتیبہ کی شکست بلکہ آخری محاصرے اور اس کے قتل (96ھ) ہونے تک کی مہمات کا قائد جہم ہی تھا۔ (طبری: 1296/2-1297)۔ اس کے بعد جہم خراسان کے کمانڈر یزید بن مہلب کا خاص سپہ سالار رہا۔ خاص طور پر جرجان کی آخری فتح (98ھ) میں اس کا بڑا حصہ تھا۔ (طبری: 1319/2 اور 1330-1333)۔ چنانچہ یزید بن مہلب نے اسے جرجان کا گورنر مقرر کیا۔ (ایضاً 1353/2) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد جب یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔ (101ھ) تب خراسان کے سابقہ کمانڈر یزید بن مہلب کے ساتھیوں کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع ہوئیں اور خراسان کے نئے کمانڈر اور وائسرائے سعید خذینہ کے حکم سے دوسروں کے ساتھ جہم بن زحر کو بھی گرفتار کرکے قید کیا گیا اور آخر قبیلہ ''باہلہ'' کے ایک سردار نے عذاب دے کر اس مرد دلیر کو ہلاک کردیا، جس پر سعید نے اس شخص کو کافی ملامت کی۔ (طبری: 1297/2) اس شخص کا نام زبیر بن نشیط تھا اور سعید خذینہ ہمیشہ کہا کرتا

تھا کہ خدا زبیر کا خانہ خراب کرے کہ اس نے جہم جیسے مرد کو تڑپا تڑپا کر مارا۔ جہم کی موت پر مشہور شاعر ثابت قطنہ ازدی نے مرثیہ کے طور پر یہ اشعار کہے:

اتذھب ایامی ولم اسق ترفلا
واشیاعہ الکاس التی صبحوا جھما
ولم یقرھا السعدی عمرو بن مالک
فیشعب من حوض المنایا لھا قسما

(دیکھیے بلاذری، انساب العرب، طبع یروشلم 162/5) (ن-ب)

124/[101] عطیہ بن سعد العوفی: عطیہ بھی ایک مرد بہادر تھا اور محمد بن قاسم سے بڑی محبت رکھتا تھا۔ شروع میں عطیہ نے ایک بغاوت میں حصہ لیا تھا، جس کی وجہ سے حجاج کے انتقام سے خائف ہو کر عراق سے فارس آ گیا تھا۔ وہاں محمد بن قاسم گورنر تھا، اس کے پاس حجاج کا حکم پہنچا کہ عطیہ کو چار سو دروں کی سزا دی جائے۔ محمد بن قاسم نے عطیہ کو حجاج کا حکم سنایا اور اسے سزا دی (دیکھیے طبری "ذیل المذیل من تاریخ الصحابہ والتابعین" ملحق فی آخر تاریخ الطبری 9424/3 اور شذرات الذہب 144/1)۔ مگر اس کے باوجود عطیہ نے محمد بن قاسم کا ساتھ نہ چھوڑا اور فتح سندھ کے وقت ایک جرنیل کی حیثیت سے اس کا ہمرکاب رہا اور فتوحات میں دلیری کے ساتھ حصہ لیا۔ دیکھیے فتحنامہ فارسی صفحات 106، 156، 172 اور 192 (ن-ب)

124/[102] عبدالرحمٰن بن سلیم الکلبی: یہ بڑے تجربہ کار سپہ سالاروں میں سے تھا۔ دس سال پہلے سنہ 82ھ میں وہ عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کے خلاف جنگِ "دیر الجماجم" میں حجاج کی فوج کے میمنہ کا سپہ سالار تھا (ابن خلدون 49/3) اور اسی جنگ میں پہلی بار ابن الاشعث نے شکست کھائی۔ عبدالرحمٰن بڑا بہادر اور بہادروں کا قدردان تھا۔ ایک بار مشہور سپہ سالار مہلب کے پاس گیا اور وہاں اس کے بیٹوں کو شہسواری کرتے دیکھ کر اس نے ان کی ہمت اور قوت کی بڑی تعریف کی۔ قال: آنس اللہ الاسلام بتلاحقکم. اما واللہ لئن لم تکونوا اسباط نبوۃ، انکم لاسباط ملحمۃ. (جاحظ، البیان والتبیین 61/2 اور ابن خلکان، الوفیات 266/2) عبدالرحمٰن، بنو امیہ کا ایک وفادار افسر تھا۔ چنانچہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تب اس نے عبدالرحمٰن کو خراسان کا گورنر مقرر کیا، مگر اس موقع پر اس نئے خلیفہ کے خلاف چاروں طرف بغاوت پھیلی ہوئی تھی، جس پر عبدالرحمٰن نے عرض کیا کہ "تیرے دشمنوں سے مقابلہ کرنا مجھے خراسان کی گورنری سے زیادہ پسند ہے۔ مجھے یزید بن مہلب (باغیوں کے سرغنہ) کا مقابلہ کرنے والی فوج میں جگہ دے۔" (طبری: 1388/3-1389) اس

کے بعد عبدالرحمن غالباً باغی یزید بن مہلب کے مقابلے پر شاہی فوج کے کمانڈر مسلمہ بن عبدالملک کا سپہ سالار ہوکر رہا اور اس کی بڑی مدد کی۔ یہی وجہ تھی کہ جب مسلمہ بن عبدالملک، یزید بن مہلب کی مہم سے فارغ ہوا اور اسے عراق کا وائسرائے مقرر کیا گیا تو اس نے عبدالرحمن بن سلیم الکلبی کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ (ابن خلدون 80/3)

124/[102] سفیان بن الابرد: یہ سفیان بھی ''الکلبی'' یعنی قبیلہ بنو کلب میں سے تھا اور بڑا کہنہ مشق اور دلیر سپہ سالار تھا اور اس نے خلیفہ عبدالملک کے عہد میں ''خارجیوں'' سے زبردست لڑائیاں لڑی تھیں۔ 76ھ میں جب شبیب خارجی نے حجاج کو جنگ میں شکست دے کر مار بھگایا تو خلیفہ عبدالملک نے عثمان کو چار ہزار کی فوج دے کر روانہ کیا اور اس نے موت کے منہ میں شبیب کا مقابلہ کرکے اسے شکست دی (المسعودی، مروج الذہب، طبع پیرس 5/321-322، ابن خلدون 3/156-157 اور 159) اس کے بعد سفیان حجاج کا منتخب کمانڈر ہوکر رہا جس نے ایک بڑا لشکر اس کی سرکردگی میں دے کر اسے طبرستان کی طرف خارجیوں کے قائد قطری بن الفجاءۃ اور اس کے ساتھیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ سفیان نے ان کا مقابلہ کرکے انہیں شکست فاش دی۔ اس کے بعد دماوند اور طبرستان میں داخل ہوکر وہاں اپنی طاقت مضبوط کی اور وہیں رہا، یہاں تک کہ جنگ ''دیر جماجم'' سے کچھ ہی پہلے حجاج نے اسے وہاں سے فارغ کیا۔ (ابن خلدون: 161/3) جنگ ''دیر جماجم'' میں، جو کہ حجاج اور باغی کمانڈر عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث کے مابین ہوئی، سفیان حجاج کے لشکر کی پیادہ فوج کا سپہ سالار تھا۔ (ابن خلدون 49/3) ظاہر ہے کہ سفیان 76ھ سے لے کر فوجی سپہ سالار رہا اور 92ھ میں جب حجاج نے اسے محمد بن قاسم کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا تو اس وقت اسے 16 برس کی سپہ سالاری کا تجربہ تھا اور بڑی سخت جنگوں میں حصہ لے چکا تھا۔ (ن-ب)

124/[102] قطن بن برک الکلابی: فتحنامہ میں اس نام کا یہی تلفظ ہے، مگر ابن عساکر کی ''التاریخ الکبیر'' (390/4) میں ''قطن بن مدرک الکلابی'' ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ ''حجاج نے (اپنے چچا زاد بھائی) حکم بن ایوب ثقفی کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تھا، مگر جب (عبدالرحمن) ابن الاشعث نے بغاوت کی (81ھ) تب اسے معزول کرکے قطن بن مدرک الکلابی کو اس کی جگہ مقرر کیا۔ غالباً ان بغاوت کے نازک ایام ہی میں قطن نے حجاج کی بڑی مدد کی تھی۔ جیسا کہ فتحنامہ میں اس مقام پر خود حجاج کے اپنے الفاظ ہیں کہ ''قطن نے مشکلات میں ہماری مدد کی ہے اور قابلِ عزت اور راست گو ہے............ اور حجاج کا ہمیشہ معاون رہا ہے۔'' (ن-ب)

124/[102] جراح بن عبداللہ: غالباً جراح بن عبداللہ الحکمی ہے جو بعد میں ایک مشہور

کا امار ہوا اور جس نے خلیفہ یزید بن عبدالملک کے دنوں میں آرمینیا میں فتوحات حاصل کیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد میں اسے خراسان کا وائسرائے مقرر کیا تھا۔ دیکھئے بلاذری، فتوح البلدان ص202، 206 اور 426، 427 (ن-ب)

125/[103] عدیل بن فرخ: یعنی العدیل بن الفرخ (بن معین بن اسود بن عمرو بن جابر بن ثعلبہ بن کی بن العکابۃ) العجلی جو قبیلہ "بنو عجل" کا مشہور شاعر تھا۔ (ابن حزم، الجمہرۃ ص295 اور ابن درید، الاشتقاق ص208)۔ کسی وجہ سے اس شاعر اور حجاج میں کچھ ان بن ہوگئی، جس پر عدیل نے اس کی ہجو میں کچھ اشعار کہے جس کے بعد آخر وہ حجاج کے ہتھے چڑھ گیا اور جب حجاج اسے قتل کرانے لگا تو اس نے اُس کی مدح میں پہلے کہے ہوئے کچھ اشعار پڑھے، جس پر حجاج نے اسے معاف کردیا۔ (البیان والتبیین، طبع مصر 1926/1345 جلد 1 ص247) "نقائض جریر والفرزدق" میں ایک مقام (نمبر 646) پر جنگ ذوقار کے متعلق اس کے اشعار نقل ہیں اور دوسری جگہ (نمبر 1090) پر مالک بن مسمع کے متعلق اُس کے مدحیہ اشعار ہیں۔ (ن-ب)

126/[104] منجنیق.......... جسے عروسک کہتے ہیں: بلاذری نے (فتوح البلدان ص437) میں اس منجنیق کا نام "عروس" لکھا ہے۔ (ن-ب)

128/[106] نباتہ بن حنظلہ کلابی: نباتہ بھی منتخب شہسواروں میں سے ایک تھا جسے حجاج نے محمد بن قاسم کے ساتھ کیا تھا۔ دیکھئے فتح نامہ ترجمہ 192/[191]۔ نباتہ نہ صرف ایک قابل سپہ سالار تھا بلکہ سیاستدان بھی تھا۔ فتحنامہ کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیبل (ص134)، سیوستان (140)، داہر کے مقابلے 167، 192) اور برہمن آباد (ص205) کی جنگوں میں شریک تھا۔ اس کے علاوہ محمد بن قاسم کی جانب سے مقامی حکمرانوں کے ساتھ سیاسی مصالحتوں کے استحکام کے سلسلے میں بھی اس نے خاص کردار ادا کیا۔ (ص151,147,140)۔ اس کے بعد اموی دور کے آخر اور مروان بن محمد کے عہد میں وہ شاہی فوج کا ایک ممتاز سپہ سالار تھا۔ تقریباً 128ھ میں مروان بن محمد کے کمانڈر انچیف یزید بن عمر بن ہبیرہ نے اسے باغی سلیمان بن حبیب بن المھلب کے مقابلے پر بھیجا اور اس نے جاکر اسے شکست دی (الیعقوبی 407/2) اس کے بعد یزید بن عمر نے نباتہ کو جرجان کا گورنر مقرر کیا۔ پھر جب بنو عباس کو طاقت حاصل ہوئی اور ابومسلم خراسانی نے خراسان کے گورنر نصر بن سیار کو مار بھگایا اور اپنے سپہ سالار قحطبہ بن شبیب کو لشکرِ عظیم کے ساتھ 130ھ میں جرجان روانہ کیا، تب اس جنگ میں نباتہ چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مارا گیا۔ (المسعودی، التنبیہ والاشرف ص327، طبری 2003-6/2) (ن-ب)

128/[107] سب سے پہلے جو شخص قلعہ پر چڑھا وہ [شہرا] کوفہ کا صعدی بن خریمہ تھا۔

دیبل کے قلعے پر جو پہلا آدمی چڑھا اس کا نام مورخ بلاذری نے نہیں دیا، البتہ وہ لکھتا ہے کہ پہلا شخص جو قلعے پر چڑھا وہ کوفہ کا رہنے والا اور قبیلۂ بنی مراد سے تھا۔ بلاذری کی اصل عبارت یہ ہے: "وکان اولھم صعودا رجل من مراد من اھل الکوفة" (فتوح البلدان 425) اس عبارت پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ شاید فتحنامہ کے اصلی ماخذ کی عربی عبارت صاف نہیں تھی اور فارسی مترجم علی کوفی نے غالباً "صعودا رجل من" کے لفظوں کو اس شخص کا نام تصور کر کے "صعدی بن خریہ" لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (ن-ب)

128/[107] مجل بن عبدالملک بن قیس الدی: اس نام کی آخری نسبت فتح نامہ کے نسخوں میں واضح طور پر نہیں دی گئی، جس کی وجہ سے مبہم ہے۔ (دیکھئے حاشیہ ص128) البتہ ص137 پر غالباً اس شخص کے باپ عبدالملک بن قیس کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ "آلِ جارود" میں سے تھا، اسی وجہ سے اُس کی نسبت "العبدی" تھی، اسی لحاظ سے اس نام کی مبہم نسبت "الدی" بھی شاید "العبدی" کی غلط صورت خطی ہے۔ (ن-ب)

128/[107] دریائے مہران کے اُس مقام پر پہنچا .... [جو] مہران کے مشرق میں ہے: اصل فارسی عبارت اس طرح ہے: "بجوے مہران رسید بموضع .... از جانب شرقی مہران" ا-ھ- اس عبارت میں "از جانب شرقی" کے لفظی معنیٰ [مہران کی] "مشرقی سمت" کے ہوں گے۔ مثلاً دیبل کا حکمران جاہین قلعہ دیبل سے جو کہ مہران کے مغرب میں تھا، بھاگ نکلا اور آخرکار مہران کو عبور کر کے دریا کے مشرق میں کسی مقام پر جا پہنچا۔ مگر مورخ بلاذری نے (فتوح البلدان ص442) پر سندھ کے گورنر جنید کی فتوحات کے سلسلے میں "بطیحۃ الشرقی" کا ذکر کیا ہے جس میں "الشرقی" اسم معرفہ کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے اور ہمارے خیال میں اس سے مراد "مشرقی مہران" یعنی "مہران کی مشرقی شاخ" ہے۔ اس اعتبار سے فتحنامہ میں اس مقام پر اصل عبارت غالباً "بجانب مہران الشرقی" تھی جسے فارسی ترجمے میں "از جانب شرقی مہران" لکھا گیا ہے۔ چنانچہ اردو میں اصل عبارت کے لحاظ سے "مشرقی مہران کی جانب" زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ عبارت کے شروع میں بھی "جوئے مہران" کے الفاظ جس کے معنیٰ نسبتی اعتبار سے "مہران کی جوئے" یعنی "مہران کی ایک شاخ" کے ہوں گے، جسے مرکزی مہران سے علیحدہ سمجھنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب (ن-ب)

128/[107] "کارمتی" یعنی "کھاری مٹی"، "ندمتی" یعنی "گلِ سیمیں": ہمارے خیال میں فتحنامہ کے اصل الفاظ صرف "کارمتی" اور "ندمتی" ہیں جن کی تشریحات فارسی مترجم کی طرف سے ہیں۔ چنانچہ فارسی مترجم نے "کارمتی" کی تشریح "گلِ شور" (یعنی "شوریدہ زمین") اور

"نمدمتی" کی تشریح "بگل سیمین" (یعنی "چاندی جیسی یا اُجلی زمین") سے کی ہے اور اُردو ترجمہ بھی اسی لحاظ سے کیا گیا ہے۔ لیکن اگر "کارمتی" کے معنی بگل شور" یا "کھاری مٹی" کے ہیں تو "نمدمتی" کے معنی "نمدی کی مٹی" یا "میٹھی مٹی" کے ہونے چاہئیں اور اس لحاظ سے فارسی ترجمے میں بھی "بگل سیمین" کی بجائے "بگل شیریں" ہونا چاہئے۔ دوسری صورت میں اگر "نمدمتی" کا ترجمہ "بگل سیمین" یعنی (دریا کی چمکدار) "چاندی جیسی یا سفید مٹی" کیا گیا ہے تو "کارمتی" کو اس کی ضد یعنی "کالی (شوریدہ) مٹی" ہونا چاہئے۔ (ن-ب)

130/[109] حمید بن وداع النجدی: دراصل یہ صحیح نام "حمید بن وداع البحری" ہے۔ دیکھئے حاشیہ ص218/[217] (ن-ب)

131/[110] برہمن آباد قدیم: یعنی سندھ کا اصلی قدیمی شہر برہمن آباد جو محمد بن قاسم کی فتوحات سے پہلے سندھ میں موجود تھا۔ اس کے بعد اسلامی دورِ حکومت میں محمد بن قاسم کے بیٹے عمرو نے "برہمن آباد" سے دو فرسنگ کے فاصلے پر "منصورہ" نامی ایک نیا شہر بسایا۔ اس کو بھی مقامی لوگ "برہمن آباد" کہنے لگے۔ چونکہ فتحنامہ کا یہ تاریخی حوالہ تقریباً تیسری صدی ہجری میں قلم بند کیا گیا اور اس زمانے میں صرف "منصورہ" یا (مقامی لوگوں کی اصطلاح میں گویا) "برہمن آباد جدید" موجود تھا، اسی وجہ سے تاریخی وضاحت کے لئے محمد بن قاسم کے عہد کے برہمن آباد کو "برہمن آباد قدیم" کے نام سے پکارا گیا۔ مزید وضاحت کے لئے دیکھئے ص385 تشریحات و توضیحات ص59/[15] (ن-ب)

131/[111] (محمد بن قاسم کا ارمابئیل میں منزل کرنا): یہ عنوان اور اس کے نیچے دیا ہوا یہ بیان کہ: محمد بن قاسم نے دیبل سے ارمابئیل کی لڑائی کا قصد کیا۔ بالکل بے موقع اور بے معنی ہے۔

اول تو یہ بیان بغیر کسی سند کے دیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے پہلے ص 122-123 میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے کہ محمد بن قاسم مکران سے ہوتا ہوا ارمابئیل آیا اور یہ شہر فتح کیا (ص122) اس کے بعد ارمابئیل سے آگے دیبل کی طرف روانہ ہوا (ص122)۔ مورخ بلاذری نے بھی صاف طور پر لکھا ہے کہ محمد بن قاسم نے پہلے ارمابئیل فتح کیا، اس کے بعد وہاں سے دیبل کی طرف روانہ ہوا۔ (فتوح البلدان ص436)۔ اسی وجہ سے دیبل فتح کرنے کے بعد پھر ارمابئیل پر چڑھائی کرنے کی تیاری بے معنی ہے۔ تیسرے یہ کہ صفحہ 134/[115] پر بنانہ بن حنظلہ (جو محمد بن قاسم کے ساتھ تھا) کی زبانی صاف طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ محمد بن قاسم دیبل سے سیسم کی راہ سے نیرون کوٹ کی جانب روانہ ہوا۔ ان واضح دلائل کی بنیاد پر یہ

عنوان اور بیان غلط اور بے موقع ہے اور شاید فتحنامہ کے فارسی مترجم کا بڑھایا ہوا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ اصل الفاظ صرف اس قدر ہوں کہ "پہلے محمد بن قاسم نے دیبل سے ارمابیل ہوتے ہوئے نیرون کوٹ جانے کا قصد کیا، مگر پھر یہ ارادہ ترک کردیا اور ابھی دیبل ہی میں ٹھہرا ہوا تھا کہ اسے راجہ داہر کا وہ خط کہ جو اس کے نام تھا ملا۔" ممکن ہے کہ پہلے محمد بن قاسم نے ارمابیل کی راہ سے نیرون کوٹ (جو غالباً حیدرآباد کے مقام پر تھا) جانے کا ارادہ کیا ہو، کیونکہ ایک تو ارمابیل فتح ہو چکا تھا اور مکران کی اسلامی فوجیں اُس کے آگے بڑھتے ہوئے لشکر کی مددگار ہوسکتی تھیں، دوسرے ارمابیل یا ارمن بیلہ سے (جو کہ ریاست لسبیلہ کے موجودہ شہر بیلہ کے آس پاس تھا) شاہ بلاول کی پہاڑیوں سے ہوتا ہوا کوٹری اور حیدرآباد کی طرف جانے والا کوہستانی راستہ دیبل سے سیدھے نیرون جانے والے راستے کے مقابلے میں شاید نسبتاً زیادہ محفوظ سمجھا گیا ہو۔

بہرحال اس قیاس یا فتحنامہ کے اس عنوان اور بیان کی حمایت میں کوئی تاریخی سند موجود نہیں ہے۔(ن-ب)

131/[111] اس سے پہلے ایک دوسرے شخص کے سر میں بھی ایسا ہی غرور پیدا ہوا تھا......... اور الحکم بن ابی العاص نے بھی اس کی بیعت کی تھی: یہ الفاظ ڈاھر نے اپنے خط میں محمد بن قاسم کو لکھے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تجھ سے پہلے بھی ایک شخص نے اس طرف حملہ کیا تھا اور الحکم بن العاص بھی اس کی بیعت میں تھا۔

داہر، محمد بن قاسم سے بہت پہلے کا حوالہ دے رہا ہے، اسی وجہ سے اس کے ذہن میں غالباً اس سپہ سالار کا نام نہیں آیا۔ البتہ الحکم بن ابی العاص کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ داہر کا اشارہ غالباً دیبل پر عربوں کے پہلے حملے کی طرف ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اس حملے کا خیال بحرین اور عمان کے گورنر عثمان بن ابی العاص الثقفی نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں 15ھ (37-636ء) میں کیا۔ اُس کا بھائی الحکم بن ابی العاص اس کی بیعت میں تھا، جسے اس نے سمندر کے ذریعہ تھانہ اور بھروچ کی طرف روانہ کیا تھا اور اپنے دوسرے بھائی المغیرہ کو دیبل کی طرف بھیجا تھا۔ (بلاذری، فتوح البلدان ص 431-432 مزید دیکھیے فتحنامہ ص 101)

ان تاریخی شواہد کی بنا پر جس شخص کو پہلے پہل دیبل پر حملے کا خیال ہوا، وہ بحرین اور عمان کا گورنر عثمان بن ابی العاص الثقفی تھا۔ مگر وہ خود آکر حملہ آور نہیں ہوا تھا، جیسا کہ داہر کے خط میں کہا گیا ہے، بلکہ اس نے اپنے بھائیوں کو تھانہ، بھروچ اور دیبل بھیجا تھا۔ اور اس سے اس کے بھائی الحکم بن ابی العاص کی بیعت تھی۔ "ابی العاص بن الحکم" کی نہیں جیسا کہ فتحنامہ کے اصل

متن میں ہے (دیکھیے حاشیہ 1 ص149)۔ اس کے علاوہ خود الحکم بن ابی العاص نے دیبل پر چڑھائی نہیں کی تھی، بلکہ اس کے بھائی المغیرہ بن ابی العاص نے حملہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ دیبل میں المغیرہ قتل بھی نہیں ہوا تھا، جیسا کہ ڈاھر نے اپنے خط میں لکھا ہے۔ ڈاھر کا یہ بیان فتحنامہ کی ابتدائی روایت (ص101) کے مطابق ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ المغیرہ دیبل کی جنگ میں مارا گیا۔ حالانکہ یہ تاریخی اعتبار سے غلط ہے۔ دیکھیے ص277 تشریحات و توضیحات ص101/[71]

آخر میں نیچے 132 پر اسی خط میں داہر محمد بن قاسم کو لکھتا ہے کہ: "خود کو غرور کے خواب میں مبتلا نہ کر ورنہ تیرا حشر بھی وہی ہوگا کہ جو بدیل کا ہوا۔" اس فقرہ سے خیال ہوتا ہے کہ وہ شروع والا اشارہ بھی شاید بدیل ہی کی طرف ہو، لیکن اگر ایسا ہوتا تو داہر وہاں بھی اس کا نام لیتا۔ دوسرے یہ کہ الحکم بن ابی العاص کا تھوڑا بہت تعلق دیبل پر 15ھ کے حملے سے تھا نہ کہ بدیل کے حملے سے جو کہ حجاج کے دور میں 75ھ کے بعد ہوا۔ البتہ اگر فتحنامہ کی اصل عبارت "ابوالعاص بن الحکم" تسلیم کی جائے اور کہا جائے "ابوالعاص" مذکورہ ابوالحکم کا بیٹا تھا جو کہ بدیل کے ساتھ جنگ میں شریک تھا تو البتہ یہ بات موزوں ہو سکتی ہے۔ لیکن ابوالعاص بن الحکم کا حوالہ کسی بھی عربی ماخذ میں نظر نہیں آتا۔ (ن-ب)

134/[115] ساکرے کا نارو یا ساکرے کا نارا یا نالہ ساکرہ: اصل فارسی متن میں "نالہ ساکرہ" ہے جس کے مختلف تلفظ "نالہ ساکرہ" "ساکر" اور "دھند ساکرہ" ہیں (دیکھیے حاشیہ 1 ص134) "ساکرہ" لفظ آج بھی "میرپور ساکرہ" کے نام میں موجود ہے یعنی وہ "میرپور" جو خطۂ "ساکرہ" میں ہے۔ اسی لحاظ سے "نالہ ساکرہ" کہ جس کے ذریعہ محمد بن قاسم نے سامانِ جنگ سے بھری ہوئی کشتیاں نیرون کوٹ روانہ کیں، غالباً بگھیاڑ پھاٹ (بگھیاڑ شاخ) ہے جو کہ اس وقت تک ایک چھوٹی سی ندی تھی۔ مزید دیکھیے نوٹ ص255 (ن-ب)

137/[118] اس مقام پر جا پہنچا کہ جسے موج کہتے ہیں: یعنی نیرون کوٹ سے سیوستان جاتے ہوئے محمد بن قاسم سب سے پہلے موج پہنچا جو کہ نیرون کوٹ سے تیس فرسنگ تھا۔ لغت کے اعتبار سے "موج" کے معنی لہر یا تیز بہتا ہوا پانی ہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کسی برساتی ندی کے قریب پہنچا تھا۔ نیرون کوٹ میں محمد بن قاسم نے دعا مانگی تھی جس کے بعد سخت بارش ہوئی تھی (ص135)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ اس صفحہ پر آگے چل کر بیان کیا گیا ہے کہ "موج" سے روانہ ہو کر محمد بن قاسم سیوستان (سیہون) کے قلعے کے قریب جا پہنچا اور اس "موج" کے قریب ہی وہاں کے شمنی (بدھ مذہب کے زاہد)

اکٹھے ہو کر اس کے پاس آئے اور اس کے ساتھ صلح نامہ کا عہد کیا۔

مورخ بلاذری لکھتا ہے کہ: محمد بن قاسم نے مہران کے اِس طرف ایک نہر کو عبور کیا [وہاں] سربیدس کے شمنی اُس کے پاس آئے اور اس سے صلح کی۔ (فتوح البلدان ص438)۔ مورخ الیعقوبی (327/2) کا بھی یہی بیان ہے کہ: محمد بن قاسم نے مہران کے اِس طرف سندھ کی ایک نہر پار کی اور [وہاں سے] سبھان (سیوہن) کی طرف روانہ ہوا۔"

بلاذری اور یعقوبی کے ان حوالوں اور فتحنامہ کی عبارت میں پوری مطابقت ہے اور ظاہر ہے کہ فتحنامہ کی "موج" ان مورخوں کی "نہر" ہے۔ دونوں مورخ اُسے مغرب کی طرف ممالکِ اسلامیہ سے لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ "مہران کے اِس طرف" ہے جس کے معنیٰ ہوئے کہ (وہ نہر) مہران کے مغرب میں تھی۔

سندھ کی جغرافیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حیدرآباد (جہاں غالباً قدیم نیرون کوٹ تھا) اور سیہون کے درمیان مغرب کی طرف کوہستانی علاقے میں دریائے سندھ کی کسی بھی شاخ کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ محمد بن قاسم سے پہلے یا بعد کی تاریخ سے بھی اس خطہ میں کسی ایسی مغربی شاخ کا ثبوت نہیں ملتا۔ اگر مہران کے مغرب کی طرف اس خطہ میں کوئی نہر ہو سکتی ہے تو وہ کوئی "دریائی ندی یا نالہ" ہی ہو سکتی ہے اور فتحنامہ کا لفظ "موج" اس دلیل پر واضح شہادت ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ وہ کون سا نالہ تھا، جسے نیرون کوٹ سے سیوہن جاتے ہوئے محمد بن قاسم نے پار کیا؟ چونکہ اس خطہ میں صرف "منچھر سن" ہی ایک نمایاں اور قدیمی نالہ ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ یہی نالہ ہے کہ جسے فتحنامہ میں "موج" اور عربی تاریخوں میں "نہر" کہا گیا ہے۔ فتحنامہ کے مطابق وہاں کے شمنیوں (یعنی بدھ مذہب کے رہبروں) نے محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کی (ص139)۔ مگر منچھر سن کے آس پاس ایسے کوئی آثار نہیں دکھائی دیتے کہ جن سے شمنیوں کی قدیم بستی کا کوئی پتہ معلوم ہو۔ اس سلسلے میں مورخ بلاذری کا بیان زیادہ قرین قیاس ہے۔ بقول بلاذری ("فتوح البلدان" ص438) محمد بن قاسم "نہر...... عبور کر کے پار گیا اس کے بعد سربیدس (یا سربندس) کے شمنی اس کے پاس آئے اور اس سے صلح کی۔" ظاہر ہے کہ یہ شمنی محمد بن قاسم کو یہ "نہر" عبور کرنے کے بعد ملے یعنی اُن کی بستی "نہر" کے اُس پار کہیں تھیں۔ اب دیکھئے "منچھر سن" کے مغرب میں عامری کے قریب قدیمی ٹیلے اور کھنڈرات ہیں۔ اس طرح مقام لکی بھی بہت پرانا ہے جو اپنے نزدیک کے پہاڑوں اور پانی کے چشمے کی وجہ سے بدھ مذہب کے راہبوں کی قیام گاہ کے لئے ایک موزوں مقام معلوم ہوتا ہے۔ غالباً وہ شمنی اسی مقام پر رہتے تھے۔ فتحنامہ کی عبارت کے مطابق "وہاں سے وہ سیہون کے حاکم بجھرائے کے پاس

پیغامات بھیج کر اسے صلح کے لئے آمادہ کرتے رہے۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ سیوان سے کچھ زیادہ دور نہیں تھے۔ چونکہ گجی، سیہون سے زیادہ دور نہیں ہے اس وجہ سے فتحنامہ کی عبارت کی روشنی میں یہی مقام شمنیوں کی ممکن بستی معلوم ہوتا ہے۔

فتحنامہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ موج نیرون کوٹ سے تیس فرسنگ کے فاصلے پر تھی۔ چنانچہ اگر ایک فرسنگ کو تین میل کے برابر سمجھا جائے تو یہ فاصلہ 90 میل ہوگا جوکہ تقریباً سیہون اور حیدرآباد کے مابین کا فاصلہ ہے۔ اسی وجہ سے یا تو جس وقت فتحنامہ لکھا گیا، اُس وقت فرسنگ کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ میل کے برابر تھا، کیونکہ بھن سن، حیدرآباد سے تقریباً 45 میل کے فاصلے پر ہے، یا پھر فتحنامہ کی فارسی عبارت میں خلل ہے اور ممکن ہے کہ ''سی فرسنگ'' (یعنی تیس فرسنگ) کی بجائے ''بیست و سہ فرسنگ'' (تئیس فرسنگ ہو) تین میل فی فرسنگ کے حساب سے یہ فاصلہ 69 میل ہوگا، جوکہ قریب قریب حیدرآباد اور گجی کے درمیان فاصلے کے برابر ہے۔ فتحنامہ کی عبارت ''وہاں کے شمنی'' سے مراد، جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے، غالباً گجی کے شمنی سے ہے اور دیا ہوا فاصلہ اسی مقام سے متعلق تصور کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب (ن-ب)

137/[118] قلعہ کا بادشاہ: یعنی سیہون کے قلعے کا بادشاہ (ن-ب)

139/[120] اُس کا قلعہ سیسم نہر کنبھ کے کنارے پر واقع تھا: یعنی وہ قلعہ علاقہ بدھیہ کے حاکم کا تھا، جہاں جاکر سیہون کے حاکم بجھرائے نے پناہ لی ''کنبھ'' یا ''کنب'' آج تک بہت بڑے اور وسیع تالاب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کنبھ غالباً وہی منچھر ڈنڈھ (منچھر جھیل یا پوکھر) ہے جوکہ محمد بن قاسم کے زمانے میں بھی یقیناً موجود ہوگی۔ فتحنامہ کی اصل عبارت ''آب کنبہ'' ہے جس کے لفظی معنی ''کنبہ کا پانی'' اور عام اصطلاحی معنی ''کنبھ کی نہر'' کے ہوں گے۔ چونکہ منچھر جھیل قدیم مغربی نارے سے ملی ہوئی تھی، اسی وجہ سے نارے (نالے) کو ''نہر کنبھ'' یا ''جھیل والی نہر'' کہہ سکتے ہیں۔ ہیگ (انڈس ڈیلٹا کنٹری، ص58) اور ہوڈی والا (ص89) دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ کنبھ سے مراد ''منچھر جھیل'' ہے۔ البتہ ہیگ (ص58) کے خیال میں ''سیسم'' وہی قصبۂ ''شاہ حسن'' ہے جو منچھر کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔ اس کا یہ گمان غالباً محض ان دونوں ناموں کے تلفظ کی صوتی مناسبت پر مبنی ہے اور ہمارے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ شاہ حسن کافی بعد کے زمانے کی بستی ہے۔ چنانچہ سیسم کے قلعے کے بارے میں وثوق کے ساتھ صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ منچھر جھیل کے کنارے پر یا قدیم مغربی نارے کے کنارے پر تھا۔ (ن-ب)

139/[121] بندھان: یہ بستی ہنر کنبھ کے کنارے پر تھی جہاں سیسم کے قلعے پر حملہ کرنے سے پہلے محمد بن قاسم منزل انداز ہوا تھا۔ بندھان قدیم نسخہ (پ) کا تلفظ ہے اور ہم نے

اس کو ترجیح دی ہے۔ ممکن ہے کہ اصل سندھی نام "بند X ہان" ہو اور منچھر کے کسی قدیم بند کی وجہ سے اس بستی کا یہ نام پڑا ہو یا ممکن ہے کہ یہ اصل نام "بندھان" ہی ہو۔ (ر) (م) نسخوں کا تلفظ بلھان ہے اسی لحاظ سے بیگ (ص58) اس بستی کو موجودہ قصبہ "بلھن" (Bilhan) سے تعبیر کرتا ہے جو کہ سیوہن سے 7 میل مغرب میں منچھر کے کنارے پر واقع ہے۔ (ن-ب)

139/[121] جس کا سورٹ اعلیٰ اُکر: گنگا کے اس گھاٹ سے کہ جسے اودندوھار کہتے ہیں، آیا تھا: اصل فارسی عبارت پیچیدہ اور غالباً ناقص ہے (دیکھئے حاشیہ 139) اور اسی وجہ سے کسی بھی صحیح نتیجے پر پہنچنا مشکل ہے۔ میجر راورٹی نے (مہران، حاشیہ 234 میں) محض خیالی عبارت اخذ کی ہے اور اس کی عبارت میں دیئے ہوئے شہروں کے ناموں کا ہوڑی والا (ص89) میں کوئی ذکر موجود نہیں۔ مگر چونکہ راورٹی کی عبارت محض خیال ہے، اس لئے ہوڑی والا کی تشریح بھی بے سود ہے۔ اصل فارسی عبارت میں پہلا نام "اکر" ہے جسے ترجمے میں بھی ہم نے "اکر" ہی لکھا ہے مگر یہ نام "اگر" بھی ہوسکتا ہے اور اس لحاظ سے سندھ کی موجودہ اگر، آگرا، اور اگڑا قومیں ممکن ہے کہ اسی "اگر" کی نسل سے ہوں۔ اس کے بعد دوسرا خاص نام اصل فارسی عبارت کے مطابق "گدارۂ کنک" ہے جس ہم نے "گذارۂ گنگ" سمجھ کر اس کا ترجمہ "گنگا (ندی) کا گھاٹ" کیا ہے۔ فارسی ایڈیشن کے فاضل ایڈیٹر کے خیال میں یہ نام شاید کسی خطے یا مندر کا ہے (دیکھئے فتحنامہ فارسی حاشیہ 8، ص121) لفظ "اودندوہار" کے آخری حصہ "وہار" سے ظاہر ہے کہ وہ ایک بدھ مندر کا نام ہے۔ (ن-ب)

142/[124] بھطلور: تحفۃ الکرام (15/3) کا تلفظ "بھطلور" ہے۔ (ن-ب)

142/[124] حمید بن وداع النجدی: صحیح نام "حمید بن وداع البحری" دیکھئے تشریحات و توضیحات ص305/[217] (ن-ب)

143/[125] بغرور کے قلعے کے مقابل بدھیہ کی طرف جو علاقہ الخ: محمد بن قاسم نے صوبہ بدھیہ کو سیوہن پر قبضہ کرنے کے بعد فتح کیا۔ جس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ وہ سیوہن کے آگے شمال کی طرف تھا۔ اس صوبہ کا پایہ تخت "کاکا راج" تھا اور اس نام کی یادگار آج بھی تحصیل "ککڑ" کے نام سے موجود ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ صوبہ بدھیہ، دریائے مہران کے دائیں طرف اور سیوہن کے شمال میں تھا۔ مگر زیرِ بحث عبارت میں کہ جو خود محمد بن قاسم کا بیان ہے۔ ظاہر ہے کہ صوبہ بدھیہ اب بھی دور شمال میں ضلع لاڑکانہ اور ضلع سکھر کے دریا کی دائیں جانب والے خطوں اور "بغرور کے قلعے کے مقابل" یعنی قلعۂ بغرور کے بالکل آمنے سامنے کی حد تک پھیلا ہوا تھا اور جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا۔ ظاہر ہے کہ بغرور دریا کے ایک طرف [بائیں جانب] تھا۔ آگے

چل کر اور بھی وضاحت کی گئی ہے کہ قلعہ بغرور صوبہ اروڑ کی حدود میں اور راجہ داہر کے زیر انتظام تھا۔ فتحنامہ کے مختلف نسخوں کی عبارتوں میں یہ نام "بغرور" اور "اغرور" دیا گیا ہے۔ (دیکھئے متن ص143، حاشیہ 2) لیکن اس میں صحیح "بغرور" ہے اور راوڑ سے وابستگی کی بنا پر اسے قدیم "بکھر" کا قلعہ سمجھنا چاہئے۔ جس کے لئے دیکھئے ص362 تشریحات وتوضیحات ص54/[9] (ن-ب)

144/[126] داہر کا چچازاد بھائی: یعنی جھرائے بن چندر جس کا ذکر پہلے ص137-138 پر آچکا ہے۔ (ن-ب)

144/[126] مہران کے مشرق کی طرف اس وادی میں جو کہ کشہا (کچھ) کے سمندر کا جزیرہ ہے: فارسی ایڈیشن کے متن میں "کشہا" کی بجائے "کنبھا" کا تلفظ اختیار کیا گیا ہے اور فاضل ایڈیٹر نے قیاس کیا ہے کہ کنبھا کے سمندر (بحر کنبھا) سے شاید "خلیج کھمبات" کی طرف اشارہ ہے۔ (دیکھئے فتحنامہ فارسی ص262 نوٹ 126)۔ لیکن یہ قیاس قابلِ اعتماد نہیں۔ محمد بن قاسم نیرون کوٹ سے خط لکھتے ہوئے اس وادی کا ذکر کرتا ہے کہ جو دریائے مہران کے مشرق میں تھی اور جہاں داہر کا ایک گورنر حکمران تھا۔ خلیج کھمبات جس کی وادی میں گجرات کا جنوبی حصہ ہوسکتا ہے، وہ دونوں سندھ سے بہت دور اور ڈاہر کی قلمرو سے باہر تھے۔ محمد بن قاسم کے بیان سے واضح ہے کہ اِس وادی کا گورنر قلعہ بیٹ کا والی تھا۔ فتحنامہ میں آگے چل کر اس بات کی مزید تصدیق ہوتی ہے کہ قلعہ بیٹ مہران کے دوآبے یا ڈیلٹا پر تھا۔ محمد بن قاسم یقیناً اسی دوآبے کا ذکر کررہا ہے جو کہ مہران کے مدخل کے قریب اس کی دو شاخوں کے درمیان تھا جو دونوں غالباً جنوب کی طرف "سیر" "رین" اور مغربی "پران" کے قدیمی پیٹوں کے آس پاس علاقہ کچھ کے سامنے گرتے تھے، اسی لحاظ سے مہران کا نشیبی دوآبہ گویا کچھ کے سمندر کا ایک جزیرہ تھا، اسی وجہ سے عبارت بالا میں ہم نے "کنبھا" کی بجائے "کشہا" کا تلفظ اختیار کیا ہے کہ "کشہا" بہ معنی "کچھ" جو بالکل قرین قیاس ہے۔ (ن-ب)

144/[126] بسامی [بن] راسل: فتحنامہ کے معتبر نسخوں کے مطابق یہ نام اسی طرح ہوں گے، لیکن ہمارے خیال میں یہ نام شروع ہی سے غلط لکھے گئے ہیں اور یہ دونوں صحیح نام "وسایو" [بن] "سربند" ہونے چاہئیں۔

اس مقام پر محمد بن قاسم کے بیان سے ظاہر ہے کہ یہ شخص قلعہ بیٹ کا حاکم اور داہر کے خاص آدمیوں میں سے تھا، لیکن اس کا بیٹا محمد بن قاسم کی طرف مائل تھا۔ آگے چل کر فتحنامہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیٹ کا حاکم وسایو [بن] سربند تھا۔ (ص267) اور وہ خود اور اس کا ایک بیٹا راسل دونوں داہر کے وفادار تھے اور اسی وجہ سے وہ اپنے ایک بیٹے موکو کے مخالف تھے۔

(ص167) لیکن موکو شروع سے ہی محمد بن قاسم کی طرف مائل تھا اور آخرکار اس کے ساتھ شامل ہو گیا اور اس کی اطاعت قبول کی (ص150-151-167) اِن تاریخی شواہد سے یہ قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ اس مقام پر صحیح نام بسامی بن راسل کی بجائے وسایو بن سربند ہونا چاہیے۔ "بسامی" شاید "وسایو" کا بگڑا ہوا تلفظ ہے اور کاتب یا فارسی مترجم نے سہواً "وسایو" کے باپ "سربند" کی جگہ اس کے بیٹے "راسل" کا نام لکھ دیا ہے۔ (ن-ب)

148/[132] اشبہار: فارسی متن کے فاضل ایڈیٹر کے خیال میں یہ قلعہ نیرون کوٹ اور سیہون کے درمیان میں تھا (دیکھئے فارسی ایڈیشن ص162، حاشیہ 132) لیکن یہ درست نہیں ہے۔ محمد بن قاسم نے دیبل فتح کرنے کے بعد نیرون کوٹ فتح کیا اور اس کے بعد سیہون کی طرف روانہ ہوا۔ اور پھر سیہون اور بدھیہ کی فتوحات کے بعد لوٹ کر نیرون کوٹ آیا۔ اس دوران میں بلاذری کی "فتوح البلدان" یا فتحنامہ میں کہیں بھی اشبہار کی فتح کا کوئی ذکر نہیں ہے، جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ یہ قلعہ نیرون کوٹ اور سیہون کے درمیان میں واقع تھا اس قلعے پر محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ کے جنوب کی طرف مہران پار کرنے کے لئے جاتے وقت چڑھائی کی تھی۔ "اشبہار" نام کے آخری حصے "بہار" سے یہ بھی قیاس ہوتا ہے کہ اس قلعے میں یا آس پاس بدھ مذہب کا کوئی مندر بھی تھا۔ چنانچہ ٹنڈو محمد خان کے قریب "بدھ-جا-ٹکر" (بدھ کے ٹیلے) نشان دہی کرتے ہیں کہ وہ قلعہ اس خطے میں واقع تھا۔ (ن-ب)

149/[133] بیٹ کے حاکم جاہین نے اس سے جنگ کی: اس سے پہلے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ جاہین ڈاھر کی طرف سے دیبل کا حکمران تھا اور وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ (ص143-144) اس عبارت سے یہ گمان ہوتا ہے کہ بعد میں داہر نے محمد بن قاسم کا مقابلہ کرنے کے لئے جاہین کو قلعہ بیٹ کا سپہ سالار مقرر کیا تھا اور اسے حکومت کے بھی کلی اختیارات دے دئے تھے، جس کی تصدیق آئندہ ص159 کی عبارت سے ہوتی ہے۔ لہٰذا اس مقام پر "وہاں کے حاکم" سے مراد "کمانڈر یا سپہ سالار" لینی چاہیے، کیونکہ بیٹ کے حکمران یا والی وسایو بن سربند اور اس کے دو بیٹے موکو اور راسل تھے۔ (دیکھئے ص168) (ن-ب)

149/[133] قصبہ وجورۃ یا علاقہ: اصل متن میں فتحنامہ کے جملہ چھ نسخوں کی عبارت اس مقام پر "ولایت قصبہ وجورۃ" اور ایک نسخہ (پ) کا تلفظ "ولایت قصبہ جورۃ" ہے (دیکھئے حاشیہ 150) "قصبہ" سے مراد مرکزی شہر ہے جس کا نام جملہ قلمی نسخوں کے مطابق "وجورۃ" یا "جورۃ" ہی ہوگا۔ چونکہ چھ نسخوں میں "وجورۃ" ہے اس لئے ہم نے بھی اسی نام کو ترجیح دی ہے اور اسی اصل عبارت کا ترجمہ "قصبہ وجورۃ کا ملک" کیا ہے۔ فارسی ایڈیشن کے فاضل ایڈیٹر نے

"قصبہ" کی بجائے "قصہ" اور "وجورتہ" کی بجائے "سورتہ" کے تلفظ اختیار کئے ہیں اور متن میں "ولایت قصہ وصورتہ" درج کیا ہے جس کے معنیٰ ہوں گے کچھ اور سورٹھ کا ملک۔ لیکن فارسی ایڈیشن کے فاضل ایڈیٹر کے یہ تلفظ محض گمانی ہیں اور فتحنامہ کے کسی بھی قلمی نسخے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اسی طرح ص152 اور 164-165 پر بھی فاضل ایڈیٹر نے "قصبہ" کی بجائے "قصہ" (یعنی کچھ) دیا ہے، مگر ہم نے وہاں بھی جملہ قلمی نسخوں کے تلفظ "قصبہ" کو ترجیح دی ہے۔

مورخ بلاذری نے (فتوح البلدان، ص289) پر محمد بن قاسم کی فتوحات کے موقع پر قصہ یعنی کچھ کے ملک کے راجہ کا نام راسل لکھا ہے اور فتحنامہ (ص218) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان دنوں کیرج پر راجہ دروہر حکمران تھا۔ (یعنی شاید کچھ کا حاکم راسل اس کا مطیع تھا)۔ بقول بلاذری (صفحہ 440) سندھ اور ملتان فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے کاٹھیاواڑ اور گجرات پر چڑھائی کی اور اہل سرست (یعنی سورٹھ یا سوراشٹر) نے اس سے صلح کی اور کیرج (یعنی کیرا جو کہ گجرات کا پایۂ تخت تھا) کے راجہ دوہر (بقول صاحب فتحنامہ دروہر) نے اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر بھاگ گیا۔ غالباً دوہر یا دروہر کی شکست کے بعد ہی محمد بن قاسم نے قصہ یا کچھ کو سندھ کی اسلامی حکومت میں شامل کردیا اور اس ملک کو اپنے گورنر سلیمان بن ہذیل الازدی کے حوالے کیا۔ (ص218) اس سے یہ معلوم ہوا کہ قصہ یا کچھ بعد میں فتح ہوا اور اس پر براہِ راست ایک عرب گورنر مقرر کیا گیا۔ اسی وجہ سے زیرِ بحث صفحہ کی عبارت میں "قصہ اور سورتہ" (یعنی کچھ اور سورٹھ) کے تلفظ قرینِ قیاس نہیں ہوں گے، کیونکہ سندھ میں مہران عبور کرتے وقت ہی محمد بن قاسم کا کچھ اور سورٹھ کے ملک کو موکو بن وسایو کی تحویل میں دینا مذکورہ تاریخی حوالوں کی روشنی میں بے معنیٰ نظر آتا ہے۔

موکو کا باپ وسایو، دریائے مہران کے جزیرہ یعنی دوآبے یا ڈیلٹا، بیٹ کا والی تھا اور محمد بن قاسم نے موکو کو اسی بیٹ کا علاقہ اور ساتھ ہی ساتھ "قصبہ وجورتہ" کا ملک بھی دیا۔ (فتحنامہ ص152)۔ فتحنامہ (ص150) کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ "وجورتہ" کا ملک محمد بن قاسم نے موکو کو جاگیر کے طور پر دیا تھا جس کے یہی معنیٰ ہوں گے کہ وہ کوئی چھوٹا علاقہ ہی ہوسکتا ہے۔ کچھ اور کاٹھیاواڑ کا سارا ملک نہیں۔ پھر فتحنامہ (ص164) میں بیان کیا گیا ہے کہ اس قصبہ وجورتہ کا علاقہ ریگستان تھا۔ چنانچہ سندھ کا ریگستانی علاقہ جنوب مشرق میں تھرپارکر کا حصہ ہے۔ فتحنامہ میں قصبہ کا دیا ہوا نام "وجورتہ" لفظی اصلیت کے اعتبار سے "وگورتہ" ہوسکتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ مہرانی اور تھر والا وہی خطہ ہو جسے آج کل وگھو کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ن-ب)

[136]/152 جیسا کہ حجاج کے فرمان کی ابتدا میں تحریر ہے: یہاں غالباً حجاج کے اس

سے پہلے والے خط (ص147,146,145) کی طرف اشارہ ہے جس میں داہر کے پاس جانے والے قاصد کے بارے میں خاص ہدایتیں ہیں۔ (ن-ب)

157/[144] نوشتہ حمران 93ھ: یہ فقرہ کہ جس میں کاتب کا نام اور سنِ کتابت درج ہے، کافی اہمیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے کاتب اور کتابت دونوں غور طلب ہیں۔ خط کا کاتب حمران غالباً حمران بن ابان ہے، جس کی مختصر سوانح عمری یہ ہے کہ: حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں خالد بن ولید کی سرکردگی میں جب اسلامی لشکر نے عین التمر فتح کیا، اُس وقت قریب کے ایک گاؤں "النقیرۃ" میں بچے املا کی تعلیم حاصل کر رہے تھے، حمران بھی ان میں شامل تھا اور اپنے بڑوں کے ساتھ یہ بچے بھی جنگی قیدیوں کی حیثیت سے نظر بند ہوئے۔ حمران کو حضرت عثمانؓ نے خرید کر آزاد کیا اور اسے فنِ کتابت کی تعلیم دلائی، اس کے بعد اسے حضرت عثمانؓ کے کاتب اور حاجب کی حیثیت حاصل ہوئی اور شروع میں حضرت عثمانؓ کی مُہر بھی اس کی تحویل میں رہا کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ حضرت عثمانؓ کی جانب سے بصرہ کا حاکم مقرر ہوا اور ایک شخص عامر بن عبدالقیس التمیمی کے خلاف کہ جس نے حضرت عثمانؓ کی شکایت کی تھی، حضرت عثمانؓ کے پاس رپورٹ لکھ بھیجی تھی۔ اس کے بعد عبدالملک کے عہد میں اس نے اُس کی حمایت کی اور مصعب بن زبیر کی شہادت (جمادی الاولیٰ یا الاخرہ ص72ھ) کے بعد بصرہ پر قبضہ کیا۔ زیاد کی گورنری کے زمانے میں وہ کچھ عرصہ شیراز اور فارس کا عامل بھی رہا۔ اپنے دور کے شروع میں حجاج اس سے سخت ناراض تھا اور اس کی ملکیت ضبط کر کے اسے سزا دے رہا تھا، لیکن خلیفہ عبدالملک نے اُس کی پُرزور سفارش کی، جس پر حجاج نے اس کی ملکیت اسے واپس کر دی اور اس پر اپنی کی ہوئی سختیوں کے لئے خلیفہ سے معافی چاہی۔ حمران کو حدیث کے راویوں میں شمار کیا گیا ہے۔ (دیکھئے بلاذری، فتوح البلدان ص247، 352، 368 انساب الاشراف جلد 4 ص160، 162، 164، جلد 5 ص57، 58، 66، 286، ابن قتیبہ، کتاب المعارف ص222، 223 ابو علی القالی، الامالی ص182، العقد الفرید، جلد 2 ص92، 208، 265 کتاب المحبر ص480، اصابہ رقم 1898، طبری جلد 2 ص799 ابن خلکان، رقم 393، تاریخ ابن کثیر، تحت سنہ 75، المقدسی، جمع بین رجال الصحیحین، جلد 1 ص115)

مذکورہ مختصر سوانح حیات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ حمران فن کتابت کا ماہر اور کاتب تھا اور جب (75ھ) میں حجاج وائسرائے ہوا تب بھی وہ حیات تھا۔ اس کی وفات کے بارے میں کوئی تاریخی واضح ثبوت موجود نہیں۔ البتہ ابن حجر لکھتا ہے کہ "وہ 70ھ کے بعد بصرہ میں فوت ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ سن 71ھ میں، کچھ کہتے ہیں کہ 75ھ میں اور کچھ 67ھ بیان کرتے ہیں۔"

(اصابہ جلد 1 ص380) ابن حجر کافی بعد کا مصنف ہے اور اس کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ اسے بھی اس بارے میں کوئی پختہ یقین نہیں ہے اور اسے ملی ہوئی روایتیں محض قیاسی ہیں۔ اس کے برعکس فتحنامہ میں محفوظ شدہ حمران کا تحریر کیا ہوا خط زیادہ معتبر ہے اور اس کی بنا پر کافی وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ 93ھ تک زندہ تھا اور اُس وقت حجاج کے خاص کاتبوں میں سے ایک تھا۔ چونکہ خالد بن ولید نے "عین التمر" کو 13ھ میں فتح کیا تھا اور اس وقت حمران بچہ یعنی تقریباً سات آٹھ سال کی عمر کا تھا اس لئے اس حساب سے 93ھ میں اس کی عمر 87 اور 88 سال کی ہوگی جو کہ بالکل ممکن اور قرین قیاس ہے۔ (ن-ب)

160/[147] جھم اور کربل کے علاقوں- الخ: علاقہ جھم غالباً اس خطہ پر مشتمل تھا جس کا مرکز "جھم پیر" کی زیارت گاہ ہے۔ جھم پیر کا مطلب ہے "خطۂ جھم کا پیر" اور "جھم" کے معنی ہیں نچلی نشیبی زمین جو کہ موجودہ جھم پیر کے شمال سے لے کر نیچے جنوب کی طرف دور تک چلی گئی ہے اور جس میں "سونھری" اور "کینجھر" کی جھیلیں بھی آجاتی ہیں۔ اسی جھم یا نشیبی وادی کا جنوبی سرا تقریباً کینجھر جھیل کا جنوبی حصہ سمجھنا چاہئے جو کہ ٹھٹھہ سے تقریباً 19-20 میل شمال میں ہے۔

"کربل" یا "کربل" یا گربہر (خورد وکلاں) ٹھٹھہ کے نواح میں تھا، جیسا کہ کتاب "بیان العارفین" میں بیان کیا گیا ہے۔ مغل شہنشاہ اکبر کے زمانے میں "گربہر" ٹھٹھہ پرگنہ میں شامل تھا۔ دیکھئے آئین اکبری طبع بلاخمن، ص757 (ع-م)

"میروں" کے دور تک ٹھٹھہ کے شمالی مشرقی خطہ کو "گرڑ" کے نام سے پکارا جاتا ہے، جس میں خان سومرو ایک طاقتور سردار رہتا تھا اور بعض "میروں" کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔

اس سے ظاہر ہے کہ گرڑ یا گوہر یا کربل اور یا فتحنامہ کا قدیمی کربل والا خطہ، علاقہ جھم پیر سے متصل جنوب کی طرف تھا اور ممکن ہے کہ اس کی جنوبی سرحد موجودہ ٹھٹھہ شہر کے جنوب تک پھیلی ہوئی ہے۔ (ن-ب)

162/[150] چنانچہ حجاج کے حکم سے دھنکی ہوئی روئی کو سرکے میں ڈبو کر خشک کیا گیا: مورخ بلاذری نے بھی اس واقعہ کی تائید کی ہے "فعمد الحجاج الی القطن المحلوج فنقع فی الخل الخمر الحاذق ثم جفف فی الظل" (فتوح البلدان ص436) یعنی حجاج کی تجویز کے مطابق روئی کو سرکے میں بھگو کر سائے میں خشک کیا گیا۔ (ن-ب)

163/[151] اس داستان کے مصنف خواجہ امام ابراہیم نے روایت کی ہے: "خواجہ امام ابراہیم" سے مراد غالباً امام ابراہیم بن عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب ہیں جو کہ "قتیل باخمرا" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ 145ھ میں امام ابراہیم اور اُن کے بھائی امام محمد

نے کھلم کھلا خلیفہ منصور عباسی کے خلاف بغاوت کی اور بالآخر دونوں شہید ہوئے۔

امام ابراہیم سے اس تاریخی روایت کے متعلق دو اہم ثبوت ہیں: 1- امام ابراہیم ایک بڑے مقتدر عالم تھے اور علم و ادب کے مختلف شعبوں میں کمال دسترس رکھتے تھے۔ "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" کا مصنف لکھتا ہے کہ "امام ابراہیم مختلف علوم کے جید عالم تھے" (کان ابراہیم من کبار العلماء فی فنون کثیرۃ ص85) اس کے بعد لکھتا ہے کہ "جن دنوں امام ابراہیم، خلیفہ منصور عباسی کے خوف سے روپوشی کی زندگی گذار رہے تھے، انہیں ایام میں وہ بصرہ کے عالم مفضل بن محمد الضبی کے پاس آ کر رہے اور مطالعے کے لئے اس سے قدیمی عربی اشعار کے مجموعے لے کر ان میں سے اسی (80) منتخب قصیدوں پر اپنے نشانات لگائے۔ اُن کی شہادت کے بعد مفضل نے یہ قصیدے "المفضلیات" کے نام سے شائع کئے۔ (ا-ھ)

عربی ادب کے مشہور محقق علامہ عبدالعزیز المیمنی سابق پروفیسر اور صدر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے 1944ء میں "آل انڈیا اورینٹل کانفرنس" (بنارس) میں اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں پختہ دلائل کے ساتھ اس نظریے کی تائید کی تھی کہ عربی اشعار کا مشہور مجموعہ "المفضلیات" غالباً امام ابراہیم کے حسنِ انتخاب کا مرقع ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بلند پایہ نقاد تھے۔ لیکن جیسا کہ "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ دیگر علوم پر بھی حاوی تھے، اسی وجہ سے پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ انہیں علمی تاریخ میں بھی دسترس حاصل تھی۔

2- اُن کی طرف سے سندھ کی اس روایت کا دوسرا اہم ثبوت یہ ہے کہ کچھ عرصے کے لئے امام ابراہیم سندھ میں بھی آ کر رہے تھے۔ خلیفہ منصور عباسی نے جب ان کے والد عبداللہ کو گرفتار کیا تھا تب دونوں بھائی ابراہیم اور محمد اُس کے خوف سے عدن کی طرف چلے گئے اور وہاں سے کشتیوں کے ذریعے سندھ چلے آئے، لیکن یہاں بھی کسی جاسوس نے جا کر (منصور کے مقرر کردہ) سندھ کے گورنر عمرو بن حفص کو ان کی خبر کردی، جس کی وجہ سے وہ پھر سندھ سے کوفہ چلے گئے۔ دیکھئے تاریخ طبری 282/3 اور ابن خلدون 188/3۔ غالباً سندھ کے اس مختصر قیام کے دوران امام ابراہیم نے سندھ کے مشہور فاتح محمد بن قاسم کی تاریخی فتوحات کی تحقیق کی اور کافی وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ روایت انہیں کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔

167/[155] اگھم کے راستے پر مقرر کیا: یعنی وہ راستہ کہ جس پر شہر اگھم واقع تھا۔ اگھم سے مراد غالباً "اگھم کوٹ" ہے، جس کی بابت میر علی شیر قانع لکھتا ہے کہ یہ اگھم لوہانہ کے نام سے منسوب اور موسوم ہوا۔ (تحفۃ الکرام 162/3)۔ قدیم زمانے میں یہ خطہ غالباً صوبہ لوہانہ میں

شامل تھا، جس کا دارالحکومت برہمن آباد تھا۔ اگھم، رائے خاندان کے دور میں صوبہ لوہانہ کا حاکم تھا، جس نے چچ کی مخالفت کی تھی۔ (دیکھیے ترجمہ فتح نامہ 132-135) تحفۃ الکرام کے مصنف کی یہ رائے قرین قیاس ہے کہ اسی اگھم نے شہر اگھم کوٹ کی بنیاد رکھی۔ میر علی شیر قانع نے اگھم کوٹ میں مدفون اولیا میں سے مخدوم اسماعیل سومرہ وغیرہم کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگھم کوٹ سے اس کی مراد وہ قدیم بستی ہے جسے آجکل "اگھاماتو" کہا جاتا ہے اور جو حیدرآباد سے تقریباً 25-30 میل جنوب مشرق میں مہران کے ایک قدیم مجرا یا پاٹ پر واقع ہے۔ یہ پاٹ یا شاخ دریا غالباً وہی ہے کہ جو (شہداد پور اور ٹنڈو آدم کے مشرق کی طرف) قدیم برہمن آباد کے خطہ پر بہا کرتی تھی۔ آج تک اس شاخ کو "لوہانو دریا" کہتے ہیں یعنی قدیم خطہ لوہانہ میں بہنے والا دریا۔ غالباً قدیم برہمن آباد سے لے کر اگھم کوٹ تک، اس وقت کی مہران کی وادی صوبہ لوہانہ میں شامل تھی، جس پر اگھم کی حکومت تھی۔ (ن-ب)

171/[161] اس کے بعد محمد علافی اس (داہر) سے رخصت ہوکر بیلمان کی حکومت کی طرف چلا گیا: یہ روایت، محمد علافی کے بارے میں آئندہ آنے والے بیانات کے خلاف ہے۔ اس روایت کے مطابق محمد علافی داہر کو چھوڑ کر چلا گیا اور جا کر بیلمان کی حکومت میں رہنے لگا، حتیٰ کہ داہر قتل ہوگیا۔ لیکن آئندہ کے بیانات سے ظاہر ہے کہ محمد علافی آخری شکستوں تک داہر اور اس کے بیٹے جیسینہ (یا جے سنگھ) کے ساتھ شامل رہا۔ مثلاً جب داہر نے پہلے پہل اپنے بیٹے جے سنگھ کو محمد بن قاسم کے مقابلے کے لئے بھیجا، اس وقت محمد علافی بھی صلاحکار کی حیثیت سے اس کے ساتھ گیا تھا اور طریقۂ جنگ کے بارے میں اس نے داہر کو بھی اپنی رائے سے آگاہ کیا تھا۔ (ص178-179) داہر کے قتل ہوجانے کے بعد بھی وہ اس کے بیٹے جیسینہ کا حامی اور مشیر رہا۔ (ص197-198) البتہ جب جے سنگھ نا امید ہوکر برہمن آباد کے قلعے سے بھی چلا گیا اور سندھ سے نکل کر چترور کے ملک میں جا کر پناہ گزیں ہوا تب محمد علافی نے اس سے رخصت ہوکر اپنی راہ اختیار کی۔ (ص189) کیونکہ اب جے سنگھ کی حیثیت صرف ایک پناہ گزین کی تھی اور اس میں مقابلے کی تاب نہ رہی تھی۔ محمد علافی اس سے رخصت ہوکر پہلے پہل طاکیہ (یعنی "ٹکادیش" جو کہ ملتان کے شمال میں تھا) آیا اور وہاں سے بالآخر کشمیر کے راجہ کے پاس جا پہنچا۔ جس نے اس کی بڑی توقیر کی اور اسے جاگیریں بخشیں، جہاں وہ آخر وقت تک مقیم رہا۔ (ص206)

172/[161] اس کے بعد محمد بن قاسم نے اسے (محمد علافی کو) امان دے کر ملک کی وزارت کا پروانہ لکھ دیا۔ الخ: یہاں لفظ "اس کے بعد" کا یہ مفہوم نہیں کہ محمد علافی کے ڈاھر یا جے سنگھ کو چھوڑنے کے فوراً بعد، بلکہ یہ الفاظ "اس کے بعد" صرف واقعات کا تسلسل ظاہر کرتے

ہیں وقت کی قربت نہیں، مطلب یہ ہے کہ جب آخر میں محمد علافی داہر اور اس کے بیٹے جے سنگھ کی رفاقت ترک کر کے علیحدہ ہوا اس کے بعد کسی موقع پر محمد بن قاسم کے پاس آ کر امان اور معذرت خواہ ہوا جس نے اسے امان دے دی۔ محمد علافی نے غالباً ملتان کی فتح کے بعد محمد بن قاسم کے سامنے ہتھیار ڈالے ہوں گے کیونکہ اس کا قیام موضع "شاکلبھار" میں تھا جو کہ اُسے کشمیر کے راجہ نے جاگیر کے طور پر بخشا تھا۔ (ص206) اور "شاکلھار" ملتان اور تاکیہ (ٹکادیش) کی شمالی سرحدوں پر کشمیری سرحد کے قریب تھا۔

البتہ محمد بن قاسم کا محمد علافی کو امان دینا واقعی غور طلب ہے، کیونکہ محمد علافی اور اس کا بھائی معاویہ علافی دونوں درحقیقت باغی تھے، جنہوں نے مکران کے گورنر سعید بن اسلم کلابی کو قتل کیا تھا اور انہیں سزا دینے کے لئے حجاج نے 85ھ کے قریب مجاعہ بن سعر کو مکران کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، لیکن اس کے آنے سے پہلے ہی علافی وہاں سے فرار ہو کر سندھ کے راجہ داہر کے پاس آ گئے تھے۔ دیکھئے ص276 تشریحات وتوضیحات 99/[70] ایسی حالت میں حجاج جیسے سخت گیر اور مغلوب الغضب وائسرائے کی طرف سے محمد علافی کو معافی مل جانے کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس فیصلے میں محمد بن قاسم کی رائے اور سفارش کا بڑا دخل تھا۔ محمد بن قاسم نے بھی اسے شاید اس لئے امان دی تھی کہ ایک تو اس نے داہر کی طرف سے لشکرِ اسلام کے مقابلے کے لئے تلوار نہیں اٹھائی تھی اور داہر سے صاف کہہ دیا تھا کہ "ہم مسلمان ہیں اور لشکرِ اسلام سے نہ جنگ کریں گے اور نہ تلوار اُٹھائیں گے۔" (ص170-171)۔ دوسرا بڑا سبب غالباً یہ تھا کہ داہر کے بیٹے جے سنگھ سے آخر میں جدا ہو کر محمد علافی نے اپنی قابلیت اور صلاحیت سے کشمیر کے راجہ کے دربار میں بڑا مرتبہ حاصل کیا تھا۔ اس کی شاید اسی حیثیت اور صلاحیت نے محمد بن قاسم کو متاثر کیا اور اس نے امان دے کر اسے اپنا سفیر بنایا۔ زیر بحث صفحہ کے بعد کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک کامیاب سیاسی سفیر ثابت ہوا۔ (ن-ب)

172/[162] کیرج کا راجہ سربند [اور] کبہ یا کشہ کا مالک کوکو ابن موکو: فتحنامہ یا مورخ بلاذری کے بیانوں کے مطابق کیرج کا راجہ درو ہر تھا اور کچھ کا راجہ راسل تھا (دیکھئے تشریحات وتوضیحات ص150[133])۔ چنانچہ یہ سربند شاید کیرج کے حکمران خاندان کا کوئی فرد یا اس حکومت کا باجگذار کوئی چھوٹا راجہ تھا، اسی طرح اگر کشہ سے مراد کچھ ہے تو کوکو بھی غالباً وہاں کے حکمران خاندان کا کوئی فرد تھا یا اس حکومت کا باجگذار کوئی چھوٹا راجہ تھا۔ (ن-ب)

174/[164] محمد بن ابی الحسن مدنی سے روایت کی ہے: اس راوی کا نام پانچویں قلمی نسخے کے مطابق "محمد بن الحسن مدنی" ہے۔ اس سے پہلے ایک دوسری روایت ص172/[162]

جملہ نسخوں کی متفقہ عبارت کے مطابق محمد بن حسن کے نام سے منسوب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان
ں روایتوں کا راوی "محمد بن حسن مدنی" نامی کوئی ایک ہی شخص ہو۔ مگر گمان غالب ہے کہ ان
ں مقامات پر صحیح نام علی بن محمد ابوالحسن مدائنی تھا جس کا ابتدائی حصہ "علی بن" کے کٹ جانے
بعد "محمد ابوالحسن المدائنی" کے باقی ماندہ فقرے میں "ابو" کو "بن" بنادیا گیا اور "المدائنی" کو
مدنی" کہا جانے لگا۔ مقدمہ میں واضح کیا گیا ہے کہ فتحنامہ کا بڑا حصہ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی
تصنیف ہے اور زیادہ تر روایتیں اُسی کی جمع کی ہوئی ہیں، اسی وجہ سے یہ دونوں روایتیں بھی
اسی کی ہیں۔ (ن-ب)

182/[167] وزیر سیاکر: پہلے ص153 پر پھر اس صفحہ پر اور اس کے بعد کے بیانات
ظاہر ہے کہ وزیر سیاکر، داہر کا خاص مشیر تھا۔ اس نام کے متعلق ہوڈی والا کی تحقیق یہ ہے کہ
"اصل سنسکرت نام شاید 'ششاکر' ہو، جس کے معنی اُستاد یا رہبر کے ہیں۔" یہ نام "یشسکر" بھی
ہوسکتا ہے جو کہ دوسرے افراد کے علاوہ ایک برہمن کا بھی نام تھا جو کہ 939ء میں کشمیر کا راجہ ہوا۔
ہوڈی والا ص90)

182/[174] باقی دوسرے سوار اور ہاتھی جاہین کے حوالے کر کے اُسے لشکرِ اسلام کے
مقابلے پر روانہ کیا: یہ ڈاھر اور محمد بن قاسم کے درمیان چوتھے دن کی جنگ کے سلسلے کا بیان ہے۔
اس سے پہلے ص177 پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ جاہین تیسرے دن کی جنگ میں مارا گیا۔
چنانچہ یا تو اس مقام پر نام میں غلطی ہوگئی ہے یا پھر یہ شخص کوئی دوسرا "جاہین" ہے۔ (ن-ب)

182/[174] خریم بن عروہ مدنی: چونکہ جملہ قلمی نسخوں میں یہ نام بالکل اسی طرح درج کیا
ہے اس وجہ سے اردو ترجمے کے متن میں ہم نے بھی یہی نام اختیار کیا ہے۔ لیکن صحیح نام یقینی
پر "خریم بن عمرو مدنی" سمجھنا چاہئے۔ خریم کا ذکر فتحنامہ میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ ص
1/[98]، 124/[103] اور 118/[107] پر صرف "خریم کے نام سے اور ص205/[202]،
1/[192]، 221/[220] اور 239/[240] پر باپ کے نام سمیت "خریم بن عمروؔ" آیا ہے۔
1/[180] پر جملہ قلمی نسخوں کے مطابق پورا نام نسبت سمیت "خریم بن عمرو مدنی" ہے۔ چنانچہ
زیر بحث نام میں "عروہ" یقینی طور پر "عمروؔ" کی تحریف ہے اور صحیح نام اس مقام پر بھی "خریم
عمرو مدنی" تصور کرنا چاہئے۔ 220/[220] پر دیئے ہوئے نام "جنید بن عمروؔ" میں بھی "جنید"
غالباً "خریم" کی تحریف ہے اور وہاں بھی صحیح نام "خریم بن عمروؔ" ہی سمجھنا چاہئے۔ (ن-ب)

185/[178] تمیم بن زید قینی: اس صفحہ پر یا آگے چل کر 187/[180] اور
2/[214] پر اصل فارسی متن میں اس نام کی نسبت قیسی ظاہر کی گئی ہے مگر کافی وثوق سے کہا

جاسکتا ہے کہ صحیح نسبت "قینی" ہے جو کہ قبیلہ "قضاعہ" کے "بلقین یا القین بن جسر" سے منسوب ہے۔ (دیکھیے نقائض جریر و فرزدق ص 130، 675)۔ نسبت "القینی" کی صورت خطی "العبسی" اور "العتبی" کی نسبتوں سے اتنی مشابہ ہے کہ اس میں اشتباہ کی کافی گنجائش ہے۔ چنانچہ حافظ عبدالغنی نے اپنی کتاب "مشتبہ النسبہ" (ص 46) میں اس اشتباہ کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا ہے جو کہ باوزن بھی ہے، کیونکہ مورخ بلاذری کی کتاب فتوح البلدان (یوروپ ایڈیشن ص 443) اور یاقوت کی کتاب معجم البلدان (یورپ ایڈیشن ص 11/380) میں تمیم بن زید کی نسبت بالکل اسی اشتباہ کی وجہ سے "العتبی" لکھی گئی ہے۔ لیکن یہ نسبت اور بھی شبہات کی حامل ہے۔ چنانچہ فتحنامہ نیز "معجم البلدان" کے ایک قلمی نسخے (حاشیہ 11/380) میں اسے "القیسی" لکھا گیا ہے اور تاریخ ابن خلدون 3/66-67)) میں "العبسی" ہے۔ مگر تمیم بن زید کی صحیح نسبت "القینی" ہے اور متعدد کتابوں میں بالکل اسی طرح درج کی گئی ہے۔

دیکھیے دیوان فرزدق، طبع ساوی ص 191، نقائض جریر و فرزدق ص 380-381 قلمی نسخہ L، نمبر 3758 متحف بریطانیہ، ذیل آمالی (لابی علی القالی) ص 77، الکامل للمبرد، یوروپ ایڈیشن 280/1، اللسان 327/1 اور ابن الاثیر 383/4۔

فتح نامہ کے ص 215/[214] سے ظاہر ہے کہ تمیم بن زید، محمد بن قاسم کی فوج میں ایک خاص مقتدر شخص تھا اور شہر برہمن آباد کے برہمنوں نے اسے ثالث تسلیم کر کے محمد بن قاسم سے معاہدہ کیا تھا۔ تمیم بن زید کی اسی حیثیت اور محمد بن قاسم کی فتوحات میں اس کی رفاقت اور تجربہ کاری کی بنا پر ہی اسے تقریباً 18-19 سال بعد سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ (فتوح البلدان ص 443) اور وہ تقریباً دو سال (109-111ھ) میں اس عہدہ پر فائز رہا۔ (ن-ب)

188/[182] داہر نے ہاتھی سے اتر کر ایک عرب کا مقابلہ کیا: اس امر کی تصدیق بلاذری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ "وترجل داهر وقاتل فقتل" (فتوح البلدان ص 438) یعنی داہر نے پیادہ ہو کر جنگ کی اس کے بعد قتل ہوا۔ (ن-ب)

190/[185] داہر کا سر بھی اسی (عمرو بن خالد) نے دو ٹکڑے کیا: مورخ بلاذری لکھتا ہے کہ داہر کو قبیلہ بنو کلب کے ایک شخص نے قتل کیا (فتوح البلدان ص 438)۔ فتحنامہ میں اسی صفحہ پر نیچے کی سطور میں عمرو بن خالد کی حجاج سے کی ہوئی گفتگو دی گئی ہے اور صفحہ 257 پر وہ اشعار درج کیے گئے ہیں جو اس نے سر پیش کرتے وقت پڑھے تھے۔ یہی اشعار بلاذری نے قبیلہ بنو کلاب کے اس شخص سے منسوب کیے ہیں جس نے داہر کو قتل کیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عمرو بن خالد قبیلہ بنو کلاب میں سے تھا اور اسی نے داہر کو قتل کیا تھا۔ البتہ بلاذری نے (فتوح البلدان

ص438-439) ایک دوسری روایت ابن الکلبی کی بھی نقل کی ہے، جس کے مطابق داہر کو ایک
مں القاسم بن ثعلبہ عبداللہ بن حصن الطائی نے قتل کیا تھا۔ مگر ابن الکلبی کے مقابلے میں مشرق
تک کی فتوحات کے بارے میں المدائنی کی روایت زیادہ معتبر ہے اور فتحنامہ کے بیان یا بلاذری
المدائنی والی روایت ان دونوں کی مطابقت سے تصدیق ہوتی ہے کہ عمرو بن خالد کلابی ہی نے
کو قتل کیا تھا۔ (ن-ب)

191/[185] محمد بن قاسم نے اسے (داہر کی بیوی لاڈی کو) خرید کر اپنی بیوی بنایا: یہ
روایت صحیح نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ص191 نوٹ 118/[94] (ن-ب)

192/[187] زیاد بن الحواری العتکی: اصل فارسی متن میں "العتکی" کی بجائے "العبدی"
ہے مگر اس نسبت کے ساتھ یہ نام کسی بھی تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ البتہ الحواری بن زیاد بن عمرو
العتکی، قبیلہ بنو العتیک بن الازد کا ایک مشہور شخص گذرا ہے اور الحواری کا باپ زیاد، حجاج کی طرف
پولیس کا افسر اعلیٰ تھا (ابن درید، کتاب الاشتاق ص284)۔ غالباً زیاد سے اس کا بیٹا الحواری
زیادہ مشہور تھا اور محمد بن قاسم کے لشکر میں شامل تھا، اس لئے متن میں بھی صحیح نام "الحواری بن
العتکی" ہونا چاہیے۔ (ن-ب)

195/[190] حجاج کا اپنی بیٹی، محمد بن قاسم کو دینے کی حکایت: یہ روایت تاریخی اعتبار سے
قطعی غیر معتبر ہے، جیسا کہ پہلے نوٹ 118/[94] میں تفصیل سے واضح کیا گیا ہے۔ (ن-ب)

198/[194] نفط اور زرنیخ: اصل فارسی متن میں "زرنیخ" کی بجائے "فرداخ" ہے
جو ایک مبہم لفظ ہے۔ چنانچہ ہم نے متن کے حاشیہ میں واضح کر دیا ہے کہ "فرداخ اور زرنیخ"
ایک قدیم کیمیائی اصطلاح ہے۔" اور دونوں لفظوں کے آخر کی "خ" سے معلوم ہوتا ہے کہ
"فرداخ" بھی "زرنیخ" کی بگڑی ہوئی صورت نکلی ہے۔ ہوڈی والا (ص93) میں فرداخ یا فرداج
فرداہ یا غرادہ یا عرادہ کی بگڑی ہوئی شکل سمجھتا ہے جو کہ قرین قیاس نہیں ہے، کیونکہ دونوں لفظوں
کے آخر میں "خ" اور "ہ" کے حروف میں کوئی صوتی یا شکلی مناسبت نہیں ہے کہ جو کتابت میں
غلطی کا سبب بن سکے، دوسرے خود ہوڈی والا کے بیان کے مطابق غرادہ یا غرادہ یا عرادہ کے معنی
پتھر کے ہیں لیکن فتحنامہ کی عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ یہ چیز رات کی جنگ میں نفط (یعنی پٹرول یا
Napth تیل) کے ساتھ استعمال کی گئی۔ چنانچہ پتھروں کا تیل کے ساتھ استعمال بے معنی ہے
اسی وجہ سے صحیح لفظ زرنیخ ہی ہے، یعنی ہڑتال جو کہ معدنیات میں سے ہے اور آگ کے شعلے
بھڑکانے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ (ن-ب)

199/[195] "حسنہ" نامی راجہ داہر کی بھانجی بھی ان میں تھی: "حسنہ" دراصل عربی نام

ہے۔ ممکن ہے کہ اس کا نام بھی ایسا ہی ہو کہ جس کے معنی عربی میں "حسنہ" کے ہوں۔ لیکن فتحنامہ میں "ماہین" کے سوا کہیں بھی داہر کی کسی اور بہن کا ذکر یا نام نہیں ہے اور "ماہین" کو بھی داہر اپنے ہی عقد میں لایا تھا۔ ایسی صورت میں داہر کی بھانجی ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے یہ روایت قطعی غیر معتبر معلوم ہوتی ہے۔ (ن-ب)

200/[196] پھر اجازت کے مطابق عبداللہ اسے (حسنہ کو) اپنے نکاح میں لایا: یہ وہی حسنہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے کی سطور میں ہو چکا ہے۔ یہ بیان بھی ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔ اول تو عبداللہ بن عباسؓ ولید کے عہد سے پہلے ہی 68ھ میں وفات پا چکے تھے، اسی وجہ سے "حسنہ" سے عبداللہ نے نہیں بلکہ اُن کے بیٹے علی بن عبداللہ نے جو کہ جلید کے زمانے میں زندہ تھے، شادی کی ہوگی۔ مگر یہ قیاس بھی فتحنامہ میں اس سے پہلے دیئے گئے ایک بیان (ص197) کے خلاف ہوگا جس کے مطابق خود کعب بن مخارق نے جو کہ اس وقت ولید کے پاس حاضر تھا، حسنہ سے نکاح کیا مگر اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ (ن-ب)

200/[197] نوشتہ نافع 93ھ: یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نافع جو کہ حجاج کا کاتب یا معتمد تھا وہ کون تھا۔ نافع نام کے جو لوگ اس زمانے کے قریب گذرے ہیں وہ یہ ہیں:

1- نافع بن جبیر بن مطعم جو کہ تابعی تھے، انہوں نے 99ھ میں وفات پائی۔ 2- نافع مولیٰ آل زبیر جو تاریخ کے مشہور راویوں میں سے تھا۔ 3- نافع بن الحارث بن کلدہ، زیاد کا بھائی۔ 4- نافع بن ہرمز مولیٰ عبداللہ بن عمر جو تابعی اور حدیث کے معتبر راویوں میں سے تھے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں اہلِ مصر کو سنتِ نبوی کی تعلیم دینے کے لئے وہاں مامور کیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہی نافع اس خط کے کاتب ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ن-ب)

202/[199] یہ وہی مسلمان عورتیں ہیں کہ جنہوں نے حجاج کا نام لے کر فریاد کی تھی: یہ وزیر سیاکر کا بیان ہے کہ جس نے داہر کے قتل ہو جانے کے بعد محمد بن قاسم کے سامنے سپر انداز ہونے کے وقت یہ عورتیں حاضر کیں۔ پہلے صفحہ 114 پر یہ کہا گیا ہے کہ جہازوں کے لٹنے کے وقت قبیلۂ بنی عزیز کی ایک عورت نے مدد کے لئے حجاج کا نام لے کر فریاد کی تھی۔ آگے چل کر پھر یہ ظاہر ہے کیا گیا ہے کہ دیبل کے اندر ساری مسلمان قیدی عورتوں نے حجاج کو اپنی مدد کے لئے پکارا تھا۔ اس کے بعد ص129 پر بیان کیا گیا ہے کہ جب محمد بن قاسم نے دیبل فتح کیا تب وہ سارے مرد اور عورت قیدی آزاد کئے گئے کہ جو سرانديپ کے جہازوں یا بدیل کے لشکر میں سے قید کئے گئے تھے۔ وزیر سیاکر کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ گرفتار شدہ قیدیوں میں سے کچھ مسلمان عورتیں راجہ داہر کے پاس بھی قید تھیں، جنہیں اُس کے قتل ہو جانے کے بعد اور

اپنے ہتھیار ڈالنے کے موقع پر وزیر سیاکر نے محمد بن قاسم کے سامنے حاضر کیا تھا۔

203/[201] جلوالی: اصل فارسی متن میں اس مقام پر "برشطِ نہر جلوالی" (یعنی نہر جلوالی کے کنارے پر) کے الفاظ ہیں۔ جس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ "جلوالی" دریائے مہران کی ایک چھوٹی شاخ تھی اسی لحاظ سے اسی صفحہ پر ایک دوسری جگہ "آبنائے جلوالی" سے مراد "جلوالی پاٹ" ہے۔ پھر صفحہ 216-217/[216] پر اصل فارسی متن میں "جوئے جلوالی" (یعنی جلوالی شاخ یا نہر) کا ذکر ہے۔

زیرِ بحث صفحہ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ نہر جلوالی شہر برہمن آباد کے مشرق میں بہا کرتی تھی اور برہمن آباد پر چڑھائی کے وقت محمد بن قاسم نے اسی نہر کے کنارے آکر ڈیرے ڈالے تھے۔

یہ قدیم نام جلوالی (جل+والی= پانی والی) غالباً بدلتے ہوئے مقامی تلفظ کے اعتبار سے رفتہ رفتہ "جرواری" اور پھر "جراری" بن گیا، جس کی یادگار کے طور پر "جراڑی" نامی گاؤں آج بھی شہداد پور سے دس میل مشرق میں موجود ہے۔ اس گاؤں کے قریب آج بھی قدیم پاٹ یا نہر کے پیٹے کے نشانات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں اور یہ گاؤں اس پیٹے کے بالکل متصل واقع ہے۔

میجر جنرل ہیگ نے، جس نے کہ 1877ء میں (Survey) مہران کی ساری شاخوں کی پیمائش کی تھی، نہر جلوالی کے مخرج اور پیٹے کے بارے میں، عرب جغرافیہ نویسوں کے بیانات اور اپنی تحقیق یا معائنہ کی روشنی میں، پوری پوری نشاندہی کی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق: یہ شاخ سکرنڈ سے 10 میل مشرق کی طرف کلری کے قریب خاص دریا سے نکل کر نشیب میں منصورہ کے مشرق کی طرف سے بہتی ہوئی، جنوب کی طرف بل کھاکر منصورہ سے 10 میل دور مشرق کی طرف جاکر (خاص دریا) لوہانہ سے مل جاتی تھی۔ اس کی کل لمبائی یقینی طور 50 میل کے قریب ہوگی۔ عرب جغرافیہ نویسوں نے اس شاخ کو نقشے میں دریائے مہران کے پیٹے کی سیدھی لکیر کے جنوبی حصے میں نصف دائرے کی شکل میں دکھایا ہے۔ ا-ح (انڈس ڈیلٹا کنٹری ص135)

جلوالی کے اس قدیم پاٹ کے نشانات کہیں کہیں آج تک صاف نظر آتے ہیں اور قرب و جوار کے بعض سن رسیدہ لوگوں کو آج بھی اس کے پرانے پیٹے کا علم ہے۔ جائے وقوع پر تحقیقات کے بعد اس کی بابت مندرجہ ذیل معلومات مزید حاصل ہوئی ہیں، جن سے میجر جنرل ہیگ کے مذکورہ مختصر بیان پر پوری روشنی پڑتی ہے:

جلوالی شاخ خاص دریا سے کلری کے قریب پھوٹتی تھی۔ کلری کو عرب جغرافیہ نویسوں نے اپنے نقشوں میں دیا ہے اور یہ نام آج بھی تحصیل شہداد پور کے ایک دیہہ کے نام کی صورت میں

محفوظ ہے جو کہ نواب شاہ سے تین میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ کلری کے نشیب میں اس شاخ کی دو دھاروں کے نشانات ملتے ہیں۔ ایک تو گھاٹی اور مہرن کے بعد کوٹھیری کی جانب آنے والا نالہ یا پٹا جو شاہ پور چاکر کے شمال، برہون کے مغرب میں اور "ڈکاک جی بھڑی" کے مشرق میں پہنچتا ہے اور دوسرا نشیب میں جنوب کی طرف سیر والا نالہ جہاں بعد میں "سیر واہ" بنی۔ کلری اور سیر کی بابت، سندھی کے ابتدائی اشعار "ماموئی کی پہیلیوں" کی قسم کے ایک بیت میں یہ حوالہ ہے:

سمير ۾ نه ساريون تينديون، ڪلري ۾ نه ڪمانڊ،
هاري ۽ هر ڏاند، نه ڄاڻان ڪيڏي ويا.

[یعنی نہ سیر میں دھان کی فصلیں ہوں گی اور نہ کلری میں کمند (گنا یا ایکھ) پتہ نہیں کسان، ہل اور بیل سب کدھر چلے گئے۔]

یہ قدیم پاٹ شاہ پور چاکر کے نشیب میں جنوب مشرق کی طرف بہتا ہوا آ کر موجودہ "جمڑاؤ واہ" کی "سنگ پٹی" موری یا نالی کے شمال کی طرف سے مشرق کی سمت پلٹتا تھا۔ پرانے زمانے میں جلوالی پاٹ کے اس حصے کو "نار" کہتے تھے اور شاہ پور سے لے کر جمڑاؤ تک کے پیٹے کو آج بھی "نار وارو پٹھو" کہا جاتا ہے۔ جمڑاؤ سے پھر یہ پاٹ مشرق کی طرف (موجودہ تحصیل سنجھورو میں) "سرانڈ جی جوہ" (جوئے سرانڈ) میں بہتا تھا، جہاں اس دھارے کی پرانی جھیلوں کے نشانات موجود ہیں اور مقامی طور پر جنہیں "جعفر خان لغاری جا کب" کہا جاتا ہے۔ سرانڈ کے بعد یہ پاٹ بل کھا کر جنوب کی طرف بہتا تھا اور اس کے پیٹے کے نشانات موضع پلیہ لغاری اور موضع برڑا کے درمیان "صوبھے جی ڈرب" اور "طالب شاہ جی ڈرب" کے نام سے ریت کے ٹالوں کی شکل میں موجود ہیں۔ اس کے بعد مٹھل اور جراڑی کے پاس سے بہتا ہوا یہ پاٹ قدیم شہر منصورہ کے قریب غالباً دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ ان میں سے ایک بڑی شاخ منصورہ کے مشرق کی طرف سے اور دوسری چھوٹی شاخ مغرب کی طرف سے بہتی ہوئی دونوں کہیں آگے جا کر آپس میں مل جاتی تھیں اور اس طرح منصورہ کو گویا ایک دو آبے یا جزیرے کی شکل دیتی تھیں۔ قدیم منصورہ کے مشرق اور مغرب میں ان دونوں شاخوں کے پیٹے موجود ہیں۔ اس کے بعد منصورہ کے آگے جنوب کی طرف پلٹ کر یہ پاٹ مغرب کی طرف بہتا ہوا غالباً "شاہ بیگ مری" کے گاؤں کے قریب یا اس سے کچھ جنوب کی طرف جا کر خاص دریا لوہانہ میں شامل ہو جاتا تھا۔ اس سنگم پر لوہانہ کا وسیع پٹا آج بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ (ن-ب)

204/[202] ماہ ذوالحج کا اواخر، اتوار کا دن اور سنہ ترانوے ہجری تھا: فتحنامہ میں دی ہوئی تاریخوں میں بڑی غلطیاں ہیں۔ مثلاً ص 252 میں کہا گیا ہے کہ راجہ داہر 10 رمضان 93ھ

میں راوڑ کے قلعے کے قریب قتل ہوا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے دھلیلہ اور بہرور کے قلعوں کی طرف رخ کیا اور ہر ایک قلعے کو فتح کرنے کے لئے اُسے دو ماہ تک ان قلعوں کا محاصرہ کرنا پڑا، پھر وہاں سے وہ برہمن آباد آیا، جہاں اُس کے پہنچنے کی تاریخ ماہ رجب 93ھ بیان کی گئی ہے۔ (ص203) یہاں محاصرہ میں چھ ماہ کی مدت صرف ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود زیر بحث صفحہ پر اس عبارت کے مطابق یہ سال 93ھ اور ماہ ذوالحج بیان کیا گیا ہے۔

اگر داہر کے قتل کی مذکورہ تاریخ کو صحیح تصور کیا جائے، تب بھی سرسری حساب سے محمد بن قاسم ماہ رجب 94ھ میں برہمن آباد پہنچا ہوگا اور چھ ماہ بعد ماہ ذوالحج 94ھ ہوگا نہ کہ 93ھ۔ ہوڑی والا کی تحقیق کے مطابق (ص94) کیلنڈر کے حساب سے بھی 29 ذوالحج 94ھ (25 ستمبر 713ء) کو اتوار کے دن پڑتا ہے۔ (ن-ب)

205/[202] عطیہ تغلبی: اس مقام پر فارسی متن میں "عطیہ ثقلبی" ہے۔ یہی نام اس سے پیشتر ص166-167 پر آچکا ہے، وہاں بھی ایک نسخہ کا تلفظ "عطیہ ثقلبی" ہے، لیکن نسخہ (ر)، (م) کے مطابق "تغلبی" ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ نسبت "ثقلبی" عربوں میں غیر معروف ہے، اس لئے دونوں مقامات پر ہم نے "تغلبی" کا تلفظ اختیار کیا ہے۔

لیکن ہوسکتا ہے کہ "عطیہ بن ثقلبی" اصل میں "عطیہ بن ثعلبیہ" ہو، کیونکہ یہ نام تاریخ میں بھی نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ العیون والحدائق جلد 3، ص164۔ عطیہ بن ثعلبیہ، اموی عہد ثانیہ کے مشہور وائسرائے اور سپہ سالار یزید بن عمر بن ہبیرۃ الفزاری کا نائب تھا، جس نے اسے ضحاک خارجی کے خلیفہ عبیدہ کے مقابلے کے لئے کوفہ بھیجا تھا۔ (ن-ب)

205/[202] خریم بن عمرو المدنی: اس سے پیشتر نوٹ 182/[174] میں اس نام کی نسبت کے بارے میں بحث کی جاچکی ہے کہ فتحنامہ کے جملہ نسخوں کے تلفظ "المدنی" کی طرف مائل کرتے ہیں۔ مگر ایک مستند تاریخ کی بنا پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ "المدنی" درحقیقت "المری" کی تحریف ہے اور صحیح نام غالباً "خریم بن عمرو المری" ہے۔ ابن عساکر کے حوالے (التاریخ الکبیر 128/5) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام مع ولدیت "خریم بن عمرو بن الحارث بن خارجہ بن سنان المری" تھا اور وہ "خریم الناعم" کے لقب سے مشہور تھا۔ حجاج اس کی بڑی عزت کرتا تھا اور وہ اسے بیحد شریف سمجھتا تھا۔ اس سے ایک دفعہ دریافت کیا گیا کہ نعمت کیا ہے۔ اس نے کہا کہ پہلی نعمت امن ہے کیونکہ خوف والے کے لئے لذت پانا محال ہے، دوسری خوش حالی، کیونکہ تنگ دست کے لئے فرحت مشکل ہے اور تیسری نعمت تندرستی ہے، کیونکہ بیمار کے لئے خوشی پانا محال ہے۔ اس کا رنگ سیاہ تھا مگر بڑا دانشمند تھا۔

ابن عساکر کا مذکورہ بالا حوالہ فتح نامہ میں خریم کی بابت دیئے ہوئے بیانات کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ بڑا عقلمند اور دانا تھا، حجاج اسے بے حد شریف خیال کرتا تھا اور اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ مثال کے طور پر ص 124 پر خود حجاج کے خط کے الفاظ ہیں کہ "خریم .... اچھی عادات اور اعلیٰ اخلاق سے مزین ہے۔" پھر آگے چل کر 221-222 میں بیان کیا گیا ہے کہ "خریم ایک دانا اور ہوشیار شخص تھا اور ساتھ ہی ساتھ بڑا دیندار امین بھی تھا۔" انہی وجوہ کی بنا پر کافی وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ فتحنامہ میں "المدنی" دراصل "المری" کی تحریف ہے اور صحیح "خریم بن عمرو المری" سمجھنا چاہیے۔ (ن-ب)

206/[203] راجتری: عبارت بالا سے معلومات ہوتا ہے کہ علافی طاکیہ سے ہوتا ہوا رویم کی سرحد پر پہنچا اور وہاں سے راجتری کی طرف خط لکھا۔ عموماً طاکیہ، ٹکادیش یا شمالی پنجاب کو کہتے ہیں، مگر ہوسکتا ہے کہ اس مقام پر قدیم تاکیشر کے علاقہ سے مراد ہو جہاں سے کشمیر کا تخت گاہ راجتری زیادہ دور نہیں تھا۔ بیرونی اپنی "کتاب الہند" (انگریزی ترجمہ 208/1) میں لکھتا ہے کہ (کوہ کلارجک) تاکیشر اور لوہاور کے خطوں سے ہمیشہ دکھائی دیتا ہے...... شہر راجوری (اس پہاڑ کی) چوٹی سے (صرف) تین فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔" فتحنامہ میں زیر بحث صفحہ پر بتایا گیا ہے کہ "وہ پایۂ تخت (راجوری) پہاڑ پر ہے۔" اس سے تصدیق ہوتی ہے کہ فتحنامہ کا "راجتری" کشمیر کا وہی پایۂ تخت "راجوری" ہے کہ جس کا بیرونی نے ذکر کیا ہے۔ (ن-ب)

209/[207] اور لاڈی گرفتار ہوئی: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ داہر کے راوڑ میں قتل ہوجانے کے بعد اس کی بیوی لاڈی برہمن آباد میں آئی اور قلعے میں اس نے جنگ کی تیاریاں مکمل کرکے محمد بن قاسم کا مقابلہ کیا، لیکن اچانک قلعہ کا دروازہ کھل گیا اور محمد بن قاسم کے لشکر نے اندر آکر اُسے گرفتار کرلیا۔ یہ بیان 191/[186] پر بیان کئے ہوئے واقعہ کے خلاف ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ داہر اور محمد بن قاسم کے درمیان جنگ کے موقع پر لاڈی نے خود کو اونٹ پر سے گرایا اور عین میدان جنگ میں اسلامی لشکر کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئی۔ اس کے بعد آگے چل کر 210/[208] پر ایک اور بھی متضاد بیان ہے کہ برہمن آباد کے قلعے کے فتح ہونے کے بعد جب محمد بن قاسم اور برہمنوں کے درمیان معاہدہ ہوا تب برہمنوں نے اسی معاہدہ کی رو سے لاڈی کو تہ خانے سے نکال کر محمد بن قاسم کے سامنے حاضر کیا۔

فتح نامہ کے ان متضاد بیانات سے ظاہر ہے کہ لاڈی کی گرفتاری اور اُس کے بعد اُس کی محمد بن قاسم سے شادی کے جملہ واقعات ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور اسی وجہ سے تاریخی اعتبار سے قطعی غیر معتبر ہیں۔ (ن-ب)

209/[207] داہر کی بیوی لاڈی قلعے میں ہے: داہر کی دو بیٹیاں بھی دوسری عورتوں کے درمیان منہ چھپائے بیٹھی تھیں جنہیں ایک خادم کی نگرانی میں علحدہ بٹھادیا گیا: یعنی محمد بن قاسم کو معلوم ہوا کہ داہر کی بیوی لاڈی قلعے میں ہے البتہ گرفتار شدہ عورتوں میں داہر کی دو بیٹیاں موجود تھیں، جنہیں اس نے علحدہ بٹھایا۔ اس قسم کی حکایتیں فتحنامہ میں محض افسانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ لاڈی کے بارے میں اس سے پہلے کے نوٹ میں بحث ہو چکی ہے۔ یہاں راوی نے اس حکایت کو دلچسپ بنانے کے لئے لاڈی کے علاوہ داہر کی دو بیٹیوں کو بھی شامل کردیا ہے۔ اگر ڈاہر کی کچھ بیٹیاں گرفتار ہوتیں تو عرب مورخ ان کے متعلق واقعات اور تفصیلات کا ضرور ذکر کرتے۔ لیکن کسی بھی عربی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ خود فتح نامہ کے صفحہ 208 پر ان حکایتوں کی ابتدا میں یہ الفاظ دیئے گئے ہیں کہ "برہمن آباد کے بزرگوں کی کہانیوں سے بیان کرتے ہیں (در اقاویل می آرند) اسی وجہ سے ان حکایتوں اور بیانات کو صرف اقاویل یا داستانیں ہی تصور کرنا چاہیے۔ (ن-ب)

215/[214] سو درہم اصل مال میں سے...... حضور نواب کی حفاظت میں دیا جائے۔
یہاں "اصل مال" سے مراد غالباً سرکاری محصول ہے، کل مال نہیں کیونکہ آگے چل کر صاف طور پر کہا گیا ہے کہ جو باقی بچے وہ سب خزانے میں داخل کیا جائے۔ طرز عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری محصول کے ہر سو درہم میں سے تین درہم مقامی لوگوں کو خیرات میں دینے اور دوسرے سماجی کاموں کے لئے منظور کیے گئے اور انہیں تاکید کی گئی کہ اس میں برہمنوں کا جتنا حق ہو وہ انہیں ادا کیا جائے۔

اس عبارت کا آخری فقرہ اصل فارسی متن میں اس طرح ہے "باقی در وجہ خزانہ در قلم اصحاب وحضور نواب در حفظ می باشد" اس عبارت پر ھوڑی والے نے (ص96) پر یہ مفید نوٹ قلم بند کیا ہے:

تاریخی کتابوں یا عام محاورے میں "حضور سے مراد مرکزی حاکم یا حکومت کا نمائندہ ہوتا ہے یعنی یہ لفظ "Central Authority" کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا "حضور نواب سے مراد ہے محمد بن قاسم کی طرف سے مامور کیا ہوا "ہزایکسیلنسی گورنر"۔ اس عبارت میں "اصحاب وحضور نواب" کے فقرے میں "و" زائد ہے اور صحیح فقرہ "اصحاب حضور نواب" ہونا چاہیے یعنی "حضور نواب کے عمال یا افسر"۔ لہٰذا اس جملے کا مطلب ہوگا کہ: باقی رقم خزانے میں داخل کرنی چاہیے اور یہ رقم حضور نواب کے عمال مجرا کرکے داخل کریں گے۔

اس وضاحت کی بنیاد پر متن میں اس جملے کے دیئے ہوئے ترجمے میں بھی مذکورہ بیان کردہ مفہوم کے مطابق ترمیم کرنی چاہیے۔ (ن-ب)

215/[214] حکم بن عوانہ کلبی: ظاہر ہے کہ یہ سندھ میں محمد بن قاسم کی فوج میں شامل تھا اور خاص ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ برہمنوں نے محمد بن قاسم سے صلح کے موقع پر اسے ثالث تسلیم کیا تھا۔ اسی فوجی اور سیاسی تجربے کی وجہ سے ہی بعد میں حکم کو تقریباً 111ھ میں سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ وہ دس سال تک اس عہدہ پر فائز رہا اور اپنے دور میں بڑی فتوحات حاصل کیں حتیٰ کہ سن 121-122ھ کے قریب سندھ میں ہی شہید ہوا۔ (ن-ب)

217/[217] ہند کے شہروں کو چین کی حدود تک فتح کرنا تجھ پر لازم ہے۔ امیر قتیبہ بن مسلم قریشی کو [بھی چین کے فتح کرنے کے لئے] مامور کیا گیا ہے۔ [سارے] عراقی غلام اس کی طرف منتقل کئے جائیں اور [جہم بن زحر بن قیس کو اس کے پاس بھیجا جائے، اور] نامزد کردہ لشکر اس کے ساتھ جائے: فارسی ایڈیشن کی عبارت اس طرح ہے:

"بر تو باد کہ بلاد ہند تا بحد چین مسلم کنی۔ و امیر قتیبہ بن مسلم الباہلی را نامزد کردہ شد۔ گرو گانی جملہ بوے تحویل کنند، و لشکر نامزد کردہ باوے میرود۔"

یہ فارسی عبارت نامکمل ہے اور کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے اس میں کچھ فقرے جذب ہوگئے ہیں، جس کی وجہ سے اس سے کوئی واضح مطلب برآمد نہیں ہوتا۔ ہم نے بڑی تحقیق کے بعد عربی ماخذوں کی مدد سے اس عبارت میں تصحیح کی ہے اور بریکٹ میں حذف شدہ فقروں کا اضافہ کیا ہے۔ اس تصحیح کے مندرجہ ذیل پہلو غور طلب ہیں:

1- اول یہ کہ قتیبہ بن مسلم تواریخ میں عام طور پر "الباہلی" کی نسبت مشہور ہے، لیکن یہاں حجاج اسے "قریشی" کہتا ہے، جس کی دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ قبیلہ باہلی کے لوگ "مالک بن اعصر بن سعد بن قیس عیلان بن معنؔ" کی اولاد ہیں (ابن حزم، جمهرة ص233) اسی وجہ سے قریش میں سے ہیں اور کسی "باہلی" کو "قریشی" کہنا صحیح ہے۔ لیکن دوسری خاص وجہ کہ جس کی بنا پر حجاج قتیبہ کو باہلی کی بجائے قریشی کہتا ہے یہ ہے کہ نسبت "باہلی" میں عربوں کے نقطۂ نظر سے کچھ عیب تھا کیونکہ قبیلہ "باہلی" کے جد امجد مالک نے قبیلہ مدحج کی جس عورت "باہلہ بنت سعد بن سعد العشیرۃ" سے نکاح کیا تھا، اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے معن نے بھی اسی عورت سے شادی کی تھی (ابن حزم جمهرة ص234) اسی وجہ سے کچھ سمجھدار عرب خود کو باہلی کہلانا عار سمجھتے تھے۔ مشہور عرب عالم عبدالملک بن قریب الاصمعی، قتیبہ بن معن بن مالک کی اولاد میں سے تھا، مگر کہا کرتا تھا کہ "میں باہلہ کی اولاد میں سے نہیں ہوں کیونکہ قتیبہ بن معن ہرگز باہلہ کے بطن

سے نہیں تھا۔" (ایضاً ص177-178)۔ غالباً حجاج نے بھی اسی عار کے لحاظ سے امیر قتیبہ کو "باہلی" کی بجائے "قریشی" کہا ہے۔ قتیبہ کا سلسلہ وار شجرہ اس طرح ہے: قتیبہ بن مسلم بن عمرو بن الحصین بن ربیعہ بن خالد بن اسید الخیر بن قضاعی بن حلال بن سلامۃ بن ثعلبہ بن وائل بن معن بن مالک بن اعصر بن سعد بن قیس عیلان بن مضر (ایضاً ص177-178)

دوم یہ کہ فتحنامہ کی اصل فارسی ناقص عبارت سے (جس کی کہ تصحیح کی گئی ہے) یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک تو حجاج نے محمد بن قاسم کو چین فتح کرنے کے لئے لکھا اور اسے یہ بھی اطلاع دی کہ امیر قتیبہ بن مسلم کو بھی اس مہم پر مامور کیا گیا ہے، دوسرے یہ کہ اس نے محمد بن قاسم کو تاکید کی کہ وہ کچھ لشکر کسی شخص کے حوالے کرے تاکہ وہ اس کے ساتھ جائے۔

پہلے خیال کو یعقوبی (246/2) کے اس بیان سے تقویت ملتی ہے کہ: (نیرون کی صلح کے بعد) محمد بن قاسم نے حجاج سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کی جس پر اس نے لکھا کہ بیشک پیش قدمی کر اور تو جتنے ممالک فتح کرے تو ہی ان کا حاکم ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ خراسان کے گورنر قتیبہ مسلم کو لکھا کہ تم دونوں میں سے جو بھی پہلے چین فتح کرے گا، وہی وہاں کا حاکم ہوگا۔ ا-ھ- مورخ طبری: 1/90-889 نے بھی یہی لکھا ہے کہ "حجاج کی طرف سے محمد اور قتیبہ دونوں کو چین کی پیشکش کی گئی تھی۔"

ان معتبر حوالوں کی بنیاد پر ہی عبارت کے پہلے حصے کی تصحیح کی گئی ہے اور اس عبارت کے آخری حصے سے جو خیال پیدا ہوتا ہے اسے طبری: 1257/2 کے اس بیان سے سہارا ملتا ہے:

"حجاج نے محمد بن قاسم ثقفی کو لکھا کہ تو اپنے عراقی (فوج دستے) قتیبہ (بن مسلم، سپہ سالار خراسان) کے پاس بھیج دے اور جہم بن زحر بن قیس کو بھی روانہ کر کیونکہ شامی فوج سے عراقی فوج میں رہنا اس کے لئے زیادہ بہتر ہے...... (چنانچہ جہم بن زحر سندھ سے عراقی فوج لے کر روانہ ہوا) اور 95ھ میں قتیبہ کے پاس جا پہنچا۔"

چنانچہ فتح نامہ کی اس ناقص عبارت کے آخری حصے کی طبری کے اسی حوالے کے مطابق تصحیح کی گئی ہے۔ (ن-ب)

217/[217]/217 اے عم زادا! تو خود بھی کوئی ایسا کارنامہ انجام دے کہ جس سے [تیرے باپ] قاسم کا نام روشن ہو: یہ الفاظ حجاج کی طرف سے محمد بن قاسم کو خط میں لکھے گئے ہیں۔ اصل فارسی متن میں "عم زاد" کی بجائے "ابن عم" (چچا کا بیٹا) ہے۔ اس سلسلے میں اول تو 118/[94] کی تشریحات و توضیحات کے ضمن میں صفحہ 285 پر واضح کیا جاچکا ہے کہ محمد بن قاسم حجاج کے چچا کا بیٹا نہیں بلکہ اس کے چچازاد بھائی قاسم کا بیٹا تھا۔ دوم یہ کہ حجاج، محمد بن قاسم کو

لکھتا ہے کہ تو کوئی ایسا کارنامہ انجام دے کہ جس سے تیرے باپ قاسم کا نام روشن ہو۔ یہ ہمت افزائی کا ایک عام فقرہ ہے لیکن اس میں غالباً ایک خاص حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ محمد بن قاسم کا باپ اپنے ہمعصروں کے مقابلے میں غیر معروف اور گھامڑ تھا اور اسی وجہ سے اسے "احمق ثقیف" (یعنی قبیلۂ ثقیف کا احمق) کہتے تھے۔ (دیکھئے کتاب المحبر ص380) چنانچہ ہوسکتا ہے کہ اس فقرہ سے حجاج کا یہ بھی مقصد ہو کہ چونکہ قاسم کو کوئی شہرت حاصل نہیں ہے، اس لئے تو کوئی ایسا کارہائے نمایاں انجام دے کہ تیرے طفیل اس کا نام مشہور ہو۔ (ن-ب)

218/[217] شہر برہمن آباد یعنی نابجزاہ: اس مقام پر یعنی بابجزاہ کا فقرہ غالباً فتحنامہ کے مترجم کی طرف سے توضیحاً بڑھایا گیا ہے۔ سندھی زبان میں "برہمن" کو عام طور پر "بامنڑ" کہا جاتا ہے اور اسی لحاظ سے برہمن آباد کو مقامی طور پر "بامنزواہ" کہا گیا۔ لیکن قدیم زمانے میں سندھی کی "ن" (ڑ آمیزن) کا لہجہ "ڑ" کی صورت میں تھا اور فتحنامہ کی یہ عبارت اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ 613ھ میں جب علی کوفی نے فتحنامہ کا ترجمہ کیا، اس وقت اس شہر کو مقامی طور پر "بانجزاہ" کہا جاتا تھا۔ مزید دیکھئے ص260 تشریحات وتوضیحات ص59/[15] (ن-ب)

218/[217] وداع بن حمید البجری: فتحنامہ میں پہلے ص130 اور ص142 پر حمید بن وداع کا ذکر آچکا ہے۔ ان تمام صفحات میں اس کی نسبت "النجدی" ظاہر کی گئی ہے۔ جس کے لئے زیرِ بحث صفحہ 218[217] کا حاشیہ 1- توجہ طلب ہے۔ لیکن "النجدی" دراصل "البجری" کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور صحیح نسبت "البجری" ہی ہے۔ ابن حزم، اپنی کتاب "جمھرۃ انساب العرب" (ص298) میں لکھتا ہے کہ "وداع بن حمید، قبیلہ بنو بجری میں سے تھا وہ بڑا شریف تھا اور (مجاز) ہند کا امیر مقرر ہوا۔ یہ وہی شخص ہے کہ جس نے مہلب کے بیٹوں کے لئے قلعے کے دروازے بند کردیے تھے اور انہیں اندر نہ آنے دیا تھا۔"

مذکورہ بیان میں ابن حزم کا اشارہ شہر قندابیل کے قلعے کی طرف ہے، جس کا یہ واقعہ عربی تواریخ میں مشہور ہے کہ عراق کے وائسرائے یزید بن مہلب نے اپنی طرف سے وداع بن حمید کو قندابیل (گنداوا) کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اس کے بعد جب یزید بن مہلب نے خلیفہ سے بغاوت کی اور اس کے بھائی مفضل اور دوسرے، شاہی فوجوں کے مقابلے سے فرار ہوکر قندابیل کی طرف چل دیے تو انہیں امید تھی کہ چونکہ قندابیل میں ان کا خاص آدمی گورنر ہے اس لئے وہ اس قلعے میں جم کر شاہی فوجوں کا مقابلہ کرسکیں گے۔ مگر جب وہ قندابیل پہنچے تو وداع بن حمید نے قلعے کے دروازے بند کرادیے اور انہیں اندر نہ آنے دیا۔ (دیکھئے طبری 1412/2)۔

219/[218] کچھ کا ملک کہ جو کیرج کے بادشاہ دروہر کے قبضے میں تھا عربی زبان

میں باہر کے دخیل اور معرب الفاظ کی صور تلفظی کی تبدیلیوں کے لحاظ سے ''کیرج'' دراصل عربی کا تلفظ ''کیرہ'' ہے اور ''کیرۃ'' غالباً گجرات کا وہ قدیم شہر ''کیرا'' ہے کہ جس کا اصل قدیم تلفظ ''کھیڑا'' یا کھیڈا تھا اور جو آج بھی کیرا ضلع کا صدر مقام ہے۔ ضلع کیرا کے شمال میں ضلع احمد آباد، ماہی کنٹھا اور ریوا کنٹھا ایجنسی کی چھوٹی ریاست بالاسنور ہے، مغرب میں بھی ضلع احمد آباد اور ریاست کھمبات اور جنوب مشرق میں ماہی ندی اور ریاست بڑودہ ہے۔ شہر کیرا احمد آباد سے بیں میل مغرب میں ہے۔ یہ بہت پرانا شہر ہے اور اس کی تاریخ مہا بھارت کے زمانے تک جا پہنچتی ہے۔ وہاں سے برآمد ہونے والی تانبے کی ایک تھالی کہ جس پر ''پانچویں صدی عیسوی'' کے الفاظ کندہ ہیں، اس شہر کی قدامت کی تصدیق کرتی ہے۔ (دیکھئے امپیریل گزیٹیر آف انڈیا، جلد 14 ، ص286) فتح نامہ کے حوالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت یہ شہر راجہ درو ہر کا پایۂ تخت تھا اور کچھ کا ملک بھی راجہ درو ہر کی مملکت میں شامل تھا۔

زیرِ بحث صفحہ پر بیان کیا گیا ہے کہ محمد بن قاسم نے ملک کچھ پر جو کہ راجہ درو ہر کی مملکت میں تھا، اپنے ایک امیر ہذیل بن سلیمان الاذدی کو متعین کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ درست ہو لیکن اس مقام پر یہ بیان قبل از وقت ہے۔ کیرج یا کیرا کے فتح ہو جانے سے پہلے ہی محمد بن قاسم، راجہ درو ہر کی مملکت کو اپنے کسی مطیع امیر کے کیونکر حوالہ کرسکتا تھا۔ مورخ بلاذری (فتوح البلدان ص440 کے بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ملتان کے فتح کرنے کے بعد ہی محمد بن قاسم نے کیرج فتح کیا۔ اس لحاظ سے ہذیل بن سلیمان کو بھی اسی فتح کے بعد ہی کچھ کا حاکم مقرر کیا گیا ہوگا۔ (ن-ب)

219/[218] ساوندی سمہ: یعنی سموں کا شہر ساوندی: آگے چل کر بیان کیا گیا ہے کہ برہمن آباد کی فتح اور بندوبست سے فارغ ہوکر محمد بن قاسم نے آگے کوچ کیا اور بالآخر آکر ساوندی کے نواح میں منزل انداز ہوا جہاں ''ایک فرحت افزا جھیل اور سرسبز چراگاہ تھی جسے ڈھنڈھ وکر بہار کہتے تھے'' (ص220) نام ''وکر بہار'' کے اخیر میں لفظ ''بہار'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ''وکر بہار'' کے آخر میں لفظ ''بہار'' ''ڈھنڈھ وکر بہار'' کے نام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ڈھنڈھ (جھیل) بھی اسی مندر کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اب دیکھئے کہ محمد بن قاسم برہمن آباد کو فتح کرنے کے بعد آگے شمال کی سمت الور کی طرف جارہا تھا اور اس رخ پر بدھ کے مندر کا صرف ایک نمایاں نشان موجود ہے، جسے آج کل ''ٹھل میر رکن'' کہا جاتا ہے اور جو ضلع نواب شاہ میں اسٹیشن دوڑ اور دولت پور کے درمیان واقع ہے۔ محکمۂ آثار قدیمہ کی تحقیقات کے مطابق

"تھل میر رکن" درحقیقت بدھ مت کے مندر کا اسٹوپا (Stupa) ہے۔ (دیکھئے ہنری کزنس، سندھ کے آثار قدیمہ ص98-99)۔ ان کھنڈرات سے شمال مشرق کی طرف تقریباً دو میل کے فاصلے پر موضع "ساوڑی" واقع ہے اور اس خطے میں قدیمی نالوں اور جھیلوں کے نشانات اب بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ان نشانات کو دیکھ کر وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ فتحنامہ کا "ساوندی" موجودہ "ساوڑی" ہے۔ مؤرخ بلاذری نے (فتوح البلدان ص439) بھی "ساوندی" کا تلفظ "ساوندری" لکھا ہے اور یہی تلفظ موجودہ موضع "ساوڑی" کے نام میں بھی تمثیلی طور پر موجود ہے۔ موضع ساوڑی دریائے سندھ کے ایک قدیم پاٹ کے ساحل پر ہے اور اس پاٹ کا قدیمی پتا اس گاؤں سے متصل مغرب کی طرف اب بھی موجود ہے۔ مجمل التواریخ کے مصنف نے لکھا ہے کہ قدیم زمانے میں کشمیر کے راجہ نے دریائے سندھ کے کنارے پر "ساوندی" نام کا شہر آباد کیا تھا۔

فتح نامہ کا "دکر بہار" یقینی طور پر "تھل میر رکن" والا قدیمی بدھ مندر ہے اس مندر کے وجود کی تصدیق خود فتحنامہ کے حوالوں سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً صفحہ 220 پر بیان کیا گیا ہے کہ: اس اطراف کے سب لوگ شمنی اور بدھ مت کے پیرو تاجر تھے اور بواد نامی ایک شمنی کو محمد بن قاسم نے وہاں کے سردار کی حیثیت سے مقرر کیا تھا۔ (ن-ب)

219/[219] جمعرات کا دن 3 ماہ محرم سنہ چورانوے: یہ تاریخ محمد بن قاسم کی برہمن آباد سے ساوندی کی طرف کوچ کرنے کی ہے۔ ہوڈی والا کی تحقیق کے بموجب 3 محرم 93ھ، اتوار 9- اکتوبر 792ء کے مطابق اور 3 محرم 95ھ (ریت) جمعرات 28- ستمبر 713ء کے مطابق ہوتا ہے۔

اب اگر فتح نامہ کی عبارت میں دن صحیح دیا گیا ہے تو پھر یقیناً 95ھ ہوگا۔ تاریخی تسلسل کے اعتبار سے بھی 3 محرم 95ھ زیادہ صحیح ہے، کیونکہ محمد بن قاسم کو اروڑ، سکہ اور ملتان وغیرہ کی فتوحات کے لئے پھر بھی 17 یا 18 مہینے باقی بچتے ہیں جو کافی ہیں۔ محمد بن قاسم کو خلیفہ ولید کی وفات (جمادی الاول 96ھ) کے بعد ہی معزول کرکے واپس بلایا گیا تھا۔ (ہوڈی والا ص96)

220/[219] بدھیتی ابن | بھمن ڈھول: ہم نے اس صفحہ کے حاشیہ میں ظاہر کیا ہے کہ (م)، (ن)، (ب) نسخوں کا تلفظ "بدھی بھن ڈھول" ہے اور نسخہ (ر) کا لفظ "بدھنی بھمن ڈھول" ہے۔ ہوڈی والا (ص97) کے قیاس کے مطابق یہ نام شاید "بدھی ورمن" (Buddi Varman) ہو، کیونکہ یہ نام قدیمی اندراجات میں ملتا ہے اور 640ء میں گجرات کے چالوکیہ خاندان کے ایک راجہ کا بھی یہی نام تھا۔ ا-ھ۔ فتحنامہ میں اس نام کی صورتگلی کے پیش نظر بھی یہ

قیاس قدرے قابلِ اعتماد معلوم ہوتا ہے۔ بدھیی بمن اور بدھی ورمن آپس میں بیحد مماثل ہیں۔ چنانچہ اس نام کا تلفظ "بدھی ورمن" [بن] ڈھول ہی زیادہ موزوں ہوگا۔ (ن-ب)

221/[220] سلیمان بن نبہان اور [قبیلہ] کندہ کے آزاد کئے ہوئے غلام ابو فضہ القشیری کو بلا کر...... قسمیں دے کر انہیں جنید بن عمرو اور بنی تمیم کی جماعت سے محبت پیدا کرا کے ساتھ...... روانہ کیا۔

اوّل تو مذکورہ عبارت سے ظاہر ہے کہ سلیمان بن نبہان اور ابو فضہ القشیری دو مختلف اشخاص کے نام ہیں۔ اسی لحاظ سے 184/[177] پر "نبہان ابو فضہ قشیری" غالباً دراصل "[سلیمان بن] نبہان (و) ابو فضہ قشیری" تھا، لیکن کاتب کے سہو سے بریکٹ میں دیئے ہوئے الفاظ اصل نسخہ سے حذف ہوگئے اور اس کے بعد جملہ قلمی نسخوں میں یہ غلطی قائم رہی۔ ص184 پر "نبہان ابو فضہ قشیری" کی تصحیح کر کے اس کی جگہ "سلیمان بن نبہان ابو فضہ قشیری" لکھنا چاہئے، کیونکہ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ دراصل دو نام ہیں: قدیم نسخہ (پ) کی قرأت میں فعل کے جو صیغے "نبہان ابو فضہ قشیری" کی طرف پلٹتے ہیں وہ جمع کے ہیں مثلاً: مقابل شدند (سامنے ہوئے)، جنگ پیوستند (جنگ آزما ہوئے)، ۔ داہر فوجے دیگر در مقابل ایشان فرستاد (داہر نے ان کے مقابلے پر دوسری فوج بھیجی) وی کشتند (اور قتل کرتے رہے) اور آخر کے زائد الفاظ "تا بہ لشکر گاہ داہر آمدند۔"

دوم یہ کہ اس عبارت میں جو لفظی تصحیح کی گئی ہے اس کے لئے متن صفحہ 272 کا حاشیہ 2 دیکھنا چاہئے۔ تصحیح کے بعد اس عبارت کا یہ مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ محمد بن قاسم نے اپنے لشکریوں کے دو گروہوں میں صلح و محبت پیدا کر کے انہیں ساتھ ساتھ فرائض کی بجا آوری کے لئے روانہ کیا۔ یہ دونوں گروہ یہ تھے: ایک بنو قشیرا اور ان کے ساتھی (یعنی سلیمان بن نبہان اور ابو فضہ قشیری وغیرہما) اور دوسرے بنو تمیم اور ان کے ساتھی (یعنی جنید بن عمرو وغیرہ)۔ ان گروہوں کے درمیان محبت پیدا کرنے کے مندرجہ ذیل اسباب تھے:

قدیم زمانے سے مضریہ اور یمانیہ نسلوں کے قبائل میں باہم شدید رقابت اور عداوت تھی۔ اسلام کی ابتدا میں یہ باہمی حسد و نفاق اخوت کے رنگ میں ڈوب کر تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ لیکن عہد بنو امیہ کی سیاست نے دوبارہ ان نسلی رقابتوں کو ہوا دی اور ان دونوں تمیم اور ازد قبائل کے درمیان پھر سے جھگڑے شروع ہوگئے اور یہ فسادات اموی سلطنت کے تقریباً ہر علاقے میں جہاں جہاں بھی یہ قبائل اور ان کے حامی تھے پھیل گئے۔ مثلاً خراسان میں ہر یمانی اور ربیعی نسل کے لوگ "ازدی" کہلانے لگے اور ہر مضری نسل کے لوگ "تمیمی" کہلانے لگے۔ (دیکھئے دیوان

فرزدق پیرس ایڈیشن ص53، اور قاہرہ ایڈیشن ص869)۔ ایک طرف یمانی، ربیعی اور ازدی اور دوسری طرف معنری اور تمیمی گروہوں کے درمیان ہر جگہ حسد اور رقابت موجود تھی۔ محمد بن قاسم کی فوج میں ان دونوں گروہوں کے لوگ موجود تھے۔ بنو قشیر کے لوگ ربیعی تھے کیونکہ وہ بنو کعب بن ربیعہ کی اولاد میں سے تھے۔ (دیکھئے ابن حزم، جمھرۃ ص272) اور اسی وجہ سے بنو تمیم سے ان کی نسلی رقابت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ محمد بن قاسم ان دونوں گروہوں کے لوگوں کو ایک مشترکہ ذمہ داری سنبھالنے کے لئے روانہ کررہا تھا تو اُس نے پہلے قسمیں دے کر اُن کے درمیان باہم صلح و محبت کرانا ضروری سمجھا اور اس کے بعد ہی انہیں روانہ کیا۔ (ن-ب)

[220]/221 بہراور: محمد بن قاسم، ساوندری یعنی ساوڑی سے کوچ کر کے بہراور میں منزل انداز ہوا۔ چونکہ محمد بن قاسم اروڑ کی طرف جارہا تھا، اس لئے بہراور کی تلاش ساوڑی کے شمال کی طرف کرنی چاہئے۔ اس سے پہلے یہ معلوم ہوچکا ہے کہ برہمن آباد آتے ہوئے محمد بن قاسم جلوالی پاٹ کے کنارے آکر منزل انداز ہوا تھا اور ساوندری میں بھی جھیل وکربہار کے کنارے آکر ٹھہرا تھا، اس سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ پانی اور چراگاہوں کی سہولت کے پیش نظر محمد بن قاسم کی فوج زیادہ تر دریا کی شاخوں کے کنارے بڑھتی رہی ہے۔ لہٰذا یہ قطعی ممکن ہے کہ ساوندری سے روانہ ہونے کے بعد محمد بن قاسم مہران کی کسی شاخ یا نہر کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف بڑھا ہو۔ ایسا ہی ایک قدیم پاٹ کا پیٹا ساوڑی کے شمال میں ''کھارجانی''، ''آمرجی''، ''مسرجی وان'' اور ''مٹھی'' کے مغرب کی طرف ''بھریا'' اور ''ہالانی بہلانی'' کے قریب آج تک موجود ہے۔

اسی قدیم پاٹ کے رخ اور راستے کے پیش نظر ''بہراور'' سے ''بھریا'' اور ''بہلانی'' کا گمان ہوتا ہے۔ بہلانی کافی پرانی بستی ہے اور جس طرح ہالانی کا نام ''ہالا'' قوم کے لوگوں کی نسبت سے مشہور ہوا اُسی طرح ممکن ہے کہ بہلانی (بھلانی= بھرانی= بھریانی) کی وجہ تسمیہ ''بھریا'' قوم کے لوگوں کی بستی ہو۔ اس قیاس کے مطابق بہلانی اور بھریا یہ دونوں نام بھریا قوم کے لوگوں سے منسوب معلوم ہوتے ہیں اور بھریا قوم بھی ''سہتہ'' اور ''لاکھا'' قوم کی طرح سندھ کی ایک قدیم قوم تھی۔ ممکن ہے کہ ''بہراور'' (بھراور= بھریا) بھریا قوم کے لوگوں کی جنوبی بستی ہو جوکہ موجودہ بھریا شہر کے آس پاس تھی۔ جائے وقوع کی تلاش اور تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ وہ قدیم پاٹ جس کے نشانات شہر بھریا کے مشرق کی طرف موجود ہیں، اس کے کنارے پر قدیم کھنڈرات موجود ہیں۔ ان کھنڈرات سے عربی اور کافی قدیمی سکے برآمد ہوچکے ہیں جوکہ سید امام علی شاہ رئیس بھریا کے پاس موجود ہیں۔ ان سکوں سے پوری تصدیق ہوتی ہے کہ یہ قدیم

بستیاں عربی دور سے پہلے اور عربی دور میں موجود تھیں۔ اس طرح موجودہ بھلانی بھی قدیم کھنڈرات پر آباد ہے اور اسی وجہ سے یہ خیال ہوتا ہے کہ فتحنامہ کا بھیرا ور غالباً بھریا کے ملحق یا بھلانی کے مقام پر واقع تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ن-ب)

222/[221] وہ (گوپی) کہتا رہتا تھا کہ راجہ داہر ابھی زندہ ہے۔ الخ۔ اس سے پہلے صفحہ 275/[197-198] پر بیان ہو چکا ہے کہ گوپی کو داہر کی موت کی اطلاع خود اس کے بھائی جے سنگھ نے بہت پہلے دے دی تھی۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ گوپی جان بوجھ کر یہ خبر چھپا رہا تھا اور اپنی فوج اور رعایا کو داہر کے زندہ ہونے اور کمک لانے کی امیدیں دلا کر ان کے دلوں کو ڈھارس دے رہا تھا، تا کہ وہ شاید اس طرح مقابلے کے لئے ڈٹے رہیں۔ (ن-ب)

226/[226] جس کی کلائیوں میں.......... سونے کے کنگن پڑے تھے: یعنی اروڑ کے بت خانہ نوبہار میں استادہ مورتی کے ہاتھوں میں دو کنگن پڑے ہوئے تھے۔ ان قدیم مندروں کے بتوں کی کلائیوں میں کنگن یا کانوں میں بالیاں ہونا ان بتوں کی قدامت کا نشان تھیں اور ایک ہزار سال گذرنے کے بعد بت کو ایک کنگن یا بالی پہنائی جاتی تھی۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ: "ان بالیوں کا مقصد مدت کا اظہار تھا، یعنی ہر ایک ہزار سال کے بعد ایک بالی پہنانے کے بارے میں اکثر حوالے ملتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ محمود (غزنوی) نے سومناتھ کے بت کو تیس بالیاں پہنے دیکھا اور بتایا گیا کہ ہر ایک بالی ایک ہزار سال کی پوجا کی یادگار ہے۔" (وفیات الاعیان: 85/2) ابن خلکان کے اس بیان سے قیاس ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کی فتح اروڑ کے وقت اس بتخانہ کی مورتی کو دو ہزار سال سے زیادہ کی مدت گذر چکی تھی۔ (ن-ب)

231/[332] کبیر بھدر اور بھلو: ممکن ہے ہوڈی والا کے خیال کے مطابق یہ نام اصل میں "کالی بھدر یا کالبھدر" (Kalibhadra or Kalabhadra) اور "بھیرو" (Bhairav) ہوں۔ (ہوڈی والا ص 97)۔

232/[233] (جے سنگھ) سفر.......... کرتا ہوا جالبھدر کی حد سے کشمیر میں داخل ہوا۔ وہاں کے بادشاہ کا نام بلھرا تھا اور شاہ کے آستانہ (تخت گاہ؟) کو اسکہ کہتے تھے، جہاں جا کر وہ رہا۔ یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے: اس مقام پر جملہ فارسی نسخوں کی عبارت مبہم اور پیچیدہ ہے اور غالباً اس میں کچھ الفاظ محذوف ہیں اور کچھ لفظوں کا اصل تلفظ بگڑی ہوئی شکل میں ہے۔ بہرحال جملہ نسخوں کی موجودہ عبارتوں کے مطابق وہی معنی ہوں گے کہ جو ترجمہ کی اس عبارت میں دیئے گئے ہیں۔ البتہ مندرجہ ذیل نکات غور طلب ہیں:

1- (ر) اور (م) کا تلفظ کشمیر کے بجائے "کسہ" ہے اور "کسہ" سے مراد "کشمیر" ہی

ہے۔ ہوڑی والا صفحہ 98 پر لکھتا ہے کہ "کسہ کے ملک" سے مراد غالباً کشمیر ہے یعنی "کھسا" (Khasa) یا "کھشا" (kahasha) قوم کے لوگوں کا ملک کہ جس کا ذکر "راجترنگنی" اور سنسکرت کی دوسری کتابوں میں ملتا ہے۔ اس قوم کے لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ "پیر پنجسال" کے پہاڑوں کے جنوب کی طرف جہلم، لوہر اور کشتوار (Kishtwar) کی وسطی وادیوں میں رہتے تھے اور انہیں موجودہ قوم "کھکھا" (Khakha) تصور کیا جاسکتا ہے کہ جس سے کشمیر کی نشیبی "وتستا" (Vitasta) وادی میں رہنے والے جملہ چھوٹے سردار اور سربراہ تعلق رکھتے ہیں۔ (بحوالہ آرل شین، حاشیہ راجترنگنی، انگریزی ترجمہ کتاب 1 بیت 317) بقول سرجارج گریرسن، "کھسا" قوم کے لوگ نہ صرف کشمیر میں ہیں بلکہ کماؤں اور گڑھوال میں بھی موجود ہیں۔ "آریائی زبان بولنے والے وہ جملہ لوگ جو کہ ہمالہ کے نشیبی علاقوں میں کشمیر سے لے کر دارجلنگ تک بستے ہیں وہ عام طور پر "کھسا" نسل سے ہیں۔" (Indian Antiquary 1914, P.151)

2- کشمیر کے راجہ کا نام "بلھرا" بھی خاصی پیچیدگی پیدا کرتا ہے۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے ضروری ہے کہ "بلھرا" کو لقب نہیں بلکہ کشمیر کے کسی راجہ کا ذاتی نام تصور کیا جائے، کیونکہ "بلھرا" دکن کے راجاؤں کا لقب تھا، جن کا تختگاہ "مانکھیڑ" تھا، جس کی تصدیق مسعودی وغیرہ عرب علماء کے بیانات سے ہوتی ہے۔

لیکن موجودہ تحقیق کے مطابق اُس وقت کے کشمیر کے کسی "بلھرا" نامی راجہ کا سراغ نہیں ملتا۔ سندھ میں محمد بن قاسم کی فتوحات کا سلسلہ 712ء سے شروع ہوتا ہے اور جے سنگھ نے تقریباً 713/14ء میں جاکر کشمیر میں پناہ لی ہوگی۔ لیکن ان دنوں کشمیر پر "کارکوٹہ" (Karkota) خاندان کی حکومت تھی۔ اس وقت اس خاندان کا جو راجہ وہاں حکمران تھا، اس کا نام "للتا دتیہ مکتا پیڈ" تھا۔ جس کا عہدِ حکومت 713ء سے 750ء تک بیان کیا جاتا ہے۔ (دیکھئے رے (Ray) کی لکھی ہوئی شمالی ہند کے حکمرانوں کی خاندان وار تاریخ ص 72 بحوالہ راجترنگنی)۔

اس راجہ سے پہلے کے راجہ کا نام "جیاپیڈ" بیان کیا جاتا ہے۔ (بارنیٹ ص 61) لیکن چونکہ کشمیر کے ان قدیمی راجاؤں کے سلسلوں اور سنوں کی تحقیق ہنوز پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ فتحنامہ کا یہ قدیم حوالہ نسبتاً صحیح ہو۔

3- شاہ کے آستانہ کو اسہ کسہ کہتے تھے: اس مقام پر اصل فارسی عبارت اس طرح ہے "اسہ کسہ آستان شاہ گفتندے" اس فقرہ میں بھی خلل ہے اور ترجمہ صرف ظاہری معنوں کے مطابق کیا گیا ہے۔ اسہ کسہ نامی کشمیر کے کسی پایۂ تخت کا کسی بھی دوسری تاریخ میں کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ گیارہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں کشمیر کی راجدھانی راجوری تھی جیسا کہ بیرونی بیان کرتا

ہے۔ (دیکھئے تشریحات و توضیحات 206/[202]۔ بیرونی نے مزید تحریر کیا ہے کہ "بلور شاہ، فلستان شاہ اورد خان شاہ کشمیر کے مغرب کی طرف ہیں۔ کتاب الہند، عربی متن ص101، انگریزی ترجمہ 206/2) ممکن ہے کہ اسی طرح "آستان شاہ" بھی کسی حصہ ملک کا نام ہو۔ ہوڈی والا (ص98) کے خیال میں "آستان شاہ" شاید "آدشتان شاہ" کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور کشمیر کا پایہ تخت "آدشتان شاہ" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ (بحوالہ ایلیٹ- ڈاؤسن 64/1) لیکن پروفیسر سخاؤ کی وضاحت کے مطابق "آدشتان" دراصل سنسکرت لفظ "آدھشتھان" (Adhishthan) ہے جس کے معنی راجدھانی یا مشہور شہر کے ہیں (دیکھئے ترجمہ کتاب الہند 181/2) اسی وجہ سے ہم نے آستان شاہ کا ترجمہ شاہ کا آستانہ یعنی شاہ کا پایہ تخت کیا ہے۔

4- اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جے سنگھ سندھ سے جا کر کشمیر کے راجہ کے پاس پناہ گزین ہوا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت تک وہاں مقیم رہا۔ صفحہ 205/[203] پر جے سنگھ کے علافی کے ساتھ سندھ سے نکل جانے کے بیان میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا جے سنگھ چتور میں ٹھہر گیا اور علافی اس سے رخصت ہو کر کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن نیچے اسی عبارت میں ایک فقرہ ہے کہ "اس کے بعد انہوں نے راجتری کی طرف خط لکھا" اور اس میں لفظ "انہوں" سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں علافی کے ساتھ جے سنگھ بھی گیا تھا۔ اس کے علاوہ صفحہ 206 پر جملہ قلمی نسخوں میں یہ عنوان ہے "جے سنگھ کا کشمیر کے راجہ کے پاس جانا" حالانکہ اس عنوان کے تحت دیئے گئے بیان میں صرف علافی کا نام ہے اور کہیں پر جے سنگھ کا نام نہیں دیا گیا۔ اس کے متعلق ہم نے متن صفحہ 206 کے حاشیہ (2) میں بیان کیا ہے کہ شاید اس بیان میں جے سنگھ کا نام حذف ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ زیر بحث صفحہ کی عبارت سے جے سنگھ کا کشمیر جانا صاف ظاہر ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ صفحہ 206 کے عنوان کے تحت درج کئے ہوئے بیان میں کوئی غلطی ہے جس کی وجہ سے جے سنگھ کا نام رہ گیا ہے۔ بہرحال فتحنامہ کے ان حوالوں سے جے سنگھ کے کشمیر جانے کی تصدیق ہوتی ہے۔ (ن-ب)

232/[233] عمرو بن مسلم الباہلی: فتحنامہ کی اس عبارت کے مطابق عمرو بن مسلم الباہلی، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں سندھ کا گورنر تھا اور اس نے کشمیر کے سرحدی علاقے فتح کئے۔ مؤرخ بلاذری کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ (فتوح البلدان ص441-442) پر لکھتا ہے کہ "عمرو بن مسلم الباہلی، عمر (بن عبدالعزیزؒ) کی جانب سے اس (سندھ و ہند) محاذ کا گورنر تھا اور اس نے ہندوستان کے بعض علاقوں پر فوج کشی کر کے فتوحات حاصل کیں۔" (ن-ب)

233/[235] تخت گاہ اروڑ- بغرور: یعنی سندھ کا پایۂ تخت جسے محمد بن قاسم نے فتح کیا اور اپنے زیرِ اقتدار لایا۔ چونکہ اس وقت اروڑ کے قریب دوسرا مشہور شہر ''بغرور'' تھا اور اس کا نظام، مرکزی حکومت ''اروڑ'' سے وابستہ تھا (فتحنامہ ص142-143) اسی وجہ سے دونوں شہروں کو مجازاً پایۂ تخت ظاہر کیا گیا۔ یوں بھی سندھ میں دوہرے ناموں کے استعمال کا رواج ہے۔ مثلاً ہالانی، بھلانی، کنبٹ، کھمبزا وغیرہ۔ ''بغرور'' سے مراد ''بکھر'' ہے جس کی وضاحت کے لئے دیکھئے تشریحات وتوضیحات ص142-143/[125] (ن-ب)

234/[235] ککسو بن چندر بن سیلائج: ممکن ہے کہ نام ککسو شاید اصل میں ''کاکستھا'' (Kakutstha) ہو کیونکہ 740-755ء کے قریب یہ نام قنوج کے ''پرتہار'' خاندان کے راجاؤں میں ملتا ہے۔ راجہ ''کاکستھا'' اس خاندان کے بانی راجہ ''ناگ بھٹ'' کے بعد تخت نشین ہوا (ہوڈی والا ص98، بحوالہ سمتھ اور ویدیا)

235/[236] شعر: لا تستشر غیر ندب-الخ: یہ شعر ابوالفتح البستی کے قصیدہ نونیہ کا ہے جس کا مطلع ''زیادۃ المرء فی دنیاہ نقصان'' ہے۔ الدمیری نے یہ قصیدہ اپنی کتاب ''حیاۃ الحیوان'' میں شعبان کے زیرِ عنوان درج کیا ہے اور اسے ابوالفتح بستی کی تخلیق بیان کیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ ''بعض کہتے ہیں کہ یہ قصیدہ امیر المومنین راضی باللہ (عباسی خلیفہ) کا ہے۔'' مگر یہ روایت ضعیف ہے ''حیاۃ الحیوان'' کے قصیدہ کا یہ چندرھواں مصرع ہے اور اس میں ''حازم یقظ'' کی بجائے ''حازم فطن'' ہے۔

شاعر ابوالحسن علی بن محمد البستی نے جو کہ ابوالفتح البستی کے نام سے مشہور ہے، 400 یا 401ھ میں بخارا میں وفات پائی (ابن خلکان 357/1) فتحنامہ اس سے پہلے کی تصنیف ہے۔ اس وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ فارسی مترجم نے یہ اشعار اپنی جانب سے تمثیلی طور پر درج کئے ہیں۔ فتحنامہ کی عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ان اشعار کا اصل متن سے کوئی تعلق نہیں ہے (ن-ب)

235-236/[236-37] سکہ اور ملتان: ان دونوں صفحات پر ''سکہ اور ملتان'' کی جگہ اصل فارسی عبارت ''سکہ ملتان'' ہے جو کہ سارے نسخوں کی متفقہ عبارت ہے۔ ترکیب اضافی کے لحاظ سے ''سکہ ملتان'' کا ترجمہ ''ملتان کا سکہ ہوگا جس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ''صوبۂ ملتان کا شہر سکہ'' اس نام کی مثال موجودہ دور میں ''حیدرآباد سندھ'' اور ''حیدرآباد دکن'' کے ناموں میں موجود ہے۔ مگر ایسی مثال عرب جغرافیہ نویسوں کی اصطلاحوں میں شاذ و نادر نظر آتی ہے۔ دوسرے معنی ہوں گے ''شہر ملتان کا سکہ'' یعنی ملتان کے وسیع شہر کا ایک علیحدہ حصہ جو بذات خود ایک چھوٹا شہر تھا جسے نواحی (Suburb) تصور کیا جاسکتا ہے۔ عربی جغرافیہ میں ایسی مثالیں ہمدانی

کی "کتاب البلدان" میں ملتی ہیں۔ مثلاً "سکۃ اصطفانوس بالبصرۃ" (شہر بصرہ میں اصطفانوس کا سکہ)، "سکۃ البخاریہ بالبصرۃ" (شہر بصرہ میں البخاریہ کا سکہ)، "سکہ ساسان بالری" (شہر رے میں ساسان کا سکہ)۔ غالباً سکہ اور ملتان دو ملحقہ شہر تھے جن کے درمیان صرف دریائے راوی تھا۔ سکہ دریائے راوی کے جنوبی ساحل پر (غالباً جنوب مغرب کی طرف) تھا اور ملتان سامنے دوسری طرف تھا۔

مذکورہ مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر "سکہ ملتان" کا ترجمہ "ملتان کا سکہ" کیا جائے تب بھی معنی میں پیچیدگی باقی رہے گی۔ اسی وجہ سے ترجمہ میں ہم نے "سکہ اور ملتان" دیا ہے جو کہ حقیقت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ سکہ اور ملتان بہرحال دو جدا شہر تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اصل فارسی متن میں درحقیقت "سکہ و ملتان" رہا ہو، لیکن درمیان کا واؤ عطف کاتبوں کی سہو سے حذف ہوگیا ہو۔ مورخ بلاذری کے زمانے میں شہر سکہ ویران ہوگیا تھا (دیکھئے فتوح البلدان ص439) (ن-ب)

237/[239] ساٹھ ہزار درہم وزن کی چاندی تقسیم کی اور ہر سوار کو خاص طور پر چار سو درہم چاندی ملی: غالباً مراد یہ ہے کہ بعض خاص سواروں میں کہ جنہوں نے بڑی بہادری دکھائی تھی، یہ چاندی تقسیم کی گئی۔ ورنہ یہ سمجھا جائے کہ محمد بن قاسم کی فوج میں کل ڈیڑھ سو سوار تھے اور یہ تعداد بے حد کم ہونے کی وجہ سے قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ (ن-ب)

238/[239] راجہ جوبن: ہوڈی والا کے خیال میں یہ نام "جنبدیو" (یعنی سمبدیو Sambadeva) ہونا چاہئے، کیونکہ مندرجہ ذیل حوالوں کے مطابق اسی نے یہ سونے کے بت والا مندر بنوایا تھا:

راجہ "سامب" کو، جو کہ "جامبوت" کی بیٹی "جامبوتی" کے بطن سے کرشن کا بیٹا تھا، اسور خاندان کے راجہ "بانڑ" کی شکست کے بعد، ملتان کا راجہ مقرر کیا گیا۔ جامبوت نے کرشن کو اپنی بیٹی کے ساتھ "سیمنتک من" (ایک ہیرا یا طلسمی پتھر) بھی نذر کیا تھا "جو روزانہ آٹھ بہار (Bahars) سونا پیدا کرتا تھا" (وشنو پران، ہال کا ترتیب دیا ہوا ولسن کا انگریزی ترجمہ 6/76-79۔ سامب کو درواسس نامی فقیر کی بددعا کی وجہ سے کوڑھ کا مرض ہوگیا تھا، جس پر "نارد" کے مشورے کے مطابق جا کر وہ "متر-ون" کے پودوں کے سائے میں بیٹھا اور متر (سورج) کی پوجا کرنے کی وجہ سے اسے کوڑھ سے نجات ملی۔ چنانچہ اس نے متر یعنی سورج دیوتا کی پرستش کے لئے ایک مندر میں سونے کا بت استادہ کیا اور اس طرح سامب نے سورج کی پرستش کی ابتدا کی (بھاوشیہ پُران، بحوالہ حاشیہ ولسن۔ ایضاً 381/5، عمل 381/10 کنگھام، ہندوستان کے قدیم

جغرافیہ ص232-33)۔ بیرونی بھی لکھتا ہے کہ ملتان کا ایک قدیمی نام ''سامب پور'' یعنی سامب کا شہر تھا (انڈیا، ترجمہ سخاؤ، 296/1) پھر ایک دوسرے مقام (ایضاً 184/2) پر لکھتا ہے کہ ''ملتان کے ہندوؤں کے ایک بڑے تہوار کا نام ''سامپر یاترا'' ہے جس میں وہ سورج کی پرستش اور پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ (ہوڑی والا ص98-99)

238/[239] منروی [بتخانہ]: فارسی ایڈیشن میں یہ لفظ ''مستروی'' لکھا گیا ہے مگر فتحنامہ کے قلمی نسخوں کے تلفظ کے لحاظ سے ہم نے ''منروی'' اختیار کیا ہے جس کے لئے متن ص344 کا حاشیہ 1 دیکھئے۔ مندرجہ ذیل دلائل کے لحاظ سے بھی یقینی طور پر لفظ ''منروی'' ہے جو کہ ملتان کے مندر کا نام تھا۔

1- اس سے پہلے کے نوٹ کے مطابق ہندو پرانوں کے حوالوں سے تصدیق ہوتی ہے کہ ملتان کا مندر ''سورج دیوتا'' کی پرستش کا مندر تھا اور اسی مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا۔

2- محقق بیرونی نے اپنی مزید تحقیق کی بنیاد پر لکھا ہے کہ ہندوستان کے مشہور بتوں میں ایک ملتان والا بت ہے جس کا نام سورج کے نام پر مشہور ہے، اسی لئے اسے ''آدت'' کہا جاتا ہے۔ (کتاب الہند، عربی متن ص56 اور کتاب الجماہر ص49)

3- منروی کا سنسکرت نام خود بھی اس حقیقت کی تائید کرتا ہے: من= دل، روح، شعور، پہچان، فکر، شعور اور پہچان کا مرکز (''من'' سے نکلی ہوئی اصطلاح، دل لگانا، برگزیدہ سمجھنا، عبادت میں یاد کرنا)۔ روی= سورج یا سورج دیوتا۔ سورج کا قدیمی نام۔ سورج کی بارہ ''آدتیوں'' میں سے ایک آدتیہ (سنسکرت ڈکشنری Sir Monier-William)۔ اسی وجہ سے منروی (من + روی کے معنی ہوئے سورج کی (بارہ آدتیوں میں سے) ایک آدتیہ کی پوجا پاٹ کا مرکز یا عام لفظوں میں ''سورج دیوتا کی عبادت گاہ''۔

ابن رستہ (ص136) پر لکھتا ہے کہ ''(مقامی لوگ) کہتے ہیں کہ یہ بت دو ہزار سال پہلے کا ہے۔'' محقق بیرونی ''کتاب الہند ص56 پر لکھتا ہے کہ ان کے (مقامی باشندوں کے) خیال میں یہ بت ''کرتا جگ'' میں بنایا گیا تھا۔ اس حساب سے اس وقت (پانچویں صدی ہجری کے اوائل) تک اسے دو لاکھ سولہ ہزار چار سو بتیس سال گذر چکے ہیں'' (ن-ب)

238/[239] سونے کا ایک بت دیکھا جس کی آنکھوں کے مقام پر یاقوت جڑے ہوئے تھے: اس صفحے پر اور اس سے اگلے صفحے پر بیان کیا گیا ہے کہ یہ بت سونے کا تھا۔ لیکن مندرجہ ذیل حوالوں سے ظاہر ہے کہ یہ بت سونے کا نہیں تھا محمد بن قاسم نے اپنی فراخ دلی کے سبب اسے بالکل اس کی اپنی اصلی حالت میں جوں کا توں چھوڑ دیا تھا (دیکھئے تشریحات و

توضیحات 238/[240])۔ چنانچہ اصطخری، ابن حوقل اور مقدسی نے جنھوں نے کہ بعد میں چوتھی صدی ہجری کے وسط میں اس بت کو دیکھا تھا، ان کا بیان ہے کہ "سارا بت ایک قسم کے چمڑے سے ڈھکا ہوا ہے جو بکری کی سرخ رنگی ہوئی کھال یا سرخ سنجاب کے کپڑے کے مشابہ ہے۔ سوائے آنکھوں کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لکڑی کا بنا ہوا ہے اور بعضوں کی رائے اس سے مختلف ہے۔ (اصطخری ص174، ابن حوقل ص229 اور مقدسی ص28)۔ پانچویں صدی ہجری کی ابتدا میں تحقیقات کے دوران بیرونی کو معلوم ہوا کہ یہ بت لکڑی کا بنا ہوا تھا، اُس کا جسم بکری کی رنگی ہوئی سرخ کھال سے ڈھکا ہوا اور اس کی آنکھوں کی جگہ سرخ یاقوت لگے ہوئے تھے (کتاب الہند، عربی متن ص56)۔ یہ بت بیرونی سے پہلے تباہ ہو چکا تھا، لیکن آنکھوں میں جڑے ہوئے یاقوتوں کی بابت اس کی تحقیق فتحنامہ کے حوالے کے عین مطابق ہے جس کی تصدیق اصطخری (ص 174) ابن حوقل (ص 229) اور مقدسی (ص283) کی عینی شہادتوں سے بھی ہوتی ہے کہ "مورتی کی آنکھوں کی جگہ پر دو سرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے۔" غالباً فتحنامہ کے مترجم نے محض عبارت آرائی کے خیال سے اس بت کو سونے کا بت ظاہر کیا ہے، کیونکہ اس کا یہ بیان جملہ عینی شہادتوں کے خلاف ہے۔ (ن-ب)

238/[240] محمد بن قاسم سمجھا کہ یہ کوئی آدمی ہے: اس بت کی صورت ہو بہو انسانوں جیسی تھی۔ ابن حوقل کا مشاہدہ کے بعد بیان ہے کہ "اس بت کی شکل و شباہت انسانوں جیسی تھی۔" (مقدسی (ص283) اور ابن رستہ (ص 361) بھی اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں کہ "یہ بت آدمی جیسا ہے۔" (ن-ب)

239/[240] اس (بت) کے نیچے سے دو سو تیس من سونا اور چالیس مٹکے سونے کی کترن سے بھرے ہوئے نکلے۔ کل تیرہ ہزار دو سو من وزن کا دفن شدہ سونا برآمد ہوا: اس سے پہلے صفحہ 237 پر بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک مٹکے میں "تین سو تیس من" سونے کی کترن بھری ہوئی تھی۔ اس حساب سے تو صرف چالیس مٹکوں ہی سے (13200=40X330) تیرہ ہزار دو سو من سونا نکلا ہوگا۔ چنانچہ یا تو مذکورہ عبارت میں پہلا "دو سو تیس من" والا فقرہ محض اضافہ ہے اور غلط سمجھنا چاہیے یا پھر آخیر کا جوڑ غلط ہے اور جملہ سونا (13430=230+13200) تیرہ ہزار چار سو تیس من ہونا چاہیے۔

اکثر عرب مورخوں اور جغرافیہ نویسوں نے اپنی تصنیفات میں محمد بن قاسم کے سونے کے اس عظیم خزانے پر قبضہ کرنے کا ذکر کیا ہے جس کی وجہ سے اس کے بعد عربی میں ملتان کو "فرج بیت الذہب" یعنی سونے کے گھر والی سرحد (یا سونے کے گھر والا محاذ) کہا گیا ہے۔ کم از کم تین

مصنفوں نے ملتان کے اس مندر سے ہاتھ آئے ہوئے سونے کی مقدار بھی لکھی ہے۔ ان کے متفقہ بیانات کے مطابق اس بت خانہ سے "چالیس بہار وزن کا سونا حاصل ہوا اور بہار کا وزن برابر ہے تین سو تینتیس من کے[3]" (دیکھئے اصطخری ص56، "البدء والتاریخ" جلد 4 ص77 اور "مسالک الابصار" میں محمد بن تغلق کے متعلق حالات کا انگریزی میں "آٹو سپیس" کا ترجمہ ص19)۔ ان بیانات کے مطابق سونے کا کل وزن (13320=333X40) تیرہ ہزار تین سو بیس من ہونا چاہئے۔ (ن-ب)

239/[240] وہ سونا اور بت خزانے میں لایا گیا: پہلے تشریحات و توضیحات ص238/[239] میں واضح کیا گیا ہے کہ وہ بت سونے کا بنا ہوا نہیں تھا بلکہ لکڑی کا تھا اسی وجہ سے اسے لے جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کے علاوہ بتوں کو لے جانا یا تباہ کردینا محمد بن قاسم کی پالیسی کے منافی تھا۔ فتحنامہ میں اس سے پہلے اروڑ کی فتح کے بیان سے واضح ہے کہ محمد بن قاسم نے وہاں کے بت خانہ اور اس میں رکھی ہوئی مورتی کا معائنہ کیا اور بت کی کلائی سے طنزاً ایک کنگن اتار لیا تھا، لیکن وہ پھر مجاور کو واپس کردیا تھا تاکہ پہلے کی طرح بت کو پہنادیا جائے۔ زیر بحث صفحہ میں کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ محمد بن قاسم نے اس بت کو اٹھالینے کا حکم دیا لیکن یہ محض اس لئے کہ اس کے نیچے جو مدفون خزانہ تھا وہ حاصل کیا جائے۔

محمد بن قاسم کے بعد بھی عرب سیاحوں اور مورخوں نے مسلسل ملتان کے بت خانہ اور بت کا ذکر کیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بت اپنی جگہ جوں کا توں موجود تھا۔ دیکھئے چشم دید بیان اصطخری ص174، ابن حوقل ص129 اور مقدسی ص84-283 ان کے علاوہ ملاحظہ ہوں تحقیقی بیانات ابن خرداذبہ ص56، ابن رستہ ص37-135 اور حوالے از مصنف "حدود العالم" ص44، ابن الوردی "خریدۃ العجائب" 63-62 اور یاقوت "معجم البلدان" 689/4۔

پانچویں صدی ہجری کی ابتدا میں جب بیرونی ملتان آیا تو وہ بت اس سے پہلے برباد ہوچکا تھا۔ اس بت اور اس کی تباہی کے بارے میں بیرونی نے "کتاب الہند" (ص56) میں اس طرح لکھا ہے کہ "محمد بن قاسم بن منبہ نے اس بت کی گردن میں گائے کے گوشت کا ٹکڑا باندھ دیا تھا۔ پھر جب (ملتان پر) قرامطہ کا غلبہ ہوا تب جلم بن شیبان نے اس بت کو برباد اور

3 بہار ایک مقدار کا نام ہے لیکن اس کے وزن کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ جوالیقی کے بیان کے مطابق ایک بہار سونا یا چاندی تین قناطیر کے برابر ہے اور ہر ایک قناطیر ایک سو رطل کے ہم وزن ہے مگر الفراء اور ابن الاعرابی کی رائے میں بہار عربوں کے تین، تین سو رطلوں کے برابر ہے (کتاب المعرب ص27)۔ تاج العروس (مادہ: بہر) کے مصنف نے بھی بہار کے معنی لکھتے ہوئے جوالیقی کا بیان نقل کیا ہے۔ خفاجی لکھتا ہے کہ بہار ایک مقدار ہے جو کہ تین سو قناطیر کے برابر ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ تین سو رطلوں کے برابر ہے۔ (شفاء الغلیل ص43)۔

اس کے مجاوروں کو قتل کردیا اور اس مندر کو جامع مسجد میں تبدیل کردیا۔" ہر چند کہ بیرونی کے اس بیان کا یہ آخری حصہ صحیح ہے لیکن محمد بن قاسم کے بارے میں اس کا بیان غلط ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہانی بیرونی کو مقامی لوگوں کی زبانی معلوم ہوئی ہے۔ اور اس غلطی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ محمد بن قاسم کے دادا کا نام ہی غلط لکھا گیا ہے، کیونکہ محمد بن قاسم کے دادا کا نام "محمد" تھا "منبہ" نہیں۔ ممکن ہے کہ بت کی یہ توہین "بنومنبہ" خاندان کے حکمرانوں میں سے کسی نے کی ہو جو کہ قرامطہ سے پہلے ملتان کے حاکم تھے کیونکہ "منبہ" کے نام سے یہی خیال ہوتا ہے۔ محمد بن قاسم نے مقامی لوگوں کے مذہب کا جس قدر خیال اور ان کے ساتھ جتنی رواداری برتی ہے، اس پر فتحنامہ اور بلاذری کے کتنے ہی حوالے شاہد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں خود بیرونی کو بھی اس روایت کی غلطی کا علم ہوگیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی دوسری تصنیف "کتاب الجماہر" (ص49) میں لکھتا ہے کہ "محمد بن قاسم نے صلح اور بھلائی کی خاطر اس بت کو جوں کا توں چھوڑ دیا جسے بعد میں (خلیفہ) مقتدر باللہ کے زمانے کے قریب جلم بن شیبان نے برباد کیا۔"

جلم بن شیبان مصر کے فاطمی خلفاء کا داعی اور سپہ سالار تھا، جس نے اس دور میں سندھ اور ملتان پر غلبہ حاصل کیا۔ یہ بت اس نے 354ھ میں توڑا۔ جو کہ مصر کے فاطمی خلیفہ معز کے پاس لکھے ہوئے اس کے خط مورخہ 19 رمضان 354ھ بروز اتوار سے ثابت ہوتا ہے۔ (عماد الدین: عیون الاخبار۔ قلمی نسخہ۔ بشکریہ محترم استاذ پروفیسر طاہر علی، حال پرنسپل شاہ عبداللطیف کالج میرپورخاص) (ن۔ب)

239/[240] تیاری میں ساٹھ ہزار درہم وزن کی خالص چاندی خرچ ہوئی ہے۔ باقی ایک سو بیس ہزار درہم وزن کی چاندی تجھے بھیجی ہے: جملہ نسخوں کے مطابق فتحنامہ کی عبارت اسی طرح ہے۔ یہ الفاظ حجاج کے خط کے ہیں جو کہ فتحنامہ کے مطابق محمد بن قاسم کو اس دن وصول ہوا کہ جس دن وہ خزانہ اس کے ہاتھ آیا۔ اس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ محمد بن قاسم نے ابھی یہ خزانہ حجاج کے پاس نہیں بھیجا تھا۔

گمان ہوتا ہے کہ زیر بحث عبارت میں خلل ہے۔ بقول ہوڈی والا (ص100) یہ سمجھنا عبث ہے کہ دو تین سالوں کی فوج کشی کی تیاری پر صرف ساٹھ ہزار درہم وزن کی چاندی یعنی تقریباً 15 ہزار روپے خرچ ہوئے ہوں گے۔ ا۔ھ۔ اس بارے میں بلاذری کا مندرجہ ذیل بیان غالباً صحیح ہے اور فتحنامہ میں محض کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے اس حقیقت کو قلم بند کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ بلاذری لکھتا ہے کہ "حجاج نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ محمد بن قاسم (کی فوج کشی) پر ساٹھ ہزار درہم خرچ ہوئے تھے اور اسے ایک سو بیس ہزار درہم پہنچ چکے تھے۔ اس پر اس نے کہا

کہ: ہم نے بدلہ لے کر اپنا غصہ ٹھنڈا کیا اور ساٹھ ہزار درہموں اور داہر کے سر کا اضافہ کیا۔"
(فتوح البلدان، ص440) فتحنامہ کے دونوں مقامات پر "ہزار ہزار" کے بجائے صرف "ہزار" دیا
گیا ہے جو کہ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ بلاذری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم کی
لشکرکشی پر کل چھ کروڑ درہم خرچ ہوئے اور بارہ کروڑ درہم محمد بن قاسم کی طرف سے شاہی خزانہ
میں پہنچ چکے تھے۔ (ن-ب)

240/[241] اشہار اور کرور: فتحنامہ کے اس صفحہ پر اور اس سے پہلے ص[59-74] پر ان
دونوں شہروں کے نام ساتھ ساتھ دیئے گئے ہیں اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں شہر ایک
ہی سمت پر ایک دوسرے کے بالکل قریب تھے "کرور" کا نام آج تک موجود ہے اور "کرور پکا"
ضلع ملتان کی تحصیل لودھراں میں لودھراں ریلوے اسٹیشن سے 24 میل مشرق کی طرف واقع
ہے۔ (ن-ب)

241/[242] اودھاپور: مختلف نسخوں کے تلفظ کے مطابق یہ لفظ "اوردھاپور" یا "اودھافر"
ہے۔ میر معصوم نے (تاریخ معصومی ص28) پر نہ جانے کس بنیاد پر اس شہر کو "دیپالپور" کے نام
سے لکھا ہے۔ ہوڈی والا نے تحریر کیا ہے کہ میجر راورٹی کے خیال میں فتحنامہ کا "اودھاپہ" یقینی طور پر
"اودے پور" (Odipur) ہے جو کہ الوان (Alwana) سے 14 میل مشرق کی طرف "گھگھر"
کے کنارے پر ہے۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا کے مصنف نے بھی راورٹی کی اس رائے کو اختیار کیا
ہے۔ لیکن یہ نام مبہم ہے اور اس کی جگہ متعین کرنا مشکل ہے۔ (ہوڈی والا ص100)

241/[242] رائے ہر چندر [بن] جہتل: فتحنامہ کے بیان کے مطابق رائے ہر چندر، محمد
بن قاسم کی فتوحات کے موقع پر قنوج کا راجہ تھا۔ ناموں کی مماثلت کے اعتبار سے "ہر چندر" کو
"ہرشا" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، لیکن قنوج کا مشہور راجہ "ہرشا" سندھ میں برہمن خاندان کی
حکومت سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔ چنانچہ یہ ہر چندر قنوج کا کوئی دوسرا راجہ تھا جو کہ شاید "ہرشا"
کے بعد حکمران ہوا۔

243-45/[243-247] محمد بن قاسم کے پاس دارالخلافہ کا پروانہ پہنچنا...... چچی کی
دوسری مرتبہ گفتگو: ان صفحات پر پانچ مختلف عنوانوں کے تحت محمد بن قاسم کی گرفتاری اور موت کی
بابت جو حکایت بیان کی گئی ہے وہ محض ایک کہانی ہے اور اس کا قدیم تاریخی کتب میں کہیں پر
کوئی بھی ذکر نہیں ہے۔ البتہ بعد کے دور کے مصنفوں نے فتحنامہ کے اس افسانے کو بغیر سوچے
سمجھے اپنی کتابوں میں داخل کیا اور اسی وجہ سے نظام الدین بخشی کی "طبقات اکبری" میر معصوم کی
"تاریخ معصومی" اور میر علی شیر قانع کی "تحفۃ الکرام" کے ذریعہ اس فرضی افسانے کی زیادہ

اشاعت ہوئی ہے۔

اس حکایت کے یہ اندرونی سقم ہی یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ صرف ایک فرضی داستان ہے اور جس کی بنیاد صرف، محمد بن قاسم کے متعلق، سنی ہوئی مقامی حکایتوں پر ہے:

اول یہ کہ ص243/[243] پر اس افسانے کو تاریخ کا رنگ دینے کے لئے اسے دو راویوں محمد بن علی اور ابوالحسن مدائنی سے منسوب کیا گیا ہے۔ ان ناموں کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ یہ شاید ایک ہی نام یعنی "علی بن محمد ابوالحسن مدائنی" ہو جو کہ مدائنی کا صحیح پورا نام ہے۔ لیکن فتحنامہ کے سارے نسخوں میں یہ دو الگ الگ نام ظاہر کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ "علی بن محمد" کو "محمد بن علی" لکھے جانے کو کاتبوں کے سہو کتابت کی طرف بھی منسوب کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔ چونکہ ابوالحسن مدائنی ایک نہایت معتبر راوی ہے جس کی فتحنامہ میں مذکورہ تمام روایتیں تاریخ کی کسوٹی پر پرکھی جاسکتی ہیں۔ اسی وجہ سے جس شخص نے یہ کہانی فتحنامہ میں شامل کی ہے، اس نے غالباً عمداً اور ارادتاً اسے صرف ابوالحسن مدائنی سے منسوب کرنے کی بجائے محمد بن علی نامی ایک دوسرے گمنام راوی کو بھی شامل کرلیا ہے۔

دوم یہ کہ ص243/[243] پر بیان کیا گیا ہے کہ "راجہ داہر کے قتل ہونے کے موقع پر اس کی حرم سرا سے اس کی دو بیٹیاں بھی گرفتار ہوکر آئی تھیں۔" فتحنامہ کے گذشتہ بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ راجہ داہر راوڑ کے قلعے کے قریب قتل ہوا تھا اور وہاں بھی صرف اس کی بیوی لاڈی کی گرفتاری کا قصہ بیان کیا گیا ہے بیٹیوں کا نہیں۔ البتہ ڈاہر کی دو بیٹیوں اور رانی لاڈی کی گرفتاری کا قصہ صفحہ 209/[207] پر برہمن آباد کی فتح کے موقع پر بیان کیا گیا ہے اور تشریحات وتوضیحات ص209/[207] میں ان متضاد اور غیر معتبر بیانات پر تبصرہ کیا جاچکا ہے۔ ظاہر ہے کہ داہر کی بیٹیوں کے متعلق خود فتحنامہ کے بیانات ایک دوسرے کے خلاف ہیں اور اس قصہ کو غیر معتبر ثابت کرتے ہیں۔

سوم یہ کہ اسی صفحہ 243/[243] پر بیان کیا گیا ہے کہ "داہر کی ان دو بیٹیوں کو محمد بن قاسم نے حبشی غلاموں کی نگرانی میں دارالخلافہ بغداد بھیج دیا تھا۔" حالانکہ محمد بن قاسم کی فتوحات کے زمانے میں بغداد کا وجود ہی نہ تھا، بلکہ اس کے چالیس سال بعد یہ شہر آباد ہوا۔ اس کے زمانے میں دارالخلافہ دمشق تھا۔ اس بنیادی تاریخی غلطی سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک من گھڑت افسانہ ہے، جسے بہت عرصے کے بعد گھڑ کر فتحنامہ میں شامل کیا گیا۔

چوتھے یہ کہ 43-244/[244-245] پر بیان کیا گیا ہے کہ محمد بن قاسم کو بھینس سے کچی کھال میں لپیٹ کر اور صندوق میں بند کر کے لے گئے تھے اور خلیفہ کے پاس اس کی لاش پہنچی تھی

لیکن معتبر عربی تواریخ اس بیان کی واضح طور پر تردید کرتی ہیں۔

پانچویں یہ کہ ص245/[247] میں بیان کیا گیا ہے کہ جب خلیفہ پر داہر کی بیٹیوں کا مکر اور جھوٹ روشن ہوا تب خلیفہ نے انہیں زندہ دیوار میں چنوادیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر سچا ہوتا تو عربی تواریخ میں اس کا ضرور ذکر ہوتا، مگر کہیں بھی ایسا کوئی حوالہ موجود نہیں ہے۔

اس داستان کے یہ اندرونی سقم ہی اس پوری حکایت کو ایک فرضی اور من گھڑت افسانہ ثابت کرتے ہیں۔ معتبر عربی تواریخ کے مطابق محمد بن قاسم کا دردناک انجام اور اس کی وفات کی حقیقت اس طرح بیان کی گئی ہے جو کہ واضح طور پر اس من گھڑت کہانی کی تردید کرتی ہے:

خلیفہ ولید کے زمانے میں حجاج کی طاقت عروج پر تھی۔ اس عرصے میں حجاج کی اختیار کردہ سخت گیری کی پالیسی کی وجہ سے ایک تو بعض ایسے خاص لوگ حجاج کی دشمنی کا شکار ہوئے کہ جو خلیفہ ولید کی وفات کے بعد نئے خلیفہ سلیمان کے خاص مشیر اور افسر بنے اور انہوں نے حجاج کے عزیزوں اور خاص آدمیوں سے حجاج کے مظالم کا انتقام لیا اور محمد بن قاسم بھی ان کے اسی انتقام کا شکار ہوا۔ دوسرے یہ کہ جب حجاج ان خاص افراد کا دشمن ہوا تو انہوں نے خلیفہ ولید کے بھائی اور ولی عہد سلیمان کے پاس جاکر پناہ لی جس کی وجہ سے حجاج ذاتی طور پر سلیمان کا دشمن ہوگیا۔ چنانچہ جب سلیمان خلیفہ ہوا تو اسی عناد کی وجہ سے اس نے اپنے خاص مشیروں کو اس پالیسی کی پشت پناہی کی کہ جس کے مطابق حجاج کا بدلہ اس کے عزیزوں اور خاص آدمیوں سے لیا گیا اور جس میں محمد بن قاسم سرفہرست تھا۔ تیسرے یہ کہ ولی عہد سلیمان سے ذاتی عداوت ہونے کی وجہ سے حجاج نے اس کی سیاسی مخالفت بھی کی اور خلیفہ ولید کی اس تجویز کی پُرزور حمایت کی جس کے مطابق سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کرکے اس کی جگہ خلیفہ ولید کے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنایا گیا۔ حجاج کی اس سیاسی عداوت کا بدلہ سلیمان نے خلیفہ بن کر اس کے عزیزوں، خاص حامیوں اور خصوصاً محمد بن قاسم سے لیا۔ حجاج کی یہی عداوتیں اور مرکزی اقتدار کی یہ تبدیلی ہی محمد بن قاسم کی گرفتاری اور اس کے دردناک انجام کا خاص سبب تھی جن پر مندرجہ ذیل تاریخی حوالوں سے مزید روشنی پڑتی ہے:

حجاج کی مہلب کی بیٹوں سے دشمنی

1- سنہ 75ھ میں خلیفہ عبدالملک نے حجاج کو اپنا خاص افسر مقرر کیا اور حجاج نے سخت جبر و تشدد کے ساتھ حکومت کے مخالفوں کو ختم اور بغاوت کی بیخ کنی کی۔ مگر 81ھ میں خود حجاج کے ایک ماتحت افسر عبدالرحمٰن بن الاشعث نے بغاوت کی۔ ابن الاشعث مشرقی محاذ کا کمانڈر

تھا، اس نے سیستان کی طرف فتوحات حاصل کی تھیں اور بصرہ، کرمان، فارس اور سیستان کا انتظام بھی اسی کی حوالے تھا۔[1] ابن الاشعث کی بغاوت کی وجہ سے حجاج خود اپنے طاقتور ماتحت افسروں سے بدظن ہوگیا۔ اس وقت ایک دوسرا کامیاب اور طاقتور افسر مہلب بن ابی صفراء تھا۔ مہلب خود بھی حکومت کا بے حد وفادار افسر تھا، لیکن حجاج کو اس کے بیٹوں سے خدشہ پیدا ہوگیا، کیونکہ وہ سب شیر مرد تھے اور حجاج ان کے اثر و رسوخ اور ہمت و مردانگی سے باخبر تھا[2]۔ خصوصاً مہلب کے ایک بیٹے یزید کے اثر و رسوخ اور دبدبۂ و غرور کے بارے میں حجاج کو بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا۔[3] بلکہ علم نجوم کی رو سے بعضوں نے اسے یہ بھی خبر دی تھی کہ یزید نامی شخص ہی تیرا جانشین ہوگا[4]۔ چنانچہ اسی وجہ سے اور بھی حجاج، یزید بن مہلب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔[5]

یزید کے باپ مہلب کی خلیفہ عبدالملک کے نزدیک بڑی قدر تھی، اسی وجہ سے حجاج اس کی زندگی میں کوئی قدم نہ اٹھاسکا۔ پھر اس کے بعد جب 82ھ میں مہلب کا انتقال ہوا تو اس وقت ابن الاشعث کی بغاوت زوروں پر تھی اور حجاج اسے دفع کرنے میں اُلجھا ہوا تھا اسی وجہ سے اس نے یزید کو اس کے باپ مہلب کی جگہ پر خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ مگر 85ھ میں ابن الاشعث کا خاتمہ ہوا اور حجاج نے یزید کو خراسان کی گورنری سے معزول کردیا[6]۔ چنانچہ یزید نے جاکر خلیفہ عبدالملک کے بیٹے سلیمان کا سہارا حاصل کیا۔ اور جب حجاج نے عبدالملک کے پاس یزید اور اس کے بھائیوں کے خلاف لکھا کہ انہوں نے بیت المال کی رقموں میں خیانت کی ہے اور اس کے بعد مسلسل ان کی شکایت لکھتا رہا تب خلیفہ نے اسے جواب دیا کہ وہ جاکر سلیمان سے مل گئے ہیں اس لئے ان کا ذکر چھوڑ دے۔[7]

اس جواب پر حجاج نے عبدالملک کے باقی ماندہ عہد میں یزید اور اس کے بھائیوں کا پیچھا ترک کردیا، لیکن جب شوال 86ھ میں عبدالملک فوت ہوگیا اور اس کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا تب حجاج کو شہ مل گئی اور اس نے یزید کے بھائی حبیب کو کرمان کی گورنری سے اور اس کے دوسرے بھائی کو پولیس کی افسری سے معزول کردیا اور تینوں بھائیوں کو 86ھ میں گرفتار کرکے قید کیا[8] اور قید میں انہیں سخت عذاب دلوائے[9]۔ چار سال کی قید اور عذاب کے بعد 90ھ میں یزید اور اس کے بھائی حجاج کی قید سے بھاگ نکلے اور خلیفہ ولید کے بھائی اور ولی عہد سلیمان کے پاس جاکر پناہ

1. ابن الاثیر 226/4۔ 2. ابن خلدون 54/3 3. ابن خلکان انگریزی ترجمہ 16-III/515
4. ایضاً IV/164 5. ابن خلکان، عربی متن 265/2 انگریزی ترجمہ IV/64
6. طبری: 1138/2۔ 7. طبری: 16-1212/2۔ 8. طبری: 1182/2
9. طبری: 1210/2، یعقوبی 45-344/2، ابن الاثیر: 262/4، ابن خلکان انگریزی ترجمہ IV/165۔

گزین ہوئے۔[1] حجاج کی یہ سختی اور عداوت وہ فراموش نہ کرسکتے تھے اسی وجہ سے جب حجاج مرگیا اور خلیفہ ولید بھی مرگیا اور ان کا مربی سلیمان خلیفہ ہوا تب انہوں نے حجاج کی دشمنی کا بدلہ اس کے ساتھیوں، عزیزوں اور خصوصاً محمد بن قاسم سے لیا۔

حجاج کی ولی عہد سلیمان سے ذاتی دشمنی

2۔ خلیفہ عبدالملک اور خلیفہ ولید کے زمانے میں ہی سلیمان، یزید بن مہلب اور اس کے بھائیوں کا حامی ہوگیا تھا اور انہیں اپنی پناہ اور حفاظت میں جگہ دی تھی جس کی وجہ سے حجاج ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا تھا اور اسی وجہ سے حجاج سلیمان کا بھی دشمن ہوگیا تھا۔ ولید کے دور خلافت میں حجاج کی طاقت اوج پر تھی، چنانچہ سلیمان کے ولی عہد ہوتے ہوئے بھی اس نے اسے دھمکی کے طور پر لکھ بھیجا تھا کہ ''تو (میرے تئیں) روشنائی کے ایک نقطہ کی طرح ہے، چاہوں تو تجھے مٹادوں اور چاہوں تو باقی رکھوں۔''[2] اپنی انہی سرکشیوں کی وجہ سے حجاج، ولی عہد سلیمان کے لئے بھی دردِ سر بن گیا تھا، لیکن چونکہ اس کے خلیفہ ہونے سے پہلے ہی وہ مرچکا تھا، اس وجہ سے سلیمان نے اس کے سارے بدلے اس کے عزیزوں سے چکائے اور محمد بن قاسم بھی اسی عداوت کا شکار ہوا۔

ولی عہد سلیمان کے خلاف سیاسی سازش میں حجاج کی شرکت

3۔ خلیفہ عبدالملک نے اپنے وفات کے ایک سال پہلے 85ھ میں اپنے بعد خلافت کا سلسلہ اس طرح مقرر کیا کہ پہلے اس کا بیٹا ولید خلیفہ ہوا اور اس کے بعد اس کا دوسرا بیٹا سلیمان۔ اس پر اس نے عوام سے بیعت لی اور خود بھی ولید اور اس کے بعد سلیمان کی بیعت کروائی۔[3] لیکن ولید نے اپنے خلافت کے آخری دور میں کوشش کی کہ اس کے بعد سلیمان کی بجائے اس کا بیٹا عبدالعزیز خلیفہ ہو۔ چنانچہ پہلے تو اس نے اپنے بھائی سلیمان کو اس بات پر راضی کرنے کی کوشش کی، لیکن جب اس نے انکار کیا تو ولید نے اپنے گورنروں اور افسروں کو لکھا کہ وہ سلیمان کی بیعت ترک کرکے عبدالعزیز کی بیعت کریں۔ اس پر عراق کے وائسرائے حجاج، خراسان کے گورنر اور کمانڈر قتیبہ بن مسلم اور دوسرے خاص سرداروں نے سلیمان کی بیعت ترک کرکے عبدالعزیز کی بیعت کی۔[4] ان دوسرے خاص سرداروں میں غالباً افریقہ کا فاتح موسیٰ بن نصیر اللخمی، عبداللہ القسری، عبدالرحمٰن بن حیان المری، حجاج کا چچازاد بھائی حکم بن ایوب اور حجاج کے

1. طبری: 1208/2۔ 2. جاحظ البیان: 205/1، محاضرات راغب اصفہانی 106/1۔
3. طبری: 1170/2، بلاذری، انساب الاشراف 243/11۔
4. طبری: 1274/2-1284، العیون والحدائق 17/3، نقائض 351-353، دیوان فرزدق طبع پیرس 52، طبع قاہرہ 768، ابن خلکان انگریزی ترجمہ IV/183۔

چچازاد بھائی کا بیٹا یوسف بن عمر الثقفی وغیرہ بھی شامل تھے۔ کیونکہ جب سلیمان خلیفہ ہوا تو اس نے ان سب کو گرفتار کر کے قید میں رکھا اور انہیں سخت عذاب دیا۔[1] گمانِ غالب ہے کہ حجاج نے نہ صرف خود عبدالعزیز بن ولید کی بیعت کی بلکہ سلیمان کو خلافت سے محروم کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت بھی صرف کی اور اپنے قبیلے آل ابو عقیل کے سارے سربرآوردہ لوگوں کو سلیمان کی بیعت توڑ کر عبدالعزیز کی بیعت کرنے پر آمادہ کیا اور اپنے ماتحت افسروں کو بھی اس کے احکامات صادر کئے، جیسا کہ طبری نے اپنی سند کے ساتھ ہلواث کلبی کی زبانی روایت نقل کی ہے جس نے بیان کیا کہ: ''ہم محمد بن قاسم کے ساتھ ہندوستان میں تھے کہ حجاج کا خط پہنچا جس میں تاکید تھی کہ سلیمان کی بیعت ترک کرو۔''[2]

اس تحریک کے بعد اگر حجاج کچھ دنوں اور زندہ رہتا تو سلیمان کے خلاف بہت کچھ کرسکتا تھا اور اگر ولید کی موت تک زندہ رہتا تو شاید ہمیشہ کے لئے سلیمان کو خلافت سے محروم کردیتا، لیکن حجاج اس کے بعد جلد ہی ماہِ رمضان 95ھ میں مرگیا اور خلیفہ ولید کا گویا داھنا بازو ٹوٹ گیا، اسی وجہ سے وہ سلیمان کے خلاف چلائی ہوئی تحریک کو کامیاب نہ بناسکا۔ پھر ولید بھی جلد ہی جمادی الثانی 96ھ میں فوت ہوگیا اور سلیمان اپنے باپ کی وصیت اور بیعت کے مطابق خلیفہ ہوگیا۔ چنانچہ اب اس نے اپنے سارے مخالفوں کے خلاف سخت کارروائیاں شروع کیں۔

سلیمان کے خلیفہ ہونے سے مرکزی سیاست میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ حجاج کی جگہ خلیفہ ولید نے جس شخص کو مامور کیا تھا، سلیمان نے اسے معزول کر کے اس کی جگہ حجاج کے دشمن اور اپنے ساتھی یزید بن مہلب کو عراق کا وائسرائے مقرر کیا۔ پچھلے خلیفہ ولید کے سیاسی حامیوں کے خلاف بھی انتقامی کارروائیاں شروع کی گئیں۔ افریقہ کے فاتح موسیٰ بن نصیر کو گرفتار کر کے قید میں رکھا گیا۔ سرحد چین اور کاشغر کے فاتح قتیبہ بن مسلم الباہلی نے، جس نے کہ حجاج کے ساتھ خلیفہ ولید کی حمایت کی تھی اور ولی عہد سلیمان کی بیعت ترک کر کے عبدالعزیز بن ولید کی بیعت کی تھی، اس نے مرکزی سیاست کا رد و بدل دیکھ کر بغاوت شروع کی اس کی کوئی فوج اس سے منحرف ہوگئی اور وہ بالآخر شاہی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا۔ عبداللہ قسری کو مکہ کی نظامت سے معزول کیا گیا۔ حجاج کے قبیلۂ آلِ ابی عقیل کے لوگوں اور حجاج کے عزیزوں کی گرفتاری، عذاب اور موت کے لئے خاص اہتمام کیا گیا۔ یزید بن مہلب کے مشورے پر صالح بن عبدالرحمٰن نامی ایک شخص کو سلیمان نے خاص اس مقصد کے تحت عراق کا افسر مال مقرر کیا تاکہ وہ آلِ ابی عقیل کے لوگوں اور حجاج کے متعلقین کو گرفتار کر کے قید میں رکھے اور انہیں سخت عذاب دے کر ہلاک

1. یعقوبی: 253/2۔ 2. طبری: 1275/2۔

کرے[1]۔ صالح کو حجاج سے ذاتی دشمنی تھی، کیونکہ حجاج نے اس کے بھائی آدم کو خارجی ہونے کی وجہ سے قتل کرایا تھا[2] اسی وجہ سے وہ ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گیا۔

محمد بن قاسم حجاج کا عزیز اور خاص آدمی تھا اور فاتح سندھ ہونے کی وجہ سے قبیلۂ آلِ عقیل میں بھی ممتاز تھا۔ اس کے علاوہ حجاج نے اسے سلیمان کی بیعت ترک کرنے اور عبدالعزیز بن ولید کی بیعت اختیار کرنے کے لئے بھی لکھا تھا۔[3] اسی وجہ سے محمد بن قاسم کو فوراً معزول کر کے اس کی جگہ پر یزید بن ابی کبشہ سکسکی کو سندھ کا نیا گورنر مقرر کیا گیا۔ سندھ کے اس نئے گورنر کے ساتھ عراق کے نئے وائسرائے یزید بن مہلب کے بھائی معاویہ بن مہلب کو خاص طور پر محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے لانے کے لئے روانہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ قبیلہ ''عک'' کے ایک اور شخص کو بھی محمد بن قاسم کے قید ہونے کی صورت میں مزید نگرانی کرنے کے لئے بھیجا گیا۔[4]

سنیچر کے دن 13- جمادی الاخر 96ھ (23 فروری 715ء) کو ولید کا انتقال ہوا۔[5] اور اسی دن سلیمان نے بیعت لے کر[6] حکومت اور تختِ خلافت پر قبضہ کیا۔ چونکہ سلیمان کو حجاج کے افسروں اور متعلقین سے خدشہ تھا، اسی وجہ سے غالباً محمد بن قاسم کی معزولی، سندھ کے نئے گورنر کی تقرری اور اس کے عملے کی سندھ کی طرف روانگی بھی اس تاریخ کے فوراً بعد ہوئی ہوگی۔

فتحنامہ کے بیان کے مطابق محمد بن قاسم اس وقت ہندوستان فتح کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا اور اس کا لشکر اودھاپر میں منزل انداز تھا کہ اسے دارالخلافہ سے معزولی کا حکم ملا۔ اس حکم کے ملتے ہی محمد بن قاسم واپس ہوا اور اس حکم کی تعمیل میں خود کو نئے گورنر کے سامنے پیش کیا جس نے اسے گرفتار کرلیا۔ اپنی گرفتاری کے موقع پر محمد بن قاسم نے مندرجہ ذیل اشعار کہے جس سے نئے گورنر اور اس کے عملے کی روش اور محمد بن قاسم کے تاثرات پر روشنی پڑتی ہے:

---

1. طبری: 1282/2، 1309، الجہشیاری 49، ابن خلکان عربی متن: 273/2، انگریزی ترجمہ IV/385
2. بلاذری فتوح البلدان 441۔
3. طبری: 1275/2۔
4. بلاذری فتوح البلدان: 440-441 مزید دیکھئے اگلے صفحہ پر نقل کردہ محمد بن قاسم کے اشعار۔
5. طبری (1269/2) لکھتا ہے کہ سارے سیرت نگار متفق ہیں کہ ولید نے 96ھ وسط جمادی الاخر میں سنیچر کے دن انتقال کیا۔ حساب کے مطابق سنیچر کے دن 12 جمادی الاخر 96ھ تھا۔
6. طبری: 1281/2۔

1- الـنـسـیٰ بـنـو مـروان سـمـعـی وطـاعـتـی
والـی عـلـی مـا فـاتـنـی لـصـبـور

2- فـتـحـت لـهـم مـا بـیـن سـابـور بـالـقـنـا
الـی الـهـنـد مـنـهـم زاحـف ومـغـیـر

3- فـتـحـت لـهـم مـا بـیـن جـرجـان بـالـقـنـا
الـی الـصـیـن الـقـی مـرۃ واغـیـر

4- لـو کـنـت اجـمـعـت الـقـرار، لـؤطـئـت
انـاث اعـدت لـلـوغـی و ذکـور

5- ومـا دخـلـت خـیـل الـسـکـاسـک ارضـنـا
ولا کـان مـن عـک عـلـی امـیـر

6- ولا کـنـت لـلـعـبـد الـمـزونـی تـابـعـا
فـیـالـک دهـر بـالـکـرام عـثـور[1]

[1- کیا بنو مروان کا خاندان (یعنی خلیفہ سلیمان) میری مکمل وفاداری فراموش کر چکا ہے، حالانکہ میں اپنی حق تلفی پر صابر ہوں۔ 2- ان کے لئے میں نے نیزوں سے حملے کر کے (ایران کے شہر) سابور اور (مشرق کی طرف) سرحد ہند (مکران) کا درمیانی ملک فتح کیا۔ 3- اور ان کے لئے (ایران میں) جرجان سے لے کر چین (کی سرحد) تک کا درمیانی علاقہ نیزوں کے مسلسل حملوں سے فتح کیا۔ 4- (یہاں سندھ میں) اگر میں (اس کے خلاف) مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرتا تو کتنے ہی جنگجو مرد اور عورتیں برباد ہو جاتیں۔ 5- اور نہ سکسکی فوجیں ہی ہماری حد میں داخل ہوتیں اور نہ ہی "عک" قبیلہ کا ایک شخص مجھ پر یوں حکم چلاتا۔ 6- اور نہ پھر ایک مزونی غلام (یعنی معاویہ بن مہلب) کا میں تابع ہوتا۔ مگر افسوس اے دنیا! تیری اچھوں کے ساتھ برائیاں!!]

اپنے ان اشعار میں محمد بن قاسم نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے ان سے واضح طور پر مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(1) محمد بن قاسم کو حکمران خاندان کی طرف سے کسی بھی ایذا رسانی کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ اس کے اس اعتماد کے خاص اسباب تھے۔ ایک تو محمد بن قاسم 15 سال کی چھوٹی عمر میں

---

1. مرزبانی (معجم ص412) نے محمد بن قاسم کے یہ سارے اشعار (آخری تین اشعار کی روایت تھوڑے ہیر پھیر سے) نقل کئے ہیں۔ آخر کے تین اشعار بلاذری (فتوح البلدان ص441) اور ابن الاثیر (282/4) نے نقل کئے ہیں اور یہاں یہ بلاذری کی روایت کے مطابق دیئے گئے ہیں۔

ایران کا فوجی کمانڈر مقرر ہوا جہاں اس نے کرد قبائل کی بغاوت کو کامیابی کے ساتھ دبایا اور سابور اور جرجان کے علاقے فتح کیے (جیسا کہ اس کے شعر سے ظاہر ہے) شیراز کا شہر بسا کر اسے حکومت اور تجارت کا مرکز بنایا اور آخر میں شہر رے پر حملہ کرنے کے لئے فوج تیار کر رہا تھا کہ [1] اسے سندھ فتح کرنے کے لئے کمانڈر ان چیف مقرر کر دیا گیا اور وہ شیراز سے فوراً سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے بعد اس کا باقی سارا وقت سندھ کی فتوحات میں گذرا۔ ایک کامیاب فوجی جرنیل کی حیثیت سے ان مہمات میں مشغول رہنے اور حکومت کے سیاسی دائرے سے دور رہنے کی وجہ سے محمد بن قاسم کا مرکزی سیاست سے کوئی واسطہ نہ تھا اور اسی وجہ سے اس کا دامن سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے پاک تھا۔

دوسرے یہ کہ ہر چند یہ ثابت ہے کہ حجاج کی طرف سے اسے سلیمان کی بیعت ترک کرنے کا خط مل چکا تھا لیکن یہ ثابت نہیں ہے کہ محمد بن قاسم نے اس پر عمل بھی کیا تھا۔ یہ خط غالباً حجاج نے اپنے زندگی کے آخری دنوں میں لکھا تھا اور اس خط کے محمد بن قاسم کے پاس پہنچنے تک کے درمیانی عرصے میں شاید وہ بیمار پڑا اور ابھی محمد بن قاسم نے اس پر عمل بھی نہ کیا تھا کہ وہ فوت ہو گیا۔ اگر محمد بن قاسم سلیمان کی بیعت ترک کر دیتا تو ان اشعار میں اس کی مکمل وفاداری کا دم نہ بھرتا۔

تیسرے یہ کہ اپنے فرائض کی دھن اور فوجی کارروائیوں میں منہمک رہنے کی وجہ سے محمد بن قاسم مرکزی سیاست سے قطعی بے خبر تھا اور ہزاروں میل دور ہونے کی وجہ سے اسے حجاج کے پیدا کردہ عداوتوں کا کوئی علم نہیں تھا، اسی وجہ سے اسے نئے خلیفہ سے کسی انتقامی کارروائی کا کوئی اندیشہ نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے معزولی کے حکم کی بلا چوں چرا تعمیل کی اور سندھ کے لئے مقرر کردہ گورنر کے سامنے حاضر ہو کر خود کو پیش کیا۔

(2) اس کے ان اشعار سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس نے اپنی وفاداری اور فرمان برداری کا مکمل ثبوت دیا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے ساتھ برا سلوک نہ کیا جائے گا، لیکن اگر اسے انتقامی کارروائی کا خوف ہوتا اور وہ مخالفت اور مقابلہ کا فیصلہ کرتا تو اسے اس کی پوری قوت حاصل تھی۔ اور اس حالت میں شاہی فوج قتل ہوتی اور نئے گورنر ابو کبشہ سکسکی کی فوج سندھ میں نہ داخل ہو سکتی۔ نہ وہ محمد بن قاسم کو گرفتار کر سکتے اور نہ قبیلہ "عک" کا ایک معمولی شخص اس کا نگران ہوتا اور نہ ہی وہ معاویہ بن مہلب جیسے مزونی (قبیلہ ازد کے) غلام کا تابع ہوتا۔ محمد بن قاسم کے

1۔ محمد بن قاسم نے صرف دو سال کے اندر ایران میں یہ کارنامے انجام دیئے جن کی تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارا انگریزی مضمون بعنوان "محمد بن قاسم کے خاندان اور شخصیت کا مطالعہ" اسلامک کلچر بابت ماہ اکتوبر 1953ء حیدرآباد دکن ص 251-255

اس بیان میں صداقت تھی۔ سندھ ایک دور افتادہ ملک تھا، جہاں مرکزی طاقت کا زور مشکل ہی سے چل سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اپنی اہلیت اور لیاقت کی وجہ سے وہ نہ صرف عرب فوجوں میں مقبول تھا، بلکہ اپنی رواداری، صلح اور انصاف کی وجہ سے اس نے مقامی حکمرانوں، افسروں اور عوام کو بھی اپنا دوست اور ہمدرد بنالیا تھا۔ اسی لئے مقامی باشندے اور اس کی فوج اس کے دست و بازو بن گئے تھے۔

لیکن باوجود اس طاقت اور اقتدار کے محمد بن قاسم نے بغاوت سے منہ موڑا اور فرمان برداری کی راہ اختیار کی۔ اسے گرفتار اور قید کرنے کے بعد یقیناً شاہی افسروں نے اس کے ساتھ انتقامی سلوک کیا ہوگا۔ عراق کے نئے وائسرائے یزید بن مہلب کا بھائی معاویہ بن مہلب، کہ جسے خاص طور پر محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے لانے کے لئے مامور کیا گیا تھا، وہ محمد بن قاسم کو کھال میں لپیٹ کر اور ہتھکڑیاں پہنا کر لے گیا۔[1] محمد بن قاسم کی اس تذلیل اور برے برتاؤ کے ساتھ اسے لے جانے کے حادثے نے ملک کے مقامی باشندوں کو بھی رنجیدہ کردیا۔ چنانچہ بلاذری لکھتا ہے کہ اس پر ہندوستان والے روئے اور گجرات کے شہر ''کیرا'' میں محمد بن قاسم کی یادگار میں اس کی تصویریں بنائی گئیں۔[2]

محمد بن قاسم کو اپنی گرفتاری کی حالت میں انتقامی کارروائیوں کی پرواہ نہیں تھی، لیکن اُسے نئی حکومت کی غیر دانشمندانہ پالیسی کا افسوس ہوا اور اس نے اپنے ہمعصر شاعر عبداللہ بن عمر العرجی کا[3] یہ شعر مثال کے طور پر پڑھا۔[4]

اضاعونی و ای فتی اضاعوا

لیوم کریھۃ وسداد ثغر

یعنی کہ: مجھے ضائع کیا، اور کیسے جوان مرد کو ضائع کیا کہ (جو جنگ کے) کسی نازک دن اور سرحد کی حفاظت کے لئے (کام آتا)

لیکن سلیمان اور اس کے مشیروں کے جذبۂ انتقام نے نہ ملکی اور قومی مصلحتوں کو پیش نظر

---

1. یعقوبی (356/2) نے غلطی سے معاویہ بن مہلب کے بجائے حبیب بن مہلب لکھا ہے، مگر محمد بن قاسم کے ساتھ اس کے ہوئے برتاؤ کے بارے میں کہتا ہے کہ ''فحبہ المسوح وحبہ'' بلاذری (فتوح البلدان ص440) نے صحیح طور پر معاویہ بن مہلب کا نام لکھا ہے۔
2. بلاذری فتوح البلدان ص440
3. تصدیق آغا جانی جلد 15 میں ص20، حریری درۃ الغواص ص67 اور خفاجی، شرح درۃ الغواص (آخر کے دو حوالے بشکریہ استاد عبدالعزیز المیمنی سابق پروفیسر و صدر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)
4. بلاذری فتوح البلدان ص440 اور ابن الاثیر 260/4 ان دونوں کتب میں شاعر کا نام نہیں دیا گیا۔

رکھا اور نہ جواں مردوں کی قدر کی۔ چنانچہ افریقہ کا فاتح موسیٰ بن نصیر، چین کا فاتح قتیبہ بن مسلم اور سندھ و ہند کا فاتح محمد بن قاسم، تینوں نئے حکمرانوں کے شدید تعصب اور انتقام کا شکار ہوئے۔

معاویہ بن مہلب نے اپنے قیدی محمد بن قاسم کو لے جا کر عراق کے مرکزی شہر واسط میں عراق کے افسر مال صالح بن عبدالرحمٰن کے سامنے پیش کیا، کیونکہ آل ابی عقیل کے لوگوں کو قید میں تڑپا تڑپا کر ہلاک کرنے کا کام اسی کے سپرد تھا۔ صالح نے ان قیدیوں کو عذاب دینے کے لئے ایک خاص افسر مامور کیا تھا اور چونکہ عراق کے نئے وائسرائے یزید بن مہلب کو حجاج کے خاندان سے اس کے مظالم کا خاص طور پر بدلہ لینا تھا، اس لئے شاید اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صالح نے ان قیدیوں کو عذاب دینے کے لئے اس کے بھائی عبدالملک بن مہلب کو مقرر کیا۔[1] لیکن یہ قید و بند اور عذاب محمد بن قاسم جیسے جواں مرد کی ہمت اور حوصلے پست نہ کر سکے اور اس بے بسی کی حالت میں بھی اس نے یہ اشعار کہے:

فلئن ثویت بواسط بارضها

رهن الحديد مكبلا مغلولا

فلرب فتية فارس قد رعتها

ولرب قرن قد تركت قتيلا [2]

یعنی: ہر چند کہ (اس وقت میں) شہر اور سرزمین واسط میں آہنی زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں، لیکن (ایسا بھی وقت تھا کہ) میں نے ایران کے کتنے ہی شہسوار زیر کئے ہیں اور کتنے ہی اپنے جیسے پہلوانوں کو مردانہ وار پچھاڑا ہے۔

چونکہ صالح کو محمد بن قاسم اور دوسروں کو سخت عذاب دے کر تڑپا تڑپا کر ہلاک ہی کرنا تھا، اسی وجہ سے واسط کے اسی ہیبتناک قیدخانے میں محمد بن قاسم اپنے حوصلوں کو قائم رکھتا ہوا صبر و شکر کے ساتھ جاں بحق ہوا۔ قرائن سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ المناک حادثہ 96ھ/715ء کے نصف میں وقوع پذیر ہوا۔ بہرحال محمد بن قاسم کا یہ دردناک انجام مرکزی سیاست کی تبدیلی اور نئے حکمرانوں کے جذبۂ انتقام کی وجہ سے ہوا، جس کا داہر کی بیٹیوں کے من گھڑت افسانے سے کوئی تعلق نہیں۔ (ن-ب)

245/[247] ملخص کتاب: منہاج الدین.......... عین الملک: متن ص 357 کے حاشیہ 1- میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ عنوان ہے اور نسخہ (ن) میں بھی یہ پورا فقرہ عنوان کے طور پر

---

1 طبری: 1283/2، ابن خلدون: 68/3 اور ابن خلکان عربی متن 271/2 اور انگریزی ترجمہ IV/183

2 بلاذری، فتوح البلدان ص 441، ابن الاثیر: 282/4۔

دیا گیا ہے۔ لیکن فارسی ایڈیشن میں ص[247] پر اس پورے فقرے کے بجائے صرف "مخلص کتاب" کی مختصر عبارت کو عنوان کے طور پر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے نیچے کی عبارت میں الجھاؤ پیدا ہوگیا ہے اور اسی لئے فاضل ایڈیٹر نے اس پورے بیان کو "مضطرب اور مخرب" قرار دیا ہے۔

دوسرے اس عنوان کے تحت فارسی مترجم علی کوفی نے اپنے اس فارسی ترجمے کے لئے جو نام لقب کے طور پر منتخب کیا ہے، اس کا ذکر کیا گیا ہے اور جو اصل کتاب عربی میں تھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کا فارسی زبان کی رنگین عبارت میں ترجمہ کرنے کی ضرورت بیان کی ہے۔ اس لئے اس عنوان سے مراد ہے "مخلص کتاب فلاں"۔ چنانچہ اسی وجہ سے "منہاج الدین والملک، الحضرۃ الصدر الاجل العالم عین الملک" باوجود طوالت کے مترجم کی طرف سے اس فارسی ترجمہ کا منتخب کردہ لقب ہے۔ فارسی متن کے فاضل ایڈیٹر نے اس لقب کے آخری حصے یعنی "الحضرۃ الصدر الاجل العالم عین الملک" کو نیچے کی عبارت میں زائد سمجھ کر متن سے خارج کردیا ہے، حالانکہ سارے نسخوں میں یہ لقب موجود ہے۔

کتاب کے جملہ قلمی نسخوں میں اس عنوان والے فقرہ کا پہلا لفظ "منہاج الدین" کے بجائے "سماء الدین" ہے اور اسی وجہ سے فارسی ایڈیشن میں بھی "سماء الدین" درج کیا گیا ہے۔ لیکن اس عنوان کے نیچے جو عبارت ہے اس میں جملہ قلمی نسخوں کے مطابق شروع کا لفظ "منہاج الدین" ہی دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے اسی صاف عبارت کی بنا پر عنوان میں بھی "سماء الدین" کی جگہ پر "منہاج الدین" کو ترجیح دے کر درج کیا ہے۔ برٹش میوزیم کے قلمی نسخوں میں "منہاج الدین" اور "منہاج الدین والملک" کی عبارتوں کی بنیاد پر ریو (Rieu) نے اس کتاب کے یہی نام تسلیم کئے ہیں۔ (دیکھئے فہرست ریو، جلد3 ص949 - No. 435)

اس عنوان کا دوسرا لفظ کتاب کے جملہ قلمی نسخوں کے مطابق، جوکہ فارسی متن کے فاضل ایڈیٹر کے زیر مطالعہ تھے "عین الملک" کی بجائے "علاء الملک" ہے (دیکھئے فارسی ایڈیشن ص247، حاشیہ 15) لیکن فاضل ایڈیٹر نے "علاء الملک" کی بجائے "عین الملک" کو قرین قیاس سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ نسخہ (ن) میں واضح طور پر لفظ "عین الملک" ہی ہے اور اسی وجہ سے ہم نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ کافی وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ "عین الملک" صحیح اور اصل لفظ ہے، کیونکہ کتاب کی ابتدا میں ص55-56 [11-12] پر مترجم علی کوفی نے اپنے اس ترجمے کو اپنے مربیوں مرحوم وزیر شرف الملک رضی الدین ابوبکر بن محمد الاشعری اور اس کے حیات فرزند وزیر عین الملک فخر الدین حسین بن ابی بکر الاشعری سے منسوب کیا ہے۔ کتاب مکمل کرنے کے

بعد اسے پھر کوئی خیال آیا، چنانچہ اپنے اس ترجمے کو اس نے اپنے زندہ مربی وزیر عین الملک کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اس کے نام پر "منہاج الدین والملک، الحضرۃ الصدر الاجل العالم عین الملک" کا لقب دیا۔

یہاں یہ نکتہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ "منہاج الدین.......... عین الملک" کتاب کا لقب ہے نام نہیں۔ اس بارے میں خود مترجم نے اصل فارسی متن ص 247 میں "ملقب است" کے الفاظ استعمال کئے ہیں "مسمیٰ است" نہیں۔" دوسرے اس لقب میں مترجم کے مربی وزیر عین الملک کا خطاب استعمال ہوا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لقب خود مترجم نے اپنے کئے ہوئے فارسی ترجمے کے لئے ایجاد کیا ہے اور یہ اس کتاب کا اصل لقب نہیں ہے۔

مترجم کی جانب سے اپنے ترجمہ کے لئے اتنا طویل لقب اختیار کرنا جو کہ "منہاج الدین والملک" جیسے دقیق لفظوں سے شروع ہوتا ہے البتہ تعجب خیز ہے۔ لیکن اس سے پہلے ص 248 پر تشریحات وتوضیحات 54/[9] میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے کہ مترجم کے زمانے میں ایسے القاب کا کہ جن کے آخر میں "دین" ہے کافی رواج تھا، اسی وجہ سے اپنی طرف سے مترجم نے ہر جگہ ایسے اقسام کے القاب استعمال کئے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے لئے "عماد الدین" اور "کریم الدین" کے القاب اختراع کئے حالانکہ محمد بن قاسم کی کنیت "ابوالہبار" تھی جس سے مترجم ناواقف تھا۔ اسی طرح ص [12] پر مترجم نے رسول اکرم ﷺ کے صحابی حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کے لئے بھی "کریم الدین" کا لقب استعمال کیا ہے۔ ص [235] پر محمد بن قاسم کی جانب سے مقرر کئے ہوئے قاضی موسیٰ بن یعقوب کے لئے بھی "برہان الملت والدین" کا لقب اختیار کیا ہے اور ص [9] پر قاضی کی اولادوں میں سے قاضی اسماعیل کے لئے "کمال الملۃ والدین" کا لقب استعمال کیا ہے۔ القاب استعمال کرنے کے اسی شوق وشغف کے تحت مترجم علی کوفی نے اپنے اس فارسی ترجمے کے لئے بھی "منہاج الدین والملک الحضرۃ الصدر الاجل العالم عین الملک" جیسا طویل لقب ایجاد کیا۔ جس میں عام مروجہ القاب کی خوبی اور اس کے مربی وزیر عین الملک کی خوشنودی دونوں کا امتزاج تھا۔ (ن-ب)

تشریحات و توضیحات-2

''تشریحات و توضیحات'' میں سے مندرجہ ذیل دو عبارتیں ترجمہ سے رہ گئی تھیں، جن کو بالترتیب ص249 اور ص309 سے ملا کر پڑھیں۔

صفحہ 249

54/[9] اسمٰعیل بن علی .... بن شیبان الثقفی: صرف نسخۂ پ کے مطابق ''یعقوب بن طائی بن محمد بن موسیٰ بن شیبان'' ہوگا، مگر دوسرے جملہ نسخوں میں ''یعقوبؑ بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شیبان'' ہے۔ ہم نے پ کی روایت کو ترجیح دی ہے، کیونکہ ص[235] پر بھی پ اور دوسرے جملہ نسخوں کی متفقہ عبارت ''یعقوب بن طائی بن محمد بن موسیٰ بن شیبان'' ہے۔ قاری ایڈیشن میں پ کی عبارت کو نظر انداز کر کے، باقی نسخوں کی عبارت ''یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شیبان'' اختیار کی گئی ہے، جسے ص[235] پر جملہ نسخوں کی عبارت سے مطابقت نہیں دی جاسکتی۔ (ن-ب)

صفحہ 309

182-183/[174] زیاد بن جلندیٰ ازدی: اصل متن میں ''زیاد بن جلیدی ازدی'' تحریر تھا، مگر ہم نے ''جلیدی'' کی تصحیح ''جلندیٰ'' مناسب سمجھ کر متن میں رکھا ہے مگر ''جلیدی''، ''الحواری'' کی بگڑی ہوئی صورتِ خطی بھی ہوسکتا ہے اور اسی وجہ سے اس نام کو ''زیاد بن الحواری ازدی'' بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ غالباً یہ وہی شخص ''زیاد بن الحواری العتکی'' ہے، جس کا بیان اس کے بعد ص182-183/[187] پر آتا ہے، کیونکہ ''العتکی'' کی نسبت ''بنو العتیک بن الازد'' کی طرف ہے، اور اسی وجہ سے ''عتکی'' نسبت کے شخص کو ''ازدی'' بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہم نے حاشیہ ص182-183/[187] پر واضح کیا ہے کہ یہ شخص ''زیاد'' نہیں، بلکہ اس کا بیٹا ''الحواری بن زیاد'' ہونا چاہئے۔ (ن-ب)

کتابیات

''تشریحات و توضیحات'' اور متن کے حواشی میں جن کتابوں کے حوالے مصحح (ن-ب) کی جانب سے دیے گئے ہیں، ان کے مکمل نام سلسلیوار اس فہرست میں درج ہیں۔ کتاب میں مصنف یا کتاب کا حوالہ جس طرح دیا گیا ہے، اس طرح فہرست میں بھی ان کی ابتدا کی گئی ہے۔ اکثر کتابوں کی ابتدا مصنف کے نام سے کی گئی ہے، مزید شناخت کے لئے، عربی کتاب کے لیے ''ع''، فارسی کتاب کے لیے ''ف'' انگریزی کتاب کے لیے ''گ'' کے مخففات مقرر کیے گئے ہیں۔ انگریزی کتابوں کے نام، فہرست میں ترجمہ کردیے گئے ہیں۔ (ن-ب)

ع1: الاغانی: کتاب الاغانی، قاہرہ 1323ھ

ع2: الامدی: المؤتلف والمختلف، تصحیح 'سالم کرنکوی' (KrenKow)، قاہرہ

ع3: الاخبار الطوال، مطبع بریل، لیڈن (ہالنڈ) 1888ء۔

ع4: ابن الاثیر: کتاب الکامل فی التاریخ، مطبع بولاق۔

ف5: ابن حامد کرمانی: تاریخ کرمان ''عقد العلی للموقف الاعلیٰ'' طہران، 1311 شمسی

ع6: ابن حجر عسقلانی: کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ، تین جلدیں، قاہرہ 1328ھ۔

ع7: ابن حزم: جمہرۃ انساب العرب، قاہرہ 1948ء

ع8: ابن حوقل: کتاب المسالک والممالک، مطبع بریل، لیڈن، 1872ء۔

ع9: ابن خرداذبہ: کتاب المسالک والممالک، لیڈن۔

ع10: ابن خلدون: تاریخ- کتاب العبر - الخ، قاہرہ 1284ھ

ع11: ابن خلکان: (۱) وفیات الاعیان، عربی متن، المطبعۃ المیمنیہ، قاہرہ 1310ھ (۲) انگریزی ترجمہ د-سلین (De Slane)، پیرس-لنڈن 71-1843ء

ع12: ابن درید: کتاب الاشتقاق، غوٹنجن، جرمنی 1854ء۔

ع13: ابن رستہ: کتاب الاعلاق النفیسہ، لیڈن 1904ء۔

ع14: ابن عبد ربہ: العقد الفرید، قاہرہ 1302ھ

ع15: ابن عساکر: التاریخ الکبیر، دمشق 1332ھ۔

ع16: ابن قتیبہ: طبقات الشعر والشعراء، لنڈن، 1904ء۔

ع17: ابن قتیبہ: عیون الاخبار، دار الکتب، قاہرہ 1925ء۔

ع18: ابن قتیبہ: کتاب المعارف، غوتنجن، 1850ء۔

ع19: ابن الوردی: خریدۃ العجائب، قاہرہ 1285ھ۔

ع20: ابو حیان التوحیدی: کتاب الامتاع والموانسہ، قاہرہ، 1942ء۔

ع21: ابو زید: کتاب النوادر، طبع بیروت

ع22: ابو علی القالی: (۱) کتاب الامالی اور (۲) ذیل الامالی، طبع دار الکتب، قاہرہ۔

گ23: اسلامک کلچر (مخزن)، حیدرآباد دکن: مقالات نبی بخش خان بلوچ

1- ''ہندوستان پر عرب حملوں کے سنہ تاریخ'' ماہ جولاء 1946ء۔

2- ''دیبل کا ممکن محل وقوع'' ماہ جولاء 1952ء۔

3- ''محمد بن قاسم کا خاندان اور شخصیت کا مطالعہ'' ماہ اکتوبر 1953ء۔

ع24: الاصطخری: کتاب مسالک والممالک، لیڈن 1870ء۔

گ25: امپیریل گزیٹیر آف انڈیا، جلد 14 لنڈن 1908ء۔

گ26: ایلیٹ اور ڈاوسن: ہند کی تاریخ، مقامی مورخوں کی زبانی، جلد اول، لنڈن 1867ء۔

ع27: بخاری: التاریخ الکبیر، حیدرآباد دکن 1361ھ/1942ء۔

ع28: البدء والتاریخ، تصنیف ابو زید البلخی، پیرس 1907ء۔

ع29: بلاذری، احمد بن یحییٰ: انساب الاشراف (۱) جلد 4-5، طبع یروشلم (۲) جلد 11 عکس، طبع یورپ۔

ع30: بلاذری: فتوح البلدان (۱) طبع لیڈن، 1866ء (۲) طبع قاہرہ، 1350ھ/1932ء۔

ع31: بیرونی: کتاب الہند (۱) عربی متن تصحیح سخاؤ، (۲) انگریزی ترجمہ سخاؤ، لنڈن 1888ء۔

ع32: بیرونی: کتاب الجماہر فی معرفۃ الجواہر، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، 1355ھ۔

گ33: پوسٹنس، کیپٹن: سندھ کے متعلق ذاتی رائے، لنڈن 1943ء۔

ع34: تاج العروس، مشہور عربی لغت، طبع قاہرہ۔

ف35: تاریخ بیہق، تصنیف بیہقی معروف بابن فندق، طہران 1317 شمسی۔

ف36: تاریخ گزیدہ، حمد اللہ مستوفی، گب میموریل، لنڈن۔

ف37: تاریخ نامہ ہرات، تالیف ہروی، کلکتہ 1943ء۔

ع38: تقی الدین حموی: ثمرات الاوراق فیما طاب من نوادر الادب وراق، قاہرہ 1302ھ۔
ف39: تحفۃ الکرام، جلد 3، مطبع ناصری، دہلی۔
ع40: جاحظ: رسالۃ فی بنی امیۃ (مطبوعۃ فی آخر "کتاب النزاع والتخاصم" ل للمقریزی)، قاہرہ۔
ع41: جاحظ: کتاب البیان والتبیین، قاہرہ 1926/1345ء
ع42: جاحظ: کتاب الحیوان، قاہرہ 1324ھ/1906ء۔
ع43: الجہشیاری: کتاب الوزراء والکتاب، قاہرہ 1938ء
ع44: جوالیقی: کتاب المعرب من الکلام الاعجمی علی حروف المعجم، لیپزگ، 1867ء۔
ع45: حافظ عبدالحق: کتاب مشتبہ النسبۃ، اللہ آباد 1327ھ۔
ف46: حدود العالم من المشرق الی المغرب، طہران 1352 شمسی۔
ع47: حریری: درۃ الغواص، مطبع الجوائب، استنبول 1299ھ۔
ع48: حمزہ اصفہانی: سنی ملوک الارض والانبیاء، کاویانی پریس، برلن۔
ع49: خطیب تبریزی: کتاب تہذیب الالفاظ، بیروت 1895ء
ع50: الخفاجی: شرح درۃ الغواص، مطبع الجوائب، استنبول 1299ھ۔
ع51: الخفاجی: شفاء الغلیل فیما فی کلام العرب من الدخیل، قاہرہ 1282ھ۔
ع52: الدمیری: حیاۃ الحیوان، قاہرہ 1319ھ۔
ع53: دیوان رؤبۃ بن العجاج، برلن 1903ء۔
ع54: دیوان عامر بن طفیل، گب میموریل، لنڈن۔
ع55: دیوان فرزدق، (1) طبع پیرس، 1870ء (2) طبع قاہرہ، 1354ھ/1936ء (3) طبع میونخ 1900ء۔
گ56: ڈان اخبار، کراچی، مؤرخہ 29 اپریل 1951ء۔
گ57: راورٹی: سندھ کا مہران اور اس کی نہریں، جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ 1882ء۔
گ58: رے: شمال مغرب ہندوستان کی سلسلہ وار تاریخ، کلکتہ 1936ء۔
ع59: سمعانی: کتاب الانساب، گب میموریل، لنڈن۔
ع60: سمط اللآلی، صنع عبدالعزیز المیمنی، قاہرہ 1354ھ/1936ء۔
ع61: سیوطی جلال الدین: تاریخ الخلفاء، مطبع منیریہ، قاہرہ 1351ھ۔

گ62: سیوطی جلال الدین: کشف الصلصلۃ عن وصف الزلزلۃ، انگریزی ترجمہ، اے۔ سپرنگر، جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال 1843ء۔
ع63: شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، تالیف ابن عماد الحنبلی، قاہرہ 1350 / 1931ء۔
ع64: طبری، ابو جعفر محمد بن جریر: تاریخ الرسل والملوک، مطبع بریل، لیڈن۔
ع65: طبری، ابو جعفر محمد بن جریر: ذیل المذیل من تاریخ الصحابۃ والتابعین، تاریخ طبری جلد 2 کے آخر میں چھپا ہوا، لیڈن۔
ع66: العسکری: دیوان المعانی، قاہرہ 1352ھ۔
ع67: عماد الدین: عیون الاخبار (قلمی)
ع68: عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، تالیف احمد بن علی الداؤدی، بمبئی 1318ھ
ع69: العیون والحدائق فی اخبار الحقائق، لیڈن 1865ء۔
گ70: فرشتہ: تواریخ فرشتہ، انگریزی ترجمہ، برگس۔
ع71: قدامۃ بن جعفر: کتاب الخراج، مطبع بریل، لیڈن۔
ع72: قلادۃ النحر فی وفیات اعیان الدہر (قلمی نسخہ کتبخانہ پیر جھنڈو)
ع73: قلقشندی: صبح الاعشیٰ، مطبعہ امیریہ، قاہرہ۔
ع74: الکتبی: فوات الوفیات، قاہرہ 1283 / 1299ھ۔
گ75: کزنس ہینری: سندھ کے آثار قدیمہ، کلکتہ 1929ء۔
گ76: کننگھام: ہندوستان کا قدیم جغرافیہ، کلکتہ 1924ء۔
گ77: لانگھورتھ ڈیمس: بلوچ قوم، رائل ایشیاٹک سوسائٹی، لنڈن 1934ء۔
ع78: اللسان: لسان العرب، مشہور عربی لغت، طبع قاہرہ۔
ع79: المبرد: الکامل فی الادب، لیزگ 1964ء۔
ف80: مجمل التواریخ والقصص، طہران 1318 شمسی۔
ع81: المحاسن والمساوی، تصنیف البیہقی، قاہرہ 1325 / 1906ء۔
ع82: محاضرات راغب اصفہانی، قاہرہ 1282ھ۔
ف83: محب اللہ بکھری: تاریخ سندھ (قلمی نسخہ مولانا محمد ابراہیم کرھی یاسینی)
ع84: محمد بن حبیب: کتاب المحبر، حیدرآباد دکن۔
ع85: مرزبانی: معجم الشعراء، تصحیح سالم کرنکوی، قاہرہ 1354ھ۔

ع86: المسعودی: التنبیہ والاشراف، لیڈن 1894ء۔

ع87: المسعودی: مروج الذہب، پیرس ایڈیشن۔

ف88: معصومی: تاریخ معصومی، تالیف میر محمد معصوم، تصحیح شمس العلماء ع۔م۔ داؤد پوٹہ، بمبئی 1938ء۔

ع89: مقدسی: احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، لیڈن 1877ء۔

ع90: مقدسی، محمد بن طاہر: جمع بین رجال الصحیحین، حیدرآباد دکن 1323ھ

گ91: مقدمہ جوامع الحکایات، ڈاکٹر نظام الدین، لنڈن 1939ء۔

ع92: منقری، نصر بن مزاحم: کتاب الصفین، طہران۔

گ93: مونیر۔ ولیم: سنسکرت۔ انگلش ڈکشنری، آکسفورڈ 1899ء۔

ع94: نقائض جریر والفرزدق، لیڈن 12-1908ء۔

ع95: النویری: نہایۃ الارب، دارالکتب، قاہرہ۔

ع96: ہمدانی، ابن الفقیہ: کتاب البلدان، لیڈن 1885ء۔

گ97: ہوڈی والا: ہندی۔ مسلم تاریخ متعلق مطالعات، بمبئی 1939ء۔

گ98: ہیک، میجر جنرل: سندھو کے دوآبہ والا علاقہ، لنڈن، 1894ء۔

ع99: الیعقوبی: تواریخ ابن الواضح الیعقوبی، لیڈن 1883ء۔

ع100: یاقوت: کتاب المشترک وضعا والمفترق صقعا، گوٹنجن، 1845ء۔

ع101: یاقوت: معجم البلدان، ایڈٹ ووسٹنفیلڈ، لیزگ۔

فہرست رجال

[الف]

[پ]

[ت]

[ک]

[گ]

[ل]

[م]

[ن]

[ھ]

فہرست اماکن واقوام

''چچ نامہ تاریخِ سندھ کی اولین کتاب ہے۔ عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔ عام تاثر یہ ہے کہ اس کا فارسی ترجمہ
غالباً ۶۱۳ھ میں ہوا ہوگا۔ لیکن اصل عربی کتاب کا نہ تو اب کوئی نسخہ موجود ہے اور نہ ہی مصنف کا نام معلوم ہے۔
کتاب کے فارسی مترجم علی کوفی تھے جو دیگر علماء کی طرح منگولوں کے حملے کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ کر امن کی
تلاش میں ہندوستان آئے تھے۔ اُچ شریف میں سکونت پذیر ہوئے...... چچ نامہ کا فارسی مترجم علی کوفی جب
ہجرت کر کے ہندوستان آیا تو سندھ کی ہفت اقلیم سلطنت کا حاکم ناصر الدین قباچہ تھا، جو ملتان میں رہتا تھا۔ اس
نے علی کوفی کی سرپرستی کی۔ قباچہ کی حکومت کا دور ۶۰۲ھ سے ۶۲۵ھ تھا۔ علی کوفی کے فارسی ترجمے سے ہی آگے
چل کر چچ نامہ کے سندھی، اردو اور انگریزی تراجم ہوئے۔

''چچ نامہ'' کی صحت اور سند کا انحصار گویا علی کوفی کے فارسی ترجمہ پر ہی ہے...... اس سلسلے میں علی کوفی کا
اپنا بیان ہے کہ:

''محمد بن قاسم کی فتح سے ہند اور سندھ میں طلوعِ اسلام ہوا۔ ساحلِ سمندر سے لے کر کشمیر
اور قنوج تک مساجد اور منبر تعمیر ہوئے۔ دار الخلافہ اروڑ کا راجہ داہر قتل ہوا۔ محمد بن قاسم کی حکومت
قائم ہوئی۔ میں نے سوچا 'فتح سندھ کی تاریخ' مرتب کروں۔ ملک میں رہنے والے لوگوں کا
مزاج اور ذہنی کیفیت وغیرہ معلوم کروں۔ اس مقصد کی خاطر معلومات کتب حاصل کرنے کی
غرض سے میں نے اُچ شریف سے اروڑ تک بکھر کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کی ائمہ عربوں کی نسل
سے تھی۔ مولانا اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن شیبان بن عثمان ثقفی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں
نے بتایا کہ 'سندھ کی فتح کی تاریخ ان کے آباؤ اجداد کی تحریر کردہ عربی زبان میں کتاب کی شکل
میں موجود ہے، جو ان کے خاندان میں پشت بہ پشت ورثے میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔''

...... علی کوفی کا ''چچ نامہ'' کا عربی نسخہ قباچہ کے دورِ حکومت (۶۰۲ھ سے ۶۲۵ھ) میں دستیاب ہوا۔ یہ نسخہ
اس کو بکھر کے قاضی خاندان سے ملا جو محمد بن قاسم کے زمانے سے قضا کے اہم عہدے پر فائز تھا۔ پرہیزگار تھا،
اہلِ علم تھا۔ اس کی علمی دیانتداری مسلمہ تھی۔ ''چچ نامہ'' اسی متبرک خاندان میں عربی میں لکھی ہوئی کتاب کی
صورت میں محفوظ تھا اور پشت بہ پشت منتقل ہوتا رہا۔ چچ نامہ کا مصنف قاضی محمد اسمٰعیل رحمتہ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد
میں سے تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں ''چچ نامہ'' کی صحت اور سند میں شک اور شبے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

غلام ربانی آگرو